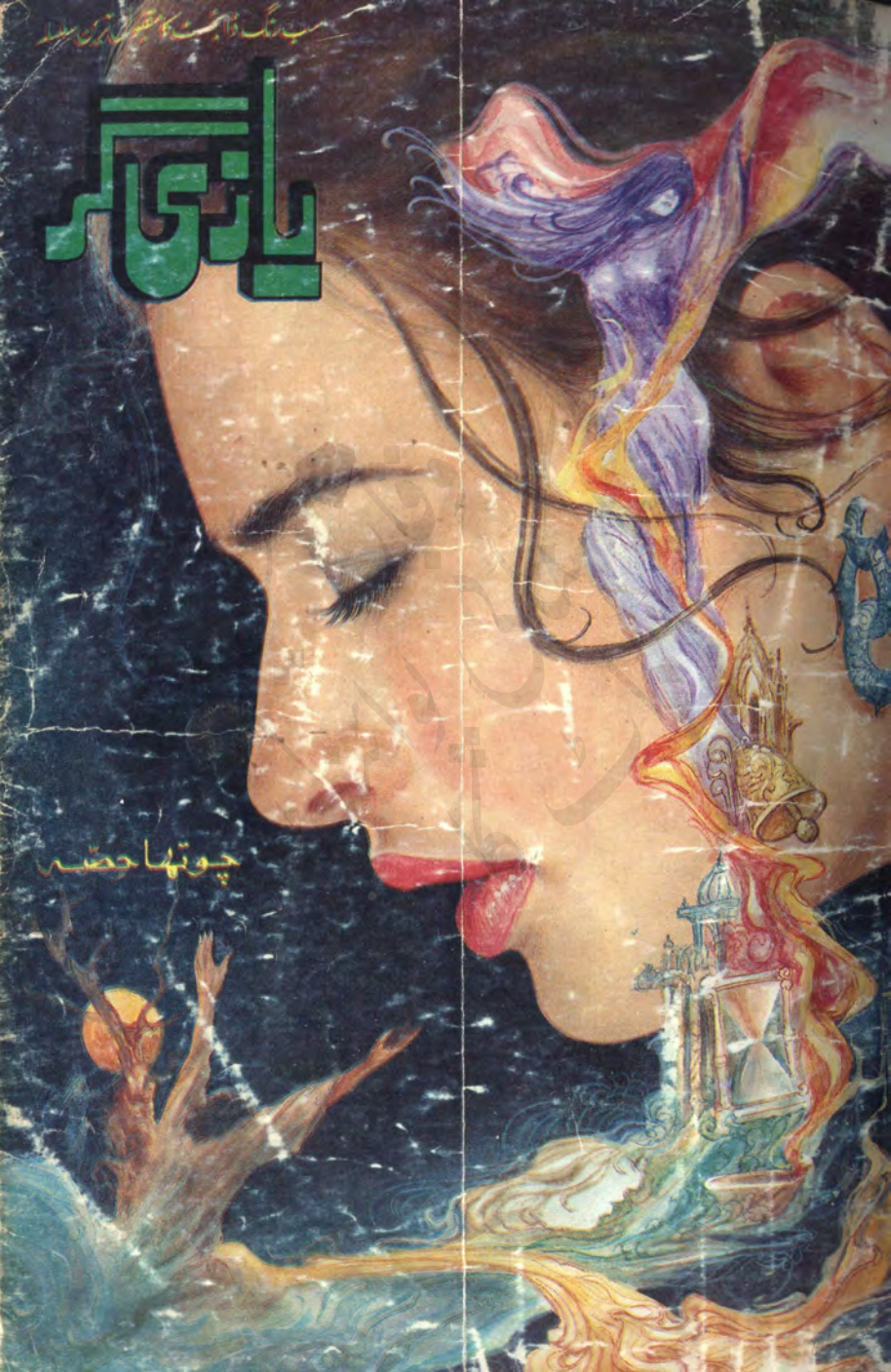


سب رنگ آوازه‌ها را بشنوی که درین عالم

یادگار

چو تنها حصیر







پیر و ان سے کھ کھنا چاہتا تھا۔ مینر علی تیزی سے بولے۔
 ”خدا! میں اس کا اجر ضرور لے گا۔ یہ خدا اور رسول کا واسطہ
 رہے ہیں۔ شاید ہمارا یہی سلوک ان کے قلوب بدلنے کا سبب
 بن جائے۔“ مینر علی جانے کیا کیا کہتے رہے۔
 پیر و کے شانے جھک گئے۔ اُس کی شدہ بار آنکھیں بھی
 جیسے بھر گئیں۔ چند لمحوں کے ساتھ کھڑا ہوا، پھر اُسے قدموں پر پیچھے
 ہٹ گیا اور کمرے سے نکل گیا۔
 بہر راہ داری میں روشنیاں دھندلنے لگی تھیں صبح کا آدھا



نکوئی اشارہ کیا تھا، نہ صدائیں بلند کی تھیں۔ یقیناً وہ اُنھیں بھول تو
 نہیں گئے ہوں گے۔ اُن کا رُخ سیدھا صدر دروازے کی طرف تھا اور
 ہم بھی اُن کے پیچھے پہنچے تھے۔ لیکن ہم والوں کے
 چہرے سے آگے نہیں گئے۔ میں نے اسی اُٹھائیں دو بندوں پر دار
 آدمیوں کو صدر دروازے کے بائیں طرف پھیلے ہوئے سبزہ زار میں

درختوں کی اوٹ سے نکلے دیکھا تھا مگر روشنی اتنی نہیں تھی کہ وہ ہمیں مٹا
 نظر آسکتے سمارت سے بھاگنے والوں نے چہرے سے صدر دروازے
 کا فاصلہ آٹھ فٹانے کیا تھا اور آخر میں صرف ایک بائیں مڑ کے
 دیکھا تھا۔ آئی دیر بھی اُنھیں اپنے زنجی ساتھیوں کی وجہ سے لگی اُن
 میں سے دوسرا نہ کے بغیر نہیں چل سکتے تھے۔ کچھ دیر پہلے پیر و نے



جس شخص پر ضربیں لگائی تھیں، اس کی حالت بھی بہت اتر جاتی تھی۔
دردناکے قریب پہنچے کہ وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے
اور سناٹے میں محو نمک ان کے جھانکی چاچوں کی گونج سنائی
دی رہی۔ شاموں کرے میں ان کے نکلنے سے پہلے آبا جان سے
اجازت مانگتی تھی کہ انھیں کس شانی کے بغیر نہیں جانے دینا چاہیے
مگر وادار ماری نے بھی اشارہ آبا جان سے یہی اصرار کیا تھا۔ ان کی
مراد یہی کہ کم از کم ان سب کی مالک چاقو سے کاٹ دی جائے۔ یہ سن
کے آبا جان خاموش رہے، ان کے چاقو جیبوں سے نہ نکلے البتہ کرے
سے سرخز اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھ اس وقت جو بھی ماری اور
شامو کے سامنے آئے، انھوں نے ٹھوکروں اور لالتوں سے بے
دریغ بھکایا۔ بند تھیں انھیں واپس کی جا چکی تھیں۔ کرے میں پڑی
ہوئی تھی کوئی یزید شاہو کے ہاتھ لگ گئی تھی۔ اس نے اچھل اچھل کے
اُسی سے ان کی کمر اور کھوں کو نشانہ بنایا۔ زور سے آتی تیزی سے
ایک آدمی کے سر سے اپنا سر لگایا تھا کہ خواہ اس کے سر میں بھی گودھا
پڑ گیا ہو گا۔ کسی نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ کرے سے نکل کے وہ بس
بلے تھامنا بھاگتے رہے۔ ان کی اس حواس باغی کا ایک سبب یہ بھی تھا
کہ صبح ہونے والی تھی۔ ہانے بیٹے بھی یہی بہتر تھا کہ وہ اندھیرے ہی میں
یہاں سے نکل جائیں اور جتنی دیر چاہتے ہوں، چلے جائیں۔

کچھ دیر پہلے ملکی ملکی چھوڑ پڑی تھی، جھلاسا۔ دن راتوں کے پتے
اور نرہ جھانکی ہوئی بادل کی ٹھنڈیاں پلک جھپکنے میں غائب ہو چکی تھیں
ان کے جانے ہی چوتھے اور نرہ سے بدھوب اتر آئی تھی، مگرمی
چمکیلی دھوپ لیکن ایسی تیز نہیں تھی جیسا کہ آدکی دھوپ ویسے بھی
نرم ہوتی ہے۔ اس وقت دس بجے ہوں گے۔ یہی نرہ زار پر آکے بیٹھ
گئے تھے۔ آبا جان کے آجانے سے ان کی کمی بھی پوری ہو گئی۔ کانٹے
بھی وہاں موجود تھا۔ اس کے ماتھے اور ہاتھ پر مٹیاں بندھی ہوئی تھیں
آبا جان کے چہرے پر بھی جگہ جگہ بلدی کے دھبے پڑے تھے۔ ان کا
ساراری چڑھو سا ہوا تھا۔ ادھڑے ادھڑے سے ہونٹ کٹے پٹے گال،
کسی تکلیف کے آثار نہ دیکھنا پر نظر نہیں آ رہے تھے لیکن انھیں اپنی تکلیفیں
چھپانے کا خوب کھدکھک تھا۔ چمیل آرام کسی پر پاؤں پھیلائے بیٹھا تھے
کی منال چوس رہا تھا۔ سب دھڑلے اچلے اچلے لگ رہے تھے۔
گو سبھی کی آنکھیں دھجھکی تھیں اور ہم بھاری بھاری، ان لوگوں کے
جانے کے بعد کوئی بھی ایک لمحے نہیں سوچتا تھا۔ چمیل کے کٹے ہونٹ وقت
سبھی اپنے اپنے کمر میں چلے گئے تھے لیکن یزید کی کوئی نہیں آتی صبح

ہونے میں وقت بھی کتنا رہ گیا تھا۔ جیسے ہی دن نکلا سب ہندھو کے
باہر آ گئے۔ چمیل اور پیر والا ان میں کرسی بچانے وہاں پہلے سے بیٹھ
تھے۔ انھیں یوں قریب بیٹھے دیکھ کے اب شاید کوئی تیرت نہ ہوتی
ہو۔ علی الصباح ان لوگوں کو صدمہ دلاؤ اسے جاتا دیکھ کے ہم اندر
آئے تھے تو پیر والا در داخل ہوتے ہی چمیل کے گلے سے لگ گیا تھا
اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اس وقت شامیہ تک نہیں
ہوا تھا۔ غالباً کسی کو بھی گمان نہ ہو گا کہ یہ سب کچھ عداوت اور چمیل کے
اشارے پر تھا۔ اسی طرح ان پر یہ تاثر قائم کیا جاسکتا تھا کہ انھیں چوڑ
دینے کا فیصلہ کسی سوچے سمجھے ارادے سے نہیں بلکہ حادثاتی ہے۔ ان
کی قسمت اچھی تھی کہ ہانے در میان دو بزرگ موجود تھے۔ انھیں اچھی
طرح بتا دیا گیا تھا کہ ان کی سزائیں کتنی سنگین اور شدید ہو سکتی ہیں
ہانے مابین اختلاف کے بعد ہی ان پر ایسا کوئی تاثر قائم ہو سکتا تھا
آبا جان اور میر علی کا فیصلہ کن کے انھیں خود تھا کہ انھیں دوسری لمحے
ہم میں سے کسی کے سر میں کچھ سا نہ جائے۔ کوئی بھی سرکشی پر آمادہ ہو سکتا
ہے بزرگوں کی پاس وادی بھی ایک حد تک ہوتی ہے۔ اسی لیے دلہی
کے وقت انھیں ایسی وحشت تھی۔ انھیں پر خیال نہ ہوا جو گاگہ ہانے
پاس انھیں پیل چھوڑ دینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ ہم نے تو ایک طرح سے
ان کی حفاظت کی تھی کہ وہ اپنے پردوں پر واپس جائیں اور ان کے
جسم ضرور کے نشانات سے محفوظ رہیں۔ یہ نشانات ہمارے تیر
نہانے اور کسی کسی دیواریں حال کر سکتے تھے۔

جن میں ملازموں کو رات انھوں نے سہیلے پہلے اپنے حصار
میں لیا تھا ان میں سے دو نرہ زار میں مصروف تھے۔ ایک کے سر پر
پتی بندھی ہوئی تھی، دوسرے کی قدر بہتر تھا۔ تیسرے کی حالت کچھ زیادہ
ہی اتر ہوئی وہ وہاں نہیں تھا۔ ان کی آنکھوں میں ابھی تک ہشت
بھیجی ہوئی تھی، آہٹ پر چونک پڑتے تھے تاہم ہماری کرسیوں کے
آگے رکھی ہوئی گول میزوں پر انھوں نے جانے لاکھ دی تھی
اور ناشتے کی قافیں سجادی تھیں غلام دان میں پانی بھی رکھے ہوئے تھے۔
سب سے پس دسی سا ناشتہ کیا اور سل چائے پیٹے بے بیڑ علی وہیں
کچھ دیر دھت کے سامنے میں جانا زار پر چھوٹے آہستہ آہستہ کلام پاک
کی تلاوت کر رہے تھے۔ باقی سب چپ بیٹھے تھے جیسے اپنے آپ سے
بائیں کر رہے ہوں سب بابا بار ایک دوسرے کا ہرہ دیکھتے اور نگاہیں
جھکاتے۔ پیر ولس در میان میں کئی مرتبہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے کی
کوشش کی مگر سب ہوں ہاں کر کے خاموش ہو جاتے۔ وقت گزرنے
کے بعد اب اندازہ ہو رہا تھا کہ گوری ہوئی رات کتنی کالی تھی کسی نے

اتنی طویل رات بھی نہ کاٹی ہوگی، معلوم ہوتا تھا جیسے سورج اپنی سرت
بھول گیا ہے۔ کسی سے ذرا بھی لغزش نہ ہوتی تو ہم اس وقت یہاں اس طرح
نہ بیٹھے ہوتے یقیناً وہ ہم میں سے کسی کو ختم کرنے کے ارادے سے
نہیں آئے تھے لیکن ان کے پاس ہتھیار بھرے ہوئے تھے۔ ان سے
نہیں تو ہتھیاروں سے چوک ہو سکتی تھی۔ ان کے لیے ہم میں سے کسی
ایک کو کم کرنے یا سب کو ختم کرنے سے کوئی فرق نہ پڑتا۔ وہ جس
طرح آئے تھے، اسی طرح دھناتے ہوئے چلے جاتے۔

جمع کی گاڑی کا وقت نکل چکا تھا۔ اب رات ہی کو ہمیں یہی
کے لیے گاڑی مل سکتی تھی۔ یہ پورا دن ہمیں اسی حویلی اور اسی شہر
میں کھانا تھا۔ رات تک اتنی جلد دوبارہ کسی کے آنے کا راستے
میں مزہ نہ ہونے کا امکان بظاہر نہیں تھا۔ انھیں اب جبراً آنا چاہیہ
تھا حویلی کی تلاشی کے لیے رات آنے والے آدمیوں کو چمیل نے خود
گھسیا تھا۔ اور انھوں نے بھی طرح تلاش کی ہوگی۔ سارے کمرے بڑھے
ہوئے تھے۔ انھوں نے کسی کے سر پر ٹوٹ پٹ کے رکھ دی تھی۔
بستر لٹے ہوئے تھے اور آرائش گل دان ٹوٹے ہوئے۔ ادھر کی منزل
پر جس کمرے میں میر علی بیٹھے ہوئے تھے، اس کی متعلق امدادی خول
نے توڑ دی تھی امدادی میں رکے ہوئے بیٹھے اور چینی کے قدیم برتن
کھکھوٹے میں انھوں نے کوئی احتیاط نہیں کی تھی۔ یہ برتن حویلی کے
پرانے مالک کے تھے اور آبا جان کے پاس امانت رکھے ہوئے تھے۔

انھوں نے ہر کوئی چال کی تلاشی کی تھی یہاں تک کہ دیواروں پر لٹھ
تھوڑیوں اور قد آدمیوں کے پیچھے کسی نمکدور دن یا پلاٹے کے متعلق
بھی تسلی کر لی تھی۔ آرائشی ہینڈول، فنچز اور بٹلوں کے سوا گھر میں
دوسری قسم کی چیزیں نہیں تھیں جی نہیں۔ بٹلوں اور صوفیائی دیگر گناہ
ہمارے پاس نہ ہونے کے برابر تھیں۔ ان لوگوں نے اپنے آقا کے پاس
جا کے تلاشی کے ہانے میں بڑھ چڑھ کے بیانات دیے ہوں گے کہ
ہم حویلی کے درو دیوار کھونٹنے کی کسرہ گئی تھی۔ دوبارہ یہاں آنے
کا خیال ان کے لیے کچھ کم حشمت تک نہ ہو گا اس لیے انھیں اپنے
آقا کو ہر طرح ملحق کرنا چاہیے۔ ان کے آقا کو بھی اتنا اندازہ ضرور ہو
گیا ہو گا کہ ہم سے مطلوبہ چیز حاصل کرنا ایسا آسان نہیں۔ ہماری چوٹی
میں ہر دس کی موجودی کے متعلق اگر رائے آتا ہی یقین تھا کہ اس نے
لئے آئی تھی تھے تو اب اس یقین میں درازیں ضرور چڑ گئی ہوں
گی کہ دوسرا کوئی فیصلہ کرتے ہوئے ہر پہلو پر غور کر لینا لازم ہے۔
اپنے آدمیوں کی برائیاں دہلی ہی کو لئے حشمت بھنا جائیے اگر
وہ واپس نہ آتے یا چمیل کے کٹے کے مطابق پولیس بلای جاتی تو

صوت حال بہت کچھ مختلف ہو سکتی تھی۔ وہ یقیناً کوئی صاحب حشمت
شخص ہی ہو گا جس نے اتنا بڑا قدم اٹھانے میں کوئی عار محسوس نہ
کی گروہ کیا بھی شخص ہو یا ریاست میں اپنے نام اور عزت کے سلسلے
میں ایسا بے پروا نہ ہو گا کہ بہت سے ہتھیار بند بھیجے گا یہی مطلب
ہو سکتا ہے کہ وہ ناکامی اور رسوائی کا کوئی خطرہ مول لینا نہیں
چاہتا تھا۔ ہمارے اتحاد اور کچھ اچھی طرح علم ہو گا کہ کسی دن سے اس
کے آدمی حویلی کے باہر ہماری نگرانی کر رہے تھے جبکہ میر انیسال تھا،
حویلی کے کسی ملازم کو ضرور اعتماد میں لیا ہو گا اور ہمارے پاس
جوابی ہتھیاروں کے ہانے میں بھی اطمینان کر لیا ہو گا۔ یہ بھی ہو سکتا
ہے کہ حویلی کے کسی ملازم ہی نے انھیں اندر آنے کا اشارہ کیا ہو کہ
یہ وقت سب مناسب ہے سب اپنے اپنے کمروں میں جا کے سو گئے
ہیں۔ ان تمام باتوں سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حملہ آور بھیجنے والے کو
اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا۔ کوئی عیب نہیں کہ مقصد حاصل کرنے کے
بعد یا کسی غیر متوقع صوت حال سے دوچار ہونے پر اس نے اپنے
آدمیوں کو یہیں کیے ختم کرنے کا حکم دیا ہو۔ وہ چشم دید گواہی مٹانے
کے تمام انتظامات سے ایسے تھے بہر صورت ہم نے اپنے طور پر ان کے
آقا کو کسی اشتقاقی درجہ سے روکنے کے لیے ہر ممکن چہمت کی تھی۔
تلاشی کی حسرت پوری کرنے کے علاوہ چمیل نے ان لوگوں سے ان
کے آقا کا نام پوچھنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔ ہم نے اپنی طرف سے
سامنے جتن کر لیے تھے لیکن کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا تھا۔ ریاست میں
وہ صرف ایک شخص تو نہیں تھا، پتھروں کے لیے جس کی طلب اتنی
شدید تھی اور جی نواب راجا لوگ یہاں کم نہیں ہیں جو آدمیوں پر
پتھروں کو فوقیت دیتے ہوں گے۔ نہ جانے اور کس کس کو ریاست میں
ہماری موجودی کی خبر اور نواب حسرت جنگ کو دیے جانے والے پتھر

لاکھوں قارئین کے دلوں کی دھڑکن

محی الدین نواب

کے ۱۰ سلسلے جعفری کے نام سے کا مجموعہ

ایمان کا خمر

مکملہ نمبر ۱۰

مکتبہ نعتیہ

شاخ ہوجکبہ

قربانی محل سے مل کر بڑا ہوتا سنگوہیں

کی وجہ سے قزاقی ہو۔ کل رات مہاراجا کے ملاوہ اور دو آدمی آئے تھے کسی اور کی آمد آج بھی ممکن ہے۔ بہتر یہ تھا ہوا آج ان کے رات کا تھا کہ صبح ہوتے ہی کیوں نہ ہم بڑے نواب کی حویلی میں منتقل ہو جائیں۔ وہاں سے زیادہ محفوظ طور پر رہنے کے لیے روانہ ہو سکتے ہیں لیکن شاید وہ آج ان کا شہرہ بھول گئے تھے۔ آج ان کو بھی یاد نہیں رہا تھا۔ اسی لیے وہ یوں فراغت سے بیٹھے تھے۔

میرے سر میں طرح طرح کے وہم اُٹھ رہے تھے۔ یہودی تیز آواز پر میں چونک پڑا۔ وہ نواب حشمت جنگ کے ہاں سے تھیں۔ نواب کا تھا کہ نواب کو اب تک آجنا چاہیے تھا۔ اس نے آج ان سے صبح آنے کے لیے کہا تھا، اب کیا رہے ہے ہوں گے۔ مٹا بھی احساں ہو کہ پیر کا مطلب کچھ اور نہیں ہے؟ لیکن ہے، وہ نواب حشمت جنگ کے متعلق آج ان کو کچھ کوئی اشارہ کر رہا ہو کہ اس کی آمد میں یہ تاخیر بھی ہو سکتی ہے۔ میں نے پیر کا لہجہ ٹوٹنے کی کوشش کی مگر اس کے لیے میں ایسی کوئی ضرورت نہیں سمجھتی تھی اور وہ جسے بھی نواب کو دیر ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی ایسی دوسری بات تھی تو نواب کو وقت کا خاص رکھنا چاہیے۔ مجھے بھی اس کی آمد کا انتظار تھا۔ میں اس کی آنکھیں اس کا چہرہ قریب سے دیکھنا چاہتا تھا۔ اگر پیر کا لگانا صبح نکلا تو اس خیال ہی سے میرا دم بھٹکنے لگا تھا، مجھے پھر اس کے سامنے اپنا پیر نہ چھپایا جاسکے گا۔

کانٹے کے شانے بچھنے چاہیے تھے۔ اس کے زخم میں نے نہیں ہوں گے۔ وہ بار بار کرسی پر کھلنے لگتا۔ گناہ کرنے کے باوجود وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ دھوپ ہر طرف پھیل چکی تھی۔ مانی اور شاہو کے اٹھ جانے پر ٹنگ بھی اٹھ گیا۔ میں اور دروازے کی جانب سے دُکے لیے۔ پیر کو نواب حشمت جنگ کا ذکر کیا کہ بڑے ہونے ابھی چند ہی منٹ گئے ہوں گے کہ صدارت سے گاڑی کا شہر سنا دیا اور دروازوں کے درمیان گزرتی ایک سیاہ گاڑی ہماری طرف بڑھتی دکھائی دی۔ سب اپنی اپنی کرسیوں پر سیدھے ہو گئے۔ وہ نواب حشمت جنگ ہی کی گاڑی ہو سکتی تھی۔ ہاں، وہ نواب ہی تھا۔ میری رنگوں میں خون دھڑکنے لگا۔ گاڑی سبزہ زار کے قریب پھیر گئی۔ ڈرائیور کے دروازہ کھولنے سے پہلے نواب جلدی سے بچے اُترا، اس کے چہرے پر تانگی اور شگفتگی تھی جو دوسرے ہی لمحہ معدوم ہو گئی۔ نیچے اترنے کے وہ تیزی سے آگے بڑھا اور آج ان کے پاس آگے ٹھٹک گیا۔

”قبلہ گاڑی ایسا کیا، یہ کیا؟“ اس کی زبان اٹھنے لگی اور اس کی منہ لاتی نظریں اس کے پیر کو زخمیں جس کی کلائی پر پیشانہ بندھی

ہوئی تھیں اور سامنے منہ ہوا، ادھر اڑا ہوا سا تھا۔ زور کے پھر پر بھی ہلنے کے دیتے رہے تھے۔ شاہو کی ہاتھوں کی فرش اور چروکی چھٹی ہوئی جھریں بھی لئے نظر آ رہی تھیں۔ ہم یہ کیا دیکھ رہے ہیں والا جناب؟“ وہ متحش لہجے میں بولا۔

آج ان کے زرد چہرے پر مسکراہٹ اُٹھ گئی۔ نواب کا بازو پکڑنے وہ بھر چرائی آواز میں بولے: ”کوئی خاص بات نہیں ہے۔“

”ہیں؟ نہیں؟“ نواب نے بے چینی سے کہا: ہماری عقل حیران ہے کہ ہم یہ کیسا نظارہ دیکھ رہے ہیں۔“

”آپ تشریف رکھیے، آج ان پر سکون آواز میں بولے۔“

”ذرا سی چوٹ لگ گئی ہے۔“

”یہ ذرا سی چوٹ نہیں معلوم ہوتی جناب والا، اور اور“ وہ کانٹے زوراً اشارہ اور چروکی طرف دیکھتے ہوئے بولا: ”میں تینے کر یہ سب کیا ہے؟“

”پہلے آپ بیٹھے تو سی۔“ آج ان نے کرسیوں کی طرف ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔ اس کے آنے پر بھی کھڑے ہو گئے تھے۔ آج ان کو خیال آیا اور انھوں نے لئے اندر رشتہ کا میں چلنے کے لیے کہا گردہ وہیں پھیر گیا۔ اس کے ہاتھ پر شکنوں کا چال پڑ گیا تھا اور وہ بہت مضطرب نظر آ رہا تھا۔

”میں کچھ دیر ہو گئی۔ چلتے ہوئے ایک نہایت غمزدی سرکاری کا پیش

آگیا۔ وہ نمٹا کہ کم سیدھے میں پینے ہیں مگر یہاں..... یہاں تو وہ بے ترتیب لہجے میں بولا: ”ازراہ کرم ہماری تشفی کیجیے۔ یہ کس قسم کا حادثہ تھا؟“

مجھے حیرت تھی کہ آج ان حادثے کی نوعیت کیا بتاتے ہیں نواب کی طرف سر اٹھانے انھوں نے گہری سانس لی اور کھنکھنے لگے: ”رات کو یہاں کچھ لوگ آگئے تھے۔“

”کچھ لوگ؟ کون لوگ؟“

”چور! رات کو اور کون آسکتا ہے؟“

”چور آگئے تھے۔“ نواب ابھی ہوئی آواز میں بولا: ”کیا واقعی؟“

”جی ہاں۔“ آج ان نے نیکی سے پوچھا: ”کیا اور کھیل اور پیر کی طرف بے اختیار ان کی نگاہیں اٹھ گئیں۔ وہ دونوں ساکت بیٹھے تھے۔ آج ان کی کساتے لیے میں بولے: ”چور ٹانگسا واقعہ ہے۔“

یقین کیجئے، ہم سب خیریت سے ہیں۔“

”ہیں تفصیل سے بتائیے۔“ وہ بے تابی سے بولا۔

آج ان کے ہونٹ لرزنے لگے۔ سوچ رہے ہوں گے کہ وہ کیا

اور کس طرح بتائیں، انھیں کتنا حلف کرنا چاہیے۔ پیر کی بات بھی انھیں اچھی طرح یاد ہو گئی، گودہ شدت سے اسے متذکر چکے تھے لیکن شے کی ایک کھٹک تو ان کے دل میں ضرور ہو گئی۔ ان کی بھجک سے نواب کچھ اور بے چین ہو گیا۔ اتفاق سے ہم لوگوں کی آنکھ کھل گئی تھی۔ آج ان نے شگفتگی سے کہنے کی کوشش کی: ”اور چوروں کو کمینوں کی بیداری سے پرانا میرے۔“

”سوئی کی اوپری فیصل ہوگی واروں کی نفی ہو کر کچھ چور کیے آگئے تھے؟“ ہمارے علم میں نہیں کہ اس سوئی میں پہلے ایسا کوئی واقعہ پیش آیا ہو۔“

”پہلے سوئی میں ایسے لیکن بھی نہیں تھے۔“

نواب نے کرب سے انھیں بیٹھنے میں آدھ: ”وہ تمہاری آواز میں بولا: ہماری بھش کچھ نہیں آ رہا ہے۔ کیسے کیسے چور تھے؟“

”چور تو چوری ہوتے ہیں جناب والا، سر پر سیگ نہیں تھے۔“

آج ان کے لیے یہ کسی قدر تندی آگئی تھی، فوراً سنبھل گئے اور کمر کے کہنے لگے: ”آدی ہی کے بچے تھے۔“

نواب نے آج ان کی تندی پر توجہ نہیں دی۔ ہماری مراد یہ کیا چاہتے تھے؟“

”زرد مال۔“

نواب حشمت جنگ آج ان کے جواب پر خف سا ہو گیا۔

ہلو بدل کے بولا: ”یہ ایک نہایت سنگین واقعہ ہے۔ آپ ریلو کار کے علاوہ ہم اس رستہ کے منصب دار ہیں۔“

ازراہ کرم ہمیں ماری بات بتائیے۔ اس کی آواز میں غم و غصہ کی لرزش نمایاں تھی

”کیا عرض کریں نواب صاحب؟“

”جو کچھ دیکھتے ہیں، اس سے تکیاس کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے ایک تکلف وہ رات گزار دی ہے۔“

”مگر ہم اپنے غمزد نواب صاحب کو اس واقعے کا گوارا بیان سے کیوں مکر کریں۔ رات گئی، بات گئی، میں نے عرض کیا کہ زور

ال کے لہر میں کچھ چور چکر چور جی میں گھس گئے تھے۔ سنے تھے اور رشتہ بھی۔ سوچا ہو گا کہ ان کے لوگ ہیں، ابھی گھر میں کمینوں

سیا جاتے ہیں اور ہو گا جو جی کے چور کیداروں کو انھوں نے پہلے ہی ابھیں کر لیا تھا۔ ہم لوگ جاگ گئے یا یوں کیسے کہ انھوں نے نہیں

گایا۔ ان کا خیال تھا مجھے ہم کوئی خزانہ ان سے چھپا ہے میں مطلب

ماری کے لیے انھوں نے دست دراز کی بھی کی۔“

”اور اس جاہزیت کی حد تک؟“ نواب اداسی سے بولا۔

یہ کس وقت کا واقعہ ہے؟ پھر ان لوگوں سے بچات کیسے کی؟“

”رات خاصی دھل چکی تھی جب ان کی آمد کا کھٹکا ہوا تھا، ان

نے دھبے میں کہا: یہاں کچھ ہوتا تو انھیں ملتا اور ہمارے پاس

کچھ ہوتا تو انھیں بتا جاتا۔ انھیں ہماری بے سروسامانی کا مشکل

سے یقین آیا۔ انھوں نے ساری سوئی کی تلاشی لی اور چلے گئے۔“

نواب سوچ میں پڑ گیا میری نظریں مسلسل اس پر بھی ہوئی

تھیں۔ اس کے چہرے پر پریشانی اور دکھ کے آثار تھے اور لہجہ

مصنوعی معلوم نہیں ہوتے تھے لیکن بعض لوگوں کو اپنی آنکھیں

بدلتے کا ہنر خوب آتا ہے، ابھی ہم نے جانتے ہی کتنا تھے۔ آدی

کو جاننے میں بھی ایک عمر صرف ہو چاتی ہے۔ آج ان نے نہایت

آسانی سے سب کہہ دیا تھا مگر نواب مطمئن نہیں تھا، چونکہ کے

بولا: ”کس قسم کے لوگ تھے؟“

”ڈھٹائے باندھے ہوئے تھے۔ بعد میں ان کے چہرے بھی

ہمیں دیکھنے کو مل گئے۔ شکل و صورت سے اچھا، بہتر شری اور جنگ

جو معلوم ہوتے تھے۔ مگر جانے دیجئے، زندگی میں طرح طرح کے

جڑ بول سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ کوئی ایسی نئی بات تو نہیں۔

ہو نہای رہتا ہے۔ آپ بتائیے آپ کیسے ہیں۔ ایک رات زمین

میں گزری ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانہ بیت گیا جہاں

میاں کا کیا حال ہے؟ اس طرف جانا ہوا؟“

”ہاں، جی ہاں، رات کو جانا ہوا تھا۔ جہاں میاں آپ کے

جانے سے بہت دیر نظر آتے تھے۔ ان کے لیے اب بھی کو زیادہ

وقت دینا ہو گا۔ عالم تاب سے ان کا رشتہ بھائی کا کم، دوست کا

زیادہ تھا۔ کچھ عاشقی کی سی کیفیت تھی۔ برس گئیں گے اس سائے

سے سنبھلے ہیں۔“ نواب نے دوپٹی آواز میں کہا اور لمحاتی توقف

کے بعد کہنے لگا: ”کاش آپ وہیں سے روانہ ہوتے تو یہ سب

اس طرح پیش نہ آتا۔“

”مگر یہی کچھ ہونا تھا تو کون روک سکتا تھا۔“

”معاف کیجئے، میں کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ہماری

داری مزاحم ہو رہی ہے مگر اس طرح تو ہم پر اور بوجھ کا بستر ہو گا۔“

اگر آپ میں ان جرموں کے متعلق کچھ اور بتائیں شہان کی زبان،

لب لہو، طور طوار ہمارے ہاتھ لٹے کہ انہیں کہ ان کی گردنوں تک نہ

پہنچ سکیں۔ یقیناً وہ اپنی بعض نشانیاں یہاں چھوڑ گئے ہوں گے۔

ریا۔ ت میں ایسے واقعات کی تم قطعاً اجازت نہیں دے سکتے یہاں

ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ برسوں میں اکا دکا واقعات پیش آتے ہیں۔

ریاست کے قوانین رہ نزلوں اور ڈاکوؤں کے لیے کسی قسم کی پک نہیں رکھتے۔ اگر ہم نے انھیں اُن کی سزاؤں تک نہ پہنچا تو یہ نہ صرف ہماری جگہی ہوگی بلکہ ساری ریاست کی توہین، ہمیں حیرت ہے کہ وہ کون لوگ ہو سکتے ہیں۔ کیا وہ یہاں سے بچے گئے؟“

”جی نہیں انھیں خالی ہاتھ ہی واپس جانا پڑا۔“

”آپ کے پاس نقدی وغیرہ تو دوا فر ہوگی؟“

”تھوڑی بہت ہے، یہی کوئی لاکھ سو لاکھ کے یہ قدر۔“

”ہو ہونہ!۔“ نواب سر ملے لگا اور بولا کہ کتنی دیر وہ یہاں بیٹھا۔

”خاصی دیر۔“ آبا جان نے تہذیب سے جواب دیا۔ ”جوئی کے ہر کرے کی تلاش میں کچھ نہ کچھ وقت لوگتا ہے۔“

”پھر نقدی اُن کی نگاہوں سے کیسے اوجھل رہی؟“ نواب نے تیکھے لیے۔ یہ کہا اُس کے تیکھے پن میں طنز نہیں تھا۔

”شاید اس لیے کہ نقدی چھپا کے نہیں رکھی تھی۔ بدحواسی میں انھیں سامنے رکھی ہوئی چیز کا خیال نہیں آیا حالانکہ اُسی کمرے میں تھی جہاں میں تھا۔“

نواب نے تداود پوچھی تو آبا جان نے اختیار مفضل اور پروہ کی صورت دیکھنے لگے اور بولے۔ ”باقا عدشا تو نہیں کیا لیکن پندرہ سولہ کی نفری تو ضرور تھی۔“

”پندرہ سولہ اور مصلح!۔“ نواب اچھل سا گیا۔

نواب حشمت جنگ ایک بار اُن وہ شخص تھا۔ آبا جان کی آواز میں کوئی نکتہ نہیں تھی مگر اُن کے لیے میں گریں پڑی ہوئی تھیں، اور نواب کے سامنے اُن کا چہرہ بھی تو تھا جس پر اُن کے سینے کی تمام گلن سٹ آئی تھی۔ نواب نے واضح طور پر اُن کے بیان میں ابہام کا شکوہ کیا لیکن اس سے پہلے کہ آبا جان اپنے مہم جوہوں کے بارے میں کوئی صفائی پیش کرتے، نواب کسی پولیس والے کی طرح اُن سے پہلے درپے سوال کرنے لگا۔ آبا جان ہر بات صاف صاف بتاتا تھے لیکن اگر یہی تھا تو پھر رات اُن آدمیوں کو یوں جانے دینے کا کیا جواز دے جاتا جس وجہ سے انھیں جانے دیا گیا تھا، وہ تو اب بھی موجود تھی اگر وہ خفیہ ہاتھ نواب حشمت جنگ کا نہیں تھا تو یہ ساری رُوداد نہ صرف اُس کا کھون غارت کرتی، ہمارے پروں کی بھی زنجیر بن جاتی یہ سب کچھ اُن کے اُس کے عالم غضب کا ایک تقصیری کیا جاسکتا تھا۔ یہ حقیقت اُسے چہن نہ لینے دیتی کہ سب اُسی ہیرے کا کرشمہ ہے جسے آبا جان نے بہ کمال قلندری اُس کی تذکرہ دیا تھا اور یہ تمام مصلحتیں ایک غرض کا شاخشا نہ ہے کہ اُس نے ریاست کے بعض افراد کو د

نمانی کے کسی مطلوب وقت میں اُس ہیرے کی جلوہ نمائی کرانی یہ سب جان کے اُس کی نگاہوں میں جن لوگوں کی تہ

”مجھ کی تھیں، اُن میں سب سے پہلے شخص غالباً ہمارا چاہیہ تھا۔“

بعد ریاست کے ایسے تمام قوانین جن کی پتھروں سے زنجیرت جڑ

حکام ہے۔ نواب کی اُن لوگوں سے خوب آشنائی ہوگی

تک پہنچا اُس کے لیے کوئی شخص تھا۔ آبا جان کی ایک ذرا سی

ریاست کے نوابوں، راجاؤں میں کسی بھی فتنے کا نشانہ نہ بن

تھی۔ آبا جان کو اُن کے مابین اُس فساد سے آتی۔

حیدر آباد سے یہ عافیت نکل بنے کی بے چینی تھی۔ نواب انھیں

روک لینا اور اُس وقت تک نہ جانے، تا جب تک آبا جان کی

میں جرموں کو کفر کر دیا تو نواب اپنے کی سرخ روئی لے کر

ہو جاتی۔ آبا جان کی کم آہری اُس کے تہس کو اور ہوائے

اُس کا بار بار بدشا رنگ اندازنی سے کوئی کی غازی کر رہا تھا

کے پاس کھنے کے لیے اس کے سوا کچھ نہیں تھا۔ وہ مزید ایک

اس شہر میں پھیرنا نہیں چاہتے ہوں گے۔ ہیروں سے وابستگی، اڈ

لوگوں سے وابستگی، شہر میں، اجیت اور غام کی آمد کا وعدہ بھی تو

رد پوش نہیں رہا ہوگا۔ ایک پر جانے کتنے روزن کھول دیتا۔

آنے والے آدمیوں کے اصل مقصد کی جھلک نواب کو بے لگام

آبا جان کو ابی روایتی تک لے اسی تہذیب و کش کش کی حال

دو چار رکھنا تھا اور بہتر یہ تھا کہ وہ کسی طرح اُس وقت تک

ساتھ ہی رہیں۔ سبزو دار میں زخمی ملازمین بھی نواب کی نظر و

سامنے تھے لیکن ہماری موجودی میں اُن سے کچھ پوچھنا وضع

تھا۔ اس میں ہماری بھی توہین تھی، نواب کی بھی۔ آبا جان کو

احساس ہو رہا ہوگا کہ رات انھوں نے مفضل کی بات زمان کے

بڑی غلطی کی تھی، رات اگر وہ مفضل اور سپر و کو چھوڑ کے

سے بہنی کے لیے نکل کھڑے ہوتے تو انھیں اس بے بسی میں چا

بگوزار پڑتا لیکن شاید انھوں نے کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ انھیں

پروہ کو چھوڑ کے نہیں جانا چاہیہ تھا ورنہ وہ خود سے بہتر

نواب کی حیران و مضطرب کیفیت سے اُس کی آواز و

ہو رہی تھی مگر آبا جان نے احتیاطاً وہ کاٹا لینے میں سے محفوظ

جو رات پر دستہ انھیں چھوڑا تھا۔ یہ شب نواب کی تکرار تھا،

کتنی تھی، اپنی آواز و کے احساس سے کہیں آبا جان کی بدلتی

درگزر نے اُسے کچھ شبہ نہ کر دیا جو اور اُسے آبا جان کی سکھ

آئیے میں اپنے لیے کوئی بال نہ نظر آگیا ہو۔ یہ بال پرانہ و

کو نظر آتا ہے۔ اس صورت میں نواب کے لیے یہی لازم تھا کہ وہ

خندہ سے اس الزام کی تردید کرتا ہے۔ لینے دامن کے دیتے دھونے

کے لیے اُسے رات کے واقعے کی جزئیات و تفصیلات جاننے کے سلسلے

بن اتنی ہی دشت اور بے تابی کا اظہار کر چاہیہ تھا۔ اُسے زندہ واپس

جانے والے آدمیوں سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اُن کی سمت کے ہاتھ میں

ہیں کچھ جانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ یوں نواب کو ویلیس ڈینے کا گزار

مہل تھا۔ نواب کی معلوم یہ کہ گزرا بھی اُسی سے خزانہ کیا تھا۔ جان

بوجھ کے بہت بھر کر کے۔

”آہنی بڑی تعداد!“ اُس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ ”جناب والا!

ہمارا تجربہ ہے کہ چور اور ڈاکو کی گھر منتخب کرنے سے پہلے اُس کے

ملکیوں کی دولت و ثروت کے متعلق اچھی طرح معلومات حاصل کیے

ہیں۔ یہاں انھیں اس کا موقع نہیں ملا ہوگا۔“

”شاید وہ راستہ بھول گئے تھے یا انھیں اس گھر کے بارے

میں کوئی بڑی خوش فہمی ہوئی۔“ آبا جان اٹکے ہوئے بولے۔

”ہم اسی کئے پروہ کر رہے ہیں۔ نا ہرے یہاں ریاست میں

مداغ، ہستہ آپ کی کسی سے دشمنی نہیں ہے۔ ہمارے دماغ میں طرح طرح

کی باتیں آ رہی ہیں لیکن یہ ہمارے اشتراک دہنی کے سبب بھی ہو سکتی ہیں۔“

”آپ کس طرح پوچھ رہے ہیں؟ آبا جان نے بے ترقی سے کہا۔

”کیا عرض کریں، مہر ہے میں کو کون ایسا۔“ وہ زہریل

دلتے بولتے تھا۔ سب اُس کی طرف متوجہ تھے۔ نواب ایک لمبی

ماش کھینچ کر رہ گیا۔

”جانے بھی دیکھیے۔“ آبا جان نے خوش دلی سے کہنے کی کوشش کی۔

”کیسے جانے دیں، یقین کیجیے، میں بہت حد مرہ ہے۔ یہ ہمار

غضب کے لیے تازیانا ہے۔ ہمیں آپ کے سامنے مذمت محسوس

دہی ہے۔“ نواب کی آواز ڈونڈی ہوئی تھی۔

”آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں قبلہ عام! اس میں آپ کی مذمت

اجلا کلن سا پہلو نکلتا ہے۔“

”ہمارے محن، ہمارے مرنے پانھوں نے ہاتھ اٹھایا۔ وہ کیسے

حق القاب لوگ تھے۔ جنھوں نے ایک بزرگ کا مال نہیں کیا۔“

”انھیں مراتب کا خیال ہو اگر تو یہ مذہم کام ہی کیوں

ریں۔ اُس نے اور کیا توقع کی جاسکتی ہے۔“ اُسے بھلانے کے لیے

آبا جان کی کھڑکیں جیسے غلط نہیں آتے تھے۔ ”آپ نے دل پر بہت

سے لیا ہے حالانکہ یہ تو ایک عام سام۔۔۔۔۔“

”میں کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب ہماری کسی کوتاہی

ہی ہیں پھر ہماری موجودگی کی کیا ضرورت۔ اور یہی ہے تو ہم ہر اہل آجائیں گے۔ ہفتے عشرے کے اندر اندر۔

”گمراہ کا یہاں ہر نام بھی ضروری ہے۔“
 آجہان نے شش و پنج کی حالت میں جھل کو دیکھا، پروکو دیکھا، پھر بچے گمراہیں کوئی کیا اشارہ کرتا۔ انہیں ہر طرف پہننے ہی جیسے ہرے نظر آتے ہوں گے۔ انکار کر دینا ایسا شکل نہیں تھا مگر آجہان کے سامنے یاسات کا ایک اقبال مند فاب ہی نہیں زیادت کا حاکم بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اب تک اس نے ہم سے بظاہر ایک ہم نشین ایک درمندی حیثیت سے بات کی تھی لیکن کسی بھی لمحے اس کی آنکھوں کا رنگ بدل سکتا تھا۔ اس پر اپنے عمدہ منصب کا کوئی رنگ غالب آ سکتا تھا۔ اس کے شانہ طور طریق میں بھی تندی و برقی کی آمیزش صاف محسوس کی جاسکتی تھی یہ آلوگی واقعے کی سنگینی، نزاکت احساس اور ہم سے اپنے تعلق کی پاس داری کے سب سے بھی ہو سکتی تھی یا اپنی دولت و ثروت اپنے خود وقار کی کوئی لہروں ہی امدادی ہوگی مگر ہمارے لیے یہی بہتر تھا کہ ہم اس کی حاکمیت کے خیز و زور پر محمول کریں۔ آجہان کا اب و لہجہ جتنی کھار تھا کہ ان پر فاب کی اس دوسری ہی حیثیت کا غلبہ ہے۔ انھوں نے لئے ایک کام سے کم یا زیادہ رتبہ نہیں دیا ہے اور فاب کی جنبش ابرو کی فتنہ نگری

”شاید اب تو وقت بھی گزر گیا ہے۔“
 ”کیا آپ کی بیٹی پر ہنسنے نہیں چاہتے؟“
 ”بے شک بے شک؟ آجہان نے منشر آواز میں کہا: مگر اس میں خیال و وقت کا بھی اندیشہ ہے۔ اب صبح تشریف لانے والے تھے خیال تھا کہ شوشے کے بعد ہی کوئی قدم اٹھایا جائے۔ پولیس کے طریقہ کا تحقیق و تفتیش کے طوائف عمل سے ایک دو بار واسطہ پر چکا ہے اصل میں آج ہی رواجی کا قصد تھا۔ یہاں پہلے ہی خاصی دیر ہو چکی ہے۔ ورنہ بڑے فاب صاحب کے ہاں ٹھہرے رہتے ہیں کیا حرج تھا وہ تو ہیں روک رہے تھے اور ایسے وقت میں ہیں ان کی بات نہیں مانی چاہیے تھی۔ انہیں بھی ہم نے آزدہ کی موت حال ہی کچھ ایسی ہے کہ رواجی اڑیں ضروری ہے۔ ہم توکل ہی روانہ ہو جاتے لیکن ادھر آپ نے۔۔۔۔۔“
 ”ہاں، ہاں“ فاب ان کی بات کا ٹک سے مندرت خوانہ اندر لیے میں بولا: میں احساس ہے۔ کاش ہم آپ کو نہ روکے مگر یہاں آپ اتنی دیر ٹھہرے ہیں ’ہاں چند دن‘ ہماری درخواست ہے کہ چند دن اور سی۔“
 ”آپ کا حکم سر آنکھوں پر“ آجہان نے بے یقینی سے کہا: لیکن بہت سی ہوگا کہ آپ مزید روکنے کے لیے نہ فرمائیں۔“
 ”ہم بھی اصرار کرتے کہ ہم تو یہاں آپ کو دوا کر کے ہی لی غرض سے آئے تھے۔“ فاب ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا: آپ نے عزت نہیں فرمایا کہ آپ کا قیام ناکس قدر ضروری ہے۔ نصرت کچھ نہیں گیا، کوئی نقصان نہیں ہوا مگر کسی بڑے نقصان ہی کے ارادے سے وہ گھر میں داخل ہوئے تھے۔ اللہ کا بڑا کرم ہوا، ابھی ہو سکتا تھا۔ ایسے لوگوں کو کس طرح صاف کیا جاسکتا ہے۔ نہ وہ یہاں آئے تھے، کل کسی اور شریف زاوے کے گریبان پر ان کا ہاتھ دراز ہو سکتا ہے۔ آپ کی مجبوریاں اپنی جگہ مگر یہ تو ایک یاسات کے نظم و نسق کا معاملہ ہے اور دوسری طرف ہمارے اطمینان قلب کا بھی۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ پولیس کو بے جا کاروائیوں نا اجازت نہیں دیں گے۔ آپ دیکھتے تو سی ہم کیا کرتے ہیں۔ اچھ کر سکتے ہیں۔“

”جناب من!“ آجہان کی آواز اڑی اڑی سی تھی۔ ہم آپ کا کیا عرض کریں کہ ادھر بھی وقت پر نہ پہنچنے میں کسی بڑے نقصان انحال ہے۔ آپ سب کچھ درست فرمائیے ہیں۔ ایسا ہی ہونا چاہیے نہ کیا عرض کریں، کچھ ایسی ہی صورت ہے اور آپ تو یہاں موجود

ہوں“ فاب کے ہونٹ ہل گئے: آپ نے ابھی طرح دیکھا ہے کہ وہ کچھ اور تو نہیں ہمارا مقصد ہے، کوئی نادر قسم کی چیز ہے جلد میں کا یہاں تو نہیں ہو گئے؟“
 ”یہاں تھا ہی کیا، نقدی کے متعلق عرض کیا جا چکا ہے۔ مگر یہ کوئی قانون موجود نہیں تھی اس لیے زیورات کی طرف خود انھوں را توہر نہیں دی ہوگی۔“
 ملازم فاب مشت جنگ کے منصب و ثروت سے اچھی طرح واقف ہوں گے۔ وہ منظر ہی تھے۔ شام کو گئے چند گھنٹے کڑوا پڑشوں سے ڈکے، چائے، پھل اور مٹھائی کے طشت اٹھائے ملازم ہاں میں داخل ہوئے۔ ان میں ایک زخمی ملازم بھی تھا۔ فاب کچھ کہنا چاہتا تھا مگر کیا اور ترکی ٹوٹی تار کے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ وہ اپنے خطاب میزان رکھنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ یہ آجہان اور ہم کی خوش گمانی تھی۔ فاب نے کچھ دیر کے لیے آزدہ و موقوفہ بدنامی اس طرح آجہان کو اپنے تعلق خاطر کا اعتماد دلانا چاہتا ہوگا۔ اسر تجدید اعتماد کی لئے بار بار ضرورت محسوس ہوتی ہوگی۔ لئے کن بھانڈا بڈ اس سے زیادہ کچھ نہیں بتایاں گے۔ کیا یہ اچھا ہوتا کہ کانتے اور ملازم وغیرہ فاب کے سامنے آتے ہی نہیں۔ ایکلے آجہان اپنی خراشوں کو بھی غدر پیش کر سکتے تھے۔ فاب کی آمد صبح سے متوقع تھی مگر آج کسی کا دھیان ہی نہیں گیا۔ ملازم طشت رکھ کے چلے گئے۔ آجہان اپنے ہاتھ سے فاب کے لیے چائے بنانی۔ کل شام یہاں آنے کے بعد آپ کی کیا مصروفیت رہی؟ ایک دم فاب نے سرسری لہجے میں پوچھا۔ ”مصروفیت؟ آجہان سٹ پٹا سے گئے۔ ”میں نہیں ہے، میں آرام کرتے رہے۔“ کل شام آئے والے دونوں آدمیوں اور ملازم کے ہاں میں آجہان لئے کیے جا سکتے تھے۔ ”مگر۔۔۔۔۔“ مگر آپ نے یہ سوال کیوں کیا؟“ انھوں نے سہانی آوازیں پوچھا۔ ”کچھ نہیں، میں یوں ہی ہمارے ذہن میں آگیا۔“ فاب بے ربطی سے بولا: آپ نے پولیس وغیرہ میں تو رپورٹ درست نہیں کرائی؟“ ”جی نہیں۔“ آجہان نے گھبرائے ہوئے ہلے میں کہا۔ ”درج کر دیتی چاہیے تھی۔“ ”مگر اگر اس سے کیا حاصل تھا؟“ ”اعتیاد!۔“ فاب کے ہونٹ کا ہر نکل آئے۔ ”میں میں بھٹا ہوں کوئی ضروری نہیں ہے۔“ ”ضروری ہے۔“ فاب سختی لیے میں بولا

”ہاں، ہاں، اللہ! کوئی ایسی بات نہیں۔“ وہ ہنسل کے بولا مگر دوسرے اس کی آنکھیں بھری گئیں اور وہ دل گیر آوازیں کئے لگا۔ ”تو یہاں کے جانے کے بعد سے جیسے جیسے چیز کی ہو گئی ہے جیم جیسے کسی نے جھنجھنے میں کس دیا ہے۔ ہم توکل کے دو بھی نہ کے۔ دوسرے کو نہ خلا دیتے، ان کے آسنے بیٹھے تھے۔ لڑکی میاں کی موت کے بعد سے ہم نے ٹھیک طرح آئینہ بھی نہیں دیکھا ہے۔“
 ”سامعہ ہی ایسا تھا۔ آپ کے لیے تو ہر اصرار تھا۔ ہمیں ہر چیز کی اس عریض یوں۔۔۔۔۔ آجہان کے ہونٹ پڑ پڑنے لگے، دل گرفتہ آوازیں بولنے۔ مگر والا جانب تو ایک حوصلہ مند آدمی ہیں۔ یہاں کون روکنے کے لیے ہے۔ سب قطار میں ہیں اور کسی کو اپنی باری کا علم نہیں۔“
 ”ہاں، اور کیا کہا جاسکتا ہے۔“
 آجہان اس کا دھیان ہٹانے کی کوشش میں بڑی دھمک کا یہاں ہو گئے تھے۔ ”دیکھ خاموشی چھائی رہی پھر آجہان نے دبے دبے میں کہا: چائے کی ایک پیالی تو پیجیے گا۔“
 ”موزا ضرور۔“ فاب لاجبت آمیز معذرتی سے بولا۔
 آجہان نے شام کو چائے کے لیے اشارہ کیا ہی تھا کہ فاب کو جیسے کچھ یاد آگیا، مگر زمانہ انداز میں بولا: آپ کو کوئی گری ہوٹ تو نہیں آتی؟“
 ”نہیں، معمولی فراموشی ہیں۔“
 ”کسی تلیب کو بھی دکھایا؟“
 ”ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔“
 آجہان کے چہرے پر چھائی ہوئی کیرس کچھ دیر کے لیے نرم پڑ گئی تھیں۔ وہ پھر گری ہوئے لگیں۔ فاب کے ذہن میں ابھی تک وہی سب کچھ گردش کر رہا تھا۔ ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان وحیوں نے سب سے زیادہ آپ ہی کو اپنا ہدف بنایا۔
 ”نہیں۔“ آجہان نے بے عملت کہا اور کانتے کی طرف انگلی اٹھا کے بولے: آپ لئے نہیں دیکھ رہے ہیں۔“
 ”یقیناً۔“ انھوں نے ذہل اندازی کی ہوگی۔ آپ کی طرف ان کے اٹھتے ہوئے ہاتھ ان سے بڑا اشت نہیں ہوئے ہوں گے۔
 ”ہاں، شاید کچھ ہی تھا۔“ آجہان شکستہ ہلے میں بولے۔ ”کیا انھوں نے ساری حویلی کی تلاشی لی؟“ ”فاب کچھ سوچتے ہوئے بولا۔
 ”میں جناب والا سے عرض کر چکا ہوں۔“

ادب و تحقیق کی ایک کاپی دنیا

طیروز ساح سے رہیں گے جگہ رومان ناول
آپ کے جگہ جگہ مشہور ادیبان کے قلم سے

گھر کی مرغی	حکیم کی	آپ کے
جیت ۳۰ روپے	جیت ۳۰ روپے	جیت ۳۰ روپے
جیت ۳۰ روپے	شرارت	بلی کی تال
جیت ۳۰ روپے	جیت ۳۰ روپے	جیت ۳۰ روپے
جیت ۳۰ روپے	آلو کی دم	اور سی۔۔۔
جیت ۳۰ روپے	مشہوری	جیت ۳۰ روپے
جیت ۳۰ روپے	جیت ۳۰ روپے	جیت ۳۰ روپے

دور ہونا چھوڑیں شکر انا سیکھیں

ادب و تحقیق کی ایک کاپی دنیا

ادب و تحقیق کی ایک کاپی دنیا

نہیں جانتے۔ یقیناً اس سے کہیں بیش ہوگا مگر جاسے بلے آپ سے
آئی آگہی کی سرشاری کیا کم ہے؟
"ابن کو آپ جیسا بات کرنا نہیں آتا؟ پیر نے لاجب سے کہا۔
"پڑا بن آپ سے کہہ بول رہا تھا۔ ابھی ہو کے تو دروازیان سے سن لو
نواب صاحب!"
"جی، جی، فرمائیے، نواب تبعل کے بولا۔

کے حقوق بھی لازم ہیں؟
معلوم نہیں، میں نے کہا اباجان کے دل کا کیا حال ہوا ہوگا
دل تو بڑی طرح دھڑکنے لگا تھا۔ میری طرح اباجان کو بھی اپنے کانوں
یقین نہیں آیا ہوگا۔ نواب رگہ لگی آواز میں بولا: "میرے عرض کر کے جان
معروضات بعض گزارشات تھیں۔ میں خدشہ کہ وقت نذر نہ جائے
وقت ہی کی تو بات ہے۔ ہمارے خیال میں ان شہرہ پشتوں
جلد سر کوئی نہ گئی تو ان کے وصلے اور بلند ہوں گے۔ کل کسی گھر کے
انکم نام سامنے کی خبر آئے گی؟"

"آگے گا، ضرور آئے گا، کل کسی گھر سے اور پرسوں کسی اور گھر
سے خبر آسکتا ہے۔ پران لوگ کیا کر سکتا ہے؟" پیر نے اپنے آواز خفا
میں رکھی تھی۔ اس نے فکر میں ہے نواب سے پوچھا کیا کیا ہماری
میں موجودی ان لوگوں کے حرم میں خارج ہونے کی ضمانت ہے؟
یہاں رہیں گے تو وہ کسی اور گھر کا رخ نہیں کریں گے؟ پیر نے اس
سے کہا کہ وہ یہاں اپنی کوئی تاشی یا ناچہ چھوڑ کے نہیں گئے ہیں پڑ
کوئیں ٹوٹنے میں مدد سے کہ جہاں تک ان کی تلاش کا تعلق ہے
یہ کام کسی طور ہمارا نہیں سر بسر لوئیں کا ہے اور لوئیں کی کامیابی
بلے اس کے ارادے کی پختی نیز ساری ہنگ و دو میں اخفا شرط ہے
نواب کی توہن ان تین ملازموں کی طرف دلائی جن کا ذکر کچھ دیر پہلے
نے کیا تھا کہ وہ گذشتہ رات کے ایک ایک لمبے کے ساتھ بیدیں
اگر صرف شہادت و شناخت کا معاملہ ہے تو وہ بھی یہ کام ہیں و
خوبی انجام دے سکتے ہیں کیونکہ اب وہ زندگی بھر ان کی صورتیں بھول
نہیں کیوں گے۔ اگر نواب کا مقصد ہماری موجودی سے پولیس اور
سکام کی فعالیت، ان کا خون گرم رکھنا ہے تو نواب خود کوئی بھونٹا
نہیں ہے۔ وہ بار سرکار میں اس کا شہر سوخ تسلیم ہے۔ ریاست کی
اس کے مرتبے سے خوب آگاہ ہے، اس کے اشارے اچھی طرح پہچان
ہے۔ پیر نے اس سے کہا کہ رات جو میں ان لوگوں کی اچانک بظاہر ہاد
تین نواب کی کسی کوتاہی کا خیال نہ نہیں ہے جو نواب کی عمر کی کاہ
ہے۔ اگر ہماری آنکھوں کے سامنے انھیں عزت ناگ انجام سے دو
کھینے کی کوئی آندہ نواب کے دل میں تڑپتی ہے اور یوں اپنے دوست
کی خوشنودی، ان کی نگاہوں میں سرخ روشنی مقصود ہے تو وہ حاضر
رکھے۔ نواب کے دوستوں کو اپنی عدم موجودی میں اس سے اس کی سوا
اور شدت احساس کی توقع ہے۔

نواب انہماک اور خاموشی سے پیر کی باتیں سنتا، اس کی ہر
تکثرا رہا۔ درمیان میں وہ ضرور کچھ کنا چاہتا تھا لیکن اس کے ہونٹ

پیر کے رہ گئے۔ پیر نے رات آنے والے آدمیوں کے سلسلے میں نواب
کی طرف اشارہ کیا تھا مگر خود پیر کے ذہن میں نواب کے جلد مراتب
پوری طرح محفوظ تھے۔ نواب کی ہر حیثیت، ایک دوست ہے
رات کا حادثہ سن کے بے حد صدمہ رہا ہے۔ ایک حاکم جس کے اثر و اتلا
کے لیے یہ واقعہ ایک تازیانہ ہے۔ ایک حاکم دوست جو کبھی
دوست اور کبھی حاکم کے طور پر نتائج اخذ کرنے کے سلسلے میں
متوہش ہے کبھی رنگ و دلال اس پر غالب آتا ہے کبھی اشتعال غضب
ایک ایسا نافرمان جو بزدل ہے جس نے رات بھر اس کی طلب میں کئی
بیچے تھے۔ ایک گھر میں جس کے دل میں یہ زودادش کے ہرگز کی ہوس
جاگ ہے۔ ایک ایسا شخص جو رات آنے والے آدمیوں کا مقصد بخوبی
چکنا ہے اور ہم پر ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ اپنے ہر تہہ نواب باراجا کو اس
کی جرات و جسارت کا معقول جواب دینے کے لیے جس کا خون کھول
ہے۔ نواب کی کوئی کمی حیثیت پیر کے ذہن میں واضح ہوئی تو اسے
اتنی مشکل پیش نہ آئی۔ غلام اور بولی کا ذکر اس نے دانستہ کیا تھا نہ
کے طور پر کہ شہر میں ہماری دوبارہ آمد کسی یقینی ہے۔ نواب کو ہم سے
اپنی نیت کی مروت کا واسطہ دینے ہی سے گویا غلام کی کوئی صورت بدلا
سکتی تھی۔ دو یقین دہانیوں کا اعادہ از بس لازم تھا کہ ہماری دوا
کے اتنا سے کسی بڑے نقصان کا احتمال ہے اور ہم جلد واپس آئے
ہیں۔ اباجان بھی نواب کو یہی باور کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے۔
لیکن غالباً یہاں قیام کی آمادگی کے بعد ہی پیر کی یہ تکرار کچھ اثر پذیر
ہو سکی تھی۔ اباجان بھڑکنے کی آمادگی ظاہر کر چکے تھے مگر انھیں اچھی
طرح معلوم تھا کہ یہ اپنے پیروں پر کھڑی مانتے کے برابر ہے۔ ایک دن
کی تیز تر کتنے بڑے عرصے پر غوطہ کھینچ رہے۔ پولیس کی کچان بین کا سلسلہ
لہاں تک دراز ہو سکتا ہے۔ پولیس کو آڈن سے وابستہ لوگوں کو پہچان
میں ایک گھڑی کی بھی دیر نہیں لگتی۔ اگر کوئی گنجائش باقی تھی، کوئی
بھی نرم گوشہ ہو تو روبرو راجہ کی ہوج نہیں کرنی چاہیے تھی۔ پیر دوسرے
علائقہ میں بھڑکاوٹیں لے رہا تھا۔ وہ نواب کو کس طرح یقین دلا سکتا
تھا کہ وہ لوگ اب کسی اور گھر کا رخ نہیں کریں گے۔ وہ صرف ہمارے
پاس آئے تھے۔

نواب کی پیشانی پر پسینے کے قطرے ابھر رہے تھے۔ ہر چند ٹھنڈی
ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور اطراف میں پھیلی ہوئی دھوپ بھی ایسی
نیر نہیں تھی۔ نواب کی آنکھوں سے مترشح تھا کہ پیر کی کوئی دلیل
اسے قائل کر سکتی ہے یا اس نے جان لیا ہے کہ لینے، دستوں کے
لے میں مزاحم ہونے سے انھیں مزید اذیت ہوگی یا اسے یقین آ

گیا تھا کہ ہمارے پاس وہ شے ہی نہیں ہے جس کی آرزو میں رات
لوگ آئے تھے۔ میں روک کے گویا آئندہ کے امکانات بھی ختم کرنا
ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پھر اور اندیشوں نے بھی گھیر لیا ہو کہ کہیں یہ
وضع و مروت پہنچے میں پاؤں اڑانے کے مصداق نہ ہو۔ پیر نے
اس سے کہا کہ بہتر ہے، وہ حاکم کے بجائے ایک دوست کی حیثیت سے
ہماری عرض پر غور کرے۔ اگر مدتی خود غوری اور معافی پر آمادہ ہے
تو نصف کو بھی خاموش ہو جانا چاہیے۔

نواب نے کچھ نہیں کہا تاہم جب تک وہ موجود تھا،
کسی بھی لمبے کوئی حکم صادر کر سکتا تھا، کسی بھی لمبے اس
کا دماغ کروٹ بدل سکتا تھا۔ اس کے بعد پیر واپسی اور کوربان
کھولنے کی توفیق نہیں ہوئی چاہیے تھی۔ پیر نے اس کے سینے میں پچا
کچھ دھواں بھیل کرنے کے خیال سے ایک اور کوشش کی۔ نواب
نے نظام سرکار کی بات کی تھی کہ اگر ضرورت پڑی تو وہ اباجان کو رخ
لے کر دروازہ فریڈی ہونے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ اور آپ
نظام سرکار کی بات بولا ہے نواب صاحب! پیر نے کسی
قدر زار وارانہ انداز میں اس سے کہا: "تاہم اپنی بار اس کے پاس
شکایت لے کے جائے گا اور ایسا خالی ہاتھ جائے گا؟ کچھ ساتھ ہوگا
تھی اور جانا تو ضرور ٹھیک ہے گا۔ بار بار ابھی واں جانے کا موقع تو ہیں
لوگ کو نہیں لے گا! بابا کے پاس ابھی اور دو ایک چیز لیا کر ہے
کہ نظام سرکار نے بھی کسی پیر نے اپنی بکیتی ہوئی زبان تھامی اور
جھجکتی ہوئی آواز میں بولا: "ابھی شاید اس کو بھی کچھ پسند آئے۔ پیر کے
لبے میں بہت سادگی تھی بلکہ کسی حد تک جھجکتی بھی کہیں بھی نواب کو تیرا
نہیں ملا ہوگا پیر نے دانتیہ ذکر کیا ہے اور مقصود کچھ اور ہے۔

نواب سخت تنگ نے بظاہر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ وہ
ساکٹ بیٹھا ہے اپنے آپ کو گھومتا رہا۔ کسی اور نے بھی لب کشائی نہیں
کی۔ محو تک سبزہ زار پر سنا پڑا پھر نواب کی جسم میں
نبش ہوئی کیونکہ یہ خاموشی نہایت ناراض محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے
زمانے سے اپنا ہر خشک کیا، آنکھوں کے گوشے صاف کیے اور سامنے
رکھی ہوئی پالی کی طرف ہاتھ بڑھا پالی میں بھی ہوتی جانے رکھے
برف ہوگی ہوگی۔ میں دوسری بناتا ہوں۔ اباجان لیکے لمبے لمبے
"میں ٹھنڈی چائے زیادہ مرغوب ہے۔ اس نے کھولی ہوئی

نواب اب تو قہقہے کھانے کا وقت ہو گیا ہے؟
نواب نے نیروانی کے ہن سے یہ سب تہہ نقری زنجیر کھینچ کے

جی گھڑی نکالی "ڈبرہ بیچنے کو ہے۔" وہ تعجب سے بولا "اور آپ؟
آپ کس وقت جانا چاہتے ہیں؟"

سب کو جیسے کسی نے پتلی بھری ہو۔ سب نے بے اختیار ایک
دوسرے کی طرف دیکھا "رات نو بجے کے قریب گاڑی جاتی ہے" آبا جان
کی زبان دھڑک رہی تھی۔

"پھر تو وقت کم رہ گیا ہے۔ ہماری خواہش تھی کہ دوپہر کا کھانا آپ
غریب خانے پر تناول فرماتے لیکن اب اس میں اور وقت صرف ہو چکا
گا۔ ہمیں بازار بھی جانا ہے۔"

"میری درخواست ہے کہ یہ تکلف اگر مناسب ہو۔۔۔۔۔ آبا جان کی
آواز اُن کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔
"تکلف کیسا؟ ہم تو کچھ بھی نہ کر سکتے؟"

"آپ نے کیا کچھ نہیں کیا۔ آبا جان نے دو فرسٹ سے کہا تب
سے بڑا ثبوت تو یہ ہو چلی ہے۔ بناتے بناتے ایک عمر لگ جاتی ہے۔ اور
اور آپ کا اتنا وقت دینا "اتنی پرسش کرنا کہ کم ہے کیا، یہی ہمارے لیے
سب سے بڑی سوغات ہے۔ اس سے بڑی کیا چیز ہو سکتی ہے میری
عرض ہے اب میں جلد واپس آنا ہی ہے" پھر سزاوارتہ آئیں گے۔
"تاہم یہ موقع کیوں جانے دیا جائے بہت دیر بعد نواب کے چہرے
پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ بھیجی بھی سی مسکراہٹ۔" دیکھتے بلند گائی، کل بات
طے ہو چکی ہے۔ بس اب ہمارے ساتھ چلیے۔ یہی ہماری خوشی ہے۔"

"بہتر ہے" آبا جان نے سر جھکا کر کہا "گزارش صرف یہ تھی کہ
جب سب کو یہاں آنا ہی ہے تو آکے۔۔۔۔۔ مگر" آبا جان کو خیال آگیا
کہ انھیں اتنی رو دو قدح نہیں کرنی چاہیے۔ وہ جلدی سے بولے "میں
تیار ہوں لیکن اب کھانے کے بعد ہی چلا جائے تو مناسب ہو گا۔"

"ہمیں قطعاً جھوک محسوس نہیں ہو رہی ہے۔"
"یہاں بھی کچھ ہی کیفیت ہے لیکن وقت تو کھانے ہی کا ہے۔"
"جی ہاں" نواب ہچکچاتے ہوئے بولا۔

"وقت تو جھوک پر بنتا ہے بابا" بھل نے سقے کی مثال بٹول
سے ہٹاتے ہوئے اسکی سے کہا۔

"آپ درست فرماتے ہیں" نواب خوش گواری سے بولا۔
"وقت تو خود جھوک طے کرتی ہے۔"

"آبا جان بھل کا اشارہ سمجھ گئے تھے۔ ایک بھٹکے سے کرسی سے
اٹھ گئے لیکن ابھی آدھے ہی نہ اٹھ پائے ہوں گے کہ انھیں کرسی کا دتر
پھٹا پڑا۔ ایک ٹائپ کے لیے اُن کی آنکھیں تھپڑا سی گئی تھیں۔ نواب
کی نگاہیں اُنھی کی طرف مرکوز تھیں۔ کرسی سے اُنھنے کے دوران اُس

نے ان کی کمرہ جی سی لی ہوگی مگر آبا جان فوراً سنبھل گئے پھر انھوں نے
مضبوطی سے پیر زمین پر جھائے ہوں گے۔ نواب نے انھیں آرام کا سڑا
دیا اور معدت چاہی کہ اُسے اُن کی تکلیف کا احساس ہی نہیں رہا۔
ایسی حالت میں کہیں جانے سے تکان اور سوا ہوگی، رات بھی وہ
مسلل جاگتے رہے تھے۔ آبا جان اُس ایک شکستہ لمبے کی زد سے نکل
آئے۔ انھوں نے ہاتھ پھیلا کے تنگستی سے کہا کہ وہ کسی قسم کی تکلیف
محسوس نہیں کر رہے ہیں۔ باہر نکلنے سے پتھری ہوتی تھی مگر وہ بھی دُور
ہو جائے گی۔ نواب نے خوش دلانہ لہجے میں ایک مرتبہ پھر انھیں آرام
کرنے کی ہدایت کی اور بولا کہ اُن کا ہمراہ جانا ایسا ضروری نہیں ہے۔
صرف اس خیال سے وہ انھیں لے جا رہا تھا کہ انتخاب میں آبا جان کو
پسند شامل ہے۔ آبا جان نے ماری کو شیر وانی لانے کا اشارہ کر دیا تھا
وہ آرام ہی کرتے تو زیادہ ٹھیک تھا لیکن رات گاڑی میں بیٹھنے تک
انھیں نواب کو زیادہ سے زیادہ وقت تک صرف بھی رکھنا چاہیے تھا،
مبادا نواب کا سر پھر کسی اور طرف پھٹنے لگے۔ مانی اندر سے مکلف
شیر وانی لے آیا۔ آبا جان نے صبح ہی کے پڑے پڑے تھے اس لیے انھیں
اندر جانے کی زحمت نہیں کرنی پڑی۔ موٹر میں دو آدمیوں کے بیٹھنے کو
گنجائش اور تھی۔ نواب نے رسا سہی، بھل اور پروے سے بھی کہا "پھر
میری طرف مڑ کے بولا۔ آپ ہمارے ساتھ نہیں چلیے گا؟"

جواب میں میری نگاہیں غیر ارادی طور پر میری علی کی جانب اُٹھ
گئیں۔ میری علی نے پس و پیش بھی نہیں کیا۔ ٹینوں پہلی نشست پر بیٹھ
گئے۔ میں ڈرائیور کے ساتھ آگے والی نشست پر بیٹھ سکتا تھا۔ لیکن
سب کو چھوڑ کے اُن کے ساتھ جانا مجھے اچھا نہیں لگا۔ ڈرائیور نے موٹر پہلے
ہی موٹر لی تھی۔ آبا جان اور میری علی کے بعد نواب بیٹھنا ہی چاہتا تھا کہ
پیر وکی آواز پر رگ گیا۔ پیر ونے اچانک اُسے آواز دی تھی۔ نواب دو
قدم پیچھے ہٹ کے اُس کے پاس آگیا۔ ادھر سے پیر وکی تیزی سے آگے
بڑھا، اُس نے سرگوشیانہ لہجے میں مختصر نواب سے کچھ کہا، نواب سر ہلانے
لگا۔ میں اُن سے دُور تھا۔ کچھ موٹر کے انجن کے شور میں پیر وکی آواز اب
نکلی تھی۔ پیر و کے اندازِ مخاطب سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ اُس نے نواب سے
کوئی درخواست کی ہے جسے کٹاہدہ ولی سے نواب نے قبول کیا ہے اُس
نے پیر و کے شانے پر تھپکی دی اور موٹر میں بیٹھ گیا۔ ممکن ہے پیر و نے اپنے
لب لہجہ کی معدت کی ہو، بہر حال کوئی ایسی بات ضرور کہی تھی جس نے
نواب پر اچھا اثر مرتب کیا تھا۔ دیکھتے دیکھتے موٹر ہماری آنکھوں سے دُور
ہو گئی مگر سب ویر تک کھڑے صدمہ دُور اُس کی طرف دیکھتے رہے۔

ادھر دُور دُور کے پار سڑک سے موٹر کی پوں پوں کی آواز آئی

کانٹے کی بھی جوتی آنکھوں میں کونسا پیکا بھیل کے
پہنا پنا ہر دکاتے جوئے وہ ہانپتی آواز میں بولا "ابھی بہہ
ہے استاد!"

کانتے نہ اٹھنا چاہا بلکہ بھیل نے اُس کے سینے پر دباؤ
اُسے روک دیا اور کہنے لگے بھیل ڈال کے اُسے اٹھا دیا
ایسی کراہیں نہ روک سکا۔ مہری کے تھکے سے کمر لگا کے وہ کچھ
نظر انداز پیرو کے اُٹارے پر بلازم سادہ چائے لے آتا تھا۔ بھیل
اپنے ہاتھ سے پیالی اُس کے ہونٹوں سے لگائی۔ کانتہ منہ بنا
ایک گھونٹوں میں پی گیا۔ اُس کی خواہش پر بلازم نے اُسے بار
کھلایا۔ بھیل نے بڑی سلا کے اُس کے منہ سے لگا دی۔ بار
دو ایک ہی کش میں لگانے ہوں گے کہ بھیل نے بڑی اُس کے
سے کھینچی۔ بھیل اُس کے پاس چند منٹ سے زیادہ نہیں
اپنے آپ بیکے سے کھسکا ہوا مہری پر لڑ گیا۔ کہے سے نکلتے
میں نے ہلٹ کے دیکھا، اُس کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔

مقبل نے وہیں جا لئے رنگائی تھی۔ ملازموں نے تازہ حقہ لاکے
اُس کے سامنے رکھ دیا تھا۔ سب کو کی بیٹھی بیٹھی کڑوی کڑوی خوشبو
سامنے کے میں پھیل گئی تھی۔ میں اندر نشست گاہ میں ہونے کے
باوجود ابلیس تھا میری نگاہیں صدر دروازے کے ارد گرد جھٹک رہی
تھیں اور میرے کان آبا جان کی آہٹ پر لگے ہوئے تھے۔ مجھے بے پروا
نواب کی جوبلی کا خیال آیا اور میری نگاہ سیدھی گھڑی پر گئی ابھی سوا
چار بجے ہیں۔ ہم یہاں سے ساڑھے سات بجے سے پہلے روانہ نہیں
ہوں گے۔ درمیان میں ابھی پوسٹ لینے کی گھنٹہ ہیں۔ اس عرصے میں مجھے
نواب کی جوبلی جا کے واپس آیا جاسکتا ہے۔ اگر میں جا کے آؤں گا کھٹہ
بھی وہاں گزار دو تھینا اس سے واپس آسکتا ہوں۔ ابھی وقت ہے۔
بریس کا سراپا میری آنکھوں میں گھوم رہا تھا جیسے کل سپر ہر کی طرح
اب بھی وہ میرے سامنے قسم کی آڑ میں کھڑی ہو، اُس کی وہ ڈو ڈو ڈوٹی
آنکھیں اُن میں سمندر سامع زن تھا اور اُس کے ہرے پر چھائی
ہوئی گٹا۔ اُس کے سائے وہ چود پر سوگ طاری تھا۔ آئینے پر جیسے ہی جم
جلے یا پھول تیز دھوپ میں کھلا ہو کر کوئی بھی تشبیہ نوڈ میں لگتی۔
مجھ سے صوفے پر نہ بیٹھا گیا اور میں یک لخت اُٹھ کھڑا ہوا رہ
اتنی دیر وہاں میرے سامنے موجود رہی اور مجھ سے کچھ بھی نہ کہا جا سکا۔
مجھے دوبارہ دیکھ کے وہ خوش ہو جائے گی۔ وہ جی کانتی ہوگی کہ لوگ اس
طرح طے جاتے ہیں۔ کیا ابھی ایسی اجنبیت بھی حویں انجینوں کی طرح
دلگاہیں اُس سے کھول کا کرک توغا کھڑیاں وجود تھی۔ دوسرے اُس سے
مانع خان کے دھول کا میرے حواس کی فتح نہیں تھے۔ اُسے ابلیس و حرام
لے ماموں دیکھ کے بھڑ بھڑائی گئی تھی اور لفظ سامع سر میں منتر ہو گئے تھے تھوڑے
لڑناچے وہ لیے بھی نہیں آتا اگر خام نواب بھی موجود ہوگی۔ زنانہ خانے
میں اب میں خام کے نام ہی سے جاسکوں گا، بالائی منزل کے ہمان
بلانے میں میں اس کی طرح کوئی کیزا میری منظر نہ ہوگی، مجھے یقین ہے کہ
سے مجھے یہ میرے آنے کی اطلاع ملے گی سوئی میں وہ جہاں بھی
ہوئی، مجھ تک آنے کی کوشش کرے گی۔ یہ وقت بھی مناسب نہیں
ہے۔ اگر وہ آئے تو میں خام سے کہہ کے اُسے بلاؤں گا چائے خام
بھی لے گا۔ ابلیس کوئی بات ہے جو میں اُسے نہیں بلا سکتا۔ اُس کے
اس خام کی موجودگی کی ذرا بھی پروا نہیں کروں گا، یہ موقع دوبارہ
نیب نہ ہوگا۔ میں اس سے کہوں گا کہ اُس کی اور بھوٹی بیگم گیتی آرا
، ایک ایک بات میرے سینے میں محفوظ ہے اور یہ عرض اُس کی خواہش
میں غور ابھی ہی بھی چاہتا ہے کہ دوبارہ یہاں آؤں، جب سوئی
کل میرے لیے کوئی نڈان نہ ہو، نہ وقت کی کہہ سکا، نہ یہ بات، نہ ذرا

مقبل نے شاہ پسنا نہیں پایا، دُوسری لمیرا ہاتھ پکڑے ہوئے باہر آگیا۔ "واو! ابھی خاصا وقت ہے۔ کیوں نہ ہم بچہ دیر کے لیے بڑے نواب کی عویلیں اور خانم، خانم آہنی کو دیکھ آئیں۔ اُس سے میں خس نم ہی کا نام لے سکتا تھا۔"

"ہاں راجا! بیٹے گا، ضرور پلے گا۔"

مجھے یقین نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی تیار ہو جائے گا۔ تبھر دیر کا ہے کی ہے۔ اس وقت ہیں آسانی سے سوار بی جلی مل سکتی ہے۔"

"ابھی کچھ دیر ٹھہر جا۔ پیرا واطاف میں دیکھتے ہوئے ابھی ابھی آواز میں بولا۔

"کیا تمیں آبا جان کا انتظار ہے؟"

"وہ آجائے گا راجا!"

یہ حمایت کچھ علاوہ تھا، وہی جگہ جہاں میں اور پر وحید آباد اتنے ہی مولوی محمد شفیق کی تلاش میں آئے تھے۔ پروکار بھی اسی مکان کی طرف تھا، غرض منزل کی طرف جس کا پتہ اپنی منزل مقصود کے طور پر مولوی صاحب نے مراد آباد کے مسافر خانے کے روزنامے میں درج کر لیا تھا۔ اگر یہ پتہ نہ ملتا تو سب کچھ اس طرح نہ ہوتا جس طرح ہوا نہ ہم راستہ بدل کے حیدر آباد آئے کا فیصلہ کرتے، نہ سونیا کو موت آتی حیدر آباد کی گاڑی میں بیٹھنے کی وجہ سے سونیا میرا آسانسا ہوتا تھا۔ پھر شاید نواب عالم تاب کبھی کچھ دن کی مہلت اور مل جاتی، نہ خاتم اُچی منتشر ہوتی۔ اُس نے یہاں ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر نرس اور جہاں گئے بغیر وہ کتنے دن تک خود پر بزرگ سے گی اور ادھر اُس کے یوں چلے آئے سے اُن کا قرار بھی نہیں کیا ہوگا بلکہ اب ہی جانتے ہوں گے کہ میری اور پروکار کی شگدگی کے دوران انھوں نے وقت کس طرح کاٹا ہوگا جو بچی کے قید خانے کے گیارہ بارہ دن ہمارے لیے گیارہ بارہ برسوں سے کم تھے۔ اپنے زنجی پاؤں پر بٹھل کا کیا لگتا، ہم نے تو زندان میں جیسے قید گزاریا تھا، باہر کی کھلی فضا بھلی کے لیے ہمارے جو کس قید خانے سے کہیں زیادہ غلاب ناک ہوگی اور گزشتہ رات کی ذلت، انھوں نے میری آنکھوں کے سامنے آجائان کا گرہبان چاک کیا تھا اور اُن کی دائرہ بوجی بھی اور میں تماشائی بننا دیکھتا رہا تھا۔ آجائان، میز علی، بٹھل، پیرو، زوراکلے، شامو، جمر و ٹنگو، دائرہ اور خاتم حیدر آباد آئے کے لیے میری ایک خبر سے متاثر ہوئے تھے۔

نواب کی کوئی نزدیک آدمی تھی۔ ہر قدم پر فاصلہ اور کم ہو جاتا تھا۔ میرے پر دنگا ہے تھے۔ پڑا بپ یہاں کیوں آیا ہے۔ یہ کیا اُسے مولوی صاحب کے ہائے میں کچھ معلوم ہوا ہے مگر کس طرح؟ ہونٹ سے نکلتے کے بعد بھٹانے قتل سے جو بچی کے گنڈال اور لپٹے، اُسے سے پھر بڑے نواب کی جو بچی تک ہم دونوں مستطاب ایک دوسرے کے ساتھ رہے تھے۔ نواب عالم تاب کے عزاؤں میں مجھے نواب ثروت یار کا چہرہ کبھی کھائی نہیں دیا جس کے مکان کی طرف ہم بڑھ رہے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے، ثروت یار کی اُس کا نام تھا۔ مکن ہے، کدو کی ایسے وقت وہاں آیا ہو جب میں نیچے نہ ہوں، کئی مرتبہ ایسا ہوا تھا کہ میں بٹھل، پیرو اور آجائان کو چھوڑ کر بالائی منزل کے مہمان خانے میں آگیا تھا، اِس دن نواب ثروت یار آگیا ہوا تو اُس نے پروکار اور پروار کے لیے ایک گنگا میں پھانسی لیا ہوگا۔ شاید یہ سب پروکار کو کچھ معلوم ہوا ہو مگر مولوی صاحب کے لیے میں ذرا بھی سُن گئی پروکار کو ملی ہوتی تو وہ اتنی دیر

تک خاموش نہ رہتا، کوئی ایسی دلی بات ہوتی تو مجھے مزور بتاتا۔ یہ پتا وہ مجھ سے کیسے چھپا سکتا تھا۔ میرا سر جھکے لگا۔ دادا! میں نے دھرتی آواز میں پوچھا: تم پھر اس طرف کیوں جا رہے ہو؟

”ابھی ایک بار اور جا کے دیکھ لے تو اُن کا کیا جاتا پڑا ہے“ وہ اُٹھتے ہوئے سے بلے میں بولا۔

”کیا تمہیں کچھ معلوم ہوا ہے؟“

”نہیں، براہِ ابھی ایک تلی کر لے تو ٹھیک ہے“

”بیکار ہے، بالکل فضول، تم وقت ضائع کر دو گے۔“

”ابھی دیکھ لینے میں اِن کا کیا بگڑتا ہے“

”نہیں دادا! کچھ حاصل نہیں ہوگا۔“

”دیکھتا ہے راجا!“

”وہ نواب بھی خواہ خواہ شکوک ہوگا۔“

”اپن اُس سے بیٹی تو ماننے نہیں جا رہا ہے“

”مجھے معلوم ہے دادا! کچھ نہیں ہوگا۔“

”تو ابھی ایسا ہی بھرا راجا!“

”دادا! شاید اُن کا طنز میری قسمت میں نہیں ہے۔ میں نہیں“

اب کبھی تلاش نہیں کروں گا۔ کبھی نہیں“

”کیا بولتا ہے؟“

”ہت خاک چھان لی ہے دادا میں نے، دوسرے کو الگ پڑھان کیا ہے۔“

”دوسرے کون؟“ وہ ترشی سے بولا۔

”سبھی لوگ دادا! میری زبان لڑکھانے لگی۔“ بٹھل بھائی،

”تم آجائان کس کس کا نام لوں؟“

”اپن دوسرے لوگ ہے راجا؟“

”تم تو بات پچھرتے۔“ میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے، کیا

ایک میرے لیے سبھی ہے گھر اور خوار نہیں ہوئے؟

”تو اُن کا لاڈ لاچ رہا راجا!“

”دادا! خدا کے لیے میں کروئی تلاش نہیں راس نہیں آتی۔“

بسیلہ میں کیا ہوا تھا، بیٹی میں اور یہاں کیا ہوا۔ میں نے طے کر لیا ہے

اب کہیں نہیں جاؤں گا، کسی کو پڑھان نہیں کروں گا، دادا! یقین

کر دو، میں نے اپنے آپ بہت کچھ طے کیا ہے۔ تم دیکھنا۔“

”یہ تو ایک دم اچھا بات ہے۔“

”تو پھر چل دو دادا!“ میں نے عاجزی سے کہا۔

کوئی ہماری نظروں کے سامنے تھی۔ پیر میری مگر پر دھپ

مارتے ہوئے بولا: ابھی اپن ایدر آ رہی کیا ہے راجا!“

”پھر تم جاکے تلی کرو۔“ میں نے رنج ہو کر کہا۔ میں نہیں کھڑا رہتا ہوں۔“

اُس نے مجھے اُن کی طرف دھکیل دیا اور کہنے لگا کہ تیرے بقول

یہاں اتنا وقت برابر ہوا ہے، وہاں کچھ اور سی، ہلنے میں کیا حرج ہے۔

ہم کوئی کچھ دروازے تک پہنچ گئے تھے۔ وہی سیاہ فام دربان وہاں

موجود تھا جس سے پہلی مرتبہ ہماری مدد ہوئی تھی۔ پیر نے نواب کے

ہائے میں پوچھا تو دربان اوپر سے نیچے تک نہیں دیکھنے لگا پیر نے

اُسے کسمائے کا زیادہ موقع نہیں دیا اور بولا کہ نواب صاحب

ہے میں چند لمحوں کا کام ہے، بہتر ہے کہ اندر جا کے بتا دیا جائے پیر

نے مزید تاکید کی کہ وہ نواب پر واضح کرنے کہ وہی لوگ آئے ہیں جو تیرے

افکارہ دن پہلے اُس سے ملے آئے تھے، وہاں بھی ہیں بچان گیا تھا،

کے لگا کہ نواب کہیں جانے کی تیاری کر رہا ہے، شاید شکل سے ملاقات

ہو، ہم کی اور وقت آجائیں تو مناسب ہے گھر پر کے اہلکار پر وہ بادل

ناخوار آدہ ہو گیا۔ ہم موٹیں یہاں آتے تو دربان بھی اتنی جت نہ

کرتا، اُس نے میں پیدل آتے ہو دیکھا تھا۔ ہم باہر کھڑے انتظار کرتے

ہے۔ دربان نے دایہ میں پانچ منٹ اور دگر دیے۔ دایہ آ کے اُس

نے میں اندر جانے کی اجازت مانے دی۔ احاطے میں قدم رکھتے ہی

میرا سارا جسم دھڑکنے لگا۔ میں اُس کے میں بٹھا دیا گیا جہاں ہم

پہلے بیٹھے تھے۔ کمرے میں روشنائی جلا دی گئی تھیں حالانکہ ابھی دھیر

گہرائی میں ہوا تھا۔ میری نظر گھڑی پر پڑی، ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔

یہاں آئے کے بعد اب مجھے بھی کچھ کچھ شبہ ہونے لگا تھا کہ

کہیں پروکار کا قیاس درست نہ ہو اور مولوی صاحب اُچی موجود نہ

ہوں۔ انھوں نے ثروت یار سے کہا تھا کہ مراد آباد سے دایہ پر وہ

پیر اُس کے گھر آئیں گے۔ ہو سکتا ہے راستے میں انھیں کوئی مجبوری

پیش آئی ہو جو وہ اپنے پروکار کے مطابق یہاں نہ پہنچ سکے لیکن وہ بعد

میں بھی تو آئے ہیں نواب ثروت یار سے ہمارے ملنے کے بعد، گزشتہ

سترہ اٹھارہ روز میں کسی دن بھی۔ نواب کے والد سے اُن کے ویرہ

ملازم تھے اور اُس کے بقول جب مولوی صاحب نے حیدر آباد میں

سکونت کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو اُس نے انھیں اپنی کوٹھی میں رہنے

کی پیش کش کی تھی لیکن بنے مولوی صاحب نے یہ پیش کش قبول کر

لی ہو۔ نواب کی اس حدید طرز کی کوٹھی میں جگہ کی کمی نہیں ہے۔ کیا

معلوم اندر دروازے سے نواب ثروت یار کے بدلے مولوی صاحب

آئی ہوا ہوں میرے ساموں سے پسینہ پھوٹنے لگا۔ اُسی نے دروازے

پر آہٹ ہوئی، میں کرسی سے اُچھل پڑا۔ وہ خاموشی سے اُس نے پہلے کی طرح ہمارے سامنے چائے لاکے رکھ دی اور چھیلوں کا پشت۔ پیر دیر سے پاس ہی بیٹھا تھا اور اُس نے زور سے میرا بازو پکڑ رکھا تھا۔ اُس کی گرفت تباہی جی تھی کہ اُس کا حال بھی مجھ سے مختلف نہیں ہے۔ اگر مولوی صاحب آگئے ہیں تو کیا نواب نے انھیں بتا دیا ہے کہ ہم دونوں چند دن پہلے اُن کی تلاش میں آئے تھے۔ نہ معلوم مولوی صاحب نے کیا توکل ظاہر کیا ہو۔ ہو سکتا ہے جیہ کہ نواب نے ساری رو دوا دس کے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ اُس نے ہماری آمد کے متعلق انھیں کچھ بتایا ہو پیر نے نواب ثروت یار سے کہا تھا کہ مولوی صاحب کی ایک حالت ٹوٹنے کے لیے ہیں ایک مدت سے اُن کی تلاش ہے۔ نواب کی تشویش دور کرنے کے لیے پیر کو کچھ نہ بگڑتا چاہیے تھا۔ پیر نے مجھے مولوی صاحب کا شہ واد بتایا تھا اور کہا تھا کہ میری مال مولوی صاحب کی بہن نے اُن کی جائداد چھتالی بھی اور مولوی صاحب دل برداشتہ ہو کر عرصے سے مراد آباد کی سکونت ترک کر چکے تھے۔ میں نے نواب کے ہم سے ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔ اور مولوی صاحب کو ہماری آمد کے متعلق کچھ نہ بتانے کا وعدہ کیا تھا۔ اُس نے میں یقین دلایا تھا کہ مولوی صاحب کے آنے پر وہ خط کے ذریعے میں مطلع کرنے کا کام ہم یہاں آجائیں اور پھر بے ہوش لگیں۔ اُس نے کہا تھا کہ میرے اور مولوی صاحب کے درمیان ٹوٹا ہوا شرت جوڑنے، رفاقت کا وسیلہ بننے میں خوشی ہوگی۔ میں نے خط کے لیے اُسے بیٹی میں چولین کا پتہ دیا تھا۔ کچھ بعد میں کہ مولوی صاحب کے آنے پر اُس نے اپنے وعدے کے مطابق میں بھی کوئی خط لکھا ہوا اور اُس کے لیے ہماری آمد کی اطلاع ایسی غیر متوقع نہ ہو۔ مولوی صاحب کو اُس نے کچھ بتایا تو میں ہوگا۔ خدا کے ایسا ہی ہو گا۔ میری توبہ سب مغفرتے ہیں۔ اصل میں مولوی صاحب کی آمد شرط ہے تبھی یہ سب کچھ ممکن ہے۔ مولوی صاحب اگر نہ آئے ہوتے تو نواب کو ہمیں اندر بلانے کی کیا ضرورت تھی، وہ دربان سے کہہ سکتا تھا۔ کہ اگر ہم صرف اس سلسلے میں ملنا چاہتے ہیں تو دونوں کا ذات ضائع ہوگا۔ کوئی بات ہی ہوگی جیہ اُس نے میں اندر بلایا ہے۔

اُس کے آنے کی جتنی دیر ہو رہی تھی، میرے دل کی دھڑکن معلوم ہوتی جاتی تھی۔ خادموں کے جانے کے بعد کمرے میں گہرا خاموشی چھا گئی۔ میں یہاں بیٹھے ہوئے اتنی دیر نہیں ہوتی تھی گھر لگتا تھا جیسے پیر گزر گیا ہو۔ پیر بھی بت کی طرح ساکت بیٹھا تھا۔ سامنے دروازے پر پیر کے سر سرٹ پر اُس کی انگلیاں میرے بازو میں کھینچ لگیں۔

چند منٹ اور گزرے ہوں گے کہ دوائے پر ہاٹ گوجی، مردانہ بوتلوں کی چاب تھی۔ دوائے کی طرف دیکھتے دیکھتے میری آنکھوں میں ہندو سہی آگئی تھی۔ دوسرے جو شخص اندر داخل ہوا وہ نواب ثروت یار تھا۔ میں نے انھیں بند کر دیں میری سائیں ایک لمبے کیلے رک گئی تھیں۔ اس کے نفرتانے پر بے شکون سالار مولوی صاحب اگر سننے ہوتے تو شاید مردانہ نکل جاتا پر پڑنے بچے کتنی ماری تو میں چڑا تا ہوا صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا اور نہ جانے کس طرح نواب کو سلام کیا اس کے پیچھے جانے پر ہم دونوں بھی جلدی سے بیٹھ گئے۔ اس کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک تھی، مسکراتے ہونٹوں سے اس نے ہمارا مہاج پوچھا۔ اس کے دیکھنے کے انداز میں تجسس بھرا ہوا تھا اور وہ پہلے سے کچھ زیادہ جوان اور تر تازہ لگ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کہتا پھرے پرونے بے وقت آنے کی معذرت چاہی اور بولا، اُسے دربان سے معلوم ہو گیا تھا کہ نواب کہیں جانے کی تیاری کر رہے۔ نواب نے شائستگی سے کہا کہ اسے کوئی ایسی جلدی نہیں ہے۔ یہ وہ نکلفا ہی کہ رہا تھا، مکلف تیرانی پاجامے اور جوتوں سے ظاہر تھا کہ اگر دُور سے آئے تو وہ گھر سے نکل گیا ہوتا۔ اُس کے سر پر صرف ٹوپی نہیں تھی۔ سیاہ بال بیلے سے کڑھے ہوئے تھے۔

”ابن آپ کو یاد ہے نا؟“ پرونے جھکتی زبان میں پوچھا۔ ”خوب!“ نواب مستوری سے بولا، میں خوب یاد ہے، دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔ یہ عمر بھول جانے کی تو میں ہے، سچ تو یہ ہے کہ ہم آپ کے منظر تھے۔ میرے کان دھکنے لگے۔

”ابن کا انتظار میں تھا آپ؟“ پرونے سٹہ پٹی آواز میں پوچھا۔ ”ہاں!“ نواب نے چمکا ہٹ سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”کیا اپن کو آپ نے کوئی خط پتہ لکھا تھا؟“ نواب نے تامل کے بعد جواب دیا، ”نہیں!“ پرونے میری رائے سے اُس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ ”ہم آپ کو خط لکھا ہی چاہتے تھے۔“

”کیا مولوی صاحب آگئے ہیں؟ پرونے کے بولنے سے پہلے میں نے چھٹی جوتی آواز میں پوچھا۔ نواب کی سُرُخ آنکھیں بھر پر کوز ہو گئیں، اُن میں چنگاریاں سی جھمک رہی تھیں، وہ گہری سانس بھر کے بولا، ”ہم آپ کے کیا ہیں؟“ ”ابن کو پرونے نواب صاحب، کیا، کیا وہ ایدسا گیا ہے؟“ پرونے نے بے چینی سے کہا۔

”ہم آپ سے شرمندہ ہیں کہ اپنے وعدے کے مطابق آپ کو خط نہ لکھ سکے۔“ نواب کی آواز تپتی ہوئی تھی۔ ”کوئی بات نہیں پرونے آگیا ہے نا؟“ پرونے تیزی سے پرونے ”ابن کو ابھی صاف صاف بولو۔“ ”آپ کی اس بے تابی سے میں اور خجالت ہو رہی ہے۔“ نواب نے نظر اٹھاتے ہوئے بولا، ”دہ آگئے تھے؟“ ”آگیا تھا؟“ پرونے جھکتی آواز میں کہا، ”آپ کیا بول رہے ہیں؟“ ”نواب صاحب!“ ”دہ آگئے تھے لیکن چلے گئے۔“ ”چلا گیا! کدھر؟“ ”ہم آپ کو ساری بات بتاتے ہیں، یقین کیجیے، آپ کے دوبارہ یہاں دیکھنے کے ہیں اپنی کوتاہی کا شدت سے احساس ہو رہا ہے، لیکن، لیکن ہم نے.....“ ”اس کو ابھی چھوڑو نواب صاحب، آپ پرونے کی بات کاڑ کے ترشی سے بولا، ”ابن ابھی ابھی اور یہی نہیں کیا تھا، ایدر ہی تھا۔“

”آپ یہیں تھے؟“ نواب نے چھٹی چھٹی آنکھوں سے پوچھا۔ ”ابن نہیں جاسکا تھا۔“ ”تو پھر آپ نے دربان میں یہاں زحمت کیوں نہیں کی؟“ ”ابن نہیں آسکتا تھا۔ پرونے خندی سے کہا، ”آپ بولو۔“

”ابھی بات کیا ہے؟“ ”آپ کے جانے کے بعد مولوی صاحب تشریف لائے تھے۔“ ”نواب نے آسف سے کہا، ”اُس کے کوئی چار پانچ روز بعد ہی وہ آگئے تھے مگر چلے گئے۔“ ”میں نے اُس سے پوچھا میری آواز کیا پکڑی تھی۔“

”مخلای بہتر جانتا ہے۔“ ”آپ کو کچھ بول کے نہیں گیا؟“ ”ہم سے رخصت ہونا بھی ضروری نہیں تھا، اُنھوں نے۔“ ”آپ کیا بول رہا ہے؟“

”کچھ ہی سے جناب ہیں!“ نواب ٹہلے میں بولا، ”وہ اچانک چلے گئے، ہم سکندرا تادین اپنے ایک ہندو دوست کی شادی میں گئے تھے، اُن سے کہہ گئے تھے۔“ ”واپس آئے تو وہ یہاں نہیں تھے، اُن کے پاس منقر سامان تھا۔ ملازمین سے بھی اُنھوں نے کچھ نہیں کہا۔“

پرونے بے اختیار میری طرف دیکھا۔ میرا سارا جسم ڈھکیا جا رہا تھا۔ کیا وہ ایسا تھا؟ ”پرونے منظر کے میں پوچھا۔“ ”نہیں۔“ نواب نے ایک لمبے کے توقف کے بعد کہا، ”اُن کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی۔“

”لڑکی تھا؟“ پرونے تیزی سے بولا، ”پھر ایسا کیا بات ہوا جو وہ چلا گیا۔“

”ہم کیا کہہ سکتے ہیں، صبح دس بجے کے قریب اُن سے مل گئے تھے اور یہ کہہ کے کشاکش کو دہائی میں دیر ہو سکتی ہے، وہ رات کے کھانے پر تیار انتظار نہ کریں۔ ہم شام ہی کو واپس آگئے تھے لیکن وہ جا چکے تھے۔“

”ایسا کیا؟“ پرونے مایوسی سے کہا، ”ابھی آپ نے اپنے لوگ کے بلے اُن سے کچھ بولا تھا؟“

”جواب میں نواب ہمارے چہرے دیکھا کیا۔ اُس کی تذبذب آواز خوشی پر پرونے دوبارہ اُس سے پوچھا، ”ابن لوگ کا آپ کوئی بات کیا تھا؟“

”پہلے آپ یہ فراموش نہ کریں کہ آپ نے میں جو روادوستی تھی، کیا اُس میں کوئی..... وہ پہلو بدل کے بولا، ”ہماری مراد ہے، شاید ہی سے کوئی درگزر داشت ہوگی۔“

”آپ کیا بولا تھا اُن کو؟“ ”ہم نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کی آمد کی بات انھیں پرونے بتا دیں گے۔ ہم اس پر کار بند بھی نہ تھے جس روز وہ تشریف لائے، اُنھوں نے اصرار کیا کہ شرفائے علاقے میں ہم اُن کے لیے کسی چھوٹے سے کم قیمت مکان کا بندوبست کر دیں تو نہایت مناسب ہو، ہم نے اُن سے گزارش کی، حضرت اتنی بڑی کوئی یہاں نہیں جگہ جاسکتی تھی۔“

”فراموش یہاں افراد خانہ ہی کتنے ہیں۔ ایک بھائی، ایک بہن، ایک ماں، باقی سب ملازم ہیں۔ ایک بھائی یورپ تعلیم حاصل کرتے گیا ہے۔ باقی ہمیں اپنے گھر کی ہوگی ہیں۔ آپ کے آنے سے کوئی تنگی نہیں ہو جائے گی، خیر، اس یقین دہانی پر وہ یہاں ٹھہرنے کے لیے آدہ ہو گئے، مگر ہم اُن کے لیے الگ مکان کا بندوبست کر دیں گے، اگر وہ خود اپنی ضرورت کے مطابق مکان کی تلاش میں کامیاب ہو گئے تو چلے جائیں گے۔ اُنھوں نے عمارت کے پچھلے والے حصے میں رہنا پسند کیا۔ یہ جگہ اُن کے لیے موزوں بھی تھی، عمارت سے ملحق ہونے کے باوجود حالت سے بڑی الگ تھلک۔ میں کچھ اندازہ تھا کہ وہ ایک گوشہ نشین کم کوٹھیں ہیں، ہجوم سے گھبراتے ہیں۔ اس حصے سے ملحق لائبریری

خوف!

ایک ایسا مسئلہ جس سے ہر شخص دوچار ہے۔

خوف سے آدمی پریشان ہوتا ہے۔

خوف سے آدمی پاگل ہو جاتا ہے۔

خوف سے زندگی ناکام ہو جاتی ہے۔

خوف سے ازدواجی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔

خوف سے آدمی عوگشی کر لیتا ہے۔

خوف دیکھ کی طرح زندگی کو پاشا کرتا ہے۔

شرم بھی خوف ہی کا ایک پہلو ہے اور اتنا ہی خطرناک

اُردو کے جانے بچانے شرف نفسیات اور ایب اسلام حسین کے قلم



خوف و شرم

اور اس کا سد باب

کا مطالعہ کیجیے

اور ان کمزوریوں سے نجات حاصل کر کے

کیا بلا خوش و خرم زندگی گزار لیں

قیمت ۲۰ روپے

مکتبہ نفسیات پوسٹ بکس ۹۲۲ کراچی ۲

بھی ہے چناں پیر لبریری بھی ان سے قریب ہے گی۔ پہلا دن تو یوں ہی گزر گیا، دوسرے دن بھی آپ کا خیال آیا۔ ہم نے سوچا، آپ کو خط لکھ دیں لیکن پھر سوچتے ہی رہ گئے۔ کچھ یہ اطمینان بھی اپنی جگہ تھا کہ مولوی صاحب کو اب یہیں قیام فزاید، ہم کسی وقت بھی آپ کے اذکار لے سکتے ہیں۔ اصل میں ہمارا ذہن ایک اور بات سے منتشر ہو گیا تھا کہ آپ کی اچانک آمد مولوی صاحب کو گراں نہ گزر جائے، اچھا ہوگا کہ پہلے اس نئی جگہ سے ان کی ذہنی مخالفت ہو جائے اور پھر بہت سے کہہ سکتے ہیں ہم اس سلسلے میں ان کا عندیہ لے لیں۔ وہ بہت پریشان نظر آتے تھے۔ کسی نئی جگہ بیٹے میں غائبی، اضطراب و تردد ہونا بھی چاہیے۔ انھیں یہاں وسیلہ معاش کا بھی کچھ انتظام کرنا تھا حالانکہ اس معاملے میں انھیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی، یہاں اللہ نے بہت کچھ دیا ہے مگر یہ بات ان جیسے غور اور حساس شخص سے ہم کیسے کہہ سکتے تھے۔ وہ یہاں قیام اپنی پر شکل سے راضی ہوئے تھے معاف کیجیے اس بدگمانی نے بھی ہمارے دل میں بکلی کہ آپ کی روداد میں کوئی پہلو اور حوالہ ہو سکتا ہے مولوی صاحب اگر کسی سے ملنا یا تعلق رکھنا نہیں چاہتے تو ہم درمیان میں پڑنے والے کون، بہتر ہے کسی موقع پر ہم ان سے کناشہ ذکر کر کے دیکھیں پھر آپ سے کوئی سلسلہ بنائی کریں۔ یوں آپ کے اچانک آجانے سے وہ مکرر نہ ہو جائیں، ہماری طرف سے ان کے دل میں کوئی گڑبڑ نہ پڑ جائے۔ جانے کیسی کسی تہی میں سے بھی ہو، والد محترم کی نسبت ان کے اور ہمارے درمیان ادب کا لحاظ کی ایک حد تو برجال قائم کرتی تھی۔

خادم کے کمرے میں آنے پر نواب کی بات کا سلسلہ ٹوٹ گیا وہ دے دے قدموں کمرے میں داخل ہوئی اور خاص دان میز پر بکھ کے فوراً بیٹھی۔ اس کے آجانے سے نواب کو سانسے میز پر بھی ہوتی پائے نظر اگئی اور وہ خائف لیے میں بولا: "آپ نے چائے کو تو ہاتھ ہی نہیں لگایا، ٹھنڈی ہو جائے گی۔"

"ٹھنڈی ہو جائے گا تو دوسرا آجائے گا۔ پیر نے لیا ہے حاجت سے لکھا۔ ابھی آپ کی بول رہا تھا نواب صاحب؟"

نواب نے چائے پونش اٹھا کے چائے والی چھوکہ دیکھی: "ابھی گرم ہے، ہمارا خیال ہے، ایک چائے پانی پی لیجیے۔"

"ابن ابھی بعد کو پی لے گا۔"

نواب نے چائے والی ڈھک دی اور مٹی ہوئی آواز میں بولا۔

"میں کچھ احتیاط و آداب نہ ہیں رکھے رکھا لیکن جب بھی ان کا سامنا ہوتا تھا، آپ دونوں حضرات کے سپرے ہماری آنکھوں میں گھونٹے

لگتے تھے۔ دوسرا دن گزرا، تیسرا دن بھی۔ ہم نے ہر ممکن کوشش کی تھی کہ انھیں کسی قسم کی زحمت نہ ہو، ملازمن کو خاص طور پر ان خیال رکھنے کی ہدایت کر دی گئی تھی خود والدہ محترمہ نے جاکے ان کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ اب وہ ایسے اپنا ہی گھر بھیجیں کسی چڑکی ضرورت ہو تو بلا تکلف فرادیں، ان کے آنے سے گھر کی رونق بڑھتی ہے، گھر میں اب ایک ملازم موجود ہے وغیرہ وغیرہ۔ ہیں تو حق بھی کہ مولوی صاحب کو یہاں تھوڑی بہت کی مٹی ضرور نصیب ہوگی۔ ان کے چہرے سے جہاں تھا کہ یا تو انھیں بہت حسد پہنچے ہیں یا انھیں آئندہ کی فکر کچھ زیادہ لاحق ہے۔ گھر لے گئے، گھر لے گئے، سفر کی تکال بھی اس کی وجہ ہو سکتی تھی یا جیسے کہ ہم نے عرض کیا، کسی جگہ کی اجنبیت ہی سبب ہو سکتا ہے۔ بہر حال ایک بات ضرور تھی۔ ان تمام شکلیوں کے باوجود ان کا چہرہ عزم سے عاری نہیں تھا۔ غائبانی عزم انھیں شکر اور مستعد رکھے ہوئے تھا۔ سفر گھر کی تلاش، خود داری اور خود داری کو اس عزم کی علامتیں کہا جاسکتا ہے۔ ہمارے دل میں یقین کیجیے، ان کے لیے بڑی عزت تھی، عیا کی، بلکہ ہے، ان کے آنے سے ہمیں بہت خوشی ہوتی تھی مگر انھوں نے اپنے نصیب کو توغی نہیں دیا شاید ہم ان کے کسی کام آسکے جو تھے دن شام کے وقت ہم ان کے ساتھ چائے پی رہے تھے۔ والد محرم کا تذکرہ تھا۔ ہم نے پہلے کی نسبت انھیں کسی تذکرہ سے منع اور مطمئن دیکھا تو وقت مناسب سمجھا۔ آپ کی بات میں یا تو حق کہ آپ ان کی کوئی امانت بھی لوٹنا چاہتے تھے، جا نداد وغیرہ۔ ہم نے سوچا، مولوی صاحب ہم سے کبھی اپنا حال بیان نہیں کریں گے، ان کا مالی بھنوں کے تدارک کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان کی جائداد پر مل جائے شاید اسی طرح زخموں کا کچھ ازال ہو سکے اور بیسوں کا صبر دور ہو جائے۔ ہم نے جھگٹے جھگٹے ان سے آپ کا نام آیا۔

"آپ ان کو اس کا نام بول دیا تھا؟ نواب سانس لینے کے لیے رکھا کہ پیر نے ذہنی انداز میں بوجھا۔

"جی ہاں، ہم نے سرسری طور پر ان کے خاندانی معاملات کا کچھ چھیڑا انھوں نے برا نہیں مانا، ہمیں اور حرات ہوئی، ہم نے کسی ہیر پھیر کے بجائے سیدھے سادے انداز میں بار بار صاحب کا نام لیا۔ یہی نام بتایا تھا آپ نے؟"

"جی، جی، بولا تھا، ایک دم ہی پیر نے بے تابانہ کہا۔ میرے ہاتھ پر پش پش ہوئے جیسے تھے۔ نواب کی نظریں بار بار مجھ پر آئے، نگ جائیں۔ میں سر جھکا کر ان کو تیرا دم اور گھٹنے لگتا۔

"ہم کیا کہہ سکتے ہیں کہ کیا ہوا؟ نواب شرم یا رولا۔ مولوی

صاحب کی اس کیفیت کا حال بیان کرنا مشکل ہے۔ وہ بے ساختہ اچھل پڑے پھر ان پر دھو دھو سلاطری ہو گیا۔ وہ بہت ہو کے میں دیکھنے لگے۔ آپ نے جس بتایا تھا کہ آٹھ سو سال سے ان سے کوئی لڑکا مضطرب نہیں ہے چنانچہ ان کا انتخاب ہمارے لیے اتنا غیر متوقع نہیں تھا لیکن کچھ سمجھنے سے قاصر تھے۔ ہم آگے زبان کھولنے کے لیے ان کے بٹ، یعنی ریشم کا ایک اندازہ کرنا چاہتے تھے۔ شاید وہ بھی یہی چاہتے تھے اسی لیے چپ رہے۔ آپ کچھ کہے ہیں یا نہ؟

"ابن ایک دم بکھر رہا ہے نواب صاحب آپ پر رونے تیزی سے کہ۔

نواب ٹھیر گیا، جیسے کچھ بھول گیا ہو۔ اس کی آنکھوں کی سرخی گہری ہوئی تھی چہرے پر بھی دھواں سا چھا یا ہوا تھا۔ پیر نے دخل نہیں دیا، چند لمحوں بعد وہ خود ہی بوجھل آوازیں بولا: "ہم نے ان سے کہا تھا کہ آپ اس نام کی کسی شخص سے واقف ہیں؟ وہ فوراً کوئی جواب دینے کے لیے انھیں ٹوکا کہ آپ چپ کیوں ہو گئے؟ چونکہ ہم نے ذکر پڑھا تھا نواب ہیں کچھ نہ کچھ تو کسائی تھا۔ ہمارے ٹوکے پر وہ چونک پڑے اور عالم اضطراب کے باوجود انھوں نے بیکال قتل مجھے وی سوال کیا جس کا ہمیں علم تھا لیکن جس کا جواب ہمارے لیے آسان نہیں تھا۔ انھوں نے ہم سے پوچھا کہ ہم یہ نام کس طرح جانتے ہیں؟ ہم کہہ سکتے تھے کہ ہمارے پاس کوئی خط آیا تھا یا کسی دفتر کا رتن ہم سے مراد ابا کے ان صاحب کا تذکرہ کیا تھا یا جس کو دیکھیں، روایا کی صاحب ملے تھے۔ مراد ابا و دیے بھی اتنا برا اثر نہیں ہے جیسے شہر میں ایک دوسرے کے واقف کا زکلی ہی آتے ہیں مگر ہم نے بھی بہتر تھا کہ انھیں صاف صاف بتا دیا جائے تاکہ بعد میں ان کے سامنے کوئی سخت نہ ہو۔ ہم نے کہا، یہ صاحب یہاں آئے تھے۔ یہ سن کے ہمیں کسٹا چلیے کہ ان پر ستانا سلاطری ہو گیا مگر ان کی کیفیت زیادہ پیر بزرگ اندر نہ کی۔ انھوں نے ہم سے پوچھا، یہاں آئے تھے؟ ان کی آواز سے کبھی گ اور حیرت چھپانے نہیں چھپ رہی تھی۔ ہم نے کہا، جی ہاں میں آئے تھے اور آپ کے ہاں سے میں معلوم کر رہے تھے اور آپ نے کیا فرمایا؟ انھوں نے ہم سے پوچھا۔ ہم نے عرض کیا، ہم نے انھیں بتا دیا تھا کہ مولوی صاحب قبلہ یہاں تشریف لائے تھے، مدت دراز کے بعد انھیں کسی ضروری کام سے مراد ابا کا جانا تھا یہیں واپس آنے کے لیے فرما گئے تھے لیکن اب کوئی ڈیڑھ ماہ کے قریب ہو رہا ہے، وہ وہیں آئے لیں۔ ہم سے پوچھا کہ ہم نے اور کیا کہا۔ ہم نے ان سے عرض کیا کہ ان کے جوا بھلا ہوا لڑکیا کہہ سکتے تھے۔ انھوں نے سوال کیا کہ آپ کی

آمد کا آخر کیا مقصد تھا؟ ہم نے کچھ تو اس بابت معلوم کیا ہوگا کہ ہم نے کہا جی ہاں یہ تو ہمیں پوچھنا ہی چاہیے تھا۔ انھوں نے بتایا تھا کہ مولوی صاحب ان کے قریبی عزیز ہیں، یہاں تک میں یاد پڑتا ہے، ماموں کا شرت بتایا تھا اور کہا تھا کہ ہماری والدہ نے مدت ہوئی اپنے بھائی کے مکان پر قبضہ کر لیا تھا۔ مولوی صاحب کو اپنی بہن سے یہ توقع ہو کر نہیں تھی۔ وہ کچھ اور تو نہ کر کے مراد ابا کو تیرا دیا کہ اس کے بعد ان کی کوئی غیر خبر معلوم نہ ہوگی۔ بار بار زماں صاحب بھی اب مراد ابا میں نہیں رہتے، ہمیں میں قیام ہے تاہم عرصے سے وہ آپ کی تلاش میں تھے۔ بڑی ٹنگ دو کے بعد آخر مراد ابا دی سے اچس آپ کا پتہ ملا اور وہ یہاں تک آئے پنچے۔ ہم نے مولوی صاحب سے حقیقت حال بیان کی کہ بار بار زماں آپ سے ملنے کے لیے بڑے بے تاب تھے کیونکہ وہ آپ کی امانت آپ کو لوٹنا چاہتے ہیں۔

مولوی صاحب نے کامل انہماک سے ہماری باتیں سنیں اور کسی قسم کا قہر نہیں کیا۔ ہم اسی تجویز سے کہ پہلے ان سے کچھ جان سکیں تو اچھا ہو لیکن بہر حال وہ ہمارے بزرگ تھے۔ انھوں نے ہمیں اس کا موقع ہی نہیں دیا۔ وہ سوال کرتے رہے، ہم جواب دیتے رہے۔ ہم نے زندگی ان کے مقابلے میں ظاہر ہے، نہایت کم گزری ہے، نصف لگ بھگ۔ مولوی صاحب کی عمر کے لوگوں میں قتل بڑا اور بڑا باری لاڑا آتی ہے گرم ہم ان سے بہت ناپسندیدہ کار ہونے کے باوجود اتنا تو اندازہ لگا سکتے تھے کہ اس ذکر سے وہ مضطرب اور منتشر ہو گئے تھے، متزلزل کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ آدمی ایک حد تک ہی اپنے احساسات چھپا سکتا ہے اور کم ہی لوگوں کو یہ قدرت ہوتی ہے کہ ہمیں ان سے ایک طرح کی مذمت ہو رہی تھی کہ ہم نے اچھا نہیں کیا، ان کے زخم کھلے۔ ہر چند مولوی صاحب نے کسی طرح کا اعتراض نہیں کیا تھا، خاموشی رہی بعد انھوں نے پوچھا کہ کس قاش کے لوگ تھے۔ ہم نے عرض کیا کہ وہ صاحبان آئے تھے، ایک بزرگ کا تعلق ہم سے تھا اور معلوم بھی ہو رہا تھا۔ دوسرے فرماں تھے، کئی کا نام ہم بار بار زماں بتایا گیا تھا۔ نہایت مذہب، و حیدر، کھلے ہوئے گندیں رنگ اور اعلیٰ ہوتی قامت کے آدمی تھے۔ سادہ لباس، گرم طبیعت میں قرار نہیں تھا۔ ہیں وہ اچھے لگے۔ وہ ایسے لوگوں میں تھے جن سے ایک ملاقات میں میری نہیں ہوتی اور پھر اپنے نقش چھوڑ جاتے ہیں۔ معاف کیجیے۔ وہ شائستگی سے بولا: "کم از کم ہمارا خیال ناشر تھا۔

مجھے اس کا شکریہ ادا نہیں کیا جاسکا، میں بس گنگ نفوس سے اُسے دیکھتا رہا میرے اس رہنے پر شاید اُس نے اپنی رائے میں ترمیم

کر لی ہوگی۔ اپنے اندازوں کے بارے میں اسے بہت خوش فہمی تھی۔ میرے لیے اس کے اندازے بس یہیں تک تھے، پہرے اور قد و قامت تک کوئی نہیں جانتا کہ اُن کے پیچھے کیسے کیسے رنگ اور کسی کیسی قاتمیں ہوتی ہیں۔ میرے جی میں آئی کہ اُس سے اپنا پورا تعارف ہی کرادوں، جیل چاقو بازی، اڈا گیری، میں اسے کیا کیا بتاتا۔ ان اجالوں کے پیچھے کیسے کیسے اندھیرے چھپے ہیں۔ یہ بھی تو میری اسی حقہ ہیں۔ انھیں جانے بغیر اسے کوئی رائے قائم نہیں کرنی چاہیے۔

”مولوی صاحب کو ہم سے ایک سوال کرنا چاہیے تھا۔“ وہ لڑٹی ہوئی سی آواز میں بولا کہ کیا وہ لوگ دوبارہ آنے کو کہہ گئے ہیں، وہ اب کہاں ہیں، چند لمحوں کے سکوت کے بعد انھوں نے ہم سے یہی پوچھا۔ ہم نے اُن سے کہا کہ اب تو وہ کبھی کبھی واپس چلے گئے ہوں گے۔ اپنا بلٹی کا پتہ دے گئے تھے جو ہمارے پاس محفوظ ہے۔ ہم سے کہہ گئے ہیں کہ اگر اس دوران آپ تشریف لے آئیں تو براہ کرم انھیں مطلع کر دیا جائے۔ ہم انھیں خط لکھ دیتے لیکن آپ سے شورو کیے بغیر اُن سے کوئی رابطہ ضبط غالباً مناسب نہیں تھا۔ اُن کے دیر تک چپ رہنے، پہرے نیا زائد انداز میں بولنے کہ وہ پتہ نہیں دے دیکھے گا۔ ہم نے جسارت کی کہ آخر یوں صاحب ہیں۔ کیا آپ اُن سے تجدیدِ تعلیق پسند کریں گے اور ہم نے اُن سے یہ بھی کہا کہ اب بھول بھی جائیے، وہ صاحب بہت نادم تھے خطائیں آدھوں سے ہوتی ہیں، معاف کر دیں تو اس ہوگا، ہمیں بھی خوشی ہو گی بس سنتے ہے۔ ہم نے اُن سے دوبارہ پوچھا تو صرف اتنا کہا کہ آپ ہمیں پتہ دے دیجیے مناسب ہو، انوکسی وقت اُن سے رابطہ قائم کر لیا جائے گا۔ ابھی دماغ کچھ حاضر نہیں ہے۔ اس کے بعد مزید کچھ کہنے سننے کی گنجائش نہیں رہ جاتی تھی۔ باقی میں دخل و مداخلت والی بات معلوم ہوئی، میزبانی کے بھی آداب ہوتے ہیں، ہم نے زبان بند رکھی ذات کے کھلنے پر ہماری اُن سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے ہم سے پتہ طلب نہیں کیا، ہم نے بھی اس سلسلے میں اُن سے کوئی بات نہیں کی رات کو وہ مطالعے کا تذکرہ کے جلد ہی ہم سے رخصت ہو گئے۔ اُس کے بعد کا حال ہم آپ کو بتا چکے ہیں۔ دوسرے دن ہم سکندر آباد چلے گئے۔ واپس آئے تو وہ موجود نہیں تھے۔“

نواب چپ ہو گیا۔ پیر و اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن پھر شاید اسے خیال آگیا کہ اب اور کیا پوچھنا باقی رہ گیا ہے۔ اُس نے میرے ہاتھ پر تھپکی دی، میرے جی میں آئی کہ یہاں سے بھاگ جاؤں۔ نواب کی سرخ آنکھیں بھی پر دم کو نہ ہونگی تھیں۔ میرا سینہ چٹا جا رہا تھا۔ ایدہ کسی سے بول کے بھی نہیں گیا؟“ پیر نے نواب پوچھا۔ پیر و کا دماغ بھی چل گیا

تھا۔ اتنی دیر سے نواب اور کیا کہہ رہا تھا۔

”یہاں صرف والدہ محترمہ تھیں۔ نواب نے کبھی ہونی آواز میں کہ ”ہیشہ بھی ہمارے ہمراہ سکندر آباد گئی تھیں۔ جانا تو اتنی جان کو بھی تنگ اُس دن اُن کا مزاج کی قدرنا ساز تھا۔ لازم ہے کہ مولوی صاحب نے والدہ کے بارے میں اُن سے پوچھا، کھانے کے بعد انھیں قیلوے کی پے۔ ملازموں نے بتایا کہ سوری ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا، پھر بہتر ہے، انھیں جگایا نہ جائے۔ ملازم سے انھوں نے تاکید لگایا۔ لازم اُن کی کیا کہہ سکتے تھے۔“

”ابھی ابھی آپ کیا سمجھتا ہے۔ ابن کا مطلب ہے، وہ ایسا ایدہ کیوں چلا گیا؟“ اتنا کچھ سننے کے بعد پیر و نے پھر ایک فضول بات کہی۔ نواب کے چہرے کا رنگ لال ہو گیا۔ ہم کیا کہہ سکتے ہیں کیا کہہ سکتے ہیں۔ وہ بھڑے ہوئے لمبے میں بولا۔ ہم نے آپ کو بتا تھا کہ سبھی نے اُن کی دل ہونی کی کوشش کی تھی، اُن کے آنے سے ہمیں بڑی مسرت ہوئی تھی مگر جانے کیوں، کون سی کوتاہی ہم سے نہ ہوئی۔ اگر صرف یہی وجہ تھی کہ ہم نے انھیں آپ کے بارے میں بتا دیا تھا تو کیا یہ ہم نے اچھا نہیں کیا تھا۔ سب کچھ اُسکی آواز کی پرنصر تھا۔ وہ آمادہ نہ ہوتے تو بخدا ہم بھی آپ کو نہ کہتے۔ اس میں ایسی کیا بات تھی جو وہ اتنے دل براشتہ ہو گئے یا یوں کیسے کہ برہم ہو گئے۔ ہمارے آنے کے بعد وہ جاکے تھے۔ وہ اپنی مرضی کے مالک و مختار تھے کسی وقت بھی جانے کا فیصلہ کر سکتے تھے۔ یوں سامان اٹھا کے گھر کے کمینوں سے لے بغیر چلے جانا، کوئی رسمی سامعزرتی پرزہ بھی لکھنا گوارا نہیں کیا، اسے کیا کہا جاسکتا ہے۔ ہم اپنی خطا سمجھ میں نہیں آتی۔ آپ ہی کچھ بتائیے۔“

”اپن کیا بولے نواب صاحب!“

”ہم آپ سے سچ کہیں۔ ہماری عقل میں کچھ نہیں آتا۔ یہ تو ایک بہت سیدھی سادی بات تھی کچھ لوگ اُن کی عدم موجودی میں اُن سے ملنے آئے تھے۔ ہم نے اُن کے آنے پر تذکرہ کر دیا۔ یقیناً کوئی اور یہی بات ہوگی۔“

”ابھی اور کیا ہو سکتا ہے نواب صاحب!“

”دیکھیے، آپ خود ہی سوچیے، سوچ کر ہم نے آپ کے گوش گزار کیا۔ یقین کیجیے، من و عن ہی پیش آیا ہے۔ اس میں آپ کو ہماری کون سی نظر اش نظر آتی ہے۔ یہ ہماری زندگی کا پہلا تجربہ ہے۔ اسی سال کو جتنا رنج ہوا ہے، ہم بتا نہیں سکتے۔ ہم سے پوچھتی ہیں لیکن ہم کوئی جواب نہیں دے پاتے، ہمارے آنے سے پہلے اتنی جان کو ملازموں سے اُن کے جانے کی اطلاع مل چکی تھی لہذا سکندر آباد سے آنے پر ہم مولوی صاحب

کی اچانک روانگی کے بارے میں اُن سے کوئی بہانہ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ہم تو اُس کے خوش شہرہ رونگے تھے۔ ہم نے پوری طرح تصدیق کر لی تھی کہ ہمارے سکندر آباد جانے کے بعد کوئی شخص اُن سے ملنے نہیں آ سکتا تھا۔ خطا یا غلطی ہو کہ موصو کی معاملہ بھی خارج از بحث ہے۔ فرض کیجئے کہ اُنہیں کوئی بھولا ہوا کام یا یاد آگیا تھا اور اُن کا جاننا اتنا ہی ضروری ہو گیا تھا اور والدہ سواری تھیں تو یہاں ملازم موجود تھے۔ وہ وہ لفظی رتھر تو لکھ سکتے تھے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے اس پہلو پر بھی غور کیا کہ آپ کا ذکر اُن کے لیے ایسا ہی ناقابلِ برداشت تھا یا اُنہیں آپ کو کوئی خون لاقی تھا اور آپ نے ہمیں جو روداد سنائی تھی سماعت کیجئے، ہم تسلیم کیے لیتے ہیں کہ وہ روداد حقائق پر مبنی نہیں تھی تو کیا..... نہیں نہیں وہ ہمیں اعتماد میں لے سکتے تھے۔ اُنہوں نے سب کچھ اُن کے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ ہم اُن کی نظروں میں ملتے نامتجرتھے؟ اشارہ کرتے تو یہاں پر مزہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔

"اپن سمجھتے کہ آپ کو کیا دکھ ہوگا؟ پر مرنے افروگی سے کہا اور کیا ایک نوبت پوچھنے لگا؟ اور وہ؟ وہ لڑکی آپ نے اُس کو دیکھا تھا نواب صاحب؟"

"وہ سمجھنے سے کیا مراد ہے آپ کی؟" وہ تیزی سے بولا۔

"اپن کا مطلب ہے، وہ کیا تھا؟ اچھی تو بہت بڑا ہو گیا ہوگا؟"

پیر ورنے جھکتے ہوئے کہا۔

نواب کے ہونٹ پھڑکنے لگے۔ وہ کھوئی کھوئی نظروں سے پر ڈھونڈتا رہا، پھر لیے لیے بولا "ہاں، جی ہاں ایسے اتفاق کیے اُس روز حسبِ عادت، دستک کی ضرورت تھی بغیر ہم اندر گھر میں داخل ہوئے تو وہ والدہ اور میرہو کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ ہمیں بڑی ندامت ہوئی اور ہم فوراً واپس ہو گئے۔ یوں ہمارا اُن کا آئنا سامنا ہوا تھا، ہاں چند لمحوں کے لیے یہ کہہ کے وہ جیسے کہیں گم ہو گیا۔"

"اچھی کیسا تھا وہ؟" پیر ورنے کھنٹی زبان سے اسے ٹوکا۔

پیر ورنے کے سوال پر ہرگز ہنسنا ہو گیا، مگر وہ سہی لمے اُس کے ساتھ کی شکلیں دُور ہو گئیں اور وہ سمدردی لیے میں بولا "ہاں آپ نے تو انہیں میرے سے نہیں دیکھا ہوگا۔"

پیر ورنے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا۔

"ماشا اللہ! خدا نظر بد سے بچائے۔ اب تو وہ ایک ایک منزل دو شہرہ نظار تھیں، ایک ایک فلی کرن آپ خاتون..... لفظوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتے تھے۔ وہ بات بدلنے کے انداز میں پیر ورنے پوچھنے لگا "کیا وہ مولوی صاحب کی دختر تھیں؟"

"اچھی مولوی صاحب نے کیا بولا آپ کو؟"

"انہوں نے یہی فرمایا تھا۔"

"پھر آپ ایسا کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"نہیں، یوں ہی،" نوبت کوئی جواب نہ دینا چاہتا تھا۔ ایک لمحے کے لیے اُس کا سارا جسم بل کھٹک گیا۔ یوں ہی ہمیں خیال آگیا کہ وہ بے ہوش ہو گیا تھا اور والدہ سواری تھیں تو یہاں ملازم موجود تھے۔ وہ وہ لفظی رتھر تو لکھ سکتے تھے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے اس پہلو پر بھی غور کیا کہ آپ کا ذکر اُن کے لیے ایسا ہی ناقابلِ برداشت تھا یا اُنہیں آپ کو کوئی خون لاقی تھا اور آپ نے ہمیں جو روداد سنائی تھی سماعت کیجئے، ہم تسلیم کیے لیتے ہیں کہ وہ روداد حقائق پر مبنی نہیں تھی تو کیا..... نہیں نہیں وہ ہمیں اعتماد میں لے سکتے تھے۔ اُنہوں نے سب کچھ اُن کے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ ہم اُن کی نظروں میں ملتے نامتجرتھے؟ اشارہ کرتے تو یہاں پر مزہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔

"وہ اسی کا بیٹا ہے؟" اچھا ہوا جو پیر ورنے نے کہہ کر نواب کو بے ضروری سوالوں سے نجات حاصل کر لی۔ نواب اُس کے جواب پر مطمئن نہیں ہوا تھا۔ پیر ورنے نے مزید بے ہوشی کی ہمت نہیں دی۔ عاجزانہ لیے میں پوچھنے لگا "اچھی آپ کا ماں بہن تو اُس کو زیادہ بھلا بات کیا ہوگا۔ وہ اُس کے لیے کیا بولتا ہے؟"

"اُن کی زبانیں تو مدح مرثی کرتے نہیں تھیں۔" نواب نے تہمتی آواز میں کہا۔ "انہیں تو گویا اپنا کوئی کھیا ہوا دل کیا تھا؟" کالیں نہیں چلتا تھا کہ وہ انہیں سسل اپنی نظروں کے سامنے رکھیں۔ دن میں وہ اُن سے اس قدر مانوس ہو گئی تھیں جیسے برسوں کی کٹا ہو۔ ہمیشہ کا جی ہی عالم تھا، زنجس بانو..... زنجس بانو سے نوا کی مراد کو رادی ہوگی، مولوی صاحب کا کھیا ہوا یہ نام مجھے زہرہ بتاتا تھا۔ نواب بھی، یہی نام ہے رہا تھا۔ کہنے لگا: نہایت تین اکمر لڑکی ہیں۔ اُنی جان کا خیال تھا کہ ماں بہن نہ ہونے سے اُس پر گہرا اثر ہے۔ اُنی جان نے اُن کی پیشکش دُور کرنے کی کوشش کی۔ وہ عموماً خاموش خاموش رہتی تھیں، ڈھوٹی ہوئی، ہمہ وقت کسی سو میں گم۔ اگر ہم یہ کہیں کہ چند دنوں میں وہ اُنی جان اور میرہو کی آگاہ کا تار بن گئی تھیں تو غلط نہ ہوگا۔ ہمارا یہ لگان بھی شاید غلط نہیں کہ اس توجہ کا زنجس بانو پر اچھا اثر مرتب ہو رہا تھا۔ ہمیشہ کا کہنا کہ اُن کا جی یہاں لگنے لگا تھا۔ اُن کے لیے اُن دونوں کی مختبرا احوال ہم کیا بیان کریں۔ اُنی تو بہت جذباتی ہو گئی تھیں۔ انہوں مولوی صاحب سے یہاں تک کہ دیا تھا کہ ہمارا جی چاہتا ہے زنجس بانو کو مستقل اپنی بیٹی بنا لیں۔ اُنی جان نے اپنے جذبات اظہار میں خامی جلدی کی تھی لیکن وہ بھی اپنی جگہ درست تھیں۔ خیال تھا کہ زنجس بانو کی طرف سے مولوی صاحب کے دل و دماغ پر بوجھ تو شاید اس طرح کم ہو سکے۔ اس سے پہلے متعدد بار اُن موقع آئے، انہوں نے ہمارے دلے جانی چاہی، یہ جانتے ہوئے کہ اُن کے حکم سے مرثی کی مجال ہم میں نہیں ہے۔ اُس بار انہوں نے

کوئی ذکر نہیں کیا شاید اس لیے اُس لیے کہ ہم بھی کوئی اعتراض نہ کرتے۔ نواب کی آواز بھر بھرنے لگی تھی، کتنی بار اُنی جان نے ہم پر زور دیا تھا اور جانے کہاں کہاں وہ دوڑ دھوپ کرتی رہی تھیں اور خود ہی متروک رہتی تھیں۔ غامضی نجات اور شرافت اُن کے دل میں بیٹھ رہے تھے لیکن اس مرتبہ تو اُن پر جیسے جادو ہو گیا تھا۔ نواب لفظ چاہتے تھے بولا "ہم آپ کو سب یوں بتا رہے ہیں کہ آپ مولوی صاحب کے لیے اس گھر کے عزت و احترام کا اندازہ کر سکیں۔ بے شک اُنی جان نے محنت کی تھی لیکن یہ محنت کوئی صاحب ہی کی طاقت تھ کی خاطر تھی۔ وہ اُن کے چہرے اور کمرے کے گئے کہ زنجس بانو تو آپ ہی کی بیٹی ہیں۔ وہ اس لیے کوئی بھی عذر کر سکتے تھے۔ یہی کچھ ہوتا ہے۔ اُنی جان نے تو ایک اشارہ کیا تھا، اپنی خواہش کا اظہار، لیکن عرض کو رادی تھی، مولوی صاحب کی نگاہیں دیکھ بغیر وہ دوبارہ ایسی بات بھی زبان سے نہ نکالتیں۔ مولوی صاحب کو کٹ کر بنا چاہیے تھا۔ وہ شرفا میں آئے تھے۔ سمجھ رہے ہیں آپ؟"

"ہاں، ہاں،" پیر ورنے کے بولتے اپن اچھی سب کچھ رہا ہے۔

"بس یہی کچھ احوال تھا۔" نواب تھکے ہوئے لیے میں بولا۔

"اچھی دیکھو شاید وہ ٹوٹ کے آجائے۔"

نواب کے ہونٹ لٹک گئے، تندی سے بولا "نہیں! نہیں! اب شاید وہ بھی نہ آئیں۔ واپس آئے دل اس طرح نہیں جایا کرتے۔"

"اچھی آپ ٹھیک ہی بولتا ہے، پر ابھی سکتا ہے، بھولا بھٹکا کبھی ایدر کو آجائے تو اُن کا جی ہے، اچھی آپ اپنے کو اُس کو بولے جانتی لکھ لے گا۔ اپن پر بڑا احسان ہوگا۔"

"پہلے وہ آتو جائیں،" نواب نے پسی کی سکراب سے کہا۔

پیر ورنے کو متوش نظر میں میری طرف اٹھ گئیں، اُس نے زبان سے کچھ نہیں کہا، اُس کا مطلب یہ تھا کہ وہ میری طرف سے تسلی کرنا چاہتا تھا کہ کوئی اور سوال جواب تو باقی نہیں رہ گیا ہے۔ میرے دماغ میں اظہار اچھا یا ہوا تھا۔ میں نواب سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا، وہ کہہ رہا تھا کہ کوئی دینے وہاں رہی، زیادہ تر اُس کی ماں اور میں کے ساتھ رہی۔ اُن دونوں نے اُس سے جانے کتنی باتیں کی ہوں گی۔ کورا اسل تو خاموش نہیں رہی ہوگی جیلیر سے نکلنے کے بعد مولوی صاحب جانے لائے کہاں کہاں لیے پھرتے رہے، کتنے کھانے شہر لے چکے ہیں۔ وہ کب تک اپنے آپ کو باندھے سیتے ہوئے رکھ سکے گی، گھر میں جیسے ہی نواب کچھ باچھے کا ارادہ کرنا، میری آنکھوں میں دھند سی آرتی۔

جب پیر ورنے نواب سے اجازت چاہی، اُس وقت مجھے کچھ ہوش آیا۔ دوبارہ یہاں آنا نہیں ہوگا۔ میں نے اپنے اوسان بچنے کرنے

کی کوشش کی۔ میں نواب سے ایک لٹا کرنا چاہتا تھا کہ کیا وہ کچھ دیکھ لے دے، مجھے اپنی ماں اور بہن سے ملا سکتا ہے، یہ ممکن نہ ہو تو کم سے کم وہ مجھے اُن گھوڑوں پر بٹھے لیے جہاں یہاں کو رادی تھی، وہ میرے اُس کمرے میں لے چلے جہاں وہ ٹھہری تھی، میں بس وہاں جاکے فوراً واپس نہ لے گا۔ نواب اچھی طرح دیکھ چکے تھے، ہو سکتا ہے وہ اپنی کوئی چیز بھول گئی ہو، مگر میں سہجائی رہ گیا، میری زبان پتھر کی تھی میرا سارا دھوپ پتھر ہو گیا تھا۔ نواب کے حکم پر تیار نہ چائے، اُنکی تھی۔ نواب نے یہاں میری نظر بڑھائی، وہ میرے رزتے ہاتھوں سے گرتے گرتے پڑی۔ میں ہنسنے ایک دھونچھٹے حلق سے اُٹار سکا۔ نواب ہمیں روکنا چاہتا تھا لیکن پیر ورنے نے گایا، اُس نے نواب کو بتا دیا تھا کہ کتنی رات اُنکے بیوی کی گاڑی پکڑتی ہے، اب وقت کم رہ گیا ہے، دوسرے کچھ کام بھی نمٹانے ہیں۔ نواب عمارت کے باہر نکل گئے، میں پھوٹنے آیا، اُس نے پیر ورنے سے وعدہ لیا کہ تب بھی جارا جیر آنا، آنا ہوگا، ہم اُس سے ملنے ضرور آئیں گے۔

مجھے کچھ نہیں معلوم تھا کہ نواب ثروت یا رے کے گھر سے موٹریں ہم کتنی دیر میں پہنچے۔ پیر ورنے بھر خاموش رہا۔ سوچ ڈوب چکا تھا، دکائیں اور کبھی روشن ہو چکے تھے۔ میں اپنے ہی پریش پر ہونٹ لٹا تھا لیکن بیٹھے ہی میرا جسم دھڑکنا تھا، کبھی میرے پیر ورنے کا ہاتھ بھی مجھ پر بوجھ بنا ہوا تھا۔ اُس نے مجھے دھونچ رکھا تھا۔ موٹریز رفتاری سے سڑکوں پر گزرتی رہی، پھر وہ چارمینار کا علاقہ تھا جہاں پیر ورنے ڈرائیور کو بڑے نواب کی جوبلی چلنے کی ہدایت کی، میرے کان چلنے لگے اُس نے ڈرائیور کو بڑے نواب ہی کی جوبلی چلنے کے لیے کہا تھا۔ "میںں دادا! میںں نے ماجزی سے کما تے بدتے چھو رہو۔" میری آواز میں ہونی تھی۔

"کیا راجا! وہ چھپتے لیے میں جھسے بولا، اچھی ٹپ۔" اپن نے چارمینار گھڑیاں دیکھ لیں۔ اچھی ٹوٹ کے اپن بیدھا کھڑے ہوئے۔

"گھری پلو دادا!"

"اچھی بس جا کے ایک دم ٹوٹ پڑے گا۔ اور خاف دیکھ کے تھوڑا خوش ہو جائے گا۔ اور سے اپنا ٹھکانے کا رستہ اتنا دُور نہیں ہے۔"

"میلر جی بالکل نہیں چاہ رہا ہے۔"

"اپن جانتا ہے، پاپن اسی لیے تو اُور دُور جانے کا بولتا ہے، اُور جا کے اچھی جی بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔"

"نہیں دادا! میںں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔ اب کہیں اور مت چلو۔"

پیر ورنے مجھ سے امر نہیں کیا، ڈرائیور کو گھر کی طرف چلنے کا اشارہ کر دیا۔ موٹریز زیادہ دُور نہیں آئی تھی، ڈرائیور نے دہیں سے موٹریں "اچھی

سینہ کے راجا، یہ دنہ رگو میں کہا، ابھی اپنی سوچا ہے، اور
 نہیں جانا تو قیام نہ سمجھ کے کہیں گیا تھا۔ تو تو پہلے ہی ناول پڑھا
 میں نے پڑھ کر کہنا۔ پھر وہی چپ ہو گیا۔ دس ہندہ منٹ
 بعد موڑنا جان کی جوتی کے علاوہ میں داخل ہو گئی، جوتی میں دو
 موڑیں اور کھڑی تھیں ہم اندر پہنچے تو فاب شہت جنگ بھی موجود تھا
 شامو ڈورا اور مارنی وغیرہ نشست گاہ کے درمیان رکے ہوئے
 چمڑے کے سوٹ بیسوں میں سامان رکھ رہے تھے۔ ہر طرف مختلف چیزیں
 کا انبار لگا ہوا تھا۔ ساٹھیں، دو سو کپڑے، چھپنی اور چاندی کے برتن
 انگریزی سکول اور ٹائیفل کے ڈبے، لوتی گل دان نکھار دان اور
 زیورات کے جعبے کی ایک ایک کچا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ آبا جان کو
 آئے زیادہ دیر نہیں ہوئی ہے۔ ہم دونوں کو دیکھتے ہی فاب ہونے سے
 اٹھ کے پکٹا ہوا ہماری جانب بڑھا اور دونوں بازو پیٹنے لگے وہ بچے
 اور پیر کو بے ہوشے سنانے کی نشست پر بیٹھ گیا۔ ابھی آپ تو پورے لانا
 اٹھا لایا فاب صاحب! پیر وئے تیر سے کہا۔
 پھر بھی نہیں ہے، میں وقت کی گنتا ملا، جو سنانے نظر آیا، جلدی
 جلدی اٹھا لائے تو فاب شہت جنگ نے انکار سے کہا اور میری طرف
 دیکھتے ہوئے لانا تم نے آپ کے لیے بہت سوچا، کیا چیز لائیں۔ آپ
 کی پسند کا میں کوئی اندازہ نہیں تھا۔ بھر لائے ہیں، شاید آپ
 کو پسند آئے۔

میں نے سوچنا کیا۔ اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے میری
 زبان پر لفظ نکلا کہ رہ گئے۔ میں وہاں سے اٹھ جانا چاہتا تھا لیکن
 ایسے کس طرح اٹھ سکتا تھا۔ فاب نے اسی وقت جیسے ایک منٹ پوچس
 ڈبیا نکالی۔ اس میں ایک نہری دتی گھڑی چمکی ہی تھی۔ میرا ہاتھ تھا کہ
 اس نے لگائی پھر گھڑی باندھ دی۔ تیس سی ہے؟ وہ منگھٹکی سے لولا۔
 بہت بہت ابھی ہے۔ میں نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔
 اچھا ہوا جو میرے لئے اپنی طرف موڑ کر لیا اور چھپنی کے
 برتنوں کے منتقل پوچھ کر کرنے لگا۔ میں ڈورا وہاں سے اٹھ آیا اور
 باہر سبزہ زار کے سامنے چہرے کی کرسی پر آکے بیٹھ گیا۔ میرا اس آہم
 پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ باہر کی ٹھنڈی ہوا سے مجھ پر کبھی سی طاری
 ہونے لگی۔ کچھ دیر میں وہاں بیٹھا اپنی سائیں درست کرتا رہا ملا
 آجائے تھے اور ہر کوئی ٹھنڈک کے مجھ گھور کے دیکھتا تھا۔ میں وہاں
 سے اٹھ کر اندر کمرے میں آکے بستر پر لیٹ گیا۔ بستر پر آکے میرے سینہ
 اور دھنکے لگا کر راکھی مالک کے دلے جیسے میرے سینے میں چوست ہونے
 جاتے تھے اور جیسے ملازمین کے میرے گئے کے گرد اپنا حلقہ تنگ

رہی تھی۔ میں نے خود کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی، جیسا کہ پیر
 رہا تھا اگر کم دہاں جانے کا ارادہ ہی نہ کرتے، ابھی کھینچا جائے
 میں وہاں گیا ہی نہیں۔ کوئی فرق تو نہیں پڑا میں تو خود۔ کہو
 جانے سے دھک پڑا تھا اس لیے کہ مجھے ان کے بلے میں کسی گ
 کی توقع ہی نہیں تھی۔ میں دو رنگ خود کو نکلیاں و تیار ہا لیکن یہ
 بس میں کچھ نہیں تھا میرے سر میں اپنا ک شونچے لگتا اور بار بار
 بس ہی سو دھانسا کہ کسی طرح فاب ثروت یار کی کوئی پرتیچ جاؤ
 اور جا کے اس سے اپنا کدوں کو وہ تھوڑی دیر کے لیے مجھے اپنی ما
 اور بہن سے بات کرنے کی اجازت منے دے، میں اس سے کہہ دو
 گا کہ جب تک وہ مجھے یہ اجازت نہیں دے گا، اس کے دروازے
 پڑا ہوں گا۔ وہ فوجان ہونے کے باوجود ایک عجیدہ اور معقول
 ہے، میری بات نہیں ٹالے گا۔ میں اس سے کچھ نہیں تو نہیں رہا ضرر
 نہیں کہ اس کی ماں اور بہن نے کو راکھی ساری باتیں لائے تیار
 ہوں۔ فاب ضرور مان جانے گا۔ بہ صورت دیگر دوسرے طریقے ہیں
 میں رات کو کسی وقت کوئی کی دوا بھلا لنگ کے اندر داخل ہوں گا
 ہوں پھر زنان خانے کا راستہ تلاش کر لینا ایسا مشکل نہیں چاہا
 اور تیرے کے سامنے وہ کچھ نہیں چھپا سکیں گی۔ میرا مقصد انھیں کو
 نقصان پہنچانا تو نہیں۔

بے اختیار میں بستر سے اٹھ گیا، پھر اس سے پہلے کہ دروازہ
 سے نکلتا میرے پیر کو جیسے کسی نے بجڑ لیا۔ اب میں کہاں جا سکتا
 ہوں صبح یہاں حیدر آباد سے نکلنے کے لیے فاب شہت جنگ لگا،
 کرنے میں سب سب غدا صبح دھار ہونے تھے۔ میرے رنگ جانے سے
 وہ طبع عاقل گے؟ وہ اب یہاں ایک پیر بھی میرے بیڈ کے تختی نیچ
 ہو سکتے۔ فاب کے راضی ہونے پر سب سکون کی سانس لی ہے جیسے اخیر
 قید سے نجات لگئی ہو۔ پہلے ہی ہی ہوا تھا۔ سیدھے سبھی جانا
 جاتے ہیں نے ہی ایک ساعت کے لیے مراد آباد دھک جانے کا مشورہ
 چھوڑا تھا اور وہاں مارنے کے جڑ سے مولوی صاحب کا پتہ ملنے کے
 بعد حیدر آباد آنے کے لیے مندر کی تھی اور ان کا راستہ کھوٹا گیا تھا
 یہ سب کچھ لوں نہیں نہ آتا۔ میں یہی جانتے کے بعد بھی حیدر آباد
 آ سکتا تھا۔ اب میں کس منہ سے ان سے کہوں گا۔ ان کے سے بغیر
 گاؤ انھیں اور آغا شیں میں ڈالوں گا، اتنی مشکلوں کے بعد کہیں بہا
 نکلا ہو رہا ہے۔ میں وہیں بستر پر پڑا اپنے آپ کو کھوٹا رہا۔ فاب نے
 کی کوئی، حرم منزل کا نقشہ میری آنکھوں میں کھینچے لگتا تھا۔ اسی عاز
 کے در وہاں میں وہ گھوٹی ہلتی رہی ہے۔ لے کے معلوم تھا کہ میں آ

یہ اس قدر قریب ہوں، ایک گھنٹے سے کم کی مسافت میں اس
 کے پاس پہنچ سکتا ہوں۔ وہ اتنی دنوں اس شہر میں تھی جب میں
 در پیر و بے فاب کی جوتی کے زنداں سے فرار ہونے کے لیے
 واؤں سے نہ پھوڑ رہے تھے۔ اگر کم اور چند دن پہلے وہاں سے نکلنے
 ن کا باب ہو جاتے تو پیر و اسی طرح روانہ ہونے سے پہلے ایک بار
 اب ثروت یار کی کوئی کارٹن ضرور کرتا اور اور۔۔۔۔۔ یہ سوچ
 میرا جسم بڑھنے لگتا۔ وہ بھی تو اُدھر زنداں ہی میں تھی کھلے دروازوں
 کے زنداں میں۔ وہ دن اس کی دعاؤں کی قبولیت کا بھی ہوتا مگر
 ایت کی گھڑی توٹے ہوتی ہے۔ وہ گھڑی آتی ہوتی تھی تو ایسا ہوتا۔

ماری کی آواز سننے کے میں مڑ پڑا کے اٹھ بیٹھا۔ وہ مجھے بتا
 تھا کہ سب دعاؤں کے لیے تیار رہیں۔ میں کچھ کے بعد اس کے ساتھ
 سا پڑا چوتھے پر بھی ستر منتظر تھے میرے آنے کی وہ تیری کہ سب سامنے
 مڑی ہوئی دو موڑوں میں بیٹھ گئے۔ جوتی کے کئی ملازم صند دروازے
 موجود تھے موڑیں چند ثانیوں کے لیے ان کے دوامی سلام کا
 اب لینے کے لیے مڑیں اور مڑ کر پرت گئیں۔ میں مارنی، نور اور
 امونٹے ہوئے بیٹھے تھے۔ انکی نشست پر ڈراپور کے ساتھ چھوڑا
 لوتے۔ موڑیں خاموش تھی۔ سب مضطرب، اوہ اوہ مڑ کر لوں پر
 ہی کو کھنوں اور گزرتے لوگوں کو دیکھتے رہے۔ انھیں اپنی دعاؤں کی
 یقین نہیں آ رہا ہو گا اور ان کی وحشت زدہ خاموشی کی وجہ یہ بھی
 دیکھتی ہے کہ انھیں ابھی کہنے لپنے تعاقب کا اندیشہ لاحق ہو۔ وہاں سے
 سامنے آنے والی کسی رکاوٹ کی طرف سے شاید ابھی تک ملن نہیں
 ہے کبھی کبھی اپنے سامنے پر بھی ٹک کر نے لگتا ہے۔ موڑ جیسے
 نے بڑھی گئی، ان کی لیے جتنی فزوں ہوتی تھی، مڑ کر پرت فز کم
 یا تھی۔ دو کھیں یا تیرہ ہو گئی تھیں یا تیرہ ہو گئی تھیں، پھر جب ڈور
 ، کشین کی روشنیان نظر آئیں تب انھیں کچھ قرار آیا۔ مارنی مجھے
 یاں مارنے لگا اور انکی نشست پر ٹنگو کے ٹکٹے دیسے دیکھ کے
 بہن بڑے میں نے بھی ان کا ساتھ دینے کی کوشش کی لیکن بس
 ناچنی آنکھوں سے انھیں دیکھا کیا۔ میرا دل بیٹھا جا رہا تھا کشین
 دیکھ کر میری ہاتھی تھیں کشیر وانیوں میں بیوس دو اوٹھ کر میری
 یاسے ہماری طرف بڑھے انھوں نے ہی دواڑہ کھولا اور آبا جان
 سے توسل کیا۔ ان کے اشارے پر کسی تاخیر کے بغیر ایک جانب انتظار
 کھڑے تھیں نے سامان اٹھا لیا۔ پلیٹ فارم پر گاڑی لگی ہوئی
 اور ہر طرف شور مچا ہوا تھا۔ پلیٹ فارم کے دروازے سے ریلوے

کا ایک افسر بھی ان دو آدمیوں کے ساتھ ہو گیا اور کہہ دینے فوٹ
 کلاس کے ایک ڈبے کے سامنے ٹک گیا۔ یہاں جہوم نیت کہ تھا بار
 برابر دو ڈبے ہمارے لیے مخصوص کیے گئے تھے۔ ان کے درمیان سب ایک
 دیوار حائل تھی۔ بھل کی ہدایت پر مارنی نے کانتے کا بازو دیکھ کے سب
 پہلے اُسے ڈبے پر چڑھا دیا، اب مجھے کانتے کا ہوا کیا ہی نہیں رہا تھا،
 اب جو اس پر نظر پڑی تو میں ٹھنک کے رہ گیا۔ اس کی حالت پہلے
 سے زیادہ خراب معلوم ہوتی تھی۔ سفید شال سے اس کا سارا جسم چھپا
 ہوا تھا، اس کے چہرے کی سوچ اور تہا بہت تباری تھی کہ اُسے تیز
 بخار ہے۔ مارنی نے اس کا بازو دیکھا تو اس نے اُسے جھٹک دیا اور اپنے
 ہاتھ سے ڈھانچہ کے اوپر چڑھا۔ وہ اپنے سہانے سے ڈبے میں چلا
 گیا لیکن اُسے پری تو تانتا بچھ کر پی ہوگی۔ اس کے قدم لگنا
 سب سے تھے اور لگتا تھا کہ جسم پر پیر پر پڑنا ہوا ہے۔ اندر کے وہ
 نشست برلیٹ کپڑا مارنی نے ڈبے سے اُس کے سر کو نشہ انداز میں
 بھل کر بتایا کہ کانتے کا بدن بری طرح جل رہا تھا۔ فوٹ سن کے رہ گیا۔
 ہم ڈبے کے باہر کھڑے تھے جس یہاں گئے چند منٹ سے زیادہ
 نہ ہوئے ہوں گے کہ دو آدمی بڑے بڑے ناشتے دان اور سفید کپڑے
 میں لپی ہوئی نوکریاں اٹھائے تیر تیر قدموں سے ہماری طرف بڑھتے
 دکھائی دیے جن آدمیوں کی وہ نمائی میں ہم ڈبے کے آگے تھے،
 انھوں نے بچلت دووں چیزیں اپنی توہل میں لے کے ہمارے ڈبوں
 میں رکھ دیں۔ کسی وضاحت کی ضرورت نہیں تھی۔ فاب شہت جنگ
 نے زوارہ کے طور پر کھانے پینے کا سامان بھیجا تھا چند قدم کے فاصلے
 پر وہ خود بھی موجود تھا اور کٹان کٹان۔ سامنے طرف چلا آ رہا تھا۔ وہ
 بین وقت پر آیا۔ اوہ وہ آیا، اوہ کلاؤں کی دھکی کے لیے پلیٹ فارم
 کی گھنٹی بجے ہوگی۔ فاب شہت جنگ باری باری سے ہلکی گریہاں سب
 سے آخروں میرے پاس آیا کیونکہ میں سب سے پہلے کھڑا تھا وہ جانے
 کیا کیا کتا رہا۔ میں نے کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ فاب کو زیادہ
 وقت بھی نہیں ملا۔ سب جلدی جلدی ڈبوں میں چڑھ گئے۔ گاڑی
 نے سیٹی بجادی تھی جب تک فاب شہت جنگ نظروں سے اوجھل
 نہ ہو گیا۔ پیر و اور شامو دروازے پر کھڑے رہے۔

میں کانتے کے پاس اس کے ڈبے میں جانا چاہتا تھا
 لیکن اس طرف آبا جان، بھل اور میری کھڑا دیکھ کے میں نے
 ارادہ بدل دیا اور دوسرے ڈبے میں آ گیا، یہاں پیر و کے علاوہ شامو
 جہو، مارنی اور شامو موجود تھے۔ کشین پر تیر تیر میرے جی میں آتی تھی
 کہ جہوم میں کہیں کم ہو جاؤں، وہ گاڑی میں بیٹھ جائیں گے اور دو

کی ماں اور کن کے ساتھ ساتھ کڑا اور ان سے اس بڑھت کی خبر مت معلوم کرنا۔ وہ کسی ہے، ابھی کہنے ہی حال ہے یا کہ بدل گئی ہے؟ اب بھی اس کے پسر پرکڑی دیکھتا ہو سو گڑی چھائی رہتی ہے دی ڈوٹی ڈوٹی انھیں وہی بات بات پر لڑنے لپکتے ہوتے ہوں بل کا حال مجھے نہ ہونے بتایا تھا، فلاب نہ تیار اس کے متعلق اتنا کہ نہیں جانتا جو جتنا اس کی ماں اور کن جانتی ہیں وہ زیادہ وقت ان ہی کے ساتھ رہتی تھی۔ وہ باتیں جو فلاب مجھے نہیں بتا سکا تھا۔ مجھے اس کی ماں اور کن سے معلوم ہو چکی تھیں اس طرح اس کا سراغ ملنے کی کوئی توقع نہیں تھی، مجھے تو صرف اس کا حال جاننے کی فکر تھی، اتنے دنوں بعد جیلبر کے سر پر نہ ہونے پر علی اور ان کے گھر والوں کے بعد بائیں کوئی ملتا تھا جن کے ساتھ وہ پڑے چار پانچ دن رہی تھی ان سے نہ خبر پڑا یا ہاں سے آنے کے بعد میرے سامنے ہم میں سویا میں ابھی رہی تھیں۔

جس وقت میں اور پھر فلاب ٹوٹ بار کے ملے تھے اس وقت فلاب ہمیں مولوی صاحب کو روک کر آنے کی ڈروا سنا رہا تھا، میں اسی وقت فلاب سے منت کرتے کرتے گیا تھا کہ وہ کچھ دیر کے لیے مجھے اپنی ماں اور کن کے پاس لے چلے میری زبان ہی منظر کے رہ گئی ایک بچی کو جس سے عورت دوسری ملاقات ہو دوسرے طرح اپنی پرہیزگار ماں اور کن کے سامنے پیش کر دیا اس کی تو یہی صورت تھی کہ اس فلاب کی عمر مولوی کی کسی شے کے کان میں داخل ہونے کی کوشش کرتا، کسی طرح اس کے لیے مجھے دوا جانی پڑتی یا اقتصاداری کے لیے ان عورتوں کو چاؤ دکھانا پڑتا یا ان کے پیر پڑتا میں نے سوچا تھا کہ دو ڈول میں تقسیم ہو جائے کہ وجہ سے سب جھجھیں گے کہ میں وہ سکے دوڑے ہیں ہوں اور فلاب کھڑی میں بیٹھنے کے بعد غلطی نہیں کرے گا، مانی جاے بعد میں کتابی بڑے گریو خوشنوی لے کر اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ یہ ہے وہ ان کی ہر سازا داشت کر لیتا ہے لیکن عین تھک کر اس نے اعتماد میں لے کر ہوں میرے دل میں ہونے کے بعد وہ انھیں بتانے کا کمر فرما

ایک دن کہ میں دوسری دن اپنی بیٹی جواؤں کا پہلی گاڑی سے نہیں تو دوسری گاڑی سے نگرہ پھانپنا یا قدرتی اس وقت بہت ناگوار لگتا تھا اس لیے میں خود کو باندھ بیٹھنے ان کے ساتھ چلتا رہا وہ آگے تو بے شک چلے جاتے لیکن ہر شے کوئی بھی میرے سے کلام نہ کرنا اور نہ کرنا مجھے خیال آیا تھا کہ فلاب بابا جان کو میرے حریف آباد کر جانے کا کیا جواز پیش کرے گا۔ وہ تو یہ کہ یوں اپنا گناہ بوجھنے پر پشیمان ہو جائیں گے کیا کہیں گے کہ اتنے زلنے بعد بھی انہوں نے ملے کا وقت آیا تھا کہ میں نے کوئی پروا نہیں کی کہ کیا بھی ان ہوں کوئی نہیں تھا کہ میرے بیٹے میں کیا اندیشہ اور ہوا ہے میں اپنی دھندلی آنکھیں لیے ان کے سامنے کیا کھول گاہیں نہ تو پیر پیرے رکھا، مانی سے اپنے رائے کا اظہار نہیں کیا جو شہر ان کے لیے نہ ڈالنا بنا ہوا تھا۔

جہاں سے ہر عافیت نکل آگئی پہاڑ سر کرنے سے کم نہیں تھا، وہاں میں پھر طیر چلا آؤ وہ جس کے ہاتھ میں کھانسی لگنے کے باوجود وہ بھی جھکتے ہی ہوا کر گئے اب یہ جہاں کے معاف بھی نہ کرتے۔ آدمی خدائیں ہوا کر کسی کو اتنا ساما کرتا ہے نہ اتنی رعایت دیتا ہے۔

ایک نہیں بہت سی پیشانیوں بہت حواشیہ تیار کے خیال نہ مجھے دیکھ کر کھانسی نہ تو بے رحم و گمان میں اپنی خفا کھینچا آدھے گھڑ گھنٹے کی دیر ہو گئی اور فلاب نے مذاق کرے گاہیں بھول گیا کہ زناں کا تین توراں سے ہوتا ہے جگہ سے نہیں آؤی آدمی کی زنجیر ہے۔ اگر پہلے اتنا نہیں فلاب مجھے اپنا ناکرہ و نفرت کا شکر اس پر دہرا تھا۔ ایسے وقت اگر اس کے ساتھ موجود نہ ہوتا تو اس عام میں تو مجھے ہر وقت ان کے ساتھ بچنا پڑے تھا۔ ایک میرے چل جانے سے بے شک وہ اکیلے نہ ہوتا ہے مگر اس نے آپ کر کیا بول دیتا۔ میں تو ہمیشہ خود کو فوجی کہتا رہتا، دو آدمیوں کے تعاقب سے ظاہر تھا وہ حال آزار بھی ہم سے مغضب نہیں تھے جنھوں نے کل رات بابا جان کی حوا میں حملہ آور ہوں کہ بوجھا تھا اگرچہ باؤں میں ان سے کسی کی نظر پڑ چلائی تو وہ مجھ اکیلے کو اپنی منزل کا سرا بھوک گرفت میں لینے سے ہرگز ہونے نہ دے گا۔ سے کبھی پس نہ آتے دیتے۔ پیش پھر ہاتھ سے روٹی کی نقل حرکت پر ان کی نظر ہو کر میں ان کی نگاہوں سے کیے نہ جھکتا تھا میں تو ان کے لیے خوش بھی کا شکر بن جاتا میرے رائے دہل کے زبان میں ایک لمحے کی دیر گزرتی تھی، خطا کاری ہی پیشانی کا سبب نہیں ہوتی اس کی نیت بھی کبھی آدمی کو اپنی نظروں پر بہت گرائی ہے۔ میں جہاں باؤں میں چلنے اور ان فرماں سے دھڑلے کے ساتھ نہ ہوتا تھا تو کسی کو اس کا حق اور اس تصور سے یہ دم گھٹا تھا تھا۔ مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا اور شاید کسی کو بھی نہیں تھا کہ جہاں آدھے سے سلامت اپنی ہم پر نگاہ رکھنے سے منت ہزاری نہیں بنے ان کے غصے کی بستی نہیں ہے۔

دور سے کوئی اسٹیشن نہیں آیا تھا گاڑی کی رفتار بہت تیز تھی کہ ایک لمحے میں سیٹیاں بھائی شروع کر دیں سب جڑا کر آٹھ بیٹھے حالہ کہ ان میں سے کسی کی بھی آنکھ نہیں لگی تھی میں نے جلدی سے آٹھ کے باہر جھانکا اور دو ٹیکٹا ہادی کاٹن میں تھا۔ آگے کسی اسٹیشن کے آثار دکھائی دیتے تھے کہ کوئی ہالٹ ٹرم کا اسٹیشن ہی ہو سکتا تھا جہاں سے گھنٹیں ملتا تھا۔ ان مسلسل بولنے رہا تھا پھر ریگتے ریگتے گاڑی ایک ریل پر جگہ گئی سب کی منت کھینچے ہوئے دنوں طرف کے دروازے کھول دیے گئے۔ ڈول کے باہر اور اندر کی دھندلیوں اور کوئی تدارک نہ لگا۔ اس پاس جھانپاں لگی ہوئی تھیں اور ان کے کپکپ اچھا تھا۔ میں نے دروازے سے نکل کر دیکھی تو برابر کے ڈولے کے دروازے پر مجھے فلاب کا نظر آیا۔ مذہم و شعی کے باوجود میں نے اسے خوب جان سکتا تھا۔ خود

اس نے ہاتھ کے اشارے سے اپنی موٹی کی تصدیق کر دی کسی نے ان سے کہہ نہیں سکا تھا کہ سب جیسے اپنی اپنی جگہ پوری طرح کھنکھاتے تھے ڈولے کے دوسرے ڈولے پر پیر اور چوڑے گئے تھے انھوں نے آگے ڈولے کے دروازے پر زور کو فلاب کی بات پر پڑنے کا لگائی تھا کہ اسے ہوجھا پڑی کی آواز اتنی بلند نہیں تھی کہ حرکت کے لیے وہ دھڑلے کا پہلی ہوگی۔

اچھے نہ دروازے کوئی جواب نہیں اس کی آواز صاف نہیں سکا ابھی لے شام نے سے کان میں مگوئی تھی۔

”ڈولے!“ اس نے پوچھا۔ فلاب نے ماترے سے کہنے؟

”ہاں ہاں۔“ میں نے غصائی لیے میں کہا۔

”میں نے جن مادہ رنگ ناک شش کی مرہمت میں سے بیٹھ اپنے کو کوئی بگل جان پڑا ہے تو تو ان کے دیکھیں۔“

”میں نے میں نے کسی مادی یا مادی میرے رہو۔“

”مالی بار بار پختے گتھی ہے۔“ شام بھی ہوتی آواز میں بولا۔

”مرد کسی نے میں نے کیا ہوگا۔“ میرے برابر کھڑے ہوئے لٹی نے

زیر دانتے ہوئے کہا۔

میں نے اس سے نہیں کہا کہ بچہ کھینچے جانے پر تو انہیں اتنی سیٹیاں کاتا ہے گاڑی ایسے بیٹھے تھے شش سے یہ تو کوئی اور بات ہے۔ دروازے کے دھڑلے سے کہنے کے لیے دروازے سے اسے استنبہ ہو گیا تھا۔ مانی نے شام اور دھندلیوں کے بلڈے کے لیے دروازے ان میں سے کسی کو قرار نہیں تھا کبھی وہ اس طرح کی سے نکل کے کہتے بھی کسی اور کھڑی ہے۔ بیٹیا دو کسی ایسی بات عامہ نہیں جانتے تھے کہ باہر انھیں گزشتہ رات موا تھا گزری رات بات کا ایک ایک لمحہ انھیں زندگی بھر یاد ہے گا، زندگی تو دوسری بات ہے ابھی تو صرف ایک دن گذرا تھا۔ ایک دن میں کاتے کے جسم کی کشاں اور فلاب کی تھیں سرخیز کے انھوں کھٹے کھٹے فلاب سے بابا جان کا کچھ اور کچھ مروج کیا تھا پھر شام ہوا

اور انھیں جنھوں نے فلاب کی تھیں اور باقی کو کھڑے دیکھتے تھے سے سب کی آنکھوں میں تھی ہوتی رات کے مناظر اپنے پیچھے دو آدمیوں کی کھڑکی کی نوید سن کر کچھ اور ہلکا ہو جانے کا نہیں لٹی نے صرف دو آدمیوں کی کشاں وہی کی تھی۔ فلاب نے نہیں تھا کہ کھٹے دوہوں جن لوگوں نے اتنی بڑی نفرتی بابا جان کی دینی مانی تھی ان کے پاس نہ ہونے کی ہوگی۔ وہ تبھی تو صرف ایک اور سب کچھ ایک کچھ اور کے ان کے بھی آدمی صبح و سلامت تبھی ان میں تار پڑے تھے۔

گل بات انھیں بھی ہے کہ نہیں مل سکا تھا اب ایک اور کوشش کر کے میں ان کا کیا جاتا تھا۔ اس کے لیے یہ نہایت مختصر کوشش تھی ان کے خیال میں اور اتنی بابا جان کی جو بول میں نا دور پھر مل گا کوئی ذخیرہ ہے تو وہ نے عموماً

میں نہیں چھوڑ گئے ہوں گے اور اب جان شک تو اپنے ساتھ لے کے مل رہے تھے۔ لے جاتے ہوں کی موٹی ہی ان کے پاس زور ہوا ہونے کی سے بڑی شہادت ہے۔ کوئی بھی بے سبب اتنا دلچسپ نہ نہیں جانتا۔ انھیں خوب لگتی تھی کہ تبھی ان پر حاکمات سے اس کس دیکھے۔ جنھوں نے انھیں انھوں سے ہماری دوا بھی کچھ کی علم ہو چکا تھا انھیں اب کے نفرتی زیادہ بھی جانیے اور تبھی بھی زیادہ ہر چہ لٹا کھی کے لیے اب ان کے سامنے ایک بڑی عموماً کے دربار اور پھر اندازہ ساز سامان کے جانے میل کے ذخیرہ ڈولے تھے اور مختصر سا زور اور جہاں تو فلاب بھی بہت سا نکتہ تھی بڑوں کی پولی بابا جان کے پاس محفوظ ہو گئی کہیں ملے گی۔ اسے برا کر کتاباں ان کے لیے لہو کا کام تھا اس بار وہ خطا بھی پہلے سے زیادہ ہوں گے۔ پولی جانے سے پہلے انھیں بدلت کی گئی تھی کہ وہ خون ڈولے سے حتی الوسع انتخاب کریں اور اپنی کوئی نشانی چھوڑ نہ آئیں جبکہ فلاب کا قیاس تھا اور انھوں نے خود بھی کہا تھا وہ ہیں ڈولے کے راز سے نہیں آتے تھے لیکن میرے ڈولے تبھی ان سے چوک بھی ہو سکتی تھی تبھی لڑی سے ساتھ لائے گئے تھے کہ ہر صحت حال سمجھنے میں یہ نہ کریں اور ضرورت پڑے تو وہ فلاب کام میں بھی ایکس براڈ ویل کے آدمی نہیں سمجھتے تھے ہوں گے۔ کسی ایک میں آگ نہادہ بھری ہو سکتی تھی تاہم بڑوں میں ایسی احتیاطوں کی چندان ضرورت نہ تھی۔ شام اور مانی مضبوط انداز میں میرے پاس کھڑے تھے جو اب میں نے مانی میں گردش کر دی تھیں۔ وہی ان کے فلاب میں بھی پکڑا رہی ہوں گی۔

گاڑی کے کھٹے سے ہٹ کر گزرتے یہاں سے وہاں تک کوئی سافر بھی نہیں اپنے اترا شام سے چلنے نہ ہوا کہ میرا زور دیکھ کر اس نے مجھے ڈولے سے کھینچ لیا اور وہ سے پوچھ بیٹھنے آگے آگے ٹھہرا رہا ڈولے! اس نے اپنی آواز دہائی رکھنے کی پوری کوشش کی۔ کھٹل اور کھٹل کوئی بانی نہیں ہے ہا۔ آگے تو فلاب کو کھٹل کے کھٹے لے سکتا تھا میں نے اس سے اپنا آنے کو کہا مانی نے نہ ہی ان کی کر دی۔ اگر دیکھا تو میں مانی زور پیرے ڈولے میں بھی ہو سکتے تھے اس کی کچھ کچھ لٹی بھی بھٹ نیچے آگیا ان کے کھٹلے کی بھی کچھ سے آگے ڈولے ڈولے میں سے بھی ایک شخص نے آگیا مانی نے میرے پر میں بھی کچھ ہلکا سا کہا۔ میں نے بھی اسے دیکھا تھا مانی اور شامو کے کندھے پیچھے ہو گئے۔ اتنی دیر سے اس شخص کی پہچان مشکل تھی فلاب نے اپنے کے بعد ایک تارے کے لیے اس کا جسم لہرا لہرا کھا نظر آیا پھر یہ سکون ہو گیا اور اپنی جگہ کھڑا رہا۔

”لجیا استاد ابھی بڑھے آگے کو، معافی نہ لگتی تھی آواز میں بولا۔

”ابھی بولے تو بڑھ کے دیکھو۔“

میری بھر میں نہیں آگے لڑا اس سے کیا کہوں۔

”ٹھیک ہے زے۔“ بھل نے بوجھل آواز میں کہا۔
 ”ابھی ٹیڑھے پر تو نہیں ہے؟“

”اپن اپن دیکھتا ہے ابھی اوڑھ رہی ہے یا اور اور.....“
 ”باقی دوسرے ڈپول میں بھی تو ہو سکتے ہیں۔“

یہاں ہوتا ہے۔ یہی اصول میں اندھا اتر آیا۔

س نے مڑھکا لیا۔ میں جانتا تھا کہ مارٹی نے سر کیوں مڑھکا لیا ہے۔ وہ اُن سے اپنی

اور تھری سے ادرپکا ہے۔ اپن کو اچھی شہری کا لوگ لگتے ہے 'حیدر آباد' شہر
- آدھا گورا، آدھا کالا سالاکیا بولے ہے؟ 'جرمن بننا کے بولا
سے سیدھی نمان من مات کیکار مٹا!'

ہم نے ان کا کلمہ دُور کرنے کے لیے مارلی سے پوچھا: کاغذی کیسے ہیں؟
 ہم نے کہا: اے استاد! مارلی نے تن دی سے جواب دیا۔

”اُمید بہت تھلائی، بٹامو بے مینہی سے بولا۔ اپنے ساتھی کے آنے سے کہیں کار کی لیے اس کو بھیجے، آنا پڑتا ہے تو اور بھی اچھا ہوتا، پھر جانے کون سا لادیتا، اور اور ادھر فٹے کے نیچے پڑی پر جھانکے کون کہتا کہ اُمید آدمی بڑا ہے۔“

پانی کا پانی :-
اگر دیکھنے اور جاننے کی ہر گلی ہے تو اس کے اور بھی تھے ہیں۔ شامو

”الیانیں سوچو جو دجہانی اپن ہاتھ کاٹ ڈالے گا“

لہذا دعا کرو کہ کسی کو ایسی کیا۔۔۔

لنا لوں گے یہاں میں جی میں اسے کار ایک آدمی کہی ہے۔ پھر بھانجہ جی جانی!

ہے اپن کا باقی لوگ ایڈ اڑی کر کے ان لوگ کو ابھائے، اودر اپنا آدمی بیچ سے کھسکے۔ منگو اتنی تیزی سے بول ہاتھ کا ہانپنے لگا۔ بولو جہانی! شامو بھائی! وہ بیہانی لیے میں بولا۔ "ابھی کیسا ہے؟"

سب گم غم سے ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے ابھی کسی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ سامنے کی برتھ پر بڑھ گیا ایک اٹھ بیٹھا۔ منگو سے "اُس نے بھاری آواز میں منگو سے کہا۔ "اپن کو ابھی تیزی سے مغرور اٹھانے پر لگتا ہے۔"

"دادا! تم نے مجھے تھکے کیا؟" منگو تیزی سے بولا۔
"اسٹیشن آنے پر اپن ابھی ٹھیل بھائی سے لے گا۔" پیر کے لیے بین تیار

نہی تھی کہنے لگا۔ "اپن کے بارے میں ابھی کچھ اور بھی آتا ہے۔"

"کیا دادا، بولو دادا! منگو نے بے تابی سے پوچھا۔
"ابھی ٹھیل بھائی سے بات کیے بنا کیا بولے۔" پیر نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا اور تیزی سے بولا۔ "پر تم لوگ ایسا کیوں بیٹھو؟" ابھی جب منگو گڑی چلتا ہے کہ سیدھا کالے تو اچھلے۔"

"نیندا ابھی تھا ہے پاس توڑی سی ہو تو ادھر سے دوسالی، بھروسے دیکھے لیے میں کہا۔

"نیند کو کون بولتا ہے ابھی بیٹا ابھی آدھا نیند کے رب رب ہے بیٹھا ہے گا اور ایسا گھوڑا چلتا ہے گا تو اور ڈھیل ہو جائے گا۔"
"اب اٹھائی بیٹھیں گے دادا!" شامو نے کہا۔

پیر نے ایک ایک کا نام پکار کے بھٹوں پر لیٹ جانے کی ہدایت کی۔
اُس کا بھرکیہ تھا پھر کسی نے رد و درج بھی نہیں کی۔

اُدھے میں گاڑی کے شور کے سوا سکوت طاری تھا۔

پیر انھیں خاموش کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن خاموشی صرف لبوں کی نہیں ہوتی، شور تو انھیں بھی کرتی ہیں انھیں بھی سنتی ہیں شور تو آدمی کے اندر ہوتا ہے۔ بے حد ابلے نواب کے شہرے پر وہ مختلف بھٹوں پر پھیل گئے تھے گر یہ دیر بھی جانتا تھا کہ ان کے حواس کیسے کیسے دھم دھم سے دوچار ہیں رشتہ بدل لینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ پیر انھیں کوئی تسلی بھی نہیں دے سکتا تھا کہ بے جواز تسلی کی بے اثری کا اُسے خوب علم ہو گا۔

یہی کر سکتا تھا کہ ان کے احصاب کی کشیدگی کم کرنے کے لیے نوک و نینت آسودہ ہاتھ کرے گراؤ سے خود پر سی تالو نہیں تھا منسکاکم ویش ایک بھال تھا۔ یہ کوئی خوف نہیں تھا۔ بے شمار تر موت ان کے قریب کر رہی تھی۔ ان کے انتشار کی اصل وجہ ان کی لامی تھی یہ تجویز ان کے اندرونی غبار کی مظہر تھیں ایسی صورتیں وہ ہی کر سکتے تھے کہ اپنی اپنی سادہ کے مطابق مختلف سمتوں کی نشان دہی کریں۔ کسی کو بھی اپنی بیز صاف ہونے کا یقین نہیں تھا کہ کوئی کسی کو بھی تعاقب کرنے

والوں کی تعداد معلوم نہیں تھی۔ تعداد ہی سے ان کا ارادہ شروع ہو گا اگر شور نہ کرے تجربے کے مطابق تعداد زیادہ سے زیادہ ہونی چاہیے۔ شامو نے وقت بوقت سے گزرتے ہوئے کا اندازہ ظاہر کیا تھا، وقت آتی آتی آہستہ آہستہ گزرتا تھا مگر اُن کے انداز کے انتظار کے سوا چاند بھی کیا تھا۔ شاید کسی کو بھی اس قسم کی صورت حال سے کبھی اسطے نہیں پڑا تھا، انھیں اندازہ نہیں تھا کہ طبیعت میں اسطے مطلوب سونڈر کس طرح قابو میں کیا جاتا ہے۔ ہماری طرف سے کسی بھی پیش قدمی میں آئے، اندیشے تھے جتنے ہمارے خاموشی میں تھے۔ ہر حال پر نہ اچھا کیا کہ ان کے رگڑ الگ کر دیا ورنہ وہ طرح طرح کی باتوں سے اپنا تلاء اور ڈھالتے آئے۔ پیر برتھ پر جم ڈھیر کر کے مجھے کسی قدیم کی نصیب ہو تی ہر ذہن سس اندیشہ کے بعد تاں میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے طریق کار کے تعین اور دھڑکن میں رہا ہوا تھا۔ میری بھس بھس کہ نہیں آ رہا تھا، اگر واقعی ان کی تعداد زیادہ سے تو کس طرح ہم کم نہیں گئے انھوں نے کون سی جگہ کون سا وقت منتخب کیا۔ انھوں نے کوئی طریق کار اپنے لیے متعین کیا ہو گا۔

نیر کلانی پر نواب شہمت جنگ کی دی ہوئی گڑی بندھی ہوئی تھی۔ جگہ جگہ کے کٹے جگہ جگہ آدے گاڑی روانہ ہوئے پانچ گھنٹے کے قریب ہوئے جگہ جگہ کے کٹے کی جگہ سے گاڑی یقیناً کھڑکیٹ بھی ہو گئی ہوگی۔ رات کا بڑا گز چکا تھا مگر ابھی اندھیرے کے دھن گھنٹے باقی تھے، صبح کا ذب تک ممکن تھا ایسی حالتوں میں اندھیل چلے سے زیادہ مفید ہو سکتا ہے مگر وہ کس آئیں گے؟ کسی دیران مگر زخمی کھینچ کے گاڑی کو اکڑا کر سیڑھوں سے اُڑا پڑا پانچ ہمارے ڈبے کا رخ کریں گے؟ انھیں پہلے آجائے گا کہ ڈبے کا بڑھنا چاہیے کیونکہ ان کی داست میں اُن کے مطلوبہ تغیر آجائے گی کی تو میں جو سکتے ہیں اس دوران میں ہمارا ڈبہ ابھی پوری طرح اُن کی نگاہوں کا گزرتہ رہتا چھوٹے ہوئے اپنے چار پہنچے اور ڈی تعداد میں گویا انھیں خوب یاد ہوں گی۔ وہ شہر بے ہمارے طرح دندناتے ہوئے تو ہمارے قیوں کی طرف بڑھ سکتے۔ ہر اسٹیشن پر انھوں نے میں ڈاڑھیں پر تعینات دیکھیں تو ہمارا انھوں نے کیا لے کیا؟، ہو سکتا ہے، ابھی تک ان کی احتیاط کا سبب ہماری بیداری اور کچھ ہی ہو مبادا کسی موقع کے منتظر ہوں، ہماری غفلت کے ایک لمبے کے منتظر ہوں انھوں نے کوئی خاص جگہ سوچی ہوئی ہے؟ ابھی گاڑی کا کی حد میں ہے؟ ریاست کی آخری سرحدوں تک ان کی عمل آوری ہے۔ پلٹے کی ہے حکم ان کا چلتا ہے۔ وہ سیال جیتی گاڑی کو روک سکتے ہیں اور جب تک ٹیڑھے رکھ سکتے ہیں۔ وہ ایک ایک لے لے کی تلاشی کے احکام ابھی صادر کر سکتے؟ ریاستوں میں آدمی کی ضروری عام بات ہے زرے میں تو زور سے اپنے زوری سے ملتی ہیں۔ عجب نہیں کہ انھوں نے بعض اہل کار یا افسر بھی ہمارے حرکت کی نگرانی کے لیے ساتھ کیے ہوں مگر جن لوگوں کو آجائے گا کہ اندیشہ

کی تہہ بے انھیں اصولہ پولیس کو بیچ میں نہیں ڈالنا چاہیے وہ ایسے ہی انفراد
الگ الگ مرکز سے بہرہ من کی کاروباری تحصیل ایمان کی مدد ملتین جو انھیں ہم سے
کوئی ناقہ خراش توں نہیں کہ تھہر نہنے سے اُن کوئی کی انتقامی دھمکے پیدا ہو
انھیں تو ہماری حفاظت اور سلامتی بھی جو عزیز ہو چاہیے اور دھمکے حال نہادہ عہدہ
بنانے سے بہرمن اقتدار کا چاہیے وہ اس معاملے میں بہر خیر ہوئے جو بہر منتقلی ہو کر
کو دکر دربان میں ہوا اور پولیس کی شمولیت نہ ہو چکی کی طورہ پسند نہیں کریں گے
بلکہ اُن کی کوشش ہوگی کہ وہاں تک ممکن ہو پولیس ہم سے دور ہی رہے۔ میں نے
مارنی اور نگو کی جو بیڑی میں ہے کہ نہیں کہہ سکتا تھا انھیں خود ہی احساس تھا کاروباری ہا
الخصنے سے اور ہمارے کسی نہادہ ہم پولیس کسی بھی کرنے سے خود راہ ہو سکتی ہے۔
پولیس ہمیں ہی مطلوب نہیں تھی! اہاجان کے پاس اُن مول تھہرتے ہمارے پاس
تھہرتے سے پولیس ایسے ہی راستہ تھوکارنے کا سبب بنتی۔
گھڑی میں تن کر رہے تھے۔

یاد دلائل میں دونوں طرح کے مسافرت تھے۔ کوئی آلودہ نگاہ بکھلا آسان نہیں تھا
 بہترین مسافر کے مسکن کے عام آدھوں سے مختلف لگتے تھے ان پر بھی ایک
 لمبے لمبے شے ہر تھا کہ وہ ہماری طرف سے اور سب سے بھی زور ممتوڑ ہو سکتے
 تھے۔ فرسٹ کلاس کے ڈبے کے مسافروں پر یہ بھی لگا نہیں تھا جی ہاں ہمارے
 اور شاؤیلے والے سے سڑک لائن کے گرنے کے تھے۔ وہ آدھا مسافر لکھ کے لڑکا
 ہم کو ناکر کے منہ پر لانا پر پھینک دیتے اس طرح انھوں نے مسروں اور
 لڑکوں کا آٹھا تھا کہ ختم کر دیا۔ ٹیبلٹ والا بے بی سے ہنستا اور کسما کے وہ
 ہمارے وہ مسافر جو میری آنکھوں میں کھٹکتے تھے ان پر مزید شرف ہونے کی ایک
 جڑ بھی تھی کہ وہ ہمارے شان کے زہ فوٹوں آدھوں کے قلعے پر تیرے تھے حالانکہ وہ
 فوٹوں ان کے بہت قریب کھڑے تھے۔ ان کی نظر ان پر گئی تھی نہیں اچھی ہوئی
 یہی کہ کوئی نظر نہیں گئی۔ ذرا بھی شرمناک ہوئی تو ایسا نہ ہوتا، مگر ابھی پہلے
 شرمناک سے اس کی تصدیق ہو جاتی۔

کا اندازہ کر سکتے تھے۔ جہاں گھری زمین سے جانے گی ہم فوراً اس سے مت پر دار ہو جائیں گے۔ یہ تو کبھی اس کا احساس ہوگا کہ یاد رکھنے کے لئے چھوٹے چھوٹے ہم دونوں میں ایک بل کا بھی فرق نہیں ہونا چاہیے۔ ہم نے یہ کیا جنہو کی کہ فدا سے ہم گھری بھی کرتے تھے سبہ، اپنا کمر اور دھڑل ہونگا۔ زمین سے گر دکھاتے ہی میں نے غیر لڑائی طرز پر اپنا ہاتھ پر کیا تھا ایک کسے کے لیے یہ واضح بالکل ہی بات ہو چکا تھا۔ ہاتھ اور کرنے پر میری ہدف کے تھے سے گھری بھی اہم ہوئی میں جو اس ہانگی میں چھوڑ دیتا کہ پیر نہ لے میرا شانہ دور سے پرکھ لیں گھری چھوٹے چھوٹے رہی۔ میرے چھوٹے کسے کے بجائے اس نے اور ان مبارک کسے کی تلقین کی اور بھولی اپنی ماسوں سے کہا کہ میں جس ہاتھ سے چادر کے کونے پر کھڑے ہوتے ہوں اور سپلاں اس نے اپنا ہاتھ کسی طرف پھیلا دیا تھا چادر کھینچنے سے برف پوٹ کا پھیل گیا۔ گھری زمین سے بے شک کچھ اور اڑ ہوئی لیکن برف پوٹ کے دھڑکنے کی آواز اس کا راپا اور انہیں بلایا۔ ہم نے اسی حالت میں دونوں طرف سے ہاتھ پھیلا دیے۔ پھیلائے اسے پھر چپکا لیا۔ میں نے اس بار اپنے ہوش و حواس متعین رکھنے کی پوری کوشش کی تاہیں گھری زمین چھوٹے لگی۔ ساتھ ہی پڑنے میں مدد ملدی۔

میں نے انھیں پھینک دی جس جگہ انھوں میں کسے سے حرکت نہیں پڑا۔ پیر کے چھوٹے پیر بھی تھے۔ نہ اٹھایا میرا پاؤں ہو گیا تھا اور سارا جسم اسے میں نکلیا ہوا تھا۔ پیر نے چھوٹے پیر کی طرف سے اندر سے میں کھینچ لیا۔ انھوں لحد جیسے میری آنکھوں کی روشنی اور میرے سینے میں سانس اہل آئی۔

پیر نے وہ دیکھ کر دیا اور میں نے ہاتھ بھی روشن کر لیا۔ میں نے دیکھا مثال الا شخص جسے میں نے کھڑا تھا اور کھل چکا تھا۔ میں نے پیر پر وجود تھا۔ پیر نے آگے جاکر اسے آدھی کا بازو پکڑا۔ اسے جیسے چھوٹے ڈمک دیا اس کی دہشت وہ انھیں سدی دوائے پڑیں۔ دوائے پڑنے کچھ نظر نہیں آیا اس کے ہوش اترنے لگے۔ وہ تیرا راز دہا تھا۔ گلاب کو ابھی تک انیم دہا تھا۔ پیر نے تھری کی آواز میں پوچھا۔

وہ ہسوت کھڑا ہو جیسے اس نے کچھ نہ پای نہ ہوا اس کی بھیس کچھ نہ آیا ہو۔ پیر نے اس کی طرف دیکھی میں انکھیاں گردن میں وہ ڈولنے لگا۔ "اے کسے کسے زیادہ تم میں نہیں ہے۔ پیر نے غصے سے کہا۔ سمجھا؟"

"وہ کہاں ہے؟" مثال والا بھائی انما زمین بولا۔ وہ کہاں ہے؟"

"ابن نے اس کو کچھ سے چھینک لیا ہے۔ ابھی تیری باری ہے کچھ بولنا ہے تو ابھی۔۔۔۔"

"میں نہیں۔" وہ بھائی آواز میں بولا۔ "میں نہیں مجھے مت یاد تھیں خدا کا واسطہ ہے تارو۔"

"ابھی ٹھیک ٹھیک بولے گا تو اب سوچے گا۔"

"میں آپ کو چھ بتاتا ہوں ایک ایک لفظ صحیح۔ وہ پکپکاتے نہیں ہیں۔"

مگر میرے ساتھ اہانت کردہ، متعین خدا کو۔۔۔۔۔

"ابھی بہت یاد رکھنا ہے،" ایڈ تیرے اس کو کھول گیا تھا چاتوہ پورا ہتھیار کے لگا تھا سالا۔"

"مجھے صاف کر دو۔" وہ گڑ گڑاتے ہوئے بولا میرے چھوٹے چھوٹے۔

"ابن بھی نامزدائیں سے۔"

اس نے سچ ہی بتا کر شروع کیا ہوگا۔ ایسے عالم میں شاید ہی مجھ پر بولتا۔ اس کا چہرہ مضطرب لگا تھا اور آواز پر لڑش طاری تھی اس نے بولا۔

الذین علی اور ان کے متوجہ خاص منشی مبارک کے جانے کسی اور کا نہیں اس کے لگا کواطب الزین علی کے ذاتی سپاہیوں کی ایک بڑی لغو اس میں طرح طرح کے زور آنا، ہتھیار بند، شکاری اور شور و ہشت شا ہیں۔ نواب قلعہ الزین میں نہیں اس جیسے تقریر تیار کرنے نواب کے ہاں قسم کے ملازموں کی چھوٹی بڑی لغو ضرور ہوتی ہے یہ لازم ہونا چاہیے اور پیرے ایڈ تیرے پیرے میں کبھی کبھار کسی خاص موقع پر انھیں طلب کیا جاتا شکار یا کسی بے خبر کے موقع پر۔ ملازموں کا یہ سلسلہ جتنی ہے۔ ایک کوئی کسی نواب و ابستہ ہو جاتا ہے دوسرے کے ہاں ملازمت محبوب بھی جاتی اس کا نتیجہ تھا کہ ان میں کھانا، خصوصاً دوا کے خاص ملازموں کے ہاں ملازمت کی وہ میں اس کے کسے کے مطابق وہ ایک پڑھا لکھا آدمی تھا اس کا تعلق جہا سے تھا۔ نواب قلعہ الزین علی کے ایک قسیم ملازم کے توتے سے کوئی دوسرا قبل وہ اس کی ملازمت میں آیا تھا اس کے پیری پچھلے ابھی تک ہویا تھا تھے۔ وہ سیاست ہویا کے سپاہیوں میں شامل تھا اور جدید آباد کی شان و شوکت کے تھے اس کے مہال نعمت اڑنے لگا تھا یہاں کے لوگ ڈھنگ کے اس نے کسی مرتبہ جھگڑا جانے کا ارادہ کیا لیکن جس شخص نے نواب اسے متنازع کی تھی اس پر غصے نے نہ خیال سے وہ رہ گیا۔ کسے لگا کہ نواب سلطان ملازم ایک ساتھی نہیں ہے، انھیں مختلف جگہوں پر رکھا جاتا ہے اور ان کے ہاں کو خبر نہیں ہوتی کہ وہ ایک ہی لوگ کے ملک خوار ہیں کبھی ملازم کو سپاہی کے محلے سے تبدیل کر کے حویلی میں بلایا جاتا ہے۔ یہ درجے کی فضیلت ہے۔ پیر اور قلعہ الزین نے انھیں لوگا پیر اس کے پاس سے بٹ کے فضل کا پہلو میں بیٹھ گیا تھا ان کے اس انہماک نے اس کی آواز پر ڈالا اور اس کی تاد کھل گئی اس نے تباہ کر کے بہت ملازم نواب کی خاص حویلی میں تعینات کر دیا تھا اور وہ ہمارا تقابلی نے انہوں اپنے ساتھیوں کا کھانا ہے۔ پیر نے ان کا احساس تھا کہ کسی اور کھینچنے کے بجائے اس نے خود جانے تو میں ان کے مزہ کو مزہ کیا اس کا منشی برف پوٹ آدمی ہے میرا کس کے۔ بول جیتے۔ بارہ چھوٹے یا سبے اعلامیے کا شور و آواز دیت تھا ایک شخص تھا۔ اسے بھی نواب کی قول میں آئے تھے وہ زمینیں ہوتا تھا وہ کسب نواب اور دوسرے خیر کی تھے نواب

کی نظر میں اس محلے کی اہمیت کا اندازہ اسی سے لگا جاسکتا ہے۔ کسے لگا کہ اس نے ساتھی نے نواب قلعہ الزین علی کے متعلق غلام نہیں بتایا تھا۔ وہ ایک بڑی دلی میں ہے۔ خدی کرشن صاحب اور فیاض۔ اسے انکار نہیں مانتیں اپنے آدمیوں کی کاکی اور لے لے لے اس کا بار کبھی اس قدر چڑھا جاتا ہے کہ وہ انھیں غم کرنے سے بھی روکتے ہیں کہ اس کی اپنی حالت البتہ بل ہے۔ حکم مدلی اور بعدی اور دہلیاتی بہت مزاحیہ مانی ہیں۔ کسے لگتا ہے، ان کا دیکھا گیا جس کے چہرے کاٹ دینا ان کو فوج لینا وغیرہ عام مزاح کی دلی کا بھی وہ انہی کھلا ہے۔ پیر نے اپنے کی بولی کو اس کی حویلی کے بارہماتوں کے کہیں آرام سے کھلے اس کی ایک فوج ہوتا فہم اور کلام سے اتنا فائدہ کے کہیں آرام سے کھلے اس کی ایک بڑی لائبریری، ان کا شکار اور طرح طرح کے نادر پستل عجائبات سے انما اور محلات میں اپنی ختی حرات میں کاتے غزن کی جنگ شوق سے قیمتی پتھروں، تانہوں، زیورات، قیمتیوں اور کتوں سے اسے لگتا تھا۔ وہ بولا راستہ نہ تو حکم دینا نہ کرنا ہے ملازموں سے بات کرنا اس کام کے لیے منشی مبارک اور دوسرے متمہ میں بھی ہوتے تھے کہ قوت کے علاوہ بہت خاص خاص قوتوں ہی پر کسی ملازم کو نواب کے حوض میں کیا جاتا ہے۔ کسی ایسے شخص کو جس سے کوئی گمانی سرور ہوگی بوزور نواب کو دیکھتے گزرتا جاتا ہے۔

پیر نے اس سے نہیں پوچھا کہ نواب عالم تاب و راجہ شہت جنگ کے خاندان سے اس کے نواب کی قرابت اسی سے کہ نہیں اور ان کا جادو ہم دہشت اس کے کیسے علم میں ہے۔ پیر وال فضل تھا۔ زمینوں میں سب سے بڑی قرابت تو میری کہ ہوتی ہے۔ امارت اور ان کا ایک ہی خاندان تھے۔ مثال والا آدمی بہت سی خفیہ باتیں بھی کر دیتا تھا۔ پیر اور قلعہ الزین کے کچھ ہٹنے کے بعد سب سے بچ میں بولنے کا عمل نہیں تھا کچھ وہ اپنے ہی ان اور اضطراب میں کہہ رہا تھا۔ انھوں نے اسے کسے بلایا۔ اسے وہ کچھ بولنا کچھ سمجھنا چاہتے تھے۔ بن اسٹوری میں لکھا ہوا سوال کرنے سے کہ کچھ شہری ہوتا۔ وہ تیرے لیے میں بول رہا تھا آدمی اتنی تیری اور سب سے جھوٹ نہیں بول سکتا اس معلوم ہوتا تھا۔ وہ کمرے میں کھڑا پیر معافی میں کہہ رہے اس پر جو کہ طرح طرح سے موت کی سزا سنائی دینے والی ہے۔ اس نے تباہ کر منشی مبارک نے انھیں بڑی انتہی لائی تھیں۔ وہ تصور نہیں کر سکتے کہ میرے کام میں ایسی پر نواب انھیں کس کس طرح نواز سکتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں اس نے کھینچ کر کہا تھا کہ ایک ہیوم سائینس کے ذہن میں ہر باک کے کھینچنے کا بھی تھکا نہیں آتا۔ ان کو معلوم تھا کہ کبھی نواب کی گشتی اور نواب کی نظروں میں اس کا تیرہ کر لینے کا سبب ہوگی منشی مبارک نے ان سے کہا تھا کہ اصل آدمی ایک بڑا شخص ہے۔ اس نے اباجان کی طرف اشارہ کیا تھا۔ انھیں تیرے کبھی کوئی تیرے میں ان کا ہدف سب سے پہلے اباجان کی بڑی پابلی ہے۔ ان سے پھر جملہ کرنے یا ان کے پاس کہیں اور بھیجے ہوئے ذخیرے کا ٹرانز انھوں نے

کے لیے وہ کوئی لحاظ نہ کرتا۔ راز دہا نہیں مطلب بڑی کے لیے اباجان کے تمام ساتھیوں کو بھی غم کرنے پر تھے تو انھیں اس کی پوری اجازت ہے۔ اباجان کے لیے اباجان کو باقی رکھنا ہے۔

انھیں پس کی دلی اس لیے ہی گئی تھی کہ ان کے غل غلنے کی صورت پیدا نہ ہو تو آخری حربے کے طور پر وہ اسے متنازع کریں انھوں نے یہ دلی خصوصاً اپنے دلی کو ایک اس طرح ہم کو شک میں پڑے تھے۔ بہت دقت انھیں یہ بات بھی کی تھی کہ اگر کچھ کسے کہہ لیتے تھے تو کام میں اور آگے ان کی رازت میں کامیابی کا کوئی امکان نہ ہوتا پیرا مشورہ پوٹ کے حلیوں۔ مثال والے کے بقول اس نے منشی مبارک کو شور و ہاتھ، اگر لایا ہی ہے تو وہ اور زیادہ آدمیوں کی لغو کیوں نہ ساتھ رکھے۔ فوراً نے کی کیا ضرورت ہے ان کے پاس ایسے ایسے آئے اور مکر کو پڑا ہے۔ جیڈ آباد سے جیسے ہی گاڑی آگے جانے کسی ایران مگر نہ کچھ کچھ کسے رکھ لیا جائے اور وہ باقاعدہ ڈاکا لٹنے کا انداز میں گاڑی پر جلد اور بول منشی مبارک نے سختی سے اس کا شور و سرور کیا تھا۔ اس طرح میں اس کے آدمیوں کی ہلاکت کا اندیشہ تھا اسے پناہ لگا کہ وہی کھونا گوا نہیں تھا انھیں تنبیہ کی تھی کہ لایا یا یا گاڑی دونوں طرف میں انھیں سلامت آپس آنا ہے اور اس سفر میں فائدہ کو لو کہ ابھی جارہے جو اعتماد اور حوصلہ مند ہونے کے علاوہ ذہن بھی میں کو ایک اس محلے میں نہایت کی آخری ضرورت نہیں بنتی فزانت کی ہے۔

اس کے بیان کے مطابق منشی مبارک نے ان سے ہمارا سے میں نہایت سنگین باتیں کھینچیں اس نے تقریباً وہی کچھ دہرایا جو اس کے بہت بڑی ساتھی ہیں تباہ کرنا تھا۔ کسے لگا منشی مبارک نے انھیں خوار کیا تھا کہ ہم طرح سے سکھ اور فائدہ ہوں گا اور شک ہونے پر ایک کو بھی صانع نہیں کریں گے۔ لہذا ہم سے کسی حمایت کی توقع نہ کی منشی مبارک نے انتہا پر کی تھی اور شہت لائی تھی کہ اگر انھوں نے سوچا ہو جادو رازت سے کھلا تو وہ کامیاب ہی نہیں آتیں گے اس نے ان سے وہی بات کھینچی تھی جو میرے ذہن میں ہی کہ ایک بڑے آدمی کے ساتھ اتنے لوگوں کی وودوی کی کی تیرے معمولی دلی ہو سکتی ہے۔ آگے سفر میں ہادی احتیاط اور کچھ دیکھ کر انھیں خواہ اس کا اندازہ ہو جائے گا اور مثال والے کے مطابق اس نے ہی دیکھا۔

ابھی وہ یہ سب تبار تھا کہ گاڑی وہ بھی ہونے لگی۔ قلعہ الزین کو جیسے خیال ہی نہیں ہوا تھا کہ پیر نے کھڑی دیکھی اور ایک بیک ہتھ سے لٹھ کھڑا ہوا ہم نے بہت جلدی کی تھی ڈاڑی سے گاڑی چلنے سے پیر نے بیک ہتھ سے بیک ہتھ سے نہیں ہوتے تھے۔ اگر کچھ کرنا تھا تو ہم نے بڑی تھی ہمیں اس سے پہلے ہی اس کا لیندہ کرنا چاہیے نہیں معلوم پیر اور قلعہ الزین کی اس چیتا تھا بولنے سکون سے ان کے ذہن میں ہے تھے کچھ بڑی آبادی کا شہر ہے۔ وہاں گاڑی پانچ دس منٹ سے

اُن لوگوں کے دُہلے کمرے پر روشنی پڑی تو میں آبا جان کے دُہلے کمرے میں پہلا گیا۔ وہاں صرف ایک بلب مل رہا تھا اس لیے روشنی بہت دُبی تھی یا اس کے وجہ یہ کہ میں نے تیر روشنی سے اندازاً قاتمہ علی کی ایک بار قریش پر صلا بھیجے گا دُہلے کمرے سے آبا جان اُن کھینچ کر لے گئے تھے تو تیر پر غم و تڑپ سے میں نے اپنے پاؤں اندر داخل ہو کر ایسی آہ سے اُن کی آنکھ کھل گئی۔ انھوں نے غصہ و آواز میں پوچھا کہ میں سو رہا ہوں کیا بات ہے تو مجھے صبح صبح سے بوجھ میں لگا رہا ہے۔

دواڑہ بند کر کے کے لیے ڈالے شے وقت میری نظر اُدھر اُٹھ گئی کہ
طرف آتا جان کے ساتھ والے بڑے گھر میں، اُن دونوں پہلے والے آدمی میں سے
ایک نے اُسے پر جھڑپا اُٹھا دیا اُن دونوں کے خیال میں میں نہیں گھس سکتا ہوں بلکہ
گھسنا تھا لاکھ ڈالوں خاصی دیر تک بیٹھ کر فارم پر پہلے نفرول کے سامنے بیٹھے
اب اس میں کوئی شبہ نہیں ہوا تھا کہ اُن کا کُترے پر دُش و اُشال والے کے ساتھ
سے کوئی تعلق نہیں ہے نہ کسی اور سے۔ جو اُنواں میں سے کسی کوئی تو اُن سے ملے
آتا وہ کسی کے پاس جاتے۔ اُن کو اُن کے اُچھے ہدف و معلوم ہوتی تھی۔ جو کہانہ
وہ کسی اور طرف سے آئے ہوں لیکن مقصد تو اُن کا بھی کوئی دوسرا نہیں ہوگا بلکہ
نہیں کہا جاسکتا تھا کہ مقصد کے حصول کے لیے انھوں نے کسی اور میاں پر اُجڑے میاں
پر کھڑے ہوئے تھے انہیں جانتا تھا گاڑی میں تیرا جو بیڑو ڈھکنے لگا میں پھر پھا
پر بھید لے بیٹھ گیا۔ یعنی وہ گاڑی میں ہی تھی اور کوئی آتش نہیں آتا تھا کتنی
دیر میں انھوں نے بند کر سکتا تھا میں نے اپنا بازو جسم کے پوچھنے دیا۔ اکیلا کیا انا
میں آگ میں بھڑک اٹھی تھی۔

آنکھ نہ کھلتے تھے۔ رات بیکسی ہو چوبھیل ہوئی تھی تازہ ناز و حویب
بیش نام پر بل دھکے کج گنیں تھی ہم سبھی وہاں تو گئے اباجان اور زبیر علی
جی باہر اگلے گئے تھے دفنے سے آنکھ نہ کھلنے کے باعث مجھے بھی کچھ تازگی
نکس نہ رہی تھی سب کے دوی تھا لیکن ابلا ایلے بھی بہت سی سرگرائیاں کم
نہ رہے۔ رگڑائی ایک ہی کسم کا اندھیرا ہی ہے۔ دو اندھ سے مل کے اور
ہرے ہوئے ہیں۔ رات دھیرے کے نسبت مجھ اب اپنا تیرا کچھ نہا رہا کچھ باہر نہیں
ساتھ اپنا خاص نغمہ نکال رہا تھا غنڈی آدمی کی غذا ہے۔ شام کو ایک بیٹی میں
اسے سخت جنگ کے خوان سے ٹھانی وغیرہ نکال لایا تھا چائے کے ساتھ ہم
پینے لگے کڑے ٹھانی کے دانی نہ لگتے تھے۔ یہ دیکھ کے شام کو اندھ کوڑی سے
اور دھیرے کچھ لے آیا ایک ایک ٹیڑی لے لے لے پھل کے کچھ کھائی ماری میرے ساتھ

سب کے چہرے جیسے کھڑے آئے تھے جھگوہلے ڈٹے میں اڑا لیا گیا تھا۔
اُس کا بل نہیں چلنا تھا کہ ڈٹے میں پھنسا کر تھکے آتی رہی بعد ازاں کہیں جا کے
اُن کی پٹائیوں کے بل لٹکے تھے۔ سب نے انھیں لوکا کا بھی دو باتی ہیں۔
پہلے لوگ دو آدمی اُن کا ارادہ درمیان میں کسی کی سرکشی پر اترتے تو بھی
نہیں معلوم ہوتا تھا۔ پھر لوگ اُسے ڈھائی گھنٹے کے سفر میں گاڑی کی سرکشیوں
پر پڑھری۔ ہر جگہ اُن کا نظریا ایک ہی معمول تھا کہ بڑے سرکشیوں میں جا کر گاڑی
کھڑی ہو کر پھر کے کارخانہ کا پہلے نام پر اتر جانا، اور پھر وہاں سرکشیوں پر لوگ اُن سے
پر لیا سو دینا۔ کبھی ایک آدمی کبھی دوسرا۔ سب نے اس کی شادی کوئی آشنائی
ایسا یا جو مال اُنھوں نے کچھ کوئی ہارتی ہوتی ہو یا بھری رات میں بھی نہیں رات
سے اب تک وہ اپنی زندگی سوئے ہوں گے، وہ بھی صرف اُن وقتوں میں جب
گاڑی ملتی رہی۔ اُن کا طرز عمل شولا پور میں اُن کے زمانے کے آدمیوں سے قطعاً
مختلف تھا۔ پہلے وہ اُن کو رات کو نام پر بار بار ڈانے پر آجائے سے ہی ملتا ہوتا تھا کہ
کسی آشنائی پر انھیں جانے سے منع کر دیتے کہ انڈیا سے باہر کسی ایک قلع کی تلاش
میں ہیں جو انھیں سمجھو کہ اس بار کے لوگوں میں مل جائے۔ پھر یہی تھی اُن کے
ذہن میں یہ بات کہیں نہیں آئی کہ اُن کا بار بار اسی نظروں میں آنا ایک نام
پر اتر ڈٹنے کے ذرا ازل پر کھڑے ہونا، اُن کا جو کہی دارل و بیادیتہ خواندہ کے
لیکے کی طور و مندر نہیں تھا۔ وہ لوگ تو اپنے گرو پش کے مسئلے میں بطور خاص
بہت سنا سنس ہوں گے جو اپنے ساتھ بیش قیمت مال مناعے لیے پھر رہے ہیں۔
انھیں تو اپنے سامنے پر بھی تنک ہوتا جو کیا کہ وہ یہ سب کچھ نہ سمجھ سکتے تھے کہ ان کی سرکشیوں
محسوس نہیں کر کے ہیں۔ انھوں نے اب کسی کی جگہ ہم سے، اور ہم سید کرنے کی

گوشش بھی نہیں کی تھی اتنے طویل سفر میں پڑوسی مسافروں کے درمیان یہ قربت
 مولنا ہوا جانی ہے۔ فحل نے انھیں پھرتے سے منع کر دیا تھا ورنہ وہ اپنے طور پر ملہ
 جنبانی کر سکتے تھے۔ نہ معلوم پھر ان کا دوشل کیا ہوتا۔ فحل نے اس لیے منع کیا
 تھا کہ شمسائی کی موت میں ان کے لیے ہمارے ڈبے میں داخل ہونے کا جواز نکل
 آتا۔ وہ ہم سے کوئی لاگ نہیں کرے تھے تو میں بھی پہل نہیں کرنا چاہیے تھی بلکہ ان
 کی سزا بھی نہیں قبول کرنا چاہیے تھی مگر غرور راجا رہا تھا گاڈی کرواڑی جنگش
 سے بھی کرگزشت تھی کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ پھر انھوں نے کون سی حد متعین کی
 ہے۔ کرواڑی سے آگے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کچھ تنگ گئے ہیں پلیٹ نہ
 پڑھیں گے جس کی مدت خاصی کم ہو گئی تھی۔

گھاڑی دوکانی بنے دو ڈرائیشن پرچی۔ ہم نے اس سے پہلے ہی کھا تھا
 لیا تھا نواب شمس نے بھی کچھ کھوایا تھا۔ چاندی کے ورق میں لپٹے ہوئے پانکے
 پیڑے بھی تھے جو کھانے کو بہت مغرب تھے۔ وہ یہ بیان بھی نہیں کیا سکتا تھا میں
 اس بات میں ایک بار چلائے دیکھ آیا تھا ایک اسٹیشن سے دوسرے اسٹیشن تک
 جس اسی کے چلنے بیٹھا رہا۔ اس کے ذمہ کچھ اور لال ہو گئے تھے۔ سنا میں بھی
 کوئی ذرا نہیں تھا۔ نیز علی گڑھ میں کیا ہوا پانی لے چکا تھا۔ وہ پھر پڑھ
 کے پھرتے سے تھے گاڈی دو ڈرائیشن پر پڑے جس میں ٹیٹے تھے۔ میں
 گھاڑی نے شام کو تیار کیا کہ بستی کا فاصلہ پڑھ سولہ گز تھا۔ اس میں ابتدا
 سے تاجی کا شکار نہ ہوتی اور اپنی رفتار سے چلتی رہتی تو پانچ بجے پہنچ جاتی۔
 معلوم ہوا کہ بارش زدہ علاقہ گوکھی گاڈی پر چکا ہے لیکن آٹھ بجے ان سے ہیں
 اور اس سے اور بھی ہو سکتے ہیں۔ گھاڑی زبانی میں کہ شام چھتا ہوا میرے
 پاس آیا اس نے چکی آواز میں کہا لاڈلے اب تھوڑے گھنٹوں کی بات ہے۔
 پانچ بجے میں دس بندہ منٹ باقی تھے کہ گاڈی پڑنا شہر میں داخل ہو
 گئی۔ پڑنا اسٹیشن پر تو میرے ان کے پاؤں زمین پر نہیں پڑے تھے۔ سب سمجھ رہے تھے
 کہ میں ایک جہت کی سرے گاڈی ہوا کے دوش پر چلنے کی ہوائی جہاز کی طرح اور
 میری اچلنے گاڈی پڑنا شہر کی خوبصورتی کا نقشہ کھینچ رہا تھا، جروس کہہ رہا تھا
 کہ میری دلچسپ شہر میری سے تنگ جاتے ہیں تو زبانی راہ لیتے ہیں یہاں کی بات
 ہی اور ہے۔ گوئے لوگ پڑنا پر جان دیتے ہیں۔ پڑنا کا مطلب کہ اپنی آدھا میری
 میں آگیا ہے سمجھو پڑنا ابھی میری کا چھوڑا جاتی ہے۔

آجائان کے برابر والے ڈبے کے دونوں آدمی بھی پڑنا کے پلیٹ فارم پر اتر
 گئے۔ ہماری لوگی جانے لپٹ کے ایک ٹرے مال کے سامنے ٹھہری تھی اسٹال
 کیا تھا۔ اچھا خاصا بھل تھا اس کا تمام ساز سامان دیکھنے کے لائق تھا۔ سب کا
 سب انگریزی طرز کا اسٹال کے اطراف اپنے اپنے اسٹال رکھے تھے لوگ ان
 پر بیٹھ چلے اور دوسرے مشروبات پی رہے تھے۔ وہ دونوں بھی اسٹال پر چلے گئے۔
 وہ دو ڈبے کے بعد کسی پلیٹ فارم پر اب اترے تھے کچھ دیر تک انھوں نے چائے
 سے شغل کیا، پانی کھایا اور سگریٹ کے کش لیتے تھے پھر کسری رنگ کی اسٹ
 والا آدمی ایک طرف چل دیا۔ کچھ دیر تک وہ نظر آتا رہا پھر آگے مسافروں کی جھڑ

نے لے گیا لیا یہ دیکھ کہ شام بھی چلے گئے ایک جانب کھسکا ہوا اس کے
 پیچھے چل آیا اسٹال پر چلے جانے والا آدمی یقیناً شام کو نہیں دیکھ سکا تھا
 چونکہ وہ وقفے میں اسٹال پر چل گیا شام نہیں کھاتا تھا۔ اس کے
 میں لڑکی کو بھیچا پڑا۔ شام کے پلیٹ فارم پر چلے گیا اسٹال والا
 اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ وہ کہاں گیا تھا کتنی دور تک گیا تھا
 کو اس کا کوئی علم نہیں ہو سکا۔ اس نے پڑنا اسٹال والا اپنے ساتھی سے ہر
 انداز میں باتیں کرنا شروع کیں۔ ان کے توروں میں اسی حریت یا انشیت میں ہر
 چہرے سے اضطراب ظاہر ہوا تھا۔ گاڈی چلنے میں ابھی وقت تھا وہ دونوں
 ڈبے میں جگہ چھ گئے اور کھڑکیوں سے میں کھائی دیتے تھے۔

انھیں ڈبے میں گئے چند منٹ گزرے ہوں گے اسٹیشن پر پھر پڑنا
 تھی اور گاڈی راز ہونے کے قوان نظر آتے تھے اچانک وہ خوش بوئی آدمی
 لباس پہنے ہوا۔ ان کے ساتھ تھلی بھی تھی۔ سامان زیادہ نہیں تھا
 کی عمر چالیس دو سے کم کی تھی سال سے زیادہ نہیں ہوگی لباس اور وضع قطع
 وہ آسودہ حال لوگ معلوم ہوتے تھے۔ ہمارے ڈبے کے پاس آگے وہ رک
 رکھنے لگا انھوں نے اوپر ڈبے کے نشانات کی طرف دیکھا اور تھلی سے سامان
 رکھے کو کہا آجائان میں تھلی اور زوراکے سوا سب بھرے۔ انھوں نے کچھ بچے
 تھلی کو سامان اندر رکھنے کی ہدایت کی۔ تھلی ڈبے میں قدم بڑھا چکا تھا۔ وہ
 بھی داخل ہونا چاہتے تھے کہ جروں نے ان سے کہا کہ ڈبے میں کوئی جگہ نہیں ہے
 ڈبہ محفوظ بھی ہے۔ بہتر ہے کہ وہ اس اور دیگر چلے جائیں زیادہ عمر کے آدمی کو
 لہجہ تیار لینے نہیں آیا کہنے لگا ابھی دوڑی کتدے ڈبے میں خاصا ملگ
 محفوظ نشستیں اصل میں رات گزارنے کی حد تک ہوتی ہیں اور پھر ہم آپ
 درختوں کو رکھتے ہیں نا۔ وہ یہ کہتے ہوئے اندر جانے لگا۔ مارٹی نے اس کا
 تمام لیا۔ اب صاحب اولو ڈرائیشن ابھی آپ تھوڑا اندھا چنا ہے
 اس نے نہایت نخوت سے لڑکی کا ہاتھ جھٹک دیا اور لولا کہ دوڑنا
 بات کر دے کون سا انداز ہے شرفا سے بات کرنے کا ساتھ ہی اس نے لولا
 دیا کہ وہ سامان ہتھ کے نیچے رکھ دے ہم سب پاس کھڑے دیکھ رہے تھے پڑنا
 سامنے ہو گیا۔ اس نے نرم لہجے میں اسے وہی بھایا جو جروس نے کہا تھا اور تیار
 ڈبے میں ایک جایا بھی ہے۔ ہم سب نیچے کھڑے ہیں اور چلے جائیں گے تو
 میں کوئی نشست نہیں ہے گی بہتر ہے کہ وہ دوسرا ڈبہ تلاش کریں۔

نوجوان اب کلام غموش رہا تھا وہ دھڑائی سے لولا۔ "میرے ایک کتا
 ہے کون سا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا" ایسا ہی ہے تو ہم کلیان میں اتر جائیں گے
 اتنے کم وقت میں کون سا ڈبہ تلاش کریں۔

"تو ابھی پہلے سے آنا راجا صاحب!"
 "ٹھیک ہے" دوسرا جواب دیا جاتی ہے۔ "اور پھر عریاٹ لیجے میں لولا
 دوسری جگہ ڈھونڈ لیں گے۔"
 "ابھی وقت ہے آگے پھر کھا پھر لکھ لکھ کرے گا۔"

"آپ لوگ کیسے آدمی ہیں؟"
 "میکوں سینگ گنگاپے اپن کے اچھی۔ پیرنے تخی سے کہا۔ سیدھا
 بولی جھٹکن آتاکیا؟"
 "خوب آتی ہے۔ تو جوان نے سینگ کے کہا۔ دیکھیے ہم نے آپ سے
 روک ٹھٹ کی ہے۔ ڈوڈا آپ کی پرانی ہے۔ نہ آپ نے کوئی پکار دیا ہے کہ وہ رول
 نہیں بیڑہ سکتا۔"
 "جید ادا سے بھی کھا گیا ہی کھلایا ہے پان نے تم نے بھی فرٹ
 کلاس میں ٹھکر کیا ہے۔ یہ ماستی تو لڑا اپن کا ہے کھیرا ہے۔"
 "دو ڈرامے نے بھی بھرے اور ڈرامہ کبھی نہیں ہے۔" ادھیہ عرض
 دشتی ہے۔ بلا ت بات کیوں بھلتے ہیں؟"
 "بات تو آپ لوگ بڑھاپے ہیں۔"
 "آپ لوگ نہیں جانتے کہ کس سے بات کر رہے ہیں۔"
 "لاٹ صاحب۔" پیرنے پھر کھانکے کہا۔ اپن دیکھ رہا ہے صاحب
 کوئی پرائس مارے افریبلڈ گٹ بھی لکھا ہے۔ پرائس مانی ٹھیک نہیں دیتا۔"
 "اور تم کو دکھائی کم دیتا ہے۔"
 "ٹھیک ہے۔ پھر بات برابر ہو گیا۔" پیرنے منس کر کہا اور تخی کو سامان اٹھانے
 کا اشارہ کیا۔
 "سامان میں لے جائے گا۔" ادھیہ عرض بھی بولے۔
 "دیکھا استناد؟" پیرنے بھل کو مخاطب کیا۔ اچھی یعنی
 گورا صاحب کہا بولتا ہے؟"
 "بھل نے آگے آگے ہی آواز میں اُن سے کہا کہ وہ اپنا
 سامان اٹھائیں۔"
 اندر میں علی آباد ابا جان بھی اپنی نشستوں سے کھڑے ہو گئے تھے۔
 انھوں نے میں اچھو دیا کہنے کی تھیں کہ اور اُن دونوں سے کہا کہ اس بڑے
 میں انھیں بھی تکلف ہو گیا۔ میں بھی بیڑہ نے کاتے کی طرف اٹھ اٹھاتے ہوئے
 کہا۔ دیکھیں یہاں ایک بڑو جو ہے۔ آپ کو واقعی زحمت ہوگی جناب؟"
 "آپ کو زحمت نہیں ہونے ہی جائے گی بڑے صاحب۔" ادھیہ عرض گوی
 سے بولا۔ "ابھی ہم کو پرائس نہیں ہے۔"
 سبھی نے اپنے اپنے طرز پر نرم گرم لیے۔ میں انھیں بازو کے کی کشش
 کی لیکن اُن دونوں کا خون زیادہ گرم تھا۔ لینے میں معلوم ہوتے تھے۔ نہ زحمت
 ہی بیڑوں کا ہوتا ہے۔ بظاہر دونوں صاف فرگ رہے تھے۔ لیکن ایک کی صلا کا
 میں بھی ہیں کوئی طرہ دونوں میں ملنا چاہیے تھا۔ اب ایک ہی طریقہ تھا جو ہرگز
 مناسب نہیں تھا کہ انھیں جگہ نہ دی جائے۔ پیریا بھل کسی نے پہلے طرے دو
 آدمیوں کی طرح انھیں برابر کھڑے کیے۔ بیڑہ نے کئی کئی بھی نہیں کی۔ یہ
 دن کا وقت تھا۔ گو شام کی ابتدا ہو چکی تھی لیکن سورج غروب ہونے میں نہ تھا۔

میسے دین میں ایک بات آئی تھی کہ انھیں اسی ڈیٹے میں جگہ ہے
 اور تھائی ابا جان برابر کے ڈیٹے میں متقل ہو جائیں لیکن اس طرح اگر وہ
 تھے تو ابا جان کے پاس رزرو جاس کی بودی کی بات ان کا نہیں اور نہ
 بھل نے ایک بار پھر نرم لیے۔ میں اُن سے سامان اٹھانے کے کہا کہ وہ اندر
 اور بھرے ہوئے تھے۔ بھل کا منہ بھی جوت پوری کرنے کے لیے تھا۔
 نے پھر علی آباد کی قدر و قیمت سے بولا۔ آپ نہیں جانتے۔ یہ کیوں صا
 ہیں۔ ایک بہت بڑے رکاری افسر ہیں۔"
 "تو تم باتیں کیا۔" بھل کی آواز بھی بدل گئی۔ اس نے دوا
 طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ اندر نے کسی توقف کے بغیر ان کا سامان اٹھا کر
 پھینک دیا۔ دونوں کی آنکھوں سے شلے ٹپکے۔ وہ اسی طرح جھینے پڑے۔ لگا
 غورا واری تباہی کن کے بہت سی فرمتو جگہ دیکھتے دیکھتے اڑدھام
 لگا۔ دونوں نے اندر کے سامنے سے شلے پھر دو کا گریبان پکڑ لیا۔ جروس
 اب تک بہت زراعت کیا تھا۔ اندر اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے لوزار
 کرے پھونکے اور اٹھا لیا۔ دونوں ہاتھ پھیلانے کا جو رولتے اور اچھال کر با
 پٹائی تو اس کی ایک ٹیک بڑی ضرورت تھی۔ جروس نے بھل ویر پر طرف دیکھا
 جھکے سے اُسے دواڑ میں پڑھ کر لیا۔ دونوں ہاتھوں سے اٹھ کر اٹھ کر اٹھ کر
 شور مچا رہا تھا۔ گاڑی کا گاڑی پکڑ کر انھیں ہاتھوں سے لڑے۔ لڑے لڑے اور اڑا
 پولس ملے ڈوٹے ہوئے اس طرف رات گئے۔ اور مارلی اور زور دے شام کو
 لیا۔ وہ ادھیہ آدمی پر بھیجا جاتا تھا اور مارلی اور زور دے بڑوں کے کار
 سے بھٹکنے کے لیے چھاپیں لگا رہا تھا۔ اس کے منہ سے بے تحاشا گالیاں جاتیں
 اور وہ ایسی ایسی باتیں اُن دونوں سے منسوب کر رہا تھا جو ان کی زبان سے با
 نہیں ہو سکتی تھیں۔ شام کو پیر دوڑا تھا۔ مارلی اور زور دے کی کشتی کی کشتی
 بھی دانستہ تھی۔ شام کو اچھو دیا تھا کہ اسے چھوڑ دیا جائے۔ وہ اُن دونوں کا کٹا
 نے گا انھوں نے اُسے ماں کی گالی دی تھی۔ وہ اس کے بڑے بڑے اٹھ اٹھا ہے۔
 کی چیخ بکارت سے حاوی گئی تھی۔ اب بے پناہ لڑائی پڑھ کر عوامی ملا
 اندر اختیار کئے۔ پھر ہو گیا۔ ریلوے پولس کے پاس بھی شام کو فوج کھڑے
 خود چھپنے لگے تھے۔ اس ہڈو میں کسی کی سمجھ میں بھی نہیں تھا۔ اس کے
 کہ پہلے منتقل گول کو تو ان کی کھیلنے سبھیوں کی مداخلت پر شام کو کی
 ہو گیا کسی نے ادھیہ عرض کو کچھ بھلا دیا۔ وہ بھلا دیا تھا۔ دو تھیں کہ اٹھا
 سب بتا رہے ہیں۔ گنگ بہت چالاک اور مکارا معلوم ہوتے ہیں۔ وہ دھمکیاں
 دے رہا تھا کہ میں بھی انھیں بکھڑ کر دوں گا۔ ایک ایک کو دیکھ کر ہوا۔
 "ہاں ہاں۔ کچھ تو بھلا کہہ رہے ہیں۔" ایک ایک کو دیکھ کر ہوا۔
 کی دھوٹن ہاتھ ہے۔ چند اڑال نے تھا۔ انچہری تیسے۔ ایک بچے نے
 میں جا کے نو دیکھ ڈیٹے میں اب تیری لاش ہی ادھر سے جانے کی بجائے
 گرتے گرتے تھا۔ کبھی پیر گاڑی کی ڈی اسٹیشن کے مداخلت و ضبط نام لکھا

ہاں کوشش میں صرف تھا۔ ابا جان کے بارے میں کہ دونوں آدمی پہلے تو
 دوانے کھڑے تھے۔ پھر لیٹ خام پڑ گئے۔ لیکن یہ ان کھڑے خالص سے سب
 کی کچھ بچے کوئی قرب نہیں آیا۔ ریلوے پولس کے سپاہی اصل بات
 جاننے کی نگرانی تھے۔ ان کا ایک افسر بھی وہاں گیا تھا۔ وہ بھی ڈانٹا کبھی
 استدعا کرتا اور بھی سب کو ریل سے اُٹانے کی دھمکی دیتا اور دیکھ کر بھی بہتان
 زانے شروع کر دیتے تھے۔ اُس نے بڑھاپہ لڑکے کیان کرنا یا کارہ نہ ڈیٹے
 میں اٹھ جاتے۔ پہلے ہی اس پر ڈھٹا اٹھا تھا۔ حالانکہ اس نے ہم سے مشر
 الگ اسٹیشن تک بیٹھنے کی اتفاق تھی۔ شام کو بولنے ہی نہیں نے اٹھا۔ گروہ
 صرف ایک تھا۔ دونوں کو ڈیٹ گنگ تھی۔ شام کو رولتے اور پھر دو کی کچھ
 بیکاری افسر ہونے دو سب اب جملے کا کچھ لیتا تھا۔ اچھا لیکن انڈیا میں جا کر رہے
 تھے۔ گول کا اس سے گرتے ہو جانا لازم تھا۔ گول دے ہی بیکاری افسر
 میں جب جھوٹے کے منتظر تھے۔ ہیں چند گول نے اپنی زبان میں میں بھی بھلا
 کو دشتی آدمیوں کو بگڑنے میں ایسی بولی تھی۔ آدمی ہی تھوڑی بہت تو
 مرت ہوئی تھے۔ شام کو بیکار اٹھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اسے اور فزوں کو
 تھانے کے لیے منسلک کیا جائے۔ اب تو وہ تھانے جا کے اس کی گھنٹی کا کس
 دیکھ کر کہتے ہیں کہ اس کی گھنٹی کتنی بڑی ہے۔ وہیں جا کے اسے بتائیں کہ اس کو کم
 ہیں اور اس نے کس آدمی پر ڈھٹا اٹھا ہے۔ سالہا کس کا زور دیا تھا ہے۔ بھوکوں
 پر کھتے ہیں ہم کریاں۔
 شام کو میں گویا۔ بچتا ہوں۔ ایک ننگے مارنے ہاتھ جو کہ اس سے مار
 ادھیہ عرض کی سختی کے کہ ان کی وجہ سے گاڑی کی ڈیٹ میں تاخیر ہوئی ہے۔
 اور سیکڑوں مسافر پٹیاں ہو رہے ہیں۔ وہاں انھیں تو دوسری ڈیٹ میں تاخیر ہوئی ہے۔
 ادھیہ عرض کیے جھٹ پڑے تھے۔ انھیں اس ڈیٹ میں بھی تاخیر ہو رہی ہے۔
 ہو چکا تھا۔ لیتے ہیں ابا جان کے بارے میں ڈیٹے کے دو آدمیوں میں سے ایک آدمی
 گول کی بیکار اٹھا ہے۔ قریب آیا اور ادھیہ عرض کیے۔ اسے آئیں۔ میں بوللا کہ
 برابر کے ڈیٹے کا سامنے ہے۔ اسی فرٹ کلاس کا۔ وہ دونوں اُس کے ڈیٹے میں آ
 جائے۔ ادھیہ عرض آدمی نے کوئی جواب نہیں دیا اور سرے گنگ تا نہیں آوازیں اٹھانے
 لگے۔ اٹھا کھل میں تھا۔ انکار پولس کی نوبت آتی تھی۔ اور گول کی لاش کی لاش کی
 بھی پھر تھوڑے ہی میں ڈیٹے اُن دونوں کو کسی اور ڈیٹے میں سب گنگ ڈیٹ
 کھڑے کی پیش کش کی تھی۔ لیکن اُس وقت وہ طیش میں تھا۔ ڈیٹ کی پیش کش اس
 نے تھوڑے ہی عرصے میں ہی اور دوا کیا تھا کہ اب تو وہ اسی ڈیٹے میں نہیں گئے
 درگاڑی ایسی جگہ سے نہیں بڑے گی۔ گول نے اُس کی کہ اور ساتوں پر ہاتھ
 لکھ کر اُسے ہم سے ڈر کر زیادہ بڑا لڑا کہ کبھی اُس کے وہ ہیں دیکھ لے گا۔
 اور مارلی اور زور دے شام کو کچھ بھیج دیا۔
 گاڑی سے بیٹھ جانے میں بھل کی کئی لوگ مانگے۔ ڈیٹے گنگ گاڑی
 کو یہ تیز اور پہلے اختیار کی جائے تھی۔ اس نے گول کو منتظر کرنے کے لیے بیٹھی

بجائی تھی۔ گاڑی راز و فصل میں چند منٹ اور گنگ لے گا۔ اندر کے شام کو پانے گا۔
 جروس نے اپنے پانی پلایا اور گنگ لے لگایا۔
 لوزا اسٹیشن سے گاڑی کی رفتار اور تیز ہو گئی۔ گاڑی چھوڑنے چھوڑنے
 بہت سے اسٹیشن چھوڑتی ہوئی اس خاص خاص حالت پر گنگ رہتی تھی۔ وہ بھی
 تھوڑے تھوڑے وقفے کے لیے۔ سب اسٹیشن پر ریلوے کے در کے لیے بیٹھی لیکن
 کیان سے پہلے نہ کسی جگہ پر ریلوے کے ڈیٹے سے کوئی کلاکریٹ ہی بڑھ رہا
 ہو گیا تھا۔ اسٹیشن پر فقط دو شخص تھے۔ کیان پر لوزا تو پوری طرح غالب ہو چکی تھی۔
 ٹھیک کھڑے لوزے گاڑی وہاں پہنچی۔ پہلے جید ادا سے اب تک کے ہم سایہ ہم
 سفر تھے۔ وہ دونوں لیٹ خام پڑ گئے۔ اس کی طرح کھڑے ہو گئے۔ جیسے شکر اسٹیشن
 پر ان کا معمول تھا۔ اب اگر ان کے مان میں کچھ تھا تو اس وقت غالب گزر
 چکا تھا۔ یہی شکر تھیں وہ بولتا تھا۔ مان کے کھنے کے مطابق آگے جگہ جگہ بیکار آباد
 تھیں۔ بیکار آباد کا رخائے اس ملنے کا پتہ چلتا تھا۔ اندر ان کی اور پھر کھانا ہوا
 تھا۔ کیان سے بوری بند کا مصلحت سے مل رہا۔ بوری بند پر گاڑی تھم ہو
 جاتی تھی۔ کیان کے لیٹ خام پڑے تھے۔ لوزا اور ادھیہ آدمی کو ڈیٹے میں بیٹھے
 دیکھا تھا۔ ان کی آنکھوں میں سخت صاف نظر آتی تھی۔ وہیں بیٹھے تھے۔
 بھی انھوں نے اپنی نشستوں پر اپنی ران کی اور ہمارا تعاقب کھنے۔ دونوں کی نجات
 کے لیے میں تھیں۔ سب بھی کہہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ عام مسافر ہی
 ہوں۔ پولس میز کی بات سن کے ہمارا چھپانے والوں کو پکڑ لیا جائے تھا۔ اگر
 وہ اُن کے ساتھ تھے۔ یا نہیں تھے۔ دونوں متوکل میں انھیں پولس کی مداخلت
 گولا نہیں ہونی چاہی تھی۔
 زیادہ سے زیادہ کہ گنگ کا سفر دیکھا تھا۔ یہی پہنچے گا۔ ان کا ختم ہو جائے گا۔ آخر وہ
 کس جگہ کون کی جگہ کے منتظر ہیں یا ان کا مقصد ادھیہ عرض اور زور دے آدمی کی کمانی
 پر تمام ہو گیا۔ لیکن دونوں کی سبھی بھی ایک گمان ہی ہے۔ اگر وہ ان کے ساتھ نہیں
 ہیں تو ساری گنگ دواڑس بھول غصے انھیں کیا مائل ہوا۔ میں نے سبھا کہ پیر
 سے پوچھوں۔ گروہ بھی کیا جواب دیا۔ ان کے چہرے سے ایسی بے ایمانی اور بے بسی
 پیدا تھی۔ میں نے کھنکھہ دے مزرگتے تھے۔ میں بڑے خام پیر دو شام کو مارلی کے
 ساتھ کھڑا تھا۔ گروہ اور مان بھی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایک ایک میں خیال آیا کہ کبھی
 تک پہنچ جانے کے بعد ان کا ختم کہاں ہو گیا۔ تو بہت دیر ہو رہا ہے۔ بیان تک ان کا
 مقصد میں ہماری غرائی تھا کہ ہمارے میں غرضی نہ کر کسی درست ذیل
 جاتیں کہیں ہم کو نہ بنائیں۔ ان کا اصل کام تو یہی تھا کہ مزرگتے ہمارے اُن کے
 تعاقب کا سلسلہ تو ہمارے ٹھکانے تک راز ہو گیا ہے۔ اب انھیں ہمارا کھدیکھ کے
 بلکہ ان رزور کے ہی کو ڈانٹا جائے۔ پہلے شکر رز، ہمارا آخر وہ جانے غرض نہیں
 جانا چاہیے کہ یہ کہہ جہاں سے اُن کے آواز کو کبیرا ہوا۔ میں ایسا کچھ معلوم نہیں
 ہو سکتا تھا۔
 سب کچھ تسلیم تھا۔ اُن کی گہر شناسی اُن کی فوجی لواؤں ان

میں بڑی ابا جان نے کون کواد کا پتہ بتایا اور دم و بار دھمی دلوں پڑے جہاں سے ہر گھنٹہ بڑی ریلنگ کر چکے تھے۔ رئیس صاف بخیر کی جڑے لڑکی، فدا بخیر، حتیٰ ماں میں چاروں طرف کوئی نہیں دیکھ پڑے۔ چھپنے کے لیے باؤں میں جلا رہا تھا۔ اور بار بار کچھ نکلنے سے بچنے کے لیے لگا تھا۔ یہ سب ابا جان اور میری کی صحبت کی لگاؤ میں بھی پڑے ایک ایک جگہ جاتیں لڑکھڑکے۔ خواہ مخواہ ہر گھنٹہ کسی شے کی کتا جا رہا تھا میں نے اپنے حواس پر بجا رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن کسی بھی شے سے تپ کر بکھر جانا، تم نہ تر فدا سے اس گھر کی طرف بڑھ رہی تھی جہاں وہ سب تھے میری فرخ، فرناں، فارہ اور دیگر بھیس بھیس جھٹ معلوم ہو رہا تھا یہ ابا جان اور وہ سب مجھ سے کوئی مذاق کر رہے ہوں۔

میں نے معلوم کر لیا کہ فرخ فرنی اور دیگر چلتی رہی کن رستوں سے گزرتی رہی۔ میری آنکھوں کے سامنے کوئی ایسی حرکت آگئی تھی۔ اتنی دیر پہلے میں بھی بولا رہی تھی کہ میری سرسری داخل کر رہی ہے۔ ادا، خیر، فرخ، فرناں سے کلام ہلک کر رہی ہے۔ سب کوشش کرتی تھی کہ قافی سے زیادہ میر خیال رکھتی ہیں باقی سب مجھ سے کہتے ہیں۔ مافی نے یہ ثابت بھی کر دکھایا اپنے سگے بیٹے کے اس طرح دلوں کو جاننے کے بعد وہ کیسے زندہ رہیں۔ انھیں تو میری جانا چاہیے تھا۔ میری آنکھوں میں سارا گھر گھوم رہا تھا گھر کی ایک ایک چیز فرنی کو میری سلیقے سے رکھنے آتش ان کا کارز خانہ لایا اور لایا آواز سے کہ نہایت شوق تھا گل دان میں بچوں سمجھا رہی ہے۔ گلوں میں سے پھول کھلے دیکھ کے خوش ہو رہی ہے۔ کسی نے اُدھ کھلا پھول تو لیا تو مارا فاضل ہوئے گی۔ شہبک کی چوکی پر چار دس ڈسری ملی ہوئی اور بدل دی کیڑے بھی وہ ہمیشہ بے ادب ہوتی تھی۔ ڈوڈلی بات پر اس کا پر کھل اٹھا اور کھلا مانا۔ وہ فی آئی پھر ہوئی تھی کہ گلوں کے سامنے گھاسنے لگے۔ اس کا فاضل میں سچ کن کے آواز مجھے دیکھتے ہی گھر کی سے چلا ننگ لگا دیا۔ میری آنکھوں میں سب بھی یہ فضا اٹھ رہی تھی۔ دو دوں آرتھا۔ سینہ جیسے کوئی گھر چلے گیا۔ وہ دوسروں کے لیے چلے گئے تھے ہی بدل کی ہو گئی تھی بھائی کے لیے تو تھی ہی تھی۔ مالا خانے پر تانے کے باوجود وہ شے کی دی پھولوں کی دی سب کچھ اس نے کسی آواز میں کسی خاص وقت کے لیے چھپا ہوا تھا گھر میں اب فرخ، فرناں، فارہ اور دیگر کے سامنے کہ نہ سے مل رہا ہوں؟ میں نے تو ان کا سب کچھ دیکھ لیا ہے۔ بیسہ جی میں آئی کہ تم سے کہہ دوں اور بس چھانک رہوں۔

کسی چور ہے یا ابا جان نے کون کوئی سمت کرنے کے لیے کہا میں بیٹھے بیٹھے چونک پڑا۔ تم نے چور ہے سے تو دل فاصلہ ہو گیا کہ ابا جان نے گاڑی رکھ دینے کا حکم دیا۔ میرے دل کی دھڑکن حدم ہونے لگی۔ میں نے مزاحیہ کر لیا تو تم ایک تین منزلہ محلات کے سامنے کھڑی تھی محلات احاطے کے اندر تھی یہ وہ جگہ نہیں تھی جہاں مولوی اکرم کا گھر تھا۔ سب نے آرتھ لگے تو پر چلنے مزارا دیکھ کر ایک جھٹکے سے مجھے اٹھا دیا۔ اعلیٰ کا دروازہ

بند تھا۔ آہٹ کن کے دربان فوراً کسی طرف کھڑا ہو گیا۔ ابا جان نے منہ نہ آواز میں اس سے گٹ کھٹنے کے لیے کہا۔ دربان میں بہت نکلنے سے دیکھنے لگا۔ احاطے میں ڈھکی کچی اور سات دروازے کے کچھ فاصلے پر تھی۔ شہبک میری عمارتوں سے مختلف طرف میں اپنے اپنے درخت کھڑے تھے۔ دربان کے مذہب پر ابا جان نے مولوی اکرم کا نام لیا۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں کہ میں دربان جوں میں کچھ اور نہ کہنے اس نے جواب دیا کہ اس وقت تو سب سو رہے ہیں۔

”انھیں جگہ کے تناؤ کہ ممان آئے ہیں۔“ ابا جان کی آواز میں گھر تھا۔ دربان نے چند لمحوں کے بعد پھر کوئی جگہ کے لیے احاطے میں گیا اور سات کے ایش جان پر لگا۔ اور اپنے بہتر منزل کی کھڑکیوں سے دھبی دھبی کوئی جھٹک تھی حتیٰ اور طرف سکوت تھا۔ دربان کی دایمی ننگ ہم خاموش کھڑے رہے۔ دربان ایک لائنیں اٹھا تھا۔ انھیں سنا ہوا کرتے پاجیلے میں بلکوس ایک عرصہ یہ شخص بھی پکے چپکے قدموں سے اس کے ساتھ آیا تھا۔ وہ مولوی اکرم کے سوا کن ہو سکتا تھا اور وہ مولوی اکرم ہی تھے۔ وہ بہت برابر نظر آ رہے تھے۔ لیکن اکون صاحب ہیں؟ دروازے کے پاس آئے سے پہلے انھوں نے ہوا سے پوچھا۔

”ہم میں اکرم میاں؟“ ابا جان کی آواز بھی لرز رہی تھی۔

”کون کون؟“ وہ اضطرابی لہجے میں بولے پھر جیسے ہی ان کی نظر ابا جان پر پڑی وہ مٹ چلے گئے۔ ”آپ؟ آپ؟“ آپ صفر بھائی، آپ ہی ہیں نا؟“

”دبان نے دروازہ کھول دیا اس سے پہلے کہ ابا جان اندر داخل ہوتے مولوی اکرم تیزی سے اترے۔ دربان ابا جان کے سامنے ہو کر انھیں گھونٹے گئے۔ ابا جان نے باز پھیلا کر انھیں بیٹے سے پوچھا لیا۔

مولوی اکرم کی حالت عجمانی تھی۔ وہ کبھی ابا جان کو دیکھتے کبھی نہیں اُٹھوں نے سوشل انداز میں دربان کو ہدایت کی کہ وہ اندر چلے کر کھلے۔

دربان اندر چلے گا تو انھوں نے آواز سے کہ سامان آئی ہے نہ کہا اور بولے۔ ”چلیے چلیے اندر چلیے۔“

مولوی اکرم کا اضطراب دیکھ کر میرے سر میں طرح طرح کے فہم رنگنے لگے۔ آیا جان کی آمد جیسے ان کے لیے عجیب ہو رہی تھی۔ ابا جان کی دہائی کوئی گھر ہی تھی مگر وہ مولوی اکرم کو تو اپنی منزل اور مقصد تک نہیں گئے ہوں گے۔ انھیں تو وہ اپنی جلا دایمی کا پورا یقین دلا گئے ہوں گے۔ مولوی اکرم کو معلوم نہیں ہوگا کہ کہاں کہاں کی ٹھکان چھان کے کن کن ڈھکڑا کر گھبراؤں اور سہاروں کو مجبور کر کے آیا جان واپس آنے میں ہوتے ان کے قریب سے آگے گزرتی ہے۔ بت میں ان کے پیچھے اکرم نہ پہنچتے تو چہرے سے مجھے متذوق کے ساتھ ان کی دایمی عجز سے کہ نہ ہوتی تھی۔ اعلیٰ میں داخل ہو گئے۔ میرے قدم بہک رہے تھے۔ پیر میری کمر میں ہاتھ ڈالنے میں رہا تھا۔ اس

داس وقت کے لیے کسی شون کی حیثیت رکھتا تھا۔

میں نے دیکھا کہ ابا جان کی حالت بھی مجھ سے مختلف نہیں ہے، ان میں ایک پہلے تھے۔ ہاتھوں پر میں میری لڑائی صاف نظر آ رہی تھی مجھے یہ بھی ابا جان کو کچھ ہو گیا، یہ کسی اور آدمی کے کہنے ہوتے ہیں۔ موضوع نامی فریڈنگوں اور ایک نوعمر کے کہ ایک ماضی شہر میں کسی بڑے بڑے کے نامی لڑکی لاش میں نکل جائے۔ اس سے جڑاقت و درکن ہو سکتا ہے۔

یہ اس دہائی میں اس کی ایک نوجوان لڑکی گھر سے غائب ہو گئی ہو اور جو ان سال کو کا مفقود اخیر ہو چکا ہو۔ لڑکی اور لڑکے کی گم شگ کی دگر دے وہ کا فاضل ہو چکا ہزاروں میں دوڑنے کی دوزخ میں کیسیاں ہو چکا ہوا۔

پہلے صدمہ سے جس کا بوش جنوں اور سدا ہو گیا تھا، اسی کو اب یہ کیا ہوا۔ اندر کے کسی بھی خستہ کو مل سکتی ہے کیا ابا جان کو پیٹنے اس کا پس نہیں تھا؟ اب ان کے جیسے پرکول ننگ بدل ہے میں بولی اکرم کے رشتے دار تو نہیں ہیں۔ ایک عمر رسیدہ اور بے میلہ شخص کی حد میں کوئی کا پھر اٹھا سکتا ہے۔ اس سے میں بولی اکرم کو کچھ بھی ہو سکتا۔ انھیں کوئی سامعین آجاتا تو؟ ابا جان کا پنے غیاب میں تمام دنیا تو لڑنے کے انتہا میں کیوں تھا۔ معاہدے کی سب سے سب سے کبھی ماری تو لڑی کا پٹا پٹا ہے کہ میں خوں میں بڑی تاثیر ہوتی ہے۔ تو نے گھر چھوڑتے یہ کسی کا خیال کیا تھا؟ تو نے تو ابھی کوٹ کے نہیں پوچھا جیل سے ناگروائی خیریت کے دو لفظ گھر لکھتے تھے تو میری ماں شاید کچھ دن اور رہ رہتی۔

میں نے نزل کا دروازہ کھول لیا گیا۔ وہ کوئی اور عرصہ ملازم تھا جس نے رنگہ رنگ کے ہاتھوں سے ماں لیا، اس نے بڑے حیران و پریشان انداز میں سلام کیا۔

”مب ٹھیک کامانی؟“ بڑے بڑے ہونے مجھ سے پوچھا۔

”ہاں دادا! میری آواز میں کچھ بھی ہوئی تھی۔“

کوئی نظر تو آئے گا کہ باپا تو؟ مولوی اکرم نے منہ سے یہیں میں ابا جان کا کیا یہ سب سب سے آہے ہیں؟“

”ہاں اکرم میاں! ابا جان نے نے ترتیب آواز میں جواب دیا۔ سرچاپ نے میں نے کے خط سے پتہ پڑتا ہے جو چاہتے۔“

”ہاں ہاں۔“ مولوی اکرم اچھے ہونے لہجے میں بولے۔

”مب خیریت تو ہے؟“ ابا جان کو کوئی خوف ہی تھا بھی ان سے اشتیاق میں ہوا۔

”مب اللہ کا کھیر۔“ مولوی اکرم نے گہری سانس بھر کر جواب دیا۔

”ہاں آواز میں تھی۔“ میں نے مل دھک دھک کرنے لگا۔

اعلا مقرر کر کے ہم ایک کشادہ کرے میں آگئے۔ میاں اکرم کرسیاں

اور بیٹھے پڑے تھے۔ ایک طرف دیوار سے چوکی کی ہوتی تھی اس چوکی کی چادر بھی تھی اور گاڑی کے تھے۔ ملازم نے چپکے چپکا دیا۔

”آپ کچھ درد معلوم ہو رہے ہیں؟“ ابا جان نے کرسی پر بیٹھے ہونے سے چھپنے سے کہا۔

”جیسے بس دم اٹکا ہوا تھا۔“

”کیوں، خدا کرے کیا بات ہے۔“

”آپ بہت بڑی دنے داری سوچ گئے تھے۔“ مولوی اکرم نے عجیب کی آواز میں کہا۔

”کسی اور کو سوچے تھڑکی گئے تھے کہ اکرم میاں؟“

”بس ہر دم دعا مانگا تھا کہ ملازم خر تو دی کر گھر چھانے اندر نہیں تھا۔“

”ہاں اکرم میاں! ابا جان نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔ ”مب بہت مجبور تھے۔ ہر حال کچھ ہے میں کہاں ہیں وہ؟“

”میری سانس کچھ گئی بولی اکرم نے شگہ کناں انداز میں جواب دیا کہ سو رہے ہیں۔ مجھے ایسا لگا جیسے میرے سر کے حمیر میں روشنی ہو رہی ہو۔“

”انھیں اطلاع کر دیجیے۔“ ابا جان نے چلتی آواز میں کہا۔

”آپ خود اندر چلے جائیے۔“ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے۔“

”ابا جان نے ایسے ہاتھ اٹھا دیسے کہہ رہے ہوں کہ انھیں نہیں بلایا جیے۔“

”یہاں؟“ مولوی اکرم نے شش و پنج سے کہا ہر دم سب کی طرف دیکھتے تھے کہ سنا تے لہجے میں لڑے۔ صاف کیسے آپ صاف سے تو ملازم دعا ہوئی ہی نہیں۔“

”سب اپنے ہیں اکرم میاں! سب اپنے ہیں۔“ ابا جان نے جلدی سے کہا۔ ”آپ کون سے مل کے اچھی مرت ہوگی۔“

”لیے ٹھیک لے ٹھیک۔“ مولوی اکرم نے تذبذب کا وہ دم ہم سے منہ کرنا چاہتے تھے مگر اسی وقت دروازے کی طرف سے جاگتی چابیں اور کچھ سرگوشیاں سنا دی دیں۔ ایک لڑکے کے لیے ہر دم جھنا اٹھا ہوا دروازے کا بڑھ رہا تھا کہ ایک لڑکا بے تاب انداز میں داخل ہوا۔ وہ کہہ رہا تھا ابا جان کرسی سے کھڑے ہو گئے۔ وہ ان کے قریب ایک ٹھٹھک گیا۔ شاید یہ ہم لوگوں کی موجودگی کا احساس ہو گیا۔ ابا جان نے بڑھ کے اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ ان کے سینے سے جٹ کے ہو گئے لگا۔ ابا جان کے منہ سے لفظ نہیں نکل رہے تھے۔ میری آنکھوں کے سامنے بھی چٹکنے سے ناچ رہے تھے۔ وہ کتا بڑا ہو گیا تھا، دلا پٹلا، چھڑی ہوا۔

پڑنے کے پیچھے سے میں صفائی آواز میں آ رہی تھیں۔ وہ بیتابانہ ہوں گی۔ ”آپا! سب اندر آ جاؤ۔ یہاں کوئی فرینس ہے۔“ ابا جان نے ذہنی انداز میں کہا۔ ”دیکھو دیکھو تو کن کون آیا ہے۔“

”آپا! دیکھا! اندر آیا۔“ مولوی اکرم نے ٹھٹھک کر دیکھنی لیا۔ مجھ پر بس لپٹی گئی گڑاہ تھی وہ تینوں سامنے کھڑی تھیں چند لمحوں تک تو میں کچھ دیکھ سکا، دس دس کا میرا دل آتی زور سے دھڑکا کہ میں اچھل پڑا۔ چرب آنکھیں

اور کان کچھ دیکھنے اور سننے کے قابل تھے تو میں نے دیکھا کہ وہ اباجان کے سینے میں سائی ہوئی ہیں اور میری طرح سبکیاں بھر رہی ہیں۔ اباجان نے انھیں آغوش میں چھایا۔

پیرھے بکڑے مئے تھا۔ دیکھا جانی، دیکھا: اس کی دھڑکتی آواز میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔ اپن کیا بولتا تھا۔ میں نے مشت کوہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا اس کی آنکھیں ڈب ڈب ہوئی تھیں اور ہونٹ تھوڑے تھوڑے تھے۔

مولوی اکرم نے اباجان کی کمر پہ ہاتھ رکھ کر انھیں چوکی پر بٹھا دیا۔ وہ تینوں بھی اباجان کے پیلوں میں گئیں۔ اگر ان کے تھوڑے پیچھے گیا اباجان کوئی چوکی آواز میں مسلسل نہیں باور رکھتے تھے کہ اب ان کے ہیں اب انھیں کہیں نہیں جانا بس اب وہ انھی کے ساتھ ہیں گے۔

فصل اور میرے ایک طرف خاموش بیٹھے تھے۔ اباجان کو کچھ دیر کے لیے ہمیں سے کسی کا خیال نہیں آیا۔ وہ کبھی فرخ کی پیشانی کا لورے لیتے کبھی فادر کے سر پر ہاتھ رکھتے۔ ان کا نام دیدنی تھا۔ ایک طرف وہ انھیں تسلی بخشی دے رہے تھے اور دوسری طرف خود ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بھری گلی گھونٹی تھی۔ ایک لمحہ انھیں کچھ خیال آیا، انھوں نے مڑ کر اکیسری جانب دیکھا۔ وہ کچھ کہن جانتے تھے مگر بولنے ہاتھ کے اشارے سے انھیں روک دیا۔ اباجان کے ہونٹ چلنے لگے۔ فرخ اور فادر اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھیں سیکھ کر بھر بار بار ان کی نظریں اٹھ کر انھیں دیکھ رہی تھیں۔ فرخ نے بھی نہ دیکھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں اوپر اٹھ کر اٹھ رہی تھیں۔ ہونٹ دہشت زدہ نہ تھیں وہ بت سی ہو گئی۔ میرا سناؤ ڈب ڈب تھا۔ میرے ہونٹ دہشت زدہ نہ تھیں وہ بت سی ہو گئی۔ حال کبھی جاری تھی مگر فادر نے انتظار اٹھ کھڑی ہوئی۔ مجھے بھی نہ درجہ کا مجھے کچھ نہیں معلوم کیا ہوا اور اس کے لیے وہ مجھ میں ہیرت تھی اور میرا سا جبر پھیل رہا تھا میری آنکھوں آگ سی برس رہی تھی۔

کرے میں ان کی روشنی چھلی ہوئی تھی۔ بچے ایسا لگا جیسے کوئی بول خواب بچتے دیکھتے میری آنکھ کھل گئی ہوا مولوی اکرم جانے کھڑے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ میں ایک جھکے سے اٹھ بیٹھا۔ بھلائی زبان سے میں نے انھیں سلام کیا۔

”بیٹے درودہ وہ سکوٹے رسوا انھیں اٹھایا دیا جانے اتنی دیر ہو لیے ہو کہ توڑی بہت کس کو توڑی ہوگی کیسی نیندا آئی؟“

”مجھے تو بوش ہی نہیں رہا“
”جو بوش کیسے رہنا برسوں کی نیند تھی“
”کیا دقت ہو رہی ہے؟“
”ایک بکڑے لڑکے“

”ایک بکڑے رہا ہے جس نے تو مجھے کہا۔ باقی لوگ کہا“
”سب بچک میں تھا اور انتظار کر رہے ہیں“
”میرا انتظار؟“

”کھانے کا وقت ہو رہا ہے میاں! اسی وجہ سے تو میں نے نہ نہیں نہیں بے آراہی کی۔ میں بڑے اٹھکے کھڑا ہو کر آتا ہوں“

”کتنے لگے“ اظیان سے آواز ایسی جلدی بھی نہیں سن رہا طرح تیار ہو کے آدھان تو بیاں غلے میں موجود ہے اور کپڑے میز پر رکھے ہیں۔

”میرے کپڑے؟“
”جیسے ہی انھوں نے کہا کھول لیا تھا۔ انھوں نے ہی ہر پشکل ایک دو گھنٹے بستر پر کنگڑا کی ہوگی۔ مجھے تو اس میں بھی شگ“
”کہاں ہیں وہ؟“

”کہاں ہیں ہمیں تسلی کی طرح گھڑیں تھک رہی ہیں۔ آج ہی زین پر نہیں ہو سکتے۔ سارے گھر کا نقشہ بدل گیا ہے۔ بابا بابا دیکھ جاتی تھیں۔ سب کو سستی سے تاکید تھی کہ ذرا بھی شور نہ مچاؤ چلے گی۔ اللہ اللہ۔ پہلی بار آج میں نے ان کے چہرے پر یہ شاداب ہنساؤ دیکھا۔ بھلا کبھی انھیں کیا تھاؤں کیسے کہ میں نے کتنا تھا کیا کہ لیکن بس ایک دو دن اشترا تھا، پھر یہی حالت“
”میں نے ان کا شکریہ ادا کرنا چاہا لیکن خاموش رہا۔“
”مجھے اب سکون سے موت آنے لگی۔“
”آپ کسی باتیں کر رہے ہیں۔“

”ہاں میاں! اسچ حالو سر پر پہاڑ کا سا بوجھ تھا بہت ہی بالوں کا ساتھ آدمی یہاں کہہ نہیں دے اور خوشی زیادہ ہونا ملا ہے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے میں نے کیا باتیں مانی تھیں“

کی برسات ابھی کے لیے بیسھو کہ مجھے سب کچھ لگ گیا۔ غلے پر رکھی۔ اس کا اس سے ہزار کم کیا ہو سکتا ہے کہ اس نے نہ دھت کو نہ زبردستی اپنے گھر پہنچا بلکہ انھیں بھی ان سے لوٹا دیا سب ہے اور ان سے بھی میں ہی اس کی کتا تھا کہ اپنے اپنے گھر لوگ ان کے ہاں پہنچے اندھیر نہیں۔ مولوی اکرم کی آواز بھر گئی پھر وہ: ”میں بھی یہ کیلے وقت کا کھڑا لے بیٹھا تیرا ہوا جو آدھان تھا۔ آئے لگے گا آج تو بارش چرخی غلے کے جگہ لگ گئے۔ میں۔ جس سے کھسی کے بچان بنا رہی ہیں۔ غریبوں میں مٹانی بھی تھی۔ میں نے جانے کیا کر رہی ہیں کسی کو تو انہیں ہے ان کی دین دار بھی ان کے ساتھ ہے سب بیسے پاگل ہو گئی ہیں۔“

مولوی اکرم کے چہرے میں غلے غلے کا رخ کیا ہوا ارادہ ہاتھ نہ دھو کے پڑے ہیں۔ اپنے کاٹھیاں سفر کی دھول سرس آتی ہوئی تھی میں نے جلدی جلدی کیا اور کپڑے بدل کے بیٹھ گیا۔ بیٹھک کی ترتیب ہی بدلی ہوئی تھی کہ میں نے ایک طرف کھڑے گئے تھے اور سارے فرش چائین چوبی کی گاڑی کے گئے تھے۔ دریاں میں لڑا سپور بھی لکھا تھا۔ قہل کا کونچے سے کڑکاتے تھے کہ ان کے سر کے پیلوں کو کیا بیٹھا تھا۔ یہاں میں نے ہاتھ دھوا۔ ہاں دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ وہ انھی کے لیے گھر نہیں گیا تھا کہ میں سے قدم رکھتے ہی اس نے اٹھ کر مجھے گلے لگایا اور اندر کمرے کے قریب لگے لگا۔ اس نے اباجان کا خیال میں بھی کیا میرے کرتے کی دھجی وہ تینوں ہی چلی آئیں۔ سب نے پڑے پڑے ہوئے عین سستا سے ”دھجے“ کہا۔ کتا اور چوٹی مری کا چاچا۔ صبح کوئی چاہے مولوی اکرم لے بھان کے ہاں سے اٹھا دو تھا۔ ان کا بھی میرے الگ کونے کو چاہتا تھا۔ نہ میرا رت میرے تھوڑے سے کمرے میں جاتا تو بھی میری رہیں۔ فادر اور اگر کمرے خالی کو کوئی ہوتے تھے۔ ان کا میں نہیں چلتا تھا کہ مجھ میں ساجا میں۔

”کسی نے مجھے کہہ نہیں دیا تھا کہ کوئی شکوہ کوئی سوال نہیں کیا۔ نہ پوچھا کہ میں نے فل فل کیا کیا۔ مارا مارا لڑا۔ میں کون سی کھوئی میں چپ گیا تھا۔ میں نے اس بات کی کیا کیا یہ بتانا کہ فل فل کے نام میں پورے سات سال تو میں نے فل فل کیا کیا ہے۔ میں نے انھیں میری انھیں کا خوف ہو گا بھی انھوں نے نہ بان نہیں کھولی۔ ماڈرن ہو گئے۔ ایک بار آدمی کا اشترا دیکھنے تو ایسی ہونے لگا کہ میرے ہاتھ لگ گئے۔ وہ دھکے ان کے انھیں چھوچھو کر پڑتے تھے۔ میں نے بھی انھیں خوب دیا یا انھوں نے بھی مجھے نہیں رکھا۔ میرے ہاتھ تو آدھان انھوں نے لگائی تھیں۔ بابا میرے بچو کے کیمنی تھیں جیسے یہ کوئی اور نہیں ہے میں ہی ہوں نا؟ وہ قدر قاتل خالی غدر میں بہت بدل گئی تھیں لیکن وہ ان کا کس تھا وہ سائیں نہ تو جو جو میری شہنشاہی میں ہی ہوئی تھی۔ بھلا لگا ہاتھ کر کے بہت سے ہاتھ بہت بہت ہو گئے ہیں میرے بہت سے کمرے ہیں اور میرے قریب کمرے لگے۔ میں نے گھڑیں بٹھا ہوں، ان کی گلیں گئی ہوئی ہیں، انھی کی آواز اب آتی ہوگی۔ فرخ بالکل ہی شکل گئی تھی۔ وہی انھیں دیکھ کر گپ۔ لیے لیے بال گلی گلی پیکس اس کی اور فادر کی کھولے میں لایے گی مگر انھیں نہیں تھا۔ دونوں اتنی بڑی ہو گئی تھیں کہ انھیں دیکھتے دیکھتے کان بولنے لگا تھا کہ مجھے دھوکا تو نہیں ہوا۔ فادر کا بھی میں حال تھا۔ وہ کہہ کر ان کو بلایا پھر وہ بھی اتنی دیکھتے تھے وہ بھی ان سے کچھ بھی چوٹی معلوم ہوتی تھی۔ میں نے ان سے قہی کے متعلق ایک خط بھی نہیں بوجھا۔ انھوں نے کوئی تذکرہ کیا۔ وہ بھی میری گلی کے لیے اباجان نے سب کچھ بتا دیا ہو گا۔ انھوں نے جہاں گھر لکھی ہیں کو نہیں کیا میں نے بھی انھیں نہیں بتایا کہ جہاں گھر کے کمال چکا ہے اور انھیں اب دیکھنے چاہئے، یہ گھر میں وہ بھی کوئی دھوکا نہیں ہے۔ اباجان

کو ان سے بات کرنے کا وقت نہیں ملا تھا۔ وہ جہاں گھر کی زبان کی ہی نہیں انھیں کیسے ملتا تھا۔ یہ وہ سورج کے خاموش رہے ہوں گے کہ ایک دم آخری ستر میں پائے تو وہ مولوی اکرم کے قول بالکل بالکل ہو جائیں گی۔ آدمی خوشحال بھی ایک حد تک ہی برداشت کر سکتا ہے۔

”میں تو ان اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ بابا! پورے فادر کی گردن میں اپنے بازو کی گردن لٹکے ہوئے اباجان سے کہا۔“
”سہی کو لے جاؤ جانی! سب تھا۔ میں۔ اباجان جھنجھکی سے ملے۔“
”ایسا! ابھی بولے تو ان کی سہی کو لے جانے کا قسم ہے۔ پیر نے آؤ تو ان کا کہا۔“
”اباجان! تو بہت مال دار ہو چلے۔ ایسا بابا! رانی۔ ایک دم معمول کا مالک۔“
”وہ فادر سے مخاطب ہو کر بولا۔“
”کیوں چلے گا ان کے ساتھ؟“
”فادر میری جو گئی پڑنے لے پیلوں میں بیٹا۔“
”ابن ابھی پہلے اس کو لے جائے گا اور کھائے لے گا کہ دو دو وہی ممکن کا خوب لڑائی کرے گی۔ کبھی اس جیسا چڑی مالک تھا۔ کچھ کھانا کیا کہ نہیں تھا۔ ایک دن اپنی ڈھلانے کے بیٹھ گیا، سنے دو دو کا کلاس رکھا۔“

فادر کھل کھلا پڑی۔ وہ بھی پڑا اور کھلے سے ایسی عملی بی نظری تھیں جیسے برسوں کی کشن سانی ہو جیسے پڑا اور کھل بھی بہت نون لعلان سے ملے ہوں۔ اگر تو جہاں گھر کی طرح مستقل فاصل کے پاس بیٹھا تھا۔ اس سے چٹا ہوا۔ جتنی دیر میں یہی زبانی آئے۔ انھوں نے دوسرا نہ لکھا۔ میں دیکھا بلکہ جو بایا تھا۔ مولوی اکرم نے کوئی نہ ہاں نہیں کیا تھا۔ یہاں سے ہاں تک کہ ان اور ڈونچ کی تھلائی تھی اور سارے کمرے میں طرح طرح کی خوشبو میں پھیل گئی تھیں۔ سب میں گھر سے ملا تھا تو آخر اتنی بڑی نہیں تھی۔ باورجی غلے میں اس برائے نام ان کی ہاتھ دھو کر کھاتی تھی۔ میرے کونے کے بعد ہی اتنی اور غلے میں اس سب کچھ کھانا ہو گا۔ اس کے ہاتھ کے کھانوں میں ساری لذت انھی کے کھانوں ہی تھی۔ وہ تینوں اور مولوی اکرم کی بیٹی پر کما میرے دائیں بائیں اور آئے سنے بیٹھ تھیں۔ کھانے کے بعد فرخ نے میرے رانے بیٹھے جاؤں کی قلاب کھدی۔ میری آنکھیں آٹکائیں۔ میں نے آنسوؤں کے لیے گڑا انھیں چھوچھا ہیں وہ پھر میرا کرتا ہے۔ فرخ کن انھیں دھول سے میری صوت دیکھتی رہی کہ انھیں مجھے کچھ یاد بھی ہے۔ انہیں میرے چہرے پر کچھ اے نظر آئی گئی۔ وہ چلی غلط کر کے سب کہاں پھرنے کی سہی کے ہاتھ لگے۔ پیر نے اسے بھلا دیا۔ اور فاصل نے اپنے پاس لایا۔ چاول کیسے ملتی سے انہیں نہ تھے مگر فرخ کے خیال سے کہ کتا آ رہا۔

”نام کو میں مجھے معلوم ہو سکا کہ تبت جانے سے پہلے تین مزار کا ان اباجان نے فرخ کو قریب فادر مارا۔ اگر کے نام سے باقاعدہ تھا اور اگر کی دو منزلیں کر کے رہا تھا تو انھیں ناکارہ گروہ ٹوٹ نکلے تو مکان کے کونے سے مولوی اکرم ان چاروں کا رخ چلائے۔ رہیں۔ مولوی اکرم کو انھوں نے لگے غمازی بڑی

کہیں کوئی کان لگائے اُن کی باتیں سن رہا ہو کہنے لگے کہ وہ آجا جان سے اس لیے یہ نہ کہہ کرنا نہیں چاہئے کہ اُن کا قصہ تیرے مزاج میں خد ہے پیر و اوجیل نے دریا میں ایک لفظ بھی نہیں کہا جس خاموشی سے سنتے رہے۔ ساری رُدا و مولوی اکرم نے اس لیے دہرائی تھی کہ ہم آجا جان کو مکان کی تبدیلی پر گماں نہیں۔

”پیر تو بہت پکا اور چمکا ہوا ہے۔“ فہل نے عیاری آواز میں کہا۔ ”جگر بھی اچھی ہے۔“

”جے بے شک ہے۔“ مولوی اکرم احتجاجی لہجے میں بولے۔ پُرس بھی بہت اچھا ہے۔ سیدھے سامنے شریف لوگ پہتے ہیں لیکن اُن ناہنجاروں نے گھر دیکھ لیا ہے۔ شہدوں سے پیر اچھا نہیں ہوتا، شریف آدمی ہی نقصان میں آتا ہے۔“

مولوی اکرم کو اس سب نہیں تھا کہ وہ یہ بات کو گلوں سے کہہ لے رہے ہیں۔ وہ بہت سے ہوسے ملازمین بتا رہے تھے۔ آپ کو کیش معلوم وہ سب جانتے تھے ہیں۔ منہ زوری اُٹھائی، خون خرابہ اُن کی فحلت ہے۔ ”ہونہر۔“ پیر نے بھکاری جی بھری اور لے بیوی سے فہل کی طرف دیکھا۔

”ابھی کیا بولتے تھے بھائی اپنا بڑے صاحب۔“

”ٹھیک ہی بولتے ہیں دادا۔“ فہل نے زیر لب کہا۔

”اپن نے منائے سب ابھی ایک جیسا نہیں ہوتا۔“

”میں نے بھی منایا ہے۔“ مولوی اکرم چلپائی آواز میں بولے۔ لیکن یہاں تو بڑے کینہ زور لوگوں سے سابقہ پڑا ہے۔ بھتیجے میری کیا خطا تھی؟ میں نے کون سا قصور کیا تھا؟

”ابھی کیا بولیں بڑے صاحب! فہل نے آہستگی سے کہا۔

”اپن بولے ابھی آپ کا دل کا قصور تھا سارا۔“ پیر کی تہمتی بولا۔

”دل کا آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“

”قدور دل کا قصور نہیں کا۔“

”تھوڑے، ٹھوڑی اکرم تھی سے بولے شہر دل کا؟ یہی مطلب ہے نا آپ کا؟“

”ابھی دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے گا تو کیا ہوئے گا۔ باہر والا اور سی ہیں آجائے گا۔“

”آپ کا مطلب ہے میں ہی اُن پر خبر تان کے کھڑا ہو جاتا؟“

”اس کا ضرورت نہیں پڑتا اور تہمتی تو کیا تھا۔ دوچار کوٹھنادر کے مرنالو اور دایکے مہین سے پہلے کا تھا۔“

”اور نیچے! چٹے کہاں جاتے؟“

”اوپر والا کو آپ اتنا سمجھا ہے پھر بھی بولتا ہے چٹے کہاں جاتے؟“

ابھی اگر وہ بیچ میں بلالیتا تو اُن کا کیا بنتا؟

”جناب میں ابھی نہیں معلوم اللہ آپ کو کس قدر نوازے ہو گا۔“

”ہے اور سب نفع سلامت رہیں۔ اولاد کی ذمہ داری اولاد والوں کے ہے۔ میں ایک بوڑھا آدمی کیا کرتا ہوں کے سر پر چار جوان جہاں دیکر وہ دوڑے بھاگے اور بوڑھا ہو جاتا ہے اور اُن والوں بھی وہ حال۔“

”آجا جان! تو مجھے ایمن بنائے اللہ میں سے چلے گئے تھے انصیر کیم دکھانا تھا۔“

”بے شک اللہ سے بڑا دکھان کوئی نہیں کر سکتا۔“

”اور سچے کی توفیق یوں ہی چھاتی ہیں کہ جے اس نے بھی ادا ہوا۔“

”ملکین بھی کی ہے اور کچھ حقوق و فرائض بھی متفق کیے ہیں۔“

”اینا اپنا سوچنے کا بات ہے بڑے صاحب! پیر نے فرمایا۔

”اپن زیادہ نہیں جانتا، آپ ذرا دھمک لے اور دھال لے کے بیٹھا۔“

”نیں آؤ۔ وہ سالو کراٹھ کو کچا اور دوسرے سے نکل جاتا۔ جو کراٹھ ہوا ہے پھر ناک اپن بوچھند ہے آپ درمی جھگڑے کا بولتا ہے ابھی اس لوگ سامنے چل گیا تو؟“

”مولوی اکرم کوئی جواب دے سکے کچھ تال کے بعد انھوں نے اس کے سوا کوئی بہتر مروت کو جواب ہی بتائیے۔“

پیر نے بھی جواب نہیں دیا۔

مغرب کی خانہ کے وقت مولوی اکرم اُٹھ گئے۔ اندر چلا گیا تو قہقہے کو سن کر لے مغرب کے اندر چلے اور آجا جان بھی وہیں تک آکر بھی اگلی دیر کی گلوں میں کھلن ہو رہی تھی۔ اُن کے شہ کاٹھا اندر جاتے تو میں بائیکلوں اور عید کا بول بکھڑے آؤں والے۔ کائنات کی طرف نکل جانے کا گین ابھی رانے باندھ رہی رہا تھا۔ پیر اُٹھ گئے انھوں نے آجا جان سے کہا کہ وہ کائنات کی طرف چلے جائے۔

”میں سامنے چلے گئے کہ کب تک رہے گا۔“

”بہتر ہے۔ بہتر ہے وہ دن کسی وقت چلے جائیں۔ میں ہی کراٹھ باہر چلے سے پہلے میں فرخ اور فریاں وغیرہ کو کھانے اندر چلا گیا۔ در کے لیے جانے گا کہ اُن کے چوسے کچھ سے گئے۔ ذوال خضر کا اب کھانے کے بعد ہی کہیں جائیے گا۔ دیر کو ناکہ کہاں تھا کہ کچھ تھی اور دیر کو تو دیے بھی مولوی اکرم کی باتیں کہ شہر بھی تھی۔ پیر وہ چپ ہو گئیں۔ میں تو اچھا آیا پیر و او فہل میرے نظارے میں۔

”آپ بھی ابھی اپن کے ساتھ چلو۔“ اعلیٰ سے منکھ تھے۔

مولوی اکرم سے کہا۔

”میں! میں بھلا کہاں چلوں؟“ مولوی اکرم سمجھتی زبان سے۔

”اور پیر خود دوزخ کا۔“

”ابھی کہاں لیے جانے ہیں؟ آجا جان نے منکھ سے پوچھا۔

”توڑا رستہ تیلنے کے لیے باؤ! پیر نے کہا۔

”راستہ؟ اور آپ کو؟“ آجا جان مسکرا کے بولے۔ بہر حال ٹھیک ہے، چلے لے جائیے۔“

”فہل اور پیر کا ارادہ جان کے سے جسم میں جیسے اور ملیں گئیں۔“

”ای اکرم بھی کچھ کچھ سمجھ گئے گویا جان کے سامنے انھوں نے تردد کا اظہار نہیں کیا۔ جیسے ہی ہم باہر گئے وہ بے چینی سے بولے۔ آپ کہاں جانا جتے ہیں؟“

”جید کی طرف۔“ فہل نے کہا۔

”نہیں جناب! ہمیں یہی پرشورہ نہیں دل گا آپ کو؟ وہ تیزی سے بولے۔ اُن لوگوں کو آپ نہیں جانتے بہت پیڑھے لوگ ہیں۔ میں نے آپ سے تھوڑی کہا تھا۔“

”اپن ابھی اس کو ادھر سے نیچے تک دیکھنا نہ چاہتے۔“

”کنا زیادہ جناب! اللہ سمجھے ہیں اس طرف سے گزرا بھی نہیں چاہیے۔“

”میں اس طرف کا کچھ دیکھ رہی تھی اچھا لیتے ہیں وہ لوگ۔ بہتر ہے آپ یہ خیال دیکھنا نہ کر سکیے۔“

”اپن خود اس کو دیکھ کے آگے ٹھہر جائے گا۔“

”کیا نہیں گئے اس کو؟“ بھون نے بتایا ہے وہ کافی ہے کیا؟ میری بیٹا اپنی عزت اپنے ہاتھ ہوتی ہے۔ اُن کا ہوا تو لگا ہے ایک ایک پچھلا ہوا۔ سا دیکھ کر کہاں کہاں سے نکل آتے ہیں۔“

”چلو بڑے صاحب! آگے چلو۔“ فہل نے جتنی لہجے میں کہا۔ آپ بکھر کر اپنے ساتھ چلو۔

”گرجے ساتھ دیکھ کے وہ ضرور کھنکھ جائے گا۔“

”ابھی آپ کا ساتھ چلن ضروری ہے۔ اس کو تپ چلنا چاہیے کہ اید آپ اہم دیکھنا نہیں ہے۔“

”میں آپ اتنا کرتا ہوں کہ مرمت یہ لڑوہ ملتی کر دیکھ یہ ایسا ہی تو میری وقت دیکھیں گے۔“

”ابھی کہاں جاتے بڑے صاحب! ابھی اندھیرے کا وقت ہے۔“

”مولوی اکرم کے پاس کا رنگ بدلنے لگا گردہ زندگی دیکھتے ہوئے تھے۔ گھر کے اندر نہایت ناگوار کا سبب ہو گیا تھا۔ میں نے بھی اُن سے کہا کہ چلیے، مرنے لگے ہیں کی قیامت نہیں آجائے گی۔“

”ہم فخر نہ کون علاقے سے نکل کے گمان اور پرشورہ علاقے میں داخل نہ کھیل اور کالوں پر قہقہے چک رہے تھے۔ بہر طرف لوگوں بھول اور

دوسری گاڑیوں کا آواز ہوا تھا اور جگہ دوسری جی ہوئی تھی پیر نے آواز دے کر کہیں گھر تک لی مولوی اکرم نے اُسے بتایا کہ فاصلہ اتنا زیادہ نہیں ہے کہ گھر پر قدم میں نہیں لگے گا۔ اُن کی آواز کا فاصلہ اتنا زیادہ نہیں گیا۔ اسی نسبت سے پیر بھی بھٹی گئی تھی۔ راستے میں اُسے کسی آدمی کی ہم پراٹھ پر مشغول تھی۔ اب بھٹے بھی یہاں کو لوگ نہیں جاتے تھے۔ جھگڑا اور پیر و کے خاص پاؤں کے دو تھوڑی آدمی تھے۔ لاف تھے فاصلہ زیادہ نہیں تھا لیکن ہم گاڑی میں بڑی حد تک لوگوں کی نظروں سے محفوظ رہ سکتے تھے۔ پانچ پھر مرنے سے زیادہ نہیں گئے تھے مولوی اکرم نے کو جان کو ایک دوسری گناہ مرک پر گاڑی ہونے کا اشارہ کیا۔ پیر نے اُن سے کہہ دیا تھا کہ بول سے کہہ دو گاڑی کا دیر کو اُن کے مرنے کی ایک فرنگ لید مولوی اکرم نے گاڑی کا دیر اور گشتی میں پیر سے کہا۔ وہ سنے دیکھ رہے ہیں آپ! بہتر ہو چوڑا سا اُن بوڑھا لڑکا ہے وہی اس کا بول ہے۔ وہیں ردا کے قریب مجھادہ گاؤں سے بیٹے مرنالو آ رہا تھا۔

”پیر نے جیت جیت ٹوٹ کال کے کو جان کی طرف بڑھایا اور ڈم سے اڑ گیا۔ وہی نہ ما؟“ اُس نے ہاتھ کے اشارے سے تصدیق چاہی۔

”جی جی وہی۔“ مولوی اکرم کی زبان لکنت کرنے لگی۔

”مرک جڑ کر کے ہم فٹ پاتھر آگئے۔ اب بول سامنے نظر آ رہا تھا چند قدموں کے فاصلے پر مولوی اکرم نے قریب جاتے ہوئے ایک باغیچہ کا آواز میں ٹوکا کہ سچے کی درخواست کی فہل نے اُن کی کڑھک کے کر دیا۔

”میں نے دیکھا کہ مولوی اکرم کے قدم ڈگسا ہے۔ میں پیر پیر نے اُن کا ہاتھ تھام لیا۔ باہر سے بول کا ایک جھڑکا نظر آ رہا تھا۔ پیر نے بولنے کی وجہ سے وہ دروازے سے کھلا ہوا تھا۔ پیر نے منہ زور سے بولی۔ دو ایک ٹوکوں کے علاوہ فحش منہ کی ساری جگہ بول نہ گھر دیکھی تھی۔ اندھا خاصہ لوگ موجود تھے۔ ہم قریب گئے تو ردا کے پاس سے بولے گاڑی پر ایک شخص کو دیا، اسی مجید ہو گا جو چھی سی راہی اندر جھنسی ہوئی چھوٹی چھوٹی انھیں رنگ پختہ تانبے جیسا، ٹھوڑی کا گوشت بڑھا ہوا، اچھوڑی بال اور سیدھی ہانگ چکن کے کرتے ہیں۔ میںوں پیر سے وہ منکھ تھے۔ پیر کا آدمی معلوم ہوتا تھا فہل اور میں دروازے پر کھڑے تھے۔ مولوی اکرم کی بھی چھی انھیں بتادی تھیں کہ وہ مجید ہی ہے۔ وہی گاؤں اور بول کے پیر سے سے حساب میں اُٹھا ہوا تھا۔ اُن سے فاصلہ ہو کہ وہ ہماری طرف متوجہ ہو سب سے پہلے اُس کی نگاہ مولوی اکرم کی گئی۔ پیر کو پیر کا دوسرے دایں طرف ہو گیا تھا جہاں کا دوسرے چلنے کا فخر رستہ تھا۔ اندھا ایک خالی کرسی رکھی تھی۔

”اُس کی بھری گشتیں گشتیں وہ مولوی اکرم سے کہہ کنا ہی جانتا تھا۔ کہ دایں طرف سے پیر نے ایک قدم کا دوسرے اندر بڑھا کے اُس کی گردن پر

ہاتھ مارا، پھر گرن دلو پچے دلو پچے اسے جھکا دیا اور ایک تالیف سے کرسی سے گھٹ لیا۔ درمیان میں کبھی ہوتی کرسی کی جگہ سے مجید کے جسم میں پھٹ ہوتی ہوئی۔ اس اجنبی کا توجہ کسی کبھی ہوش و حواس برقرار نہیں دے سکے، مولوی اکرم کی بھی چرخ نکل گئی۔ وہ بڑھکا ہاتھ رکھنے کے لیے اس کی طرف پھٹے اور دوا دلا کرنے لگے۔ شعل نے بڑھ کے اُن کا بازو پکڑ لیا اور بھر پور آواز میں انھیں ایک طرف کھٹے ہوئے اور خاموش ہونے کی تاکید کی۔ مولوی اکرم پر رازہ طاری ہو گیا۔ مجید کو کرسی سے گھٹ کر پیر کا دفتر کے باہر لے آیا، اُس نے اسے ایک لمبے کا قلع بھی نہیں دیا۔۔۔ اتنی مرضی نہ لگائیں کہ اُس کی آواز بھی نہ نکل سکی، اُس کا کرتا اور نیاں تاتار ہو گیا۔

ہوٹل میں افرا تفری پھیل گئی۔ سب لوگ کرسیاں چھوڑ کر کھینچنے چلے گئے۔ کھانے کاؤنٹر کی طرف دوڑے۔ ایک ساتھ ہی جاؤ کھانے کی آواز آئی تو شعل اور میں تیار کھڑے تھے۔ ہم نے بھی جاؤ نکال لیے لیکن کھانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ مجید سے ہٹ کر کچھ دُور میں بیٹا اور اپنی طرف دوڑتے ہوئے آدھوں کے سامنے کھڑا ہو گیا، اُس نے غصے سے کہا: "ابھی کیا آئے گا یا سب ساتھ ہیں؟"

ایک ایک وہ سب ٹھنک کر کھینچنے لگے۔ ایک جانب سے کسی نے چرخ کر کہا:

"واوا! پیر دواوا! اُسی نے ہوٹل پر ہٹنا چاہا۔"

"آؤ باپ! ابھی تم ترک کیوں گیا کہتے کا اولاد! پیر دواوا لیکن وہ لوگ حیرت بھری نظروں سے کھڑے اُسے دیکھتے رہے۔ اُن میں سے کسی نے اپنی جگہ سے متنبہ نہیں کی۔ جو شخص سب سے پہلے آگے آیا تھا، اُس کا چہرہ میسرے لیے جانا پہچانا تھا۔ گراں کام مجھے یادیں آیا۔ وہ سب کھانے جاؤ بیچے کیے آہستہ آہستہ پیر کے قریب آیا اور جب کہ اُس نے اپنا چاقو پیر کے قدموں میں ڈال دیا۔

مجید ایک طرف نکلنا اُٹھا پڑا تھا، پیر کے نام اُس نے بھی سنا تھا کہ دیکھا اور دوسری لمے اُس کے سر میں سے لپٹ گیا۔ وہ بڑی طرح جھکنے لگا پڑنے ٹھوکر مار کے اُسے خود سے دُور کر دیا۔ مجید نے کاؤنٹر کے پاس سرسہ کھڑے ہونے

مولوی اکرم کے پاؤں پکڑ لیے اور ہائیاں دینے لگا۔ مولوی اکرم تو خود تڑپا راز رہے تھے۔ انھوں نے دُش سے شعل کی جانب دیکھا۔ شعل نے مجید کے بال پکڑ

کے اٹھایا اور اُسے اپنے چہرے کے سامنے کوٹے غور سے دیکھا۔ میں نے چاہا کہ کاش شعل اُس کے منہ پر ٹھوک لے کر شعل نے اُسے دوبارہ پیر کی طرف پھیل دیا۔

وہ زمین پر گر پڑا۔ مجید نے اُس کے منہ پر چرخ مار کے اٹھیاں گڑو دیں اور جب اُس نے چرخ پکڑ لیا تو مجید بھی ساتھ ساتھ اٹھ گیا۔ ابھی بولے تو یہ سارا

پلے پلے پائو تیرا مال پھیلا ہوا تھا کہ ایدلائے؟"

مجید کا چہرہ جگہ سے کھینچ گیا، خون چھلکنے لگا۔ وہ ہاتھ جوڑ کے گھٹکیا۔ اپن کو بالکل نہیں معلوم تھا کہ یہ تھا رآدی ہے پیر دواوا کا آدمی۔

"جو اپن کا آدمی نہیں مجھے گا، اُس کا تم پر گردی آتا رہے گا؟ اُس کا تم

ہاتھ میں اُس کا کرتا اور نیاں تاتار ہو گیا۔

ہوٹل میں افرا تفری پھیل گئی۔ سب لوگ کرسیاں چھوڑ کر کھینچنے چلے گئے۔ کھانے کاؤنٹر کی طرف دوڑے۔ ایک ساتھ ہی جاؤ کھانے کی آواز آئی تو شعل اور میں تیار کھڑے تھے۔ ہم نے بھی جاؤ نکال لیے لیکن کھانے کی ضرورت نہیں پڑی۔

مجید سے ہٹ کر کچھ دُور میں بیٹا اور اپنی طرف دوڑتے ہوئے آدھوں کے سامنے کھڑا ہو گیا، اُس نے غصے سے کہا: "ابھی کیا آئے گا یا سب ساتھ ہیں؟"

ایک ایک وہ سب ٹھنک کر کھینچنے لگے۔ ایک جانب سے کسی نے چرخ کر کہا:

"واوا! پیر دواوا! اُسی نے ہوٹل پر ہٹنا چاہا۔"

"آؤ باپ! ابھی تم ترک کیوں گیا کہتے کا اولاد! پیر دواوا لیکن وہ لوگ حیرت بھری نظروں سے کھڑے اُسے دیکھتے رہے۔ اُن میں سے کسی نے اپنی جگہ سے متنبہ نہیں کی۔ جو شخص سب سے پہلے آگے آیا تھا، اُس کا چہرہ میسرے لیے جانا پہچانا تھا۔ گراں کام مجھے یادیں آیا۔ وہ سب کھانے جاؤ بیچے کیے آہستہ آہستہ پیر کے قریب آیا اور جب کہ اُس نے اپنا چاقو پیر کے قدموں میں ڈال دیا۔

مجید ایک طرف نکلنا اُٹھا پڑا تھا، پیر کے نام اُس نے بھی سنا تھا کہ دیکھا اور دوسری لمے اُس کے سر میں سے لپٹ گیا۔ وہ بڑی طرح جھکنے لگا پڑنے ٹھوکر مار کے اُسے خود سے دُور کر دیا۔ مجید نے کاؤنٹر کے پاس سرسہ کھڑے ہونے

مولوی اکرم کے پاؤں پکڑ لیے اور ہائیاں دینے لگا۔ مولوی اکرم تو خود تڑپا راز رہے تھے۔ انھوں نے دُش سے شعل کی جانب دیکھا۔ شعل نے مجید کے بال پکڑ

کے اٹھایا اور اُسے اپنے چہرے کے سامنے کوٹے غور سے دیکھا۔ میں نے چاہا کہ کاش شعل اُس کے منہ پر ٹھوک لے کر شعل نے اُسے دوبارہ پیر کی طرف پھیل دیا۔

وہ زمین پر گر پڑا۔ مجید نے اُس کے منہ پر چرخ مار کے اٹھیاں گڑو دیں اور جب اُس نے چرخ پکڑ لیا تو مجید بھی ساتھ ساتھ اٹھ گیا۔ ابھی بولے تو یہ سارا

پلے پلے پائو تیرا مال پھیلا ہوا تھا کہ ایدلائے؟"

مجید کا چہرہ جگہ سے کھینچ گیا، خون چھلکنے لگا۔ وہ ہاتھ جوڑ کے گھٹکیا۔ اپن کو بالکل نہیں معلوم تھا کہ یہ تھا رآدی ہے پیر دواوا کا آدمی۔

"جو اپن کا آدمی نہیں مجھے گا، اُس کا تم پر گردی آتا رہے گا؟ اُس کا تم

”یہ عید ہے“

”ایدر کا وادو ابھی بھی ہے کیا؟“

”کیا بولتے ہو اس حرام زادے نے کچھ کیلئے کیا؟“

”یہ بھی اپن ہی بولے“ پیر نے شعلال سے کہا۔ پھر نوید ہو کر نکلتے کیوں بیٹھا ہے؟“

”ابن کو کچھ نہیں پڑے قسم لے لو وادو؟“

پیر نے لے اختیار بلے کے گال پر لڑی طاقت سے ملتا پڑھ کر دیا بلے کا پور جسم لٹکھا گیا جس وادو کو تیس مالوم کہ پائے کا پیچھے کس کو کھینچ آیا ہے اس کو پائے کے بدلے ٹھوسے پر بیٹھنے کا ہے۔“

بلے نے جھپٹ کے کانڈ کے قریب ٹھہری بنے جتنے عید کی گردن پڑائی میرے گرد لگے۔ بلے غضب ناک انداز میں اس سے پوچھ کر کرنے لگا اس نے اسے لے رہے نا ابھی شروع کر دیا عید کی حالت ہی اس قابل نہیں تھی کہ وہ ٹھیک سے زبان کھول سکے۔ ابھی ابن کے سلسلے نے ناکی کیا کہ اسے سالہ پیر نے نہ خند سے کہا۔ اس نم وادو اپنی کہ بیٹھا تاجب یہ تیرا کیا تیرے پائے کا آدمی کا ڈوری بلارہا تھا۔

”کیا بولتے ہو تم؟“ بلے مشت میں لولا۔

ایدر علاقے سے سب جھیر کی والو لگا باگ چلائے نا پیر کی آواز رکنے لگی۔ ابن نے پاٹا فیتہ نیم تھوڑا کیا لولا تھا؛ لولا تھا کہ پائے کا وادو چار آنکھ پکارنا کاوتسا نہ کچھ لوگ سے ایک منہ میں گئے کا سب کچال میں فرق نہیں ہے پاٹا علاقے کا مارا لوگ کے لیے نہیں ہے۔ انا چلنے والا کہے لیے آدھا آدمی کہے۔“

”ابن کو سب وادو ہے۔“ بلے پانچا نہ منچتے ہوئے لولا۔ ابن کو بولو وادو! ابن کے لیے حکم کو قسم سے ابن ایک ہم پازا جھوٹے بجلائے گا۔“

نیلے نے نہیں دیکھا کہ کچل نے شاہ کیا تھا یا مولوی اکرم میں خود حوصلہ ہوا۔ وہ چند قدم بڑھ کر پیر کے سانسے کھڑے ہوئے۔ ان کے چہرے پر کبھی آگ جھڑکتی تھی بھی ٹھول سا جھا جاتا۔ مشکل تمام ان کے منہ سے نکلتا۔ میں نے ابھیں معاف کیا میرے خاندانے معاف کیا اب یہاں سے چلیے خدا کے لیے بس کیجیے میرا دم گھٹ رہا ہے۔“

پیر نے ان کا نشانہ تمام لایا اور چیلے بے حس حرکت کھڑا ہو گواگو کے عام میں پیر چلے اور عید پر ایک نظر ڈالنا ہوا ابھی بگ سے مٹ گیا۔ وہ باہر نکلنے کے لیے دروازے تک گیا پھر پیر گیا اور بلے کو مخاطب کرتے ہوئے لولا۔

”تو ابھی اپن کا پائے میں آئے کلمہ ہے۔“

”مگر تم کہاں جا رہے ہو؟“ بلے نے چوڑی آواز میں کہا۔

”ابن کی دیکھو ابھی جا رہا ہے کچھ کولتے کا تئیں ہے۔“ پیر خرتی سے

لولا۔ تو ابھی لوٹ کے اور کا پائے میں تئیں چلنے کا سیدھا انداز لے اور اس کو بولنے کے کاجھی بڑے صاحبے پیری ڈال گیا ہے سالہ میں پورا آٹھ ہزار فیروڈ سے آئے گا وادو رگدھی برآ کے بیٹھ سب غازی لوگ کو بولے گا کہ اس نے آٹھ سو دینیں دیا تھا۔ اس کو مارا گیا تھا۔ اس نے اپنی مال۔۔۔۔۔ مولوی اکرم کو دیکھ کر پیر کی گئی۔ اس کا بیٹا بھی ابھی پائے میں ساتھ لائے کا ہے۔ ابن اس پر جوباز اسے ابھی خرتی بلانے کے گا۔

بلے دو ٹوکا ہوا دروازے کے کپاس آگیا اور لجا بچتے کئے گا بولے گا۔ ”ابن وادو یہی کہے گا۔“ ابن اس کو ابھی اٹھا کھڑے کا پیر پائے پر چلو وادو! ابھی پائے کا وادو سے نہیں بولی بلے تھا بلدا بول لیا بلے ابھی آدھی ہے۔ آدمی سے آئیں میں ہو سکتے۔ وہ نہیں تھا پراٹا ہے۔ اور پھر ملتا اور اجاوا دیا گیا ہے۔ اور کرا ایسا لوٹ جانے بلے درہاں ہو گیا اور منت کرتے ہوئے لولا۔ تو کہے کے لیے پھر کمرے جاؤ۔“

پیر نے پہلے شعلال کو راستہ پھر مولوی اکرم کو پھر دروازے گیا۔ بول کے باہر کمرے تھے لوگ میں دیکھ کے ایک طرف ہو گئے اور بہت سول نے یہ روک سلا کیا لیکن پیر نے ان کی طرف دیکھا ہی نہیں قدموں کے ساتھ بول کے دور ہوئے گئے۔

راتے پھر مولوی اکرم لے کمرے سے ہالے ساتھ چلتے ہیں۔ مرنے تم نہیں کی گھر کے قریب چور لے پیر نے مولوی اکرم کو لکھ کر کہا کہ بلے کے لیے انھیں ہادی ہر راسی کی خدمت تو میں ہے اکرم نے ہر لاکے اٹھا کر لیا وہ کچھ کتنا چاہتے تھے کہ نہ کے سب پر کوڑا جھل ملائی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ پیر کمرے لگا اور اس نے اپنے باز دیے۔ آدمی کی کشتیں میں حیرت فرشتہ نہیں تھیں۔ مولوی اکرم ایک بچے پیر سے لپٹ گئے پیر نے جانا لیا اور وہ چکیاں لے لے کے دھنکے بڑے پیر کے گھر کے نزدیک۔ پیر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر گھر کی طرف بڑا جب تک گھر میں آگیا۔ ہم نے نہیں نہیں چوڑا پھر ہم باہر سے چلا اٹھائے سے دروازے کے پاس ہی ٹم ٹم گئی۔ مولوی اکرم چونک دروازے کھلے تھے۔ ایں کر ٹم ٹم آگے چلی آئی اور بلانے کی طرف جانے والے پیر ہو گئی۔

مرکوں پر ابھی تک میری تھی اتنی نہیں جتنی عید کے بول جانے دن اندھ اڑھنے کے ساتھ زشتیاں بھی زیادہ تیرا دیکھی ہو گئی تھیں۔ بلے نے ملائی میں داخل جتنے سے پہلے نکلنے ایک جھڑم کر کے کمرے کا

چل کر پیر نا وقت تھی پان سے اسے ابھی کوئی خرت نہیں تھی ابھی کھا تھا۔ اس وقت پان ٹھولے سے پیر کی تو جھڑم کرنا ہی تھوڑا تھا۔ چلے کیوں پیر کی پشانی پر ابھی تک سٹوٹن پڑی ہوئی تھیں جیسے جیسے کے بولیں جیسا ہی پان کی کان کے پاس شرت کا سیدھا کھڑا تھا۔ ایک سے ہم چاروں نے اپنے اور دام ملا اور آئے کا کھنڈا اٹھا اور اس پر اپنی جی کی سوزہ نے اس کا نافذ ہی بول لیا تھا۔ پانچ چھوٹ کے اس کا چھرا ہوا۔ پیر کے چھوٹ کی بشارت ٹوٹنے لگی۔ پان بھی بہت ہوا تھا اور شرت جودا تھا۔ پیر کے ہونٹوں پر لالی بکھر گئی۔ وہ بھی پان آگیا۔ ہونٹوں پر ہندی رچائی ہوئی ہے۔ قہقہے سے کرا کے کہا بھی کر دوا۔

کھانے سے پہلے دو آگوتے سے پرائی سے تل ٹانگ لیا کر۔

بولن کا گھر ابھی دور تھا۔ مرنے بلانے کی مرکوں پر چل رہی تھی پیر کے متعلق شعلال کو بتانے لگا کہ وہ اسے چودہ ہندہ سال کی عورتیں کا بیٹا ہے۔ مرنے مالوں چنے ہوئے پیروں میں گندگی میں پلا ہوا آدمی اور شرت سے لے کے آٹھا بھوک سے تنگ آکر وہ چوری پراٹا کیا۔ ایک روز ایک دی نے موقع پر اسے پراٹا اٹھائے سے پیر کی نظر پڑ گئی۔ پیر نے کمرے کے پیر دایا اور اپنے ساتھ لے آیا۔ پیر چلنے کھانے کی کوشش کی۔ اس کو میں دھیم دلا لیکن وہ اس کو لے گیا تھا۔ دو تین سال اس نے بڑھا مارا گئے۔ پیر کا روز اس کو لے لے لے جھڑم کرنے کی شکایت آتیں ایک بچی مارا پڑا تھا۔ بیٹا بس اس کو لے دی اس کا آخری فن نہایت پیر نے اپنے پائے سے ڈر کھنے کے لیے بہت تین کیے گریلے کے قریب پائے کا آدمی نہا کھتا تھا۔ چاقو بازی اور دروازائی اس نے چوری چھپے کے آؤ بولو سے سیکولی تھی۔ یہ دیکھ کر پیر نے اسے باقاعدہ بہت کچھ کھایا۔

بے وقت اور اپنی کمرشی کے سبب اس نے اپنی ہی بہت سے دشمن لے لیے تھے۔ وہ ایک ہر کا ہر تھوڑے بلے کام اور بے جگہ واقع ہوا تھا۔ راکھا اس کی عمر تیس سال کے لگ بھگ ہوئی کہ وہ ایک حسین و لطف گلابی کے ہاں آئے جانے لگا۔ کھار کے علاقے کا مشہور وادو چیتا ناگلابی پر ہی جان سے فرشتہ تھا۔ بالا خانہ چیتے کے علاقے میں نہیں تھا لیکن بلے کے علاقے میں رہتی تھی۔ پیر شام صرف گئے کے لیے بالا خانہ آجاتی، اور بلے میں جانا تھا۔ جب بھی اس کا جی چاہتا ناگلابی کو اپنے دیوے بولا پھر مل جاتا۔

تیس سال سے زیادہ چیتے کی عمر بھی نہیں تھی، ہاتھ کا بڑا جھل تھا۔ لٹا بہت تھا، پیر چیتا ہوا اور پھر چیتا کے بجائے لوگ سے چیتا کے لقب لگاتار لگے۔ پیر کی ایک اور لگا وہ میں دھیتے ہی جیتا تھا۔ دروزدک لے کا توڑی دھاگہ بھی ہوئی تھی۔ نا ابھی بھی کمال کی کھاتا تھا۔

بلے نے گلابی کے بالا خانے پر چھا شروع کیا تو پھر کیں اور کا در با۔ لوگوں نے بہت بھاری لگلابی تو کب طواف ہے، اس کے اتنے قریب نہ سہا نہیں لگلابی خود اس کی جانب آئی تھی بلے کی کمر پر بالا خانے کے دروازے بند کر دیے جاتے۔ بلے کی موعودی میں وہ صرف اس کے لیے گلابی اس کے لیے نا پختی تھی جیتا بھی اس علاقے سے اتفاق ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کے ذریعے بلے کو تنہا لگلابی پر صرف اس کا حق ہے۔ بلے بھڑک اڑا۔ پیر کو دیکھ کر اسے گلابی کا اتفاق لگلابی کا استقامت حاصل تھا۔ بلے کا امر تھا کہ گلابی بالا خانہ چھوڑ کے اس کا گھر بنائے۔ گلابی آمادہ ہو گئی اور دوڑوں کا یہ خواب شرمندہ تعبیر ہوا ہی جاتا تھا کہ ایک نر چیتا میں اس وقت بالا خانہ چیتا چھوڑنے کے لیے بلے کو موبو تھا۔ گلابی اس کے لیے گلابی تھی۔ چیتے نے دروازہ توڑ دیا اور اپنے چار ساتھیوں کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ گلابی نے دیوار بننے کی شرت کی لیکن چیتے نے ایک نئی آدمی کی شرت پر دیکھ کر کہ بلے کوئی انھوں نے ملے نیر بلے وادو کبھی یہاں آنے کی جرات نہ کرے۔ بلے کے پاس چاقو نکلتے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ چیتے نے اس کا غلط تخمینہ لگایا تھا۔ خود سانسے آنے کے بجائے پہلے اس نے اپنے ایک آدمی کو آگے بڑھایا۔ بلے نے اسے دو ایک پیڑوں میں ٹھنڈا کر دیا۔ چیتے نے اسے اتفاق سمجھ کر وادو ہی غلطی کی اور اپنے ایک دوسرے ساتھی کو کھینچے کا نشانہ کر دیا۔ بلے میں بکلی پوری ہوئی تھی۔ دوسرے آدمی کے لیے اسے اتنی دھیم بھی نہیں تھی جتنی پہلے کے لیے تھی۔ چیتے نے دوسرا قہقہوں کا شرت دیکھ کر چیتے کو کچھ ہوش آیا وہ چاقو ان کے خود سانسے آگیا۔ پیر کے قول گلابی اور بالا خانے کے سامنے گواہ ہیں کہ باندائی لوں میں چیتا بلے پر ہوا دی آگیا تھا۔ اس نے بلے کے بازو پر چیتا ہوا سہی ایک نشان ڈال دیا۔ بلے کا حوصلہ کم نہ ہوا بلکہ وہ کچھ اور سنبھل گیا پھر چیتے کے ہر دار کا ناپ تول کے جواب تیار کیا۔ اس نے فوراً اندازہ لگایا کہ مرست اس کے لیے مافرت کرنا ہی موزن ہے۔ گلابی چودہ مسل چیتے کو قوت دیتا ہوا اور طنز نے اسے اس کی مرست سے بچتا رہا۔ چیتے کو لانا پہلے کے کی سیالی سے مطمئن ہوا جاتے تھا۔ ہاں بلے کا یہ حیرت اس کے لیے بھجلا ہوا باعث بن گیا بھجلا ہوا۔ بے غلط غضب کی حوت اختیار کر لی۔

پیر نے کے مطابق چاقو تلے وقت حیرت کوا میں کھنا بہت مغزوی ہوتا ہے اور غصے میں ایسا کر شعلال ہوتا ہے۔ چیتے کو اپنے ہاتھ پر ڈھکھڑ تھا۔ ایسی پھرتی پر بہت نا زکیوں نہ ہوتا۔ پیر نے اوپر دے لیا۔ پیر سے کوئی بھی بڑی کے احساس میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ مگر اس احساس سے کچھ حاصل آتی تھی تو بلے جب درختاں میں حوصلے بابر لے کر کسی کو بیٹھا غضب کا انھار سا اذیت بہت ٹھونڈا ہوتا ہے۔ خصوصاً سندیوں اور کمر کے چوڑا کلاں کے سامنے۔ پیر جھول گیا تھا کہ سب کے ذوق ناکی کی سوجھ بوجھ اور شعلال پر تون ہے ہر صورت حال ایک جی نہیں ہوتی۔ اس میں بیک وقت اور قابل کی

کسی خاص ذاتی حالت کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ ایسا نہیں تھا کہ بالے کو پیسے کے
 بانیس میں پہلے معلوم ہوتا ہے کہ شہرت سے وہ خوب افسوس تھا کہ مینا اسے
 اچھی طرح نہیں جانتا تھا اسے معلوم نہیں تھا کہ بالے نے یہ فی کمال سے سیکھا
 ہے۔ بالے کو بتایا گیا تھا کہ وہ ہر ایک کو سحر کے جادو سے نوازا کرتا ہے۔
 جادو بادلے استقامت کا ثبوت تیار ہوا۔ وہ پتیرے بدل بدل کے پیسے کو پیسلے
 سے یادہ مثل اشرفی کر لیا۔ اس دوران مینا ایک اور کاری یاد کرنے لگی۔ مینا کی
 ہو گیا۔ اس نے بالے کی باتیں مینوں کو سن لی۔ جادو بالے کے ہاتھ پر نشان
 ڈالتا ہوا مینوں کو سحر سے کاٹ گیا۔ بالے کی باتیں آنکھ میں خون ہو گیا۔ چہرہ
 لال ہو گیا۔ کپڑے بھی تر ہو گئے۔ مینا نے بالے کو معلوم نہ ہو گیا۔ وہ پتیرا مارا۔
 اس نے بھی ایک غلطی کی تھی اور وہ یہ کہ مدافعت کرنے اور پیسے کو کشتل کرنے
 میں مروت سے زیادہ وقت لگا دیا۔ اس کا اندازہ اسے بعد میں ہوا جب پہلی
 بار مدافعت دہر کر کے اس نے پیسے چھوڑ دیے۔ اتنی شگفتگی اور اترتی کے
 بعد پیسے کو کشتلانی تو فتح نہ ہوئی۔ جو شخص مسلسل جاری رہا ہو اسے مدافعت پر
 آجائے جس جندے فرد لگتے ہیں۔ ان مشغلوں میں بالے نے اس پر لگا کر اٹھ
 لیے۔ بالے کا جادو تیر سے سپاس تھا۔ اس کے خلاف تک پیسے کا پتہ چل گیا
 کر کے ہی اس کی کشتل کی گئی۔

میانوں میں دھیر ہو گیا۔ اس کے دونوں سامنے والے سے بھاگ لیے۔
 بالے بھی زیادہ دیر اپنے پیروں پر کھڑا نہ رہ سکا۔ وہ اگر مدافعت ترک کرنے کا فیصلہ
 لے کر بیٹھ کر لیتا تو اتنا خون نہ بہتا اور اس کی آنکھوں میں بج جاتی مینوں کا دھرم
 آنکھ تک کھل گیا تھا۔ آنکھوں میں خون الگ الگ ہو گیا تھا۔

بالے گرفتار کر لیا گیا۔ مینوں کا اور ساز و دل کی شہادتیں اس کے
 حق میں تھیں۔ بالے اگلا تھا، خامخوں کی تعداد پانچ تھی اور بالے پہلے سے بلا تھا
 پر تھا۔ اس وقت تک خوش قسمتی سے بالے کسی بھی جرم میں عیال نہیں گیا تھا۔
 اس کی عمر بھی کم تھی۔ دوسری طرف بتایا اور اس کے ساتھیوں کا مکمل ریکارڈ
 پولیس کے پاس محفوظ تھا۔ مقدمے میں زیادہ دن نہیں گئے۔ بالے کو پانچ
 سال کی سزا ہوئی۔ جیل میں گلائی تو اسے اس کے پاس جاتی اس نے بالے کا
 بھی چھوڑ دیا تھا۔ بالے کو جیل سے جلد ہی چھٹی لگنی لپٹے اچھے کاردار اور سزاؤں
 میں خامخہ ہی ہونے کے سبب وہ جیل کے دروازے سے نکلا اور گلائی اس
 کی مشق بھی بھر بالے کی طرف نہیں گیا۔ چند دنوں بعد دونوں نے ہر دو کی
 موجودی میں شادی کر لی۔ بالے کو قادی کے کسی تاجر کے مکان میں ایک مختصر
 کارٹول دیا گیا۔ ایک شکل زندگی تھی لیکن اس نئی زندگی سے دونوں بہت خوش
 تھے۔ پھر ان کے گھر دو تین بچے ہو گئے۔ بڑے کی اعانت بالے نے ہی کی
 بازار میں ایک چائے خانہ کھول لیا۔ چائے خانہ ایک کان سے پڑا نہیں تھا مگر
 دکان اچھی چل رہی تھی۔ بالے کو گھر ملنے دوا کے قریب ہوتے تھے کہ ایک رات

وہ دن بھر چائے خانے میں کام کرنے کے بعد گھر پہنچا تو گلائی زندہ
 کی ہر فلاش کر کے میں بڑی تھی صاف معلوم تھا کہ گلائی آہ
 کرتی رہی۔ بالے کے پاگل بھروسے کوئی کسر نہ رہ گئی۔ پیرا نے
 اور پھر اسے وہاں سے نہیں نکلتے۔

بعد میں بالے نے کھار کے علاقے میں جیسے کے ایک ایک
 کے ختم کر دیا۔ پھر ہر ہاتھ کا سب کچھ ہوا لیکن اسے سال گزرا
 بالے کو قمار نہیں آتا۔ سبھی سمجھتی تھی تو وہ ایک دم دیوانہ سا ہوجا
 کو کھڑکی ہوئی تھی کہ اس نے بالے سے کچھ زیادہ تو نہیں کر سکتا
 ہاتھ کا گر لیا۔ پھر جوتوں لٹاری ہو گیا تو اسے اچھا نہ ہو سکا۔ جانے
 کا نشان بن جانے۔ وہ عید کے ہول کو کہیں چھوٹ کر نہ ڈالے۔

بالے کو میں نے کسی بار دیکھا تھا اور خوشی پر پہلے ہو
 یوں ہی سرریا اب اسے خیریت نہ دیکھنے کا لمحہ انوس ہوجا
 سے بس سرریا گزر جاتے ہیں۔ ہر آدمی سامنے کی طرح ایک کانڈ
 لیے پھر تاج ہے۔ سرریا تم یہاں سے گھرے۔ دوسرے چار چار
 بالے کو دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ لاپرواہ
 سے انعام شہر ہے۔ اتنا آسانی ہے۔ چھل بھی پڑے اسے ہاتھ سے

مستار بار بار اسے گولے کا احساس ہی نہیں ہوا کہ وہ ان کے
 آہستہ کر کے ہم سے اپنی منزل کے لیے پوجا میری آنکھوں میں کچھ نہ
 علاوہ دیکھا تھا حال میں کرشنناجی کے زلزلے میں اور پھر ہاتھ
 کے گھر لینے کے بعد اسی راتوں سے لایا گیا تھا۔ میں نے گھر
 میں دیکھا تو حیران رہ گیا۔ بولیں گھر تو مجھے دیکھا تھا۔ کو جانے
 اس نے وقت پوچھ لیا تھا۔ اچھی مہلت آگے نہیں آتے تھے۔ بالے
 بولے۔ یہ کچھ ہی دور کا ہی منزل تھی۔ ہم نے پورا چارے پر غور کیا
 دیا اور باقی راستہ تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا۔ پورا علاقہ رات
 سڑکوں پر آتی تھی۔ میں نے اسات آٹھ منٹ کی چپل تھکی کے
 کی گلی میں اخل ہو گئے۔ پورا ایک نر گز دیکھا تھا۔ اس نے میری
 شروع کر دیا تھا کہ اور اب رات ہو جانے کے بعد بھی ایسا نہیں
 کاش کاتے اور لڑائی اسے میرے اور چھل کے ہاتھ سے
 ہم اہمیت نہیں کے تو اس کا کام دیکھنے کا ہو گا مگر کاتے اور لڑائی
 براشت کی توقع نہیں تھی۔

گھر قریب آئے۔ پھر میری گھر کے سالک بولیں کے خیال سے
 کرشناجی کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ مکان کے باہر خاموشی تھی۔ دھانے
 آگاہا ہوا دل کا دھڑکنے خوب بڑا ہو گیا تھا۔ کرشناجی کو ناپائیدار
 کوئی خاص نسبت تھی۔ بولیں نے اس کی یادیں میاں ناپائیدار

سے کوئی آزاد کوئی چکا نہیں آ رہی تھی۔ اگر وہ لوگ ہوتے تو دروازہ کھلا ہوتا
 جیسے کہ وہ کھلا ہوتا۔ وہ ایسے خاموش تو نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ ایسی رات بھی تھی
 نہیں ہوئی تھی۔ میں نے کچھ کھل کو دیکھا کہ میں نے مکان تو میں بدل
 دیا۔ یہاں میں نہیں کے کہیں اور چلے گئے۔ چھل نے مجھے تک کاٹا
 دیا۔ کچھ کھل کی گھنٹی لگتی تھی میں نے اسے بالے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو
 مائیں میں نے کچھ لکھیں۔ اندر سے کھنٹی کی آواز آئی۔ دوسری گھنٹی بجاتے
 کی مروت نہیں پڑی۔ دروازہ کھلنے کی کھڑکی پر میں نے ہاتھ رک لیا۔ دروازہ
 کھلا۔ سامنے بولیں کھڑی تھی۔ اپنے اسی امیدہ لباس میں۔ سفید ماری میں پٹی
 ہوئی۔ چھل کی طرح جلی ہوئی۔ ایک بالے کو تو مجھے اسے کچھ نہ دیکھ مارا۔
 میری آنکھوں میں پینچا گئیں۔ گویا میری آنکھ کے سامنے اسے کچھ نہیں معلوم
 تھا۔ وہ پہلے تو دروازے پر جیراں پریشان کستے کی سی کیفیت میں کھڑی
 رہی۔ پھر مجھے ہلکے سمجھ میں تلام گیا۔ وہ بالے کا تھری ہر طرف اندر میرے
 بازو کی آگے تھی۔ لیکن میرے قریب آکے وہ بہت سی تھی اور جلی پھیل
 آنکھوں سے مجھے دیکھا کی معنا چھل سامنے آگیا اور اس نے اسے اپنی طرف
 کھینچ لیا۔ ایسی ہی سیم۔ چھل اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ اتنا کھٹا
 کیوں لیا ہے ری؟

بولیں نے زار پر بھی ضبط نہ ہوا۔ چھل کا سر پر ہاتھ رکھا اور پوچھا تھا
 کہ یہ کچھ پڑی۔ چھل نے چھلنے کی آواز سن کر کہا۔ ٹوٹ جائیں ری؟ یہ میرا اپنے
 پہنچے ہی نہیں ہیں۔

بولیں کا سوا اور چھوٹ پڑا۔ چھل اسے پہلو میں بیٹھ ہونے اندر
 داخل ہو گیا۔ کہ میں نے کس ریاں کھی تھیں۔ اچھی مہلت میں نہیں تھے کہ اندر سے
 چپا ہر کی آواز آئی۔ یہ اسی کی آواز تھی۔ وہ پوچھ رہی تھی کہ کون آیا ہے؟
 کسی نے باب نہیں دیا تو چپا ہر کی خود وہاں آگئی۔ پہلے اس کی نونہلی پر
 پڑی اس کا حال بھی کچھ مختلف نہیں ہوا۔ بالے اعتبار اس نے اپنے سینے پر ہاتھ
 لانا۔ اندر سے چپا ہر کے میاں ایسا خوب بکھڑی ہوئی۔ وہ وہ چپتی
 آواز سن رہی۔ میرے پاس آکے اس نے مجھے اپنے حلقے میں لے لیا۔ میری
 پیشانی کو آدھ لٹا میں۔ پوچھ لو بیٹے اسے کل سے لڑل دھڑک رہا تھا۔
 مگر کہہ رہی تھی شاید مجھے یہاں آجائیں۔ اتنے دن کا میں ہے؟ خط بھی نہیں
 کھا کوئی خیرم کھیا دل کی نہ لی۔ وہ ایک ہی سانس میں بولی۔

میں نے اسے جواب میں لایا۔ وہ اور بے کل ہو گئی۔ چھل قہر، کیسے
 نہ لگے گئے۔

”الٹا بیکہ ہے۔ میں نے بھی مورتی آواز سن کر کہ تو شیک ہو“
 ”اللہ کا شکر ہے بہت بہت احسان ہے اس کا۔“

چپا ہر کی موت ہی بدل گئی تھی۔ چہرہ بھرا ہوا چپتی پیشانی رنگ کچھ
 اور اچھا ہو گیا تھا۔ سفید ہونے اور مورتی کے تہہ پاجامے میں وہ یک سرہ لپٹی ہوئی
 معلوم ہو رہی تھی۔ جگہ اور داخل آدی پر لپٹی اور انداز ہوتے ہیں کہ آدی کا چہرہ
 بدل تہہ میں رنگ بدل رہا ہے۔ یہ ہو گا کہا جاسکے کہ فلاں کے چہرے کو لپٹے
 چپکے چہرے پر یہ کیفیت تھی جیسے اسے کسی نے سزا دیا ہو یا اس لیے
 کہ وہ ایک ہاتھ پر لپٹی ہوئی چپتی ہوئی کی جی اباں اندر سے آگئی۔ وہ بھی
 اس کڑ کے بانیس ساری پینے ہوتے تھے۔

دیکھتے دیکھتے ساکھ میں بل چلی گئی۔ گویا پرا نا ملازم کھنڈ، بولیں
 اس کی ماں بھی اور ادرہ پر لے قار سے پھر پڑے تھے۔ لیکن متحرک ہوں تو گھر
 کے دروازہ پر متحرک ہوجاتے ہیں، مین خاموش رہیں تو دروازہ بھی کھٹکے بن
 جاتے ہیں۔ آدی صراہو ہو کر لوگ زار بھی صراہو ہوجاتے۔ چھل اور پھر کے منع
 کرنے کے جادو انھوں نے دہائی پر یہ قسم کی چیزوں کا انکار کر دیا۔

چھل نے کھانے کے لیے صاف انکار کر دیا تھا اس پر رات تھی پھر ریت
 کا انکار کرنے لگا کہ اتنی جلد اتنی بہت سی چیزیں انھوں نے کس طرح کھائی
 کر لی ہیں گھر میں کو یہ کرب خوب آتا تھا۔ چھل کی طرح کس چیز میں تبادلہ
 کر لیتی تھی۔ مجھے یاد تھا اور وہ مجھ سے کچھ پوچھتی اور نہتیا کر کے لاتی۔

وہ بالکل وہی تھی وہی شام ہی ہے کہ پھر چھل ہوئی۔ وہی کھلی اور پھر تیرا
 آنکھوں۔ چھل نے چھلک کہا تھا وہ پہلے سے کچھ کھٹی ہوئی معلوم ہوتی تھی
 لیکن کبھی کبھی بھی خونی بن جاتی ہے۔ لگتا تھا جیسے کسی ہنر سار نے اپنے جیسے پر
 نظر ڈالی کی ہو۔ اس میں وہی تیری اور وہی نظر آتی تھی جس پر مجھے میں اہمیت
 تو جیہت ہوتی تھی۔ یکے بعد دیگرے وہ سرگرم اس پھر سے نہتائی کر رہیں
 گاگان ہوتا کتنے ہی لوگ کہوں نہ آجائیں اس کی پیشانی پر ٹکس نہیں پڑتی
 تھی۔ نہیں بھی ہی ہوئی تھی۔ دونوں میں ہزار شاہدیتیں چھل پر میری کوئی
 ایک بات دونوں میں بہت مختلف تھی۔

شہادہ تو نہیں آتی تھی نہ کاتے اور لڑائی وغیرہ کھاتی دینے مجھے
 پوچھنے کی جنت نہیں ہو رہی تھی کی بات ہی ہو گئی تھی اس میں سے کوئی ان
 کا ذکر نہیں کر رہا تھا۔ مجھے شبہ نہ ہونے لگا کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ میاں
 آئے ہی نہ ہوں۔ کاتے پہلے ہی متحرک رہا تھا ممکن ہے وہ بالے کی طرف چلے
 گئے ہوں چائے لانے کے بعد وہ کسی قدر اطمینان سے ہمارے سامنے بیٹھیں
 تو پھر دوسرے نہ رہا گیا۔ اس نے کاتے کے بانیس میں پوچھا۔ ”ابھی وہ کیہ رہے
 اپن کا دادا ابا کتنے ہمارا بایا؟“

چپا ہر نے سر جھکا لیا اور بکھاتے ہوئے بولنے لگا۔ ”ہسپتال میں ہیں۔“
 ”ہسپتال میں؟“ چھل نے پوچھ کے کہا کہ کیا بولتی ہو؟
 ”انھیں صوبے سے ہی ہسپتال بھیج دیا گیا تھا۔“

کہ وہ تینوں نے طرح طرح سے آمادہ کرنے کی کوشش کی مگر وہ اہلکاروں کے ہولناک اور گھٹ پر آمیزان بورڈ کی طرف اشارہ کرتا رہا۔ بورڈ پر ہسپتال کے اوقات کے بارے میں صاف لکھا تھا صبح ۵ سے ۱۱ بجے تک شام ۵ سے ۱۱ بجے تک۔ یہی وہی کھانسی تھی جس نے اسے ہسپتال میں لے آیا تھا۔ وہ ایک ہاتھ کاٹھن میں تھا۔ چار دیواری بھی آتی اور بھی تھی کسی طرف بھی جہاز کی جاسکتی تھی مگر ہسپتال تھا کوئی اور جگہ ہوتی تو بات دوسری تھی پرنے دس منٹ کے لیے صرف ایک آدمی کے اندر جانے کی اجازت مانگی۔ پہلے اس پر بھی راضی نہیں ہوا اور اپنی ٹوکی کا واسطہ دینے لگا۔ کوئی صحت مندرجہ کے آخر پیر نے کہہ کر نہیں دیا۔ ماری کو بلانے کی بات کی۔ نوٹ پر کے ہاتھ میں تھا۔ پہلے دار نے اسے جیب میں رکھا۔ ورنہ اندر سے بند کیا اور دو تین منٹ میں باہر آ گیا۔ اس نے آگے جس کے کسی اور شخص کا اندر بھیج دیا تھا۔ جتنی دیر ہم باہر کھڑے رہے اس کا انتظار کرتے رہے۔ پہلے دار معذرتیں کرنا لگا۔ ہم دس بجے تک بھی آجائے تو وہ کئی راستہ ڈھونڈ لیتا۔ اس کی زبان اعلیٰ معلوم ہوا کہ حادثے کی موت میں آنے والے تھے لیکن اس کا راستہ پہلی طرف ہے۔ میں پہلے آئی جانے جا کے کوشش کرنی چاہیے تھی۔

پانچ چھ منٹ کے اندر اندر ماری ہمارے سامنے تھی۔ میں سمجھتا ہوں وہ کچھ ڈرا اور صوفٹ ٹھوٹ کے لئے لگا۔ اس سے کہہ جانے کو اب کیا ہو گیا تھا۔ ٹھیل اور پیر ایک دوسرے کی موت دیکھنے لگے۔ ابھی ایدر ایک بڑا ہسپتال بھی ہے۔ یہ پرنے شمرہ دیا۔ بولے تو "میر جاتے کہے"۔ اس جگہ میں کوئی کمانی نہیں ہے دادا۔ ماری رستے ہوئے بولا۔ "ابھی گھر کھانا کھا کر ڈاکٹر ورنٹ کر کے جاتے ہیں۔"

بولنا لیلے۔ یہ پرنے تک کے پوچھا۔ ٹھیک ہے کہ نہیں لوتا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے بول کے گیا تھا کہ کل شام تک اور دیکھ گا آپریشن کرنے کا ہے کہ نہیں۔ ماری کے مزید کہنے سے پہلے میں نے ٹھیل سے کہہ کر ماری کے بجائے آج رات کھانے کے پاس میں ٹھیل کو لائیں ٹھیل نے مزید کہہ کر ایسے متروک رہا۔ وجہ یہ کہ کوئی فضول بات کہہ رہی ہو کوئی اہم بات کہنے لگا کہ مجھے گھر لائیں جانا چاہیے۔ ہاں اباجان اور وہ سب یہی کہہ رہے ہوں گے اور کہنے لگا کہ ماری کے بجائے وہ خود اندر چلے گا۔

"اپنا جانے گا۔ پرنے تیزی سے کہا۔ اپنا کات وہ بہت نسا ہے۔ ابھی اس کا پورا دھیان رکھنے گا۔" میں نے دادا کو اب تک کو اب اپنے گھر اور پائے کی طرف اشارہ کیا۔ ٹھیل نے فیصلہ کر لیا کہ میں کہا۔ اور اس کو پچھنے سے جھکت رہا ہے۔ کبھی وہ ایسا ہی ہوتی رہا تھا۔ مگر اس کی گیس معلوم ہیں۔

"ابھی تم پائے نہیں گیا دادا؟" ماری متروک دیکھنے میں بولا۔ "جلا جانے گا ماری اور دیکھ جانے گا۔ پرنے غرضی سے کہ" ایدر تنگو کے لوتے کا تھا۔ اور سب پائے میں بیٹھا تھا۔ ہے۔ ابھی اور گلیا آن دو دروں والا لوگ کو بھی پائے میں لے۔ "وہ لوگ پائے میں ہیں۔ میں نے تجھے پوچھا۔" تنگو ابھی اپن سے ہی بولا تھا۔ ماری نے متعلقہ۔ "آن کو اور الگ کر کے میں ڈال گیا ہے اور سب ادا کا انتہا اور دادا!..... وہ پرنے سے مخاطب ہو کر کہہ کنا چاہتا تھا گا۔" کیلے اس پر پرنے نے گا ماری سے پوچھا۔ "کیا بولے دادا؟ ماری نے ترائی ہوئی آواز میں بولا۔ تنگو تھا ایدر دادا کے پیچھے بھی میں بہت الٹ پلٹ ہو گیا ہے۔ فلا ایدر ماری کا دادا لوگ نے پائے کا جھٹکا جینا بند کر دیا ہے۔ دادا انہیں سے تو جھٹکا بھی نہیں ہے۔ اپن پیر دادا کو جانتا تھا کہ کے آنے کا تو دیکھنے کا۔ تینوں نے سالہا لگا لگا لیا ہے۔ تنگو بولا۔ "اور دو چاروں کے جانے کا تھا پیر دور لوگ باگ نے ابھی تھوڑا۔" ایسا پیر کی آواز ایک دم بھر گونے لگی۔ ایسا اپن سیدھا ابھی ان کی طرف جانے گا۔

"وہ بھیں گے دادا ہاں لوگ کو بھی دیکھیں گے۔" تنگو کہا۔ ایسی جلدی تو نہیں پڑی ہے۔ ہم بھی ساتھ چلیں گے۔ "آن لوگ کو تھپ چل گیا ہوگا کہ اپن ایدر گیا ہے؟" تو سالہا آئے تھے لگا۔ ایدر دادا پائوں کا دادا لوگ بھی ہے بھی دھیان میں لگے کہ ہے۔ ابھی مجھے ٹھیل جانی؟

"اور ابھی تم کتنے جانی کے پاس ٹھیل نے کا بول بول ہاتھ منے سے جانے کی طرح نکل گیا۔ اسے پرنے نے یہ ایسی بات تیار اسے یہ بھی خیال نہیں رہا کہ پرنے کا تے کے پاس ٹھیل نے اٹھا رہا پہلے کیا تھا۔ پائوں کے بارے میں ماری نے اسے بعد پرنے اس کی طرف گھور کر دیکھا۔ جھجھرت ہوئی۔

آیا۔ اسے ماری کے مزید پڑا پڑا دینا چاہیے تھا۔ وہ بات وہ کہے لیے اپن دس دن غیر جانے گا۔ دس سال ٹھیل نے گا۔ پیر کا نکلے گا۔ ایدر ٹھیل جانی اور اپن کا راجا دادا ہے۔ ان کو اندر دیر کی ٹھیل نے اس کے پاس بلانے کا نہیں ہے۔ "کہاتے کے پاس ابھی ماری نے گے گا۔ ٹھیل نے عکس۔ اپن ابھی یہی بولنے کا تھا۔ اپن کا دل ابھی نہیں لگے گا۔ ایدر ڈاکٹر سسر لوگ سب سے اپن کا جان کا ماری کی جگہ تو مجھ کو تم لوگ ایدر ہے۔ اپن سے کہ

"ٹھیک ہے ماری۔" ٹھیل نے ماری کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے کہا۔ "پر ذرا دیر ہی رکھو۔ ورنہ تری پڑ جاتے گی اپنے کو۔" ماری کا جسم لرز گیا۔ اس نے جھٹ ٹھیل کے پیر پڑا ہے۔

ٹھیل آگے بڑھ گیا۔ رات اور کالی ہو گئی تھی۔ ہسپتال سے کچھ دور آنے پر ٹھیل کے داغ میں نہ جانے کیا آئی اس نے پرنے سے واپس ہسپتال چلے کر کہا۔ پرنے نے واپسی کی غرض پوچھی تو کوئی اعتراض کیا۔ پرنے کے دار کی طرف جانے کے بجائے گھومتے ہوئے ہم ہسپتال کے پچھلے حصے کی طرف آگئے۔ یہ حصہ جنگی طور پر لے لائے تھیں۔ اسے لیے مخصوص تھا۔ اس وقت کوئی مریض نہ ہو رہا تھا۔ غالباً اسی لیے سون چھایا ہوا تھا۔ اس طرف دیکھنی زیادہ ہوتی۔ زمیں ڈاکٹر ہسپتال کا دیگر عملہ اور راستہ لیتی ماری کے سر سے دھڑکی بھی ماری طرف تھے۔ ایک نرس نے میں ڈوٹی پر موجود خوش وضع نوجوان ڈاکٹر کے پاس پہنچا۔ وہ میرا ہڈیاں جھیلانے لگی۔ ماری نے ناول پڑھ رہا تھا میں سمجھتا تھا اس نے مانگیں میرے پاس لیں اور انگریزی میں پوچھا کہ وہ ہماری کیا خدمت کر سکتا ہے۔ پرنے آگے تھا۔ اس نے نشانہ چمکا کر مری طرف دیکھا ماری سے پہلے کہ میں کہہ لیتا، ڈاکٹر نے ہنستا ہی میں میرا ٹھیل کسی رسمی تعارف کے لیے کہہ کر ڈاکٹر کا ہاتھ لیا۔ نوجوان ڈاکٹر نے بتا کر وہ کچھ پڑھ چلے گئے ہیں لیکن ایسی کی بات ہے کہ یہ وہاں سے کام آسکتا ہے؟

"اپن کو انسی سے بات کرنے کا ہے۔ پرنے نے کہا۔" بات کیا ہے؟ ڈاکٹر نے تجسس سے پوچھا۔

جواب میں ٹھیل نے کہا کہ وہ کہہ کر ہم ہم کے ٹھیل کا تے کے مرض کی نوعیت معلوم کرنا چاہتا ہے۔ ڈاکٹر اس طرف مخاطب کا مادی ہو گا لیکن اس نے غرض الماری سے پوچھا کہ تم ٹھیل کے کون ہیں؟

"ہم اس کے گے ہیں۔" ٹھیل نے کسی تدبیر بازی سے کہا۔

"جانی؟ آپ اس کے جانی ہوں گے؟"

"اگر ہم چاہیں تو آپ نہیں بتاؤ گے؟"

"نہیں نہیں۔" ڈاکٹر نے سخت سے کہا اور جلدی سے پوچھنے لگا۔

"تم کیا ہو گیلے؟"

"اور اپن ابھی کیا پوچھنے کو آیا ہے۔ پرنے نے جڑ جڑ کہا۔

"میرا رابطہ سے ٹھیل کے بیماری میں اور کہ اعلیٰ ہوا تھا۔" ڈاکٹر نے تفریق کی کہ ماریاں مرض کی نسبت سے الگ الگ شعبے ہیں۔

"اس کو تھوڑا سا غور بنانا ہو گیا تھا۔ اعلیٰ ہوا تھا۔ اپن کو نہیں معلوم ابھی آپ نے کیا اس کو رکھا ہے۔ کہہ کر ہم ابھی کید رہے؟"

"میرا رابطہ سے اعلیٰ ہوا تھا اور کہہ کر ہم میں؟" ڈاکٹر نے بدلتے ہوئے بولا۔ میں ڈاکٹر کو سنے سے متحیر کہ۔ ایت کر کے اس نے فون اٹھا لیا فون

پر اس نے انگریزی میں کسی کو بتایا کہ ماریاں تین آدمی کو ہمہ کے مریض کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔ دوسری طرف سے کچھ وقف کے لیے کہا گیا ہوگا۔ ڈاکٹر خاموش ہو گیا۔ "رہی ہے اچھا؟" وہ کھٹک کے بولا۔ "ماریاں کے نشانہ میں گہرے؟" دوسرے کہہ کر ادا کیا ہوگا۔ ڈاکٹر نے سے اٹھا اٹھا۔ "ہوں ہوں کیا رہا اور اس کی کیدی ٹوٹی گئی ہیں۔ ہم پر کڑی ہیں۔ جو لوگ پوچھنے آئے ہیں وہ بھی کچھ پڑا رہا کرتے ہیں۔ اس وقت اندر مرض کی نوعیت کے بارے میں یہ تشریح کیے ہوئے تھے کہ اور یہ نظر آ رہا ہے۔ اس کی آواز تیز تر ہوئی اور گوی ہوئی گئی۔ "کون لڑکی جو خوب صحت خرابیوں والی لڑکی خوش لباس آؤ بدست سے کل میں ٹھیل پڑتا تھا۔ دوسری طرف لیٹنا ہے جو ان کے بارے میں بتایا جا رہا تھا۔ اس کے ذکر سے نوجوان ڈاکٹر کی آنکھوں کی چمک تیز ہو گئی تھی۔ "ایک لڑکی کا داخلہ؟" وہ اس نے کے بولا۔ "ٹھیک ہے۔ میں ان رکھنے ماناؤں کو دیکھتا ہوں۔ ایک سے ایک بڑھ کر ہے۔ مزید اور دیکھتی۔" اس کی پیشانی پر لکیریں مٹی اور کھینچی رہیں۔ پیرا خیال ہے یہ زیادہ دلچسپ معاملہ ہے شاید مختلف بھی ہوں۔ میں ان سے منٹ کے ٹھیل فون کرتا ہوں۔ شاید مجھے تمہاری بات ضرورت پڑے۔"

میری کپکپاں جلنے لگی تھیں لیکن میں نے بان بند کی۔ ڈاکٹر نے فون رکھ کر معنی تیز کیا۔ ہوں سے میں دیکھا اور دیکھ کر وہی کہہ جاتے لگا۔ جو ہمیں معلوم ہو گیا تھا۔ ٹھیل کے ہم پر بولوں کے کہے نشانہ ہیں۔ ایک چوٹ سر پر بہت گہری ہے۔ کوئی اندولی چوٹ۔ ڈاکٹر شرا کو شش کرنے پر کہہ کر ٹھیل کے ٹھیل کو ہوائے لیکن امکان کہ نظر آئے۔ اس کا منہ چھتا ہوا تھا اگر کسی پر پہلو بدل کے وہ ہم سے پوچھنے لگا۔ مگر ہم تو کسی کی نہیں۔

"چوٹ کھانے سے آئے؟ ڈاکٹر صاحب؟"

"لڑائی دنگا؟" ڈاکٹر نے ہیکے لیے میں کہا۔ آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ لڑائی دنگے والے کس ہم نہیں لیتے۔

"وہ لوگ کچھ کید جانے گا؟"

"ان کے لیے اور بہت سے ڈاکٹر ہیں۔" ڈاکٹر دکھائی سے بولا۔ اور

ایسی صحت میں پہلے پس کو مطلع کرنا ضروری ہوتا ہے۔

پرو کہہ کنا چاہتا تھا کہ ٹھیل نے ہاتھ کے اشارے سے دکھایا اور ڈاکٹر

سے کہا۔ "ہم لوگ مریض کو دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"میرا دیکھو۔" صبح اٹھ گئے آجائے۔

"میں ابھی کے لیے لوتا ہوں۔"

"ابھی اس وقت؟ وقت دیکھ لے یہ آپ؟"

"وقت دیکھ کے ہی آئے ہیں۔"

"مریض کے پاس کوئی اینڈینٹ..... اسے خیال آیا اس نے

جذباتی میں تشریح کی۔ دیکھ بھال کے لیے کوئی آدمی تو کوئٹہ سے بلا دیتا ہوں۔

جھل کو یہ کہنا نہیں چاہیے تھا کہ ہم ابھی تھوڑی دیر پہلے مارٹی سے مل چکے ہیں۔ ہم اپنے لیے لوٹنے ہیں ڈاکٹر صاحب! جھل نے کہا۔

”ہاں اپنا ابھی خود بخود کھانا اگلنے اپنی آنکھوں سے۔“

”آپ دیکھ کے کیا کریں گے مریض کے آرام میں خلل ہوں گے ممکن ہے اسے نیند کی گلیاں دی گئی ہوں۔“

”وہ کیسا بھی اٹھا پڑا ہوا اپنی آواز سن کے آنکھ کھول دے گا۔ اپنے کو دیکھ کے اسے اور آرام لے گا۔“

”اس کے لیے آپ غصے بے چین نظر آتے ہیں۔ ایسا کیا رشتہ ہے آپ کا اس سے؟“

”آپ نہیں سمجھ گئے۔“

”نہیں سمجھنا چاہتا ہوں۔“

”ابھی آپ عمر کا خوضا ہے پڑا ہوا چلے گا تو اٹھا بھڑکے اٹھ جائے گا۔“

”بہتر ہے آپ ایک اتاد اور صبر کریں۔“

”صبر تو کیا قیود کریں آگیا، ایک اتان کے لیے بہت پڑا ہوگا۔“

”ابھی اس کو دیکھنے سے خود اوشن کوٹ خانی مل جائے گا میں سمجھتا ہوں آپ؟ سنئے، ڈاکٹر لوگ کے پاس نہیں جوتا۔“

”صرف من کی بات ہے؟ ڈاکٹر نے طرز پر لیے ہیں کہا۔“

”اور بھی کچھ ہونے گا۔“

”اور کیا؟“

”ابھی کیا منہ کھلے؟ اپن اس کا گلے میں گندا ڈالنے کا ہے ایڈ ایک ڈراما رانج نے اپن کو دیا ہے۔ پیرے نسبت تیرے میں کہا۔ ابھی گندلا ہی نہیں جانا ہوگا پابلو صاحب۔“

”نوجوان ڈاکٹر کے چہرے پر شکر کے بجائے نیکی چھا گئی تکتے لگا۔“

”گندلا یہاں سے پیچھے ہم ڈال دیں گے۔“

”قسم ہے ابھی آپ بالکل نوا ایک من چھوٹا ہے۔“

”یہ گندلا اوٹا سا دھوا دھوا ہوا نہیں پلتے یہاں اسپتال میں ایک سے ایک پڑا اور اس کی گھرائی کر رہا ہے ان پھر دساکھیے۔“

”پڑا اور جھل نے رز با تیں کر رہے تھے۔ انھیں کچھ اندازہ نہیں تھا کہ ڈاکٹر کا دماغ اس طرف کام کر رہا ہے وہ ان سے کیا جانا چاہ رہا ہے۔ انھیں تو اٹھانا چاہیے تھا۔ انہیں تو ہم نے نہیں تھے ایک رات اور ہی کھاتے ہر حال اب اسپتال ہی میں تھا۔ میں نے سوچا میں خلل دیں مگر بیرونی ڈاکٹر سے کہا۔ تو ان پر چلا جائے؟ اپن کا کوئی بات آپ نہیں سمجھ گئے۔“

”سمجھنے کی پوری کوشش کر رہا ہوں۔ ڈاکٹر نے گہری سانس بھر کے کہا اور بولا۔ ٹھیک ہے میں اوپر موجود ڈاکٹر سے بات کر کے دیکھتا ہوں ممکن ہے وہ تیار ہو جائے۔“

”اس کو پورا ابھی ایسا زمین میں پھٹ پڑے گا۔ مریض کا فکر اس سے زیادہ اچھی اس کو نہیں ہونے گا۔“

ڈاکٹر نے دوبارہ فون اٹھا لیا اور نیم گروگشا نے نیم راز اندازہ لے لیا۔

”بولا۔ ڈاکٹر رش! وہ لوگ ابھی موجود ہیں ہاں ہاں وہ ہیں جس کے پاس میں نے نہیں سمجھا ابھی بتایا تھا۔ وہی صاحبزادے من کے بھائی کا بھائی اور وہ پہلی ہی نظر میں پسند نہیں آتے تھے۔ جیسا کہ رقیاس تھا۔ اچھے معاملہ نظر نہیں آتا۔ اب یہ شخص شک نہیں میں ساری بات تو درست نہیں ہو سکتا۔ وہ مریض کے پاس جانے کے لیے بڑھ رہا ہے۔ دوسری طرف سے کچھ کرنا تھا کہ ڈاکٹر نے بانی سے کہا یہ میری پوری بات سن لو۔ غار ہے میں اب ابتدا میں انھیں وقت کی پابندی اسپتال کے ضوابط وغیرہ سے آگاہ کر رہا تھا۔ مگر وہ سب اسل اپنی بات پر چبے ہوئے ہیں۔ سب اس میں مریض اسپتال میں نظر ہوا تھا۔ اس کے پیش نظر ان کے مار کے کچھ بھی سمجھنے میں آئے۔ یہ سن کر نے بھی چلنے ہی کی وہ میں بات کو پورا کیا تھا اور ایک گھنٹہ سدا کا کام باقی رکھ کر ختم ہوا۔ یہ کہ وہ اس وقت اس کے پاس جانے کے لیے کہیں بے چین ہیں۔ کون سی اہم بات وہ اس سے کہنا چاہتے ہیں۔ ان کا ارادہ کچھ اور بھی ہو سکتا ہے۔“

ڈاکٹر کے جوابے اندازہ ہوا کہ دوسری طرف سے پوچھا جائے اس کے خیال میں آخر یہ ارادہ کیا ہو سکتا ہے؟ ڈاکٹر نے کہا۔ ”میں اس طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ممکن ہے سچ ہونے سے پہلے وہ مریض کو کوئی اہم بات متعلق کا جانتے ہوں کوئی یقین کوئی تہہ نہ کہیں۔ انھیں اس سے کچھ معلوم نہ ہو۔ کوئی ایسی بات جو اس تدریک کو بک کرنے کے لیے بھی وہ اس سے ملنے۔ میں ناکام ہے ہوں۔ ہو سکتا ہے کسی ایسی چیز کی انھیں تلاش ہو جو مریض کی فوری میں سے یعنی یہ کہ وہ بھی اس کے ہیں مگر کسی وقت کیوں؟۔۔۔۔۔ ان کا کہنا بھی تین ہے۔ تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا۔ میرے سامنے بیٹھے ہیں۔ بہت قریب مجھے گمان ہے۔ بلکہ ایسی صورت میں یقین کی حد تک گمان کہ ان کے پاس ہتھیار بھی ہونا چاہیے۔“

میرے سامنے حواس اس کی طرف مڑتے جھل اوپر کی طرف نگاہیں بار بار میری جانب اٹھتی تھیں مگر میں نے کسی اشارے سے بھی اجتناب کیا۔ میرے صبر تو گش ہونے کا سبب خود ان کی جھجھ میں آ رہا ہوگا۔ پتلا وہ خاموش بیٹھے۔ ڈاکٹر ایک حلقہ ذہن کا نوجوان تھا۔ ڈاکٹر کے بجائے اسے کوئی اور پیشہ اختیار کرنا چاہیے تھا۔ انگریزی زانی سے بولنا تھا۔ اب میری حالت نے عادی نہ تھا۔ دوسری طرف سے لوگوں کے غصے

کا وقت ہو جاتا تھا۔ غصائے اس کی ہم زانی ہی کی ہوگی ڈاکٹر کی آواز کچھ اور تھلنے لگی۔ سمجھ بھڑا، بے شک انھوں نے اسے ہی ڈاکٹر شکر کا نام لیا۔ بعض ایسے حکام کے لیے اور ڈاکٹر کی موجودی ناموجودی کے واسطے میں مزید اطمینان کے لیے حالانکہ انھوں نے دانتے وقت منتخب کیا ہوگا کاج ڈاکٹر شکر اسپتال میں موجودی نہ ہونے سلسلے میں۔ ہاں تم ٹھیک سمجھ رہے ہو میں سوچتا ہوں۔ اس کی زبان ان کے لہجے میں جھجھکیا ہوا کیوں پڑوس میں فون کر رہا جائے۔“

پڑوس سے اس کی راز دزدیک کی پولس چمکی ہوگی۔ مجھے ہانڈے کی اس چوکی کا علم تھا۔ ہمارے سامنے اسے پولس کا ذکر زبان پر نہیں لانا چاہیے تھا۔ کئے گنا۔ وہ راز پر تعلق سے انھیں ٹول سکتے ہیں۔ نہیں نہیں۔۔۔ میں انھیں تکیہ کر دوں گا کہ وہ پہلے ان کے ہسپتال سے باہر نکلے گا انتظار کریں یہاں نہیں وہ یہاں نہیں آئیں گے ان کی ملاقات سربراہ ہوگی اسپتال سے مناسب تھی۔ یہ بات وہ خود اچھی طرح جانتے ہیں کہ ڈاکٹر شکر اپنی مدد میں دوسری والوں کی مداخلت نہیں کریں گے۔ تھا کر لیا گیا ہے؟“

”اُدھر سے لانا گانا تھا کہ اگر اس کا قیاس سربراہ غلط ثابت ہوا؟“

”نوجوان نے جواب میں تیزی سے کہا۔ اگرچہ ثابت نہ ہو سکا تو معذرت و اذیت کے مطابق ان سے معذرت کرنی چاہئے گی۔ یہ سچ کہ وہ دوسری والے اس میں بڑے بے رحم ہوتے ہیں۔ راز دزدان کو گول کا شہر سیدھا چلنے کی طرف جاتے گا۔ یہ بعد کی بات ہے۔ مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ یہ ایک بے حاشہ ہوگا۔ میں ان سے بحث نہ کرنا ہوں۔ سچی بات، نظر مجھے اس میں ایسا کوئی حرج نظر نہیں آتا۔ ایک راز دزدان کا شہر یہاں نکل جائے گا۔ اپنی رگ غلط نہیں چھوڑتی۔“

میرزا خان تھا۔ اب اسے فون بند کر دینا چاہیے لیکن وہ غصہ باز میرزا خان اور ہاں کر رہا ہیں اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا وہ خون کی تہات سے سرخ ہو گیا تھا کہ دوسری جانب اس کی توقع کے خلاف کوئی بات بھی گئی تھی اس لیے اس کی آنکھیں جھنجھے سی لگیں آواز بھی نہ گئی۔ ہاں یہ تو ہے۔۔۔۔۔ وہ بڑھاتے ہوئے بولا۔ ”میں نے اس طرف تو توجہ نہیں کی کہ ڈاکٹر شکر مریض کو داخل کر کے ہیں لیکن اس سے۔۔۔ کیا اس سے بہت بڑا فرق پڑتا ہے؟“

دوسری طرف میرے معلوم نہیں کیا کیا گیا۔ نوجوان ڈاکٹر غور سے سنتا رہا اور اس کے شانے جھجکے گئے۔ لیکن کچھ بھی جواب نہیں دے کر میرے قریب سے تھوڑا دوری غلط ثابت ہوتے ہیں میرزا خان کیا کیا جاسکتا ہے۔“

اس سے کہنا چاہیے تھا کہ اگر اس کا مقصد درست نکلا اور ملنے کے کوئی نہایت جریہ صورت اختیار کر تو اس سے شاید یہ کیا گیا ہو، تنگی کی نشان دہی بھی گئی ہوگی کہ کتنے سنگین حقائق سامنے آسکتے ہیں۔ غرض نتائج یہ مذکرہ ڈاکٹر کے لیے داؤ کا دہر رکھتا تھا۔ اسی تائید کے لیے

تو وہ غضب تھا مگر وہ محض داؤ پر کھانے کرنے والا نوجوان معلوم نہیں ہوتا تھا جو کسی شاعر کی طرح خوش ہوتا تھا۔ وہ ایک علی آدمی تھا۔ جلی ہوئی آوازیں کہنے لگا۔ ”تھوڑی بات سمجھ کر آ رہی ہے۔ یہ اسپتال ہے منڈک جگہ ہے، یہاں ڈاکٹر شکر کا بہت نصاب ہے بلکہ ڈاکٹر شکر کا بہت۔۔۔۔۔۔“

اس کی بات کاٹ مٹی کی گئی، وہ رگ گیا اور کچھ وقت کے بعد جھل کے بولا۔ ”نہیں نہیں تمھیں ایسا کوئی تجربہ نہیں کرنا چاہیے۔ چاہے ایک لمبی جی کیوں نہ ہو اس وقت کسی کبھی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ ہماری یہ فراخ دلی کسی کیلئے اتنے کسی کیلئے حاکم کا سبب نہیں سکتی ہے۔ یہ تو وہی بات ہوئی تھی کہ نے تم مجھے منع کر رہے ہو۔ ہاں ہاں میں نے کہا تھا کہ مریض کے کمرے سے اسٹینڈنٹ کو بلا دیتا ہوں لیکن انھوں نے ہال یا اور کما کہ وہ خود مریض کو دیکھنا چاہتے ہیں۔“

فون بند کر کے اس نے آٹھ پھر وہ فون ہاتھوں سے چھپا لیا۔ چند لمحے وہ بول ہی جاتا تھا، کھوٹا کھوٹا میٹھا رہا، اس کیل کی طرح جس کی بہترین دہلیوں میں سے کوئی دہلی گم ہو گئی ہو جیسے کسی ایک ٹیل کی سرورہ گئی ہو۔ جھل اوپر وہ اس کی طرف دیکھتے تھے۔ یہ بھی خاموش بیٹھا سوچ رہا کہ اس سے کوئی بات کر لیں یا ان دونوں کو اٹھ جانے کا اشارہ دوں۔ اس نے نہیں بہت خطاب کیا تھا۔ وہ سب میرے سر میں ڈبک مار رہے تھے لیکن جانے کہ بول رہے تھے میں نے پہلے جیسے جھل نہیں تھی، اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ اپنے ارادے سے بانا گیا تھا اس کا سبب شاید وہ تھا۔ وہ بہت ایک مانو جوان تھا۔ ایسے لوگ کم نظر آتے ہیں۔ جھل اوپر میری خاموشی کی وجہ سے غصے سے بڑھتے تھے اور منتظر ہی تھے۔ میں نے اشارہ کیا تو فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے جان لیا تھا کہ اب وہ دیوار لاٹھل سے ہٹا کر اٹھنے پر ڈاکٹر جو کچھ پڑا اور کسی پر سیدھا جھک کر بولا۔ ”اس نے منع کر دیا۔“

اس کی آواز مچھلی جونی تھی۔ ”آپ لوگ اب صبح ہی آئے اسے کچھ کہیں۔“

”کوئی گمانشہ رہ گئی ہو تو ابھی ہم مجھ سے جاتے ہیں نہ چاہتے ہوئے بھی میری زبان سے نکل گیا۔“

”کیا مطلب؟“ وہ ترش ڈون سے بولا۔ ”میں نے پہلی مرتبہ اسے غائب کیا تھا۔ میرا لہجہ بھی اس کے لیے تدریک کا سبب بنا تھا حالانکہ میں نے انگریزی سے پہلوی کی تھی۔“

”مطلب یہ کہ ابھی ہم یہاں موجود ہیں۔ مجھے تمھارا خیال آ رہا ہے۔“

”میں نے جان بوجھ کے آپ نہیں کہا۔ تم نے اتنی زحمت اٹھائی اور۔۔۔۔۔۔“

”میں نے اپنے طور پر کوشش کی تھی پوری کوشش۔۔۔۔۔۔“

”اور ابھی کوشش، تم نے اپنی طرف سے شاید کوئی پہلو نہیں چھوڑا۔“

”میرے لفظ اسے محسوس ہوئے چاہیے تھے وہ بیٹھے بیٹھے تھوڑا۔“

گیا اور بے مقصد اور دھوکے دینے لگا۔ مجھے انوس ہے۔ " اچھا ہوا
 اُس نے کچھ اور نہیں کہا۔
 "تم نے اپنا توتلہ بھی برباد کیا، ہمارا بھی۔" اُس کی توتلہ حالت دیکھ کے
 مجھے نہ لگایا۔ نہایت سنے کی بات تھی۔ ہمارے منہ کرنے کے باوجود تم
 مریض کے کرے سے اسٹینڈنٹ کو ملا کے تصدیق کر سکتے تھے۔
 وہ ہنسا ہنسا گیا جیسے کسی کی جان نکل جائے کھلا ہوا منہ پٹی
 ہوئی آنکھیں۔ اُسے گویا یہ بھی قدرت نہیں رہی اُس کے بول میں
 جیش ہوئی مگر سبک کر دے گئے۔
 ہم پلٹ پڑے چند قدم چل کے ہم نے کمرے کا دروازہ عبور کیا
 اور پھر چلنے کے لیے بنے ہوئے سامان میں آگئے۔ آگے ہم نے تین چار گڑ کا
 فاصلہ طے کیا ہر گڑ کا اُس کی دشت زدہ آواز سانی دی وہ اندر سے پورا اندر چلا
 رہا تھا۔ ٹھیکے ٹھیکے۔ ٹھیک اور پھر دو دوں ٹھیک کے اندر سے اُس کی گھنٹی
 چاہی بھی سانی دیں پھر وہ اس باختر انداز میں دوڑنے پر نمودار ہوا۔
 "بڑا ہرانی تھوڑی دیر کے لیے اندر آئے۔" اُس نے غلام زادہ کہا۔ میں آپ سے
 درخواست کر رہا ہوں۔ وہ آدھی ہنڈستانی، آدھی انگریزی میں بولا۔
 مجھے پھل اور پھر کچھ جانے کا موقع نہیں ملا تھا اسکی وہ بہت کچھ
 از خود کھ چکے ہوں گے۔ انھیں کسی دوسرے مل کا انبار کرنے کے لیے میری
 طرف دیکھنا چاہیے تھا۔ میں نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا ڈاکٹر لپکا ہوا
 ہمارے قریب آگیا اور سامنے لیجے میں ہم سے وہی درخواست کی۔
 اندر کمرے میں جب تک ہم کمرے میں رہے پھر نہیں گئے وہ کھڑا رہا۔
 اتنی دیر میں اُس کے سپرے پر بیٹے کے ساتھ قطرے بھر آئے تھے۔ اُس
 نے میں بلاتا تو یا تھا لیکن اب اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا لیکن وہ
 ہماری صورتیں دیکھتا اور اپنے ہونٹ کا شمار بالیں اُس کی شکل چل کرنا
 چاہی۔ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے وہی آواز میں کہا "تین ہنڈستانی
 اُس نے اپنی آنکھیں میچھ لیں۔ مجھے اچھے لفظ نہیں مل رہے۔ اُس
 کی آواز سے بے جا دل دے بھی نمایاں تھی۔ میں آپ..... آپ سے۔۔۔
 "جانے دو بہتر ہے اب کچھ مدت دہراؤ۔ میں نے سکر لے کر گوش
 کی ایک جڑ پر بھی سی۔
 "میں آپ سے..... آپ سے اُس کی آواز ملتی ہیں اب لگتی۔
 "جو تم کہنا چاہتے ہو مجھے معلوم ہے اور جو بات مجھے معلوم ہے اُسے
 سننے سے کیا حاصل۔
 وہ مریض کے لگا اور خفا کی انداز میں بولا۔ مجھے بالکل خیال نہیں
 رہا..... میں کتنا خوش..... مجھے کچھ بھی ہوش نہیں رہا۔
 "میں اجازت دو وقت بہت ہو گیا ہے۔
 "میں آپ نہیں جانتی گئے آپ ایسے نہیں جانتی گئے۔"

"یقین کرو ہمیں کوئی شکایت نہیں ہے۔"
 "آپ بڑے آدمی ہیں۔"
 "میرے کچھ برا ضرور ہوں۔"
 "آپ ہر طرح بڑے ہیں۔ وہ دھڑکی آواز میں بولا۔ "میری
 نہیں کوئی غلطی نہیں۔۔۔۔۔"
 "تم کچھ غلط کر رہے ہو۔"
 "نہیں نہیں۔" اُس نے بے خدائی سے کہا۔ اس بار لپکا ہوا
 کوئی کتا بھی نہیں ہو رہی۔ اُسے ہنڈستانی میں لفظ نہیں ملے تو انگریزی
 بولا۔ اس بار سب پر لاؤدودہ سب پر اچتم و بد۔
 وہ نہیں لگا۔ وہ رے کہ اُس میں تامل سا اٹھا وہ کیسا عجیب و
 اُس کی جوتی میں نازیلی بھی تھی۔ وہ ابھی تک نہ مانی کر رہا تھا۔ ہم تیز چل کر
 کمرے کے لیے چلے گئے۔ میں نے مانا جاتا تھا پر منہ نہ کیا کہ ایک آدمی کا ہانا
 ہے۔ تین آدمی نظروں میں آگئے ہیں کراہی کے خلاف نڈی کرتی ہے
 ایک آدمی تک محدود ہے۔ ڈاکٹر کے لگا کر اسپتال کا ڈاکٹر ہونے کی شہرت
 اُسے بھی کچھ اعتبار سے بعد میں ڈاکٹر بنانے پر اُس کی تو وہ اس سے
 کرے گا وہ استغفار سے گے لیکن پڑا اور چل تیار نہیں ہوئے پھر
 وہ مریض کے چلنے کے لیے دوائے سے نکل گیا۔ جانے سے پہلے اُس نے زور
 ہلا کے ہاتھ پر تکی ہوئی کہ وہ ہمارے لیے کافی تیار کرے۔ اُس نے سنا ہی
 ہم انکار کرتے رہ گئے۔ میں خود کو آدھ کر رہا تھا کہ غلطی تھی میری
 کچھ سوال کرے گا مجھے اسے کتنا تانا بچا ہے لیکن وہ زبان بند کیے بیٹھا
 میں نے بھی خاموشی مناسب سمجھی۔
 "زس صاف شفاف برتنوں سے میری ٹرائی خود کے آبی تو
 کافی کے علاوہ کاجو، بسکٹ اور ماربل کی ٹھانی بھی تھی۔ اُس نے غصے سے
 سے ہمارے سامنے پیشیں اور چایاں نکالیں۔ ہم سے شکرا دودھ کے
 پوچھا۔ میں نے ڈاکٹر کے آئے تک بیٹھ بیٹھ کر کھائیں وہ کتنے لگی اُن کے
 پردہ تازہ کافی بنائے گی۔ کافی کی چنگیاں لیتے ہوئے پڑا ایک کچھ ہوا
 رہا۔ ابھی چھوڑا کیا ہے۔"
 "اچھا ہے۔ مجھے نہیں لگتی۔"
 "زس کے کمرے میں آئے کی وجہ سے وہ چپ ہو گیا۔ زس کی ذرا
 چلی گئی مگر وہ کم شرم بیٹھا رہا۔ میں نے بھی اسے نہیں دیکھا کہ اس کے شہر
 کیا جھوٹا کرنا جاتا تھا۔ زس کو دور درسی کافی بنانے کی ذمہ داری نہ تھی
 منٹ سے کچھ اور ہوئے ہوں کہ وہ دو دوں دوا لگائے۔ میں اور پھر ایک
 کمرے ہو گئے۔ پھل کے سپرے پر کچھ ٹوٹا ہوا شہر شہر تھا لیکن اس وقت
 ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ میں دور سے چل کے آ رہا ہو جیسے اتنی دیر میں
 بڑھا ہو گیا ہو۔ ڈاکٹر نے اپنے ہاتھ سے اُس کے لیے کافی بنائی تھی۔

ایک تھکے ہوئے آدمی کے مانند کافی پیا رہا۔ ڈاکٹر نے زنی دنا سستی سے
 اپنی نالائقی کو گوشہ نشین لگا رہا کہ وہ اور اُس کے ساتھی ڈاکٹر
 ہر وقت کانٹے پھر لڑھکیں گے حالانکہ غصے نے ہمارے سامنے اُس سے ایک
 لفظ نہیں کہا تھا۔
 "آپ بولے تو اپنی ابھی کسی اور اسپتال کو دیکھو۔ پھر پورے ڈاکٹر سے
 وہی بات کہی جو وہ پہلے غصے سے کہہ چکا تھا۔
 "میری رائے آپ کو بھی ہے تو میں آپ کو شہرہ نہیں دل گا۔ ڈاکٹر
 قتلے میں بولا۔ یہ رشتہ سارے ایک مکمل اسپتال ہے کہیں آپ آپریشن
 سے تو نہیں مبرا ہے۔ ہاتھ لکھیں گے آپریشن سے جانے کیوں اتنا خوف کھاتے
 ہیں ضرورت ہوتی ہے بھی کیا جاتا ہے۔ میں ولایت میں چار سال رہا ہوں۔
 دواں لوگ خوش خوش آپریشن کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔
 "اور دور ڈاکٹر کو بھی ولایت کا ہے۔"
 "ہاں یہ ٹھیک ہے مگر ڈاکٹر کسی طرح ولایت کے کسی بڑے ڈاکٹر
 سے نہیں ہیں۔ وہ ایک لکچرر ہیں ان کے ہاتھ میں جادو ہے۔ شاید
 ہی ان سے سمجھ کی کسی خواب ہوا جو۔
 کافی پیئے ہی چل آگیا۔ بڑے ڈاکٹر صاحب کو آپ بولی دینا
 لگا کچھ چاہتی کہنے سے پہلے ہم سے پوچھ لیں۔ فہم نے خدی سے کہا۔ اور
 بلایا۔ ہم اُس کے لیے اپنے کچھ بھیج سکتے ہیں۔
 "جی جی۔ ڈاکٹر مستعدی سے بولا۔ ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔"
 وہ نہیں اسپتال کے بڑی دوائے تک پہنچنے آیا۔ رخصت ہونے
 سے پہلے اُس نے میرا دھنسل سے زور زور سے ہاتھ لایا اور جب یہ سکر
 سامنے آیا تو ہاتھ چلا دیے۔ میں نے بھی ہاتھ زور دیا۔ تم سے مل کے خوشی
 ہوئی۔ میں نے زبانی سے کہا۔ اور دوبار ملنے کی تجویز ہے۔
 "آپ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ آند دھکی سے بولا۔
 "میں کچھ کہہ رہا ہوں۔"
 "آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔"
 "میں ایسا بات سمجھو میرے ذہن میں دودھ و دھنسا کر لیا کوئی حاصل
 نہیں ہے۔ تم میری دل کشی ہے جو شخص کی کوئی خوبی ہو اُس کی دل کشی
 کا سبب ہوتی ہے۔ تم میری بہت سی باتوں کے علاوہ ذہل سننے کی ایک
 جرات بھی موجود ہے اور میں نہیں لوگ کہنے میں کہ بہت بڑی خوبی ہے۔
 کہاں آدھ بچوں کی طرح چل کے بولا۔ ہمیں برائیت نہیں ہے
 بلکہ ان میں نے ظاہر ہو گیا۔ اس کے بغیر غریبے کا ہے۔"
 "برائیت تجربے سے آتی ہے اور تجربہ..... میں نے سکر لے لیا۔
 "میرے آگے۔" اُس نے میری بات کو مکمل کرنا چاہا۔
 "ضرورت میں تجربہ تو زندگی کے سلوک سے آتا ہے کہ وہ کس سلوک کرتی

ہے اور زندگی بڑھنے سے آتا ہے کہ آپ کس طرح اسے بڑھتے ہیں مگر کبھی بھی ایسا
 بھی ہوتا ہے کہ زندگی کس کس میں کچھ ہوتا ہے۔ نہ آپ کے بس میں۔ جانے کیے
 میری زبان یہ لفظ رشتہ دہی رھے خود بھی جرت تھی۔ وہ تو اتنا بڑا مکمل
 اور پھر مجھ سے کچھ فاصلہ پر کھڑے تھے۔ تو تو رہتے۔ ڈاکٹر نے ہاتھ مالک
 میں آگے چلا آیا۔
 "وہ جیسے پیچھے پیچھے آگیا۔ میں آپ سے دوبارہ مل سکتا ہوں؟"
 "ہاں ہاں کیوں نہیں۔"
 "مجھے اپنا توتلہ دے دیجیے۔"
 "مگر کمرہ ابھی تو یہاں آتے ہی رہیں گے۔ میں نے سمجھتے ہوئے کہا
 پھر اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور دوا کرنا تین تیز قدموں سے چل اور پھر
 کی جانب چل پڑا۔
 "تک ہم ہیدل چلتے رہے۔ چوک کی گڑی میں سامنے باؤنچ
 لیے تھے۔ دھڑکن پر ہر طرف سنا جاتا تھا۔ میں نے ٹم ٹم روک لی تھی لیکن
 وہ باہر کھڑے اچھے تھے۔ وہ غلط سمتوں میں جانا چاہتے تھے۔ پھر دھڑکن
 چلنے کو کچھ رہا تھا کہ سب ہماری راہ کو کھول گئے۔ ہول گئے اور قیامت کائنات
 پر خوش ہوئے۔ میں جانا ہوں گے۔ خصوصاً مولوی اکرم کے دل میں تو طرح طرح کے
 دوسرے اٹھ رہے ہوں گے۔ فرخ، فریال، دیر و رات ہر مہینہ میں بائیں کی پڑ
 غلام نہیں کہہ رہا تھا کہ اسے خود بھی تو اپنے گھر جانا تھا اور پائے جہاں اس کے
 انتقاریں ان گنت لوگ بیٹھے ہوں گے۔ بیٹی کے باڈوں کے ان گنت ادا۔
 امانی کی زبان میں پاؤں کے رتی تولا نے کی خبر سن کے اُس نے پہلے وہیں
 جانے کا ارادہ کیا تھا۔ اُس نے دو آدمیوں کو بھی دیکھا تھا جو جہاد سے
 ہماری نگرانی کر رہے تھے اور امانی کے بیان کے مطابق پڑھنے کے بائیں پر موجود
 تھے۔ بالے بھی وہاں بیٹھ گیا ہو گا۔ فہم نے مجھ سے کہا کہ میں ایسا لگا کر واپس
 چلا جاؤں وہ اور پھر پائے کی طرف چلے جاتے ہیں۔ میں نے ک۔ نکار
 کر دیا۔ تم والا منتظر تھا۔ فہم نے سوار ہوتے ہی اُس سے بانی ہو کر۔
 چلنے کو کہا۔ بانی کا کہ اُس آؤں کی طرف جہاں کبھی ہر پڑا تھا۔ عکراتی
 کرنا تھا اور کڑی شامی کے لیے مجھے اُس کے پاس میں نقب لگانی پڑی تھی۔
 متان کی ساری ساری رات ختم ہو گئی تھی جس رات اُس کے ہاتھوں میں ہتھ
 کوڑی پڑی تھی اُس کے بعد وہ منتظر نہیں سکا۔ بانی کا کہنے کے پاس پر کسی اور
 نے جھجھکیا۔ پڑنے جب تیراوی اور اُس کے حاشیہ پر ڈالوں گا نام و
 نشان مٹاؤ بانی کا کہنا تھا ابھی اُس کے پاس آگیا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ اب
 وہاں کون سا دانا مان تھا۔
 وہی حمارت تھی جس کا ایک ایک گوشہ رکھنا ہوا تھا۔ ٹم ٹم میں
 وہاں سے کسے رکھائی گئی۔ دروازہ بند تھا اور ایک آدمی چوڑے پر بیٹھا

”ابن جانا ہے اور جی تو اپن لوٹ کے گیا۔“ پیر نے نس کے کہا۔
 ”بچو لو ابھی کیسے ہے؟“
 ”ایک مہر آں راشٹ شاری جنک کے ولی۔ بر فورٹ نانت اپن
 اس کو نو پنا دیکھنے کو جانا ہے۔ دونوں اور دست پہی ہے۔ پرواوا اپن جوتا
 ہے کیا ہے؟ تھوڑا لڑکھ لڑکھ اپن کو پہانے بھی کہ نہیں۔“
 ”نہ پچانے سالار ہے گا تو شک۔“ پیر نے بے پروائی سے کہا اور لی
 کے چرسے نظر پر جالتے ہوئے بولا۔ ”پر تم ابھی کیسے ہے؟ رنگ تھوڑا کالا
 کر لیا ہے؟“
 ”ابھی اور کالا ہو چلے گا داوا! ماری کی آواز بد لگتی۔“ ابھی کیسا
 دیکھتا ہے۔ اتنا کالا ہو چلے گا کہ ابھی نظر بھی نہیں آئے گا۔“
 ”ایسا کیا بات ہے ماری؟ پیر نے زری سے پوچھا۔
 ”بات کیا ہوئے گا داوا! ماری نے سر جھکا لیا۔ اس کی آواز بھی
 نہیں چرو بھی گزرتے تھے۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس احساس ہوا کہ وہ
 ابھی تک اندھ کھڑی ہے اس نے گلے میں پڑی ہوئی ڈوری کھینچ کے لپرن
 اندری اور جھٹ کا ڈنڈہ جھٹکے بار آئی۔ وہ لیے تھوڑا توازن بدن
 کی حالت تھی اسکرٹ پہنے ہوئے۔ بال میں سچی لوگ ابھی تک کھڑے تھے۔
 ماری نے کہتے ہوئے ان سے بیٹھ جانے کو کہا اور دیریں کچھ کھانے لگی جاتا
 نہیں ابھی کوئی تھا باپ آئیے۔“ اس نے ان سے سامنے کی بڑھتی
 کرنے اور کچھ سے سبک سبب اٹھانے کو کہا۔ ”ابھی ایدر اپن کے پاں لاتی
 بھی ہے۔“ ماری نے اٹھ کر اٹھری سانسوں کے درمیان پیر سے پوچھا۔ ”جو کر
 چلے گا کر لاکتا ہے؟“
 ”پیر نے اسے منہ کیا کہ وہ زیادہ دیر کے لیے نہیں آیا۔
 ”ایسا کیا سوچ رہا ہے؟ ماری نے گواہی سے بولی۔ اتنے دن بعد کیا
 ہے اور ایدر تو بھلا دھڑ۔ تھوڑا کھائی کے جانے لاپے۔“ اپن کیا بولے اپن
 کو تھا اور کیا انتظار تھا۔ اور پاڑے کا لوگ باگ بولا ہوا اپن اور دو
 دفعہ پائے کا لطف بھی گیا تھا۔
 ”پیر نے اسے بتایا کہ ابھی وہ اپنے پاڑے کی طرف گیا ہی نہیں۔
 ”پائے نہیں گیا سبھا ایدر کو لیا ہے۔“
 ”ہاں ابھی مجھ سے ہا ایدر کی آواز ہے۔“ پیر نے پاٹ لیجوں کہا۔
 ”اپن کو جارجی سے تھوڑا کام ہے۔ کیسے وہ ہے؟“
 ”کون سا۔ جی؟“ ماری ہونٹ کھڑکے بولی۔
 ”کیا بولتا ہے؟“ پیر نے ترشی سے کہا۔
 ”ابھی جارجی کو کم پوچھنے آیا ہے وہ ایدر نہیں ہے۔ لہذا دوسرا
 جارجی ہے۔“
 ”پیر نے ایک لمبی چٹکری بھری۔

”جس جارجی کو تم نے اپن کا ہاتھ دیا تھا وہ ابھی کیسے ہے۔“
 ہو گیا داوا! ماری کی آواز ٹوٹنے لگی۔
 ”ابن جھٹا ہے ماری اپن خوب جھٹا ہے دا ابھی اسی لیا
 پیر نے پھر ہی ماری کی آواز میں کہا۔ ابھی کیسے ہے وہ؟“
 ”ایدر سی ہے۔“
 ”ایدر کیسے؟“
 ”ایدر کسی دنیا میں انعام پڑا جو گا سالار۔“
 ”جا کے اس کو بولنے، اپن اس کو دیکھنے کا ہے ابھی کیا
 کر نکل آئیے؟“
 ”پیر نے تو لیں گلاس، بیٹھا جو گوشت اور نمک پین
 کیا میرے رکھ دیا۔“
 ”پیر کا ہاتھ بچو کے ماری کو کسی پر بیٹھنے کے لیے مار کرنا
 ”اپن کو ملدی ہے ماری، اس کو جا کے بولنے کے کہ داوا آئیے ہے۔“
 ”شہر لیجے میں کہا۔“
 ”ابھی کس کو بولے داوا! ماری کے جوتوں پر سچی سکر لپٹا ہوا
 ”وہ دو دنیاں لے کے اندر کوٹھری میں بند پڑا ہے۔“
 ”دو دنیاں لے کے؟“
 ”دوسرے ابھی بائی ٹانگ ہے داوا، دونوں کا شہر ہوتا
 ماری رو ہانسی ہو گئی۔
 ”اور تو ایدر کاٹے کو بیٹھا ہے؟“
 ”اپن تو بولتا ہو گیا۔“ دونوں بائی میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے دا
 ہنسنے پر ایک لاشہ بھٹتا ہے ایک کا اترا ہے۔“
 ”وہ تیرا سانس بچھ کر کی لوگ کو لے جائے اور تو دیکھتا پڑا ہے
 ابھی گیدڑ کا اولاد کب سے ہو گیا؟“
 ”ماری کے ہونٹ پر چڑھنے لگے۔“ اپن کا نام نکل گیا داوا۔
 ”نام کاتات ہوتا ہے۔ وہ ڈوبے ہئے لیجے میں گئے گی کہ جارجی اترا
 آگے رکھا کہ وہ دیکھتی رہ گئی۔ اس نے جارجی کو بلانے اور اس کے ما
 کی بہت کوشش کی مگر وہ بالکل ”اپن ابھی کیا کرتا۔“ وہ گزرتا آوا
 بولی۔ ”اپن جارجی داوا کو جانتا تھا جارجی سیدھ کوئیں بھڑا جارجی کا
 جانتا تھا۔“
 ”ابھی بھڑا ابھی کی گداہ پیر چوک کے بولا۔
 ”ایدر بھڑ کیا دیکھتا پڑا ہے۔“ ماری نے ہنسنے سے بولی۔ ”ایک
 کبڑی لوگ بیٹھا ہے۔ بہت سا کوٹھری میں بند ہے اور بہت سا لپٹا
 کے ساتھ ان کے ٹھکانے پر چلا گیا ہے۔ کھانا اچھا لگا رہا ہے۔ جانا
 ابھی فارکس ڈٹے کئی کبڑی لوگ اٹھ کے ایدر آندہ باز نہا کے بن گیا

پیر نے جھڑکی لوگ اگے۔ جارجی پہلے ان کا لڑائی کرتا ہے پھر ایدر دھندا
 لے کر اٹھتا ہے۔“
 ”پیر نے اس کے ہاتھ سے اظہار جھٹکا ہوتا تھا۔ ابھی جارجی ایسا تھا،
 لڑنے کے کیا بن گیا ماری؟“
 ”ماری پہلے اپنے آندو رک لک ٹوٹی ہوئی آواز میں تیلنے لگی کہ کچھ
 پانچ ایک پشٹے والے کی موت پر جارجی کو لگیا تھا۔ اس پندہ وز قیام کے بعد
 دین کا لڑا ناکل بھلا ہوا تھا لیکن ماری نے حوصلہ افزائی میں کی چند مہینے بعد
 دلی کو پھری گیا پیر اس دوران بھی نہیں تھا۔ ماری نے اس کے پاڑے
 پہنچ گیا لیکن نام کام داپس آئی کوئی پرکارتہ بھی اسے نہ تھا۔ اس
 پائے پر کے ہائے میں طرح طرح کی افواہیں بھی سن کر ہی قیاس اُن
 میں سے ایک سے بھی کی کہ پیر کو ختم کر کے ابھی اس کے پاڑے پر قابض ہو چکا
 ہے یا پیر کیسں لالچا ہے اور ابھی اس کی موت کو کھیا رہا ہے۔ کسی کو یقین
 نہیں آتا تھا کہ پیر بہت سوں سے کہہ نہ کہے گیا ہے۔ ابھی تو پیر افواہیں
 دیکھیں کہ لاپس ہو سکا۔ شہر کے پاڑوں پر اپنی گرفت مضبوط رکھ سکا۔ گو
 ابھی کیسے مرنے پاڑوں نے جتنا دیر کرنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن دوسروں
 پر بھی ابھی کا اثر کم ہوتا تھا۔ اس کی بڑھتی ہوئی تھا۔ اس کی ناچیز پر کاری
 مزاج کی تری لوگ اس سے خارج کیا کھاتے تھے کہ پیر کو اپنے اتنے بڑے
 پائے کی عزت کیسے ہے ابھی ہی کیوں نظر آتا؟“ جیروہ و جیروہ۔
 جارجی نے دلی کو روک لیا اور اس کی مدد سے اس نے سستے اہل
 پر جرم مال کی یہاں علاقے میں پہلے سے شراب کی بوتلیں کا کام کر رہی تھیں
 اور ہر سال پڑھنے کی وجہ سے زیادہ دلکش اور مضبوط تھی۔ دلی کے کھڑکیاں
 فاس طرز سے بنائیں تاکہ ایک تو پیر کی نفروں سے اوچل رہیں دوسرے
 ٹھیکہ چاہے والوں کو دوزخ بنانا پڑے۔ پیرس چھاپے کی کھوت میں فزاکے
 گئی تھیں اسے اور پیرس آئے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ جارجی نے ہر طرف کا خیال
 لکھا تھا کہ اپنے پہلے کی شرمشگ کیا گیا تھا۔ دینے میں سب کچھ تیار ہو گیا اور
 جیروہ کی غافل غرض نہیں ہوا جارجی کو اندازہ نہیں تھا کہ دلی نے اس
 کے لیے سولے کا رشت لگا دیا ہے۔ دلی نے ہر طرح کے رخ بھی فوٹے کے
 اور ابھی دلی کے شہر سے پیر جارجی نے شہر کے مشرق مغرب اور اتر جنوب کے اس
 مشرق کے میں تین تین کر دیے۔ بائی ٹانگا اور اندھری کے داڑوں کو بھی
 اسی نے دھڑا لیا اور ہر دے کا پائے سے بائیں شرمشگ کر لے میں پیر بھی اسی نے
 لکھا ابھی نے جانے کیا سڑی کے ہر بات دوزخ کر دی۔ اس سے جارجی
 اندھری ہو گیا کئی مہینوں ماری نے ایک بوی کی حیثیت سے اسے باز رکھنے
 کو کوشش کی لیکن جیسے جیسے جارجی بھڑا ہوتا ماری چھوٹی ہوتی جارجی
 ماری اس نے اپنے دونوں چوں کو نوک کے پیرس میں داخل کر دیا تھا۔ ان

کے لیے اسے ہیوں کی مروت تھی۔ اور اندھری کے خوف سے ماری کے
 ہر قول اور اپنے شہر کا پھینا کرتے کہ یہاں تک آگئی اور اب کا ڈنڈہ پیرس
 قرار ہوں کے لیے جانے بانی ہے اور کجروں کی لپکا کا صاحب رکھتی ہے جارجی
 کے متین کے ہونے داوا یہاں آنے والوں کو لیے قابو۔ دے سے دے کھتے
 ہیں۔ جارجی کی دیکھا دیکھی باندے کے اندھری بھی ایک جگہ کھانا چاہی
 تھی لیکن جارجی کے زعفریٹوں نے شرمشگ ہی میں سب کچھ ترس خس کر دیا۔
 جارجی اب قلابے کے پائے میں دن کے قوت میں پیرس ختم کرنے کے لیے بیٹھا
 ہے اور تیسرے چھتے دن علاقے کا چکر لگتا ہے، اس نے ایک پرانی موٹریڈ
 لی ہے۔ دوزخا کوہ یہاں آجائے اور ہتیار جتا ہے۔ رات گئے کسی بھی کٹھری
 میں جا کے ڈوب جاتا ہے اور کیا نہیں ماری بتا رہی تھی کہ تفریق دوزخا
 یہی معمول ہے۔
 ”پر سب تیر کھوٹ ہے ماری،“ پیر بھائی ہوئی آواز میں بولا۔
 ”بھول گیا۔“ اپن نے چھوٹا شادی میں ابھی کیا پیر دیا تھا؟“
 ”اپن نے بھٹال کے کھا ہے۔“
 ”ابھی کاتے کو دیا تھا، ایسا کیا کر کے کو؟“ رنگ لگنے کوئیں آؤ
 ابھی اس حرامی کا کھانہ کیوں تین نکال باہر کیا؟“
 ”پر دو پچھرا بھی تم نے نہیں دیا تھا۔“
 ”پر دو پچھرا دے کہ گداہ کون سا کوٹھری میں ہے ابھی وہ کیا کھانا؟“
 اس نے آئیں آواز میں پوچھا۔
 ”ماری نے دیدہ ڈوریدہ لگا ہوں سے ایک کوٹھری کی طرف اشارہ کیا۔
 پیر دوزخا کر سی سے اٹھ گیا اور ماری نے جس کوٹھری کی نشان دہی کی
 تھی تیرے دونوں سے اس کی جانب بڑھا۔ ماری چلانے لگی۔ تین دوا نہیں
 ان کاتات سوا ابھی پیام نہیں۔ ابھی تم ایدر گیا ہے تو اپن کو ابھی کوئی
 فکر نہیں ہے۔“
 ”پیر نے تو تیریں ہی لیکن ماری نے جگہ کے اس کا گڑباڑ دیا اور
 گھنٹوں کے بل زمین پر بیٹھ کے توجہ کئی آواز میں بولی۔ ”پیام ٹھیک نہیں
 ہے داوا! ابھی بہت نام آئے گا۔“
 ”ہٹ جانا ماری، اپن تیرا تین ابھی اپنا حساب کے لیے لکھتا ہے تیر تو
 بعد میں چٹکا کرے گا۔“
 ”ابھی تو اس سے بات بھی نہیں ہونے کا داوا! وہ شام سے پی رہا ہے۔“
 ”اپن دیکھ لیتا ہے پر تو ایدر سے ہٹ جا۔“ پیر نے اس کا بازو پکڑ
 کے ایک طرف مڑا دیا، ماری نے چلنے لگی۔ ابھی زیادہ نظر کیا تو اپن پہلے
 جھکو۔۔۔ پیر نے جھٹکا کے کہا۔
 ”آئی ہیں چار ڈوری کوٹھری کے گرد بیٹھے گئے۔ ان کے تیر دھیک

98

ابن ابی حاتم کا ہے۔ بڑے کھڑی آواز میں کہا اور جی کہتے
 نیچے آیا۔ سب دیکھتے رہ گئے۔ فہل بھی کسماتے ہوئے اٹھا کوئی شخص بیٹھا نہ
 رہا۔ کاپر کا رخ بڑی روانی کے ساتھ نہیں تھا۔ اس نے فہل کے آنے

ان میں سے ایک نئی کمی آوازیں ہولاکہ انہیں کچھ معلوم ہو تو وہ بتائیں
 مجھا آؤ کہ وہ بات کا اعتراف کریں، کس شخص کا نام ہے؟
 جس آدمی کے ہاتھ میں سزا تھا پڑنے سے اسے اشارہ کرنا انھوں نے بھی
 دیکھ لیا، ایک نام ڈانے، گروڈانے لگے اور دونوں ایک ساتھ فریاد کر کے بہہ پڑے
 دوڑے انھوں نے فریادیں سن کر ریزہ ریزہ ہو کر گریہ کرنے لگے اور خدا کو براہ

اشارہ کیا تھا شاید یہ کوئی تیسرے شخص کا تھا۔ اب جاننے
مرکز کے انداز میں تہذیب کی توجہ سے غنت بھی ہوتی تھی اس سے بات نکل جانے
کا کچھ تاوان ہو رہا تھا۔ اب اس وقت جنگ بھول اور شیریں لے کے آگیا
تھا۔ دینے ہی تو بھولوں اور کاتوں کے اندر دوتے ہیں معلوم ہوتا تھا، پھر دوتے
اُس رات کی ذہنی استراحت کا کام لے کر بچے کے ہاتھ سے کھڑا ہوا تھا۔ اب
شخصت جنگ کی کوئی گڑھ اُس کی نگاہ میں نہیں پڑی تھی جو اب اُس کا چہرہ
جل رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں مل رہی تھیں۔ مجھے اب مشت سی ہو رہی تھی۔ میں
نے خود کو بہت دکھانا چاہا لیکن آخر کھڑا ہوا۔ اس میں میرے راز کے کو اتنا
داخل نہیں تھا۔

”کیڈ! ابھی کد کو راجا؟ پھر پوچھو کہ کد بولا۔“

”کیڈ نہیں اس لیے۔“ میں نے بھری ہوئی آواز میں کہا۔ میں نے بچے بٹھا
ہوں۔ اُس کے کھکنے سے پہلے میں تیز دھڑکنے سے لینے میں داخل ہو گیا۔ کسی
نے مجھے مجھے آواز نہیں دی۔

بچے صحن اور دالان میں لوگوں کی تعداد اور ڈھنگی تھی میں نے
کسی اور طرف نکل جا چاہا لیکن کوئی ایسا راستہ نہیں تھا جہاں میں لان کی
ظہور میں نہ آتا۔ میں دروازہ بند کر کے وہیں کمرے میں بیٹھ گیا۔ وہ دونوں بچے
نہیں آئے۔ جانے اب وہ ان سے کیا ملنے کے خواہش مند تھے۔ میرا کون سی
پہلی ہوجنا رہ گیا تھا تاہم میں اُن کے انتظار میں رہیں۔ بیٹھا رہا مجھے تنہائی سے
بچان میں بھی کسی آدمی کسی خود اپنی ذات کے لیے بھی جی ہو جاتا ہے۔ لگتا ہے
یہ اپنا چہرہ اپنا ہم نہیں ہے۔ یہ اپنی آنکھیں نہیں ہیں کبھی سب کچھ پھر سنا
لگتا ہے۔ اپنا آپا کیا بھی۔

مجھے نیچے آئے اور کمرے میں خود کو جو کس کے دس ہندومنٹ سے
زیادہ نہیں ملے ہوں گے کہ کمرے کے پاس شور سامانی دیا میں نے جتنی دیر
میں اٹھ کے دروازہ کھولا، اندر کسی نے دستک دی۔ ذرا اچھٹا، منگو جرو اور
شام کے درمیان میرے سامنے لڑی لڑا تھا۔ سوچی آنکھیں ہونٹوں پر پڑی
تھی۔ ہوتی صاف نظر آ رہا تھا کہ رات میں میری سوسکا ہے۔ اُس کی چال کیلکے کیرا
دل بڑی طرح دھڑکنے لگا۔ حیرت تو ہے۔ میں اُس کا بازو پکڑ کے اندر لے آیا۔
”ابھی دادا آتا دیکھ رہے؟“ وہ اضطراب سے لہجے میں بولا۔

”اور میں گھر آیا کیا ہے؟“
”اُس کو پوچھو اور ابھی ہسپتال چلے کانتے بھائی نے اُس کی آواز مٹھنے
لگی۔ ابھی پڑا ڈاکٹر دیکھنے کو آیا تھا۔ بول رہا ہے آج ہی آپریشن کرنے کا ہے۔“
”آج ہی؟“
”ہاں، ابھی سویرے تھا۔ رائے انتظار کر رہا تھا کہ ابھی نہیں آیا۔ منگو باڑو
بھی ایڈمیٹ ہو گیا۔ تیار ہو کر نہیں جاتے۔ ابھی نہیں آیا۔ اپنا بستر شہر لے کر

بول کے موٹیں بھاگا اور آیا ہے۔ آسا کو بولا، ابھی چل رہا ہے تو بھاری
اپن کو بھاری لڑنے کا ہے۔“

میں نے سچے زبانی کا رخ کیا۔ وہ بھی اُن دنوں کو کمرے پر
میں نے لائی کے آنے کی اطلاع دی تو فصل مزید کچھ پوچھے بغیر اٹھ گیا۔ پڑ
ہمارے پیچھے آگیا۔ ہم کمرے سے نکل کے جیسے ہی صحن میں آئے لوگوں
میں گھیر لیا۔ ہماری تو کبھی باتیں تھی پڑ کے اُنھیں اُنھیں دو گزر کر کے
بڑھ جانا خاما دو شوار تھا، وہ اُس کی انتظار میں بیٹھے تھے۔ جو کہ کے پاس
بانی کلا کا دادا دانی بھی وہاں بیٹھا نظر آیا۔ اس سے پہلے کہ پیرا داس کے پاس
پہنچا۔ وہ اٹھ کے کھڑا ہو گیا۔ اُس کا یاں آنا اور وقت سے پہلے آنا دانی
کی انصافیت کا ثبوت تھا۔ اُس کے چہرے پر بھی عجوبی کھی جی پڑنے پر
کے سلام کا جواب دیا اور ابھی کو اُس کی جانب اشارہ کر کے اُن کے بڑھ گیا۔ وہ
دراڑے سے دھڑکا کہ اُس طرف کھنچے میں بیٹھا ہوا تھا کہ دادا جارجی اُس
راستے کی دیوار میں کھڑا ہو گیا۔ جارجی کو کچھ کے کمرے پر بھی اُٹھ گیا۔ وہ
سے بہت بدلا ہوا تھا۔ ابھی حال میں ہے نا؟ پڑنے پر تھی سے کہا۔

جارجی بڑے بڑے بچکن چاہتا تھا کہ گھر پر لے اُس کے شانے پڑ
اور تپا اُس پر ایک نظر ڈالتا ہوا بولا۔ ”ابن کو ابھی بھی خود اپنا لگا لگا
”میں دادا! نہیں۔ جارجی صبر ہو گیا۔“

”لگتا ہے دادا ابھی خون میں مل گیا ہے۔“ پڑنے نے بڑے بڑے دھڑکے
پڑھیکے۔ ابھی اُٹھ گیا۔ وہ اُن کے انتظار میں تھا۔ ابھی اُن کے انتظار میں تھا۔
آواز میں غصے کی لڑائی نمایاں تھی۔

جارجی کی نگاہیں جھجک گئیں۔ پڑنے اُسے ہر بات کی کڑج تک
دائیں آجائے ہماری ہیں پائے پر مار رہے۔ جارجی بت کے اندر سنا
پڑنے اُس سے مزید باتیں کی، دروازے کی طرف چل پڑا۔ باہر کھڑے
نے اُس سے کہا کہ پائے میں اُس کے لیے لائے لوگ بیٹھے ہیں وہ اپنے گھر
نہیں گیا ہے۔ کچھ دیر یہاں بٹھ کر کے اب دھڑک چلا جائے اور میں ہر دو رات
ابا جان کے گھر آجائے درخت میں ہم اُسے آبی جانے گے لیکن پڑنے نے
ساتھ جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ ہسپتال کی موزوں دانے کے پاس ہی کھڑی
وہ جانے بیٹھے ہی چل پڑی۔ مرکز پر بہت بھیر تھی۔ موٹری رفتار تھی۔
ہو جاتی کبھی سست۔

ہم ہسپتال پہنچے تو بارہ بج رہے تھے۔ ہسپتال کا وقت ختم ہو
مڑنے والوں کے خصوصی وارڈ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہاں رات دلا رہا
نہیں ہو گا کہ ابھی ایک آدمی مارڈی مارڈا جا سکتا تھا۔ رات کی طرف بڑھ
سے پھر کرنا پڑتی لہذا بھلنے نے ڈرائیو سے ہسپتال کے پچھلے حصے کی
لے پہلے کو کہا۔ اس وقت رات دلائے نوجوان ڈاکٹر کے ملنے کی توقع نہیں تھی
یہی تھا کہ ہم براہ راست ڈاکٹر شہر سے ملنے کی کوشش کریں۔ موڑتے

ہسپتال کی ہر بات میں داخل ہو گئے۔ ہمارے نوجوان ڈاکٹر کے کمرے کی طرف
آگیا۔ تو وہ دل کی پائے کر کے کہہ رہی وہ بہت گھبرا ہوا تھا۔ آپ
پہنچے۔ وہ نے جانی سے ہماری طرف لپکا۔ میں اُس کا خطرہ تھا۔
مجھے اتنے ہی تھی کہ اس وقت تم سے ملاقات ہو جائے گی۔ ہماری ڈیوٹی تو
ان کو تھی۔ میں نے غصا نہیں کیا۔ میں کچھ دیر ہو گئی۔
مجھے یقین تھا کہ اب کبھی میں شیک اٹھ بچے یہاں پہنچ جائیں گے۔ وہ
فائنٹی سے بولا۔ میں نے اُس کے انتظار میں رک گیا۔
تم نے بڑی زہت کی۔ میں نے بی زبان سے کہا۔ لیکن سب شیک
تو ہے ڈاکٹر۔“

ڈاکٹر مارٹین کی تیاری کر رہے ہیں۔
رات ہم کیا بولا تھا۔ ڈاکٹر! بھلنے نے ایک سٹے اُس کے تخی سے کہا۔
میں نے ڈاکٹر شہر کو بتایا تھا۔ اُنھوں نے آپ کا انتظار کیا۔ ریوٹس کی
مال ابھی نہیں تھی کہ زیادہ وقت بر باد کیا جاتا۔ وہ نرمی سے بولا۔ آپ ہوتے
نہیں بھی فیصلہ کرتے۔
”کمرے پر ڈاکٹر صاحب۔“
”وہ آپ کی منتظر ہیں۔“
”اُس کو بولا۔ ہم کو تیرا چھٹی نہیں کرنی۔“
”آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“
”جو ہم بول رہے ہیں ابھی اُس کو ابھی ہمارے بول دو۔“ بھلنے نے
”لوگ آواز میں کہا۔ ہم پہلے ہی مت بولا تھا۔“

”آپریشن کی ضرورت ہے جناب۔“ وہ شکایتی لہجے میں بولا۔ آپ
بھوکوں میں ہے۔ رات وہ بے ہوش پڑا ہے۔ میں اُسے مسلسل بھگتا
دہاؤں اُس کی حالت دیکھ کے ہی میں گھبریں گیا۔ یہاں تمام ڈاکٹروں کی
بھی رائے ہے۔
”ہلانی نہیں ہے۔“
”آپ اس قدر کیوں گھبر رہے ہیں جو صدمہ رکھتے۔“
”اُس کی اُس کے حال پر چھوڑ دو ڈاکٹر۔“
”بھیکے۔“ ڈاکٹر اضطراب سے بولا۔ ہم لوگ کوئی اور طریقہ نہ دیکھ
کے ہو۔ ہر قدر اٹھاتے ہیں۔ ریوٹس کی صفائی کے لیے اُسے جلد چھانکے گئے۔
”یادہ بات مت کرو۔“ بھلنے نے اُگاری سے کہا۔ بڑے ڈاکٹر صاحب
لوہا کے بال دھڑک رہے تھے۔ میں نے جی نہیں چاہا۔ ہم کا فائدہ ہر دستہ میں کیے۔
”کافہ ہر دستہ شیک کے جانے ہیں۔“
”کس نے اس کیے؟“ بھلنے نے ہر کس کے کہا۔
”لوہا کے ساتھ موجود ڈیڈی ایشنڈرٹ نے۔“ اُس کی مارڈ شہر پارہ
ملی ذات مارڈی کے ساتھ وہی کانتے کے کمرے میں ابھی تھی۔

”وہ وہ کون ہے۔ دست خط ہم کریں گے۔“
”ڈیڈی نے خود کو ریل کاغذ بتایا تھا۔“
”ابھی دوسرے روز منع ہوتا ہے۔“
”ابساک ہوتا ہے جناب۔“ نوجوان ڈاکٹر کے لیے میں تندی ہو جاتی
پہلے تھی۔ میں آپسے بچتا رہتا ہوں۔ آپ دوسرے کام لیے سب شیک
ہو جائے گا۔ اب وقت گزر گیا ہے۔ ریوٹس کو کمرے سے لے جایا جا چکا ہے۔ صحن
ہے ڈاکٹر شہر لے گیا۔ ہم شہر میں کمرے کی کڑا ہو۔
”نہیں۔“ بھلنے نے چھٹی ہی آواز میں کہا۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا، ہم کو
ابھی اُس کے پاس لے جانا ابھی اسی وقت۔۔۔۔۔
”میں نے آپ سے کہا کہ وہ آپریشن نہیں ہیں۔“
”وہ کیوں بھی ہوا اُس کو کمرے کے دکھ دو۔“
”اسی کیا بات ہے؟“ ڈاکٹر بھگتا ہے۔ بول کر آپ لوگ ریوٹس کو لپکا
کیوں لائے تھے۔ ہم کمرے کے دشمن نہیں ہیں۔ یہ ہسپتال ہے جناب۔“
”ابھی آواز دہری کھو ڈاکٹر۔“

ڈاکٹر کے چہرے پر ایک رنگ آگے گڑ گیا۔ اُس نے ملائت سے
کھنے کی کوشش کی۔ ”مرد آپ کو کبھی کسی آپریشن سے مت تجربہ ہوئے۔“
ابھی ایسا ہی سمجھ۔ بھلنے صحن سے بھلنے بھلے بولا۔
”ضروری نہیں کہ دروازہ بھی ہی پڑے ہو۔“
”تم نہیں جانتے۔“ بھلنے کی جانتی ہوئی آواز میں کوئی دھڑکی شامل تھا۔
”بھوکو ہم کو کھادی چڑھا دی رات میں آتی۔“
”ادہ۔“ وہ ڈاکٹر شہر کے بولا۔ ”مگر آپ کا ہم ہی ہے نا۔ ہم دن میں
کئی آپریشن کرتے ہیں کبھی ہمارا ایک آدھ کس میں ملوئی البتہ ہو جاتی ہے۔
آپ اطمینان کیوں یہاں آپ کا ریل میں زیادہ محفوظ اُنھوں میں ہے۔“
”ہم کیا بول رہے ہیں ڈاکٹر۔“
ڈاکٹر کا چہرہ دھڑکنے لگا۔ میں جی بھیکہ رہا ہوں جناب۔ آپ میری
بات کیوں نہیں سمجھتے۔“
”تم بھی اپنی نہیں سمجھتے۔“
”میں ایک ڈاکٹر ہوں۔“
”ہم بھی ریل کے کوئی ہیں۔“

میں نے بھلنے کا ارادہ کیا لیکن اس موقع پر بھلنے سے کہہ کرنا ہوا
دینے کے بارے تھا۔ میں نے ہر کوئی طرف دیکھا۔ گودہ بھی خاموش کھڑا رہا۔ بھلنے جی
دندے باز نہیں آیا۔ آخر ڈاکٹر کو کھانا دیا کہ ہر صحت دیگر ڈاکٹر شہر کا کانتے کو
ہسپتال سے خارج کرنے کا
”ہم اُس کو ابھی لے جائیں گے۔“
”اس حالت میں آپ اُسے لے جائیں گے؟“ ڈاکٹر شہر کو بولا۔ یہ آپ

”وہ وہ کون ہے۔ دست خط ہم کریں گے۔“
”ڈیڈی نے خود کو ریل کاغذ بتایا تھا۔“
”ابھی دوسرے روز منع ہوتا ہے۔“
”ابساک ہوتا ہے جناب۔“ نوجوان ڈاکٹر کے لیے میں تندی ہو جاتی
پہلے تھی۔ میں آپسے بچتا رہتا ہوں۔ آپ دوسرے کام لیے سب شیک
ہو جائے گا۔ اب وقت گزر گیا ہے۔ ریوٹس کو کمرے سے لے جایا جا چکا ہے۔ صحن
ہے ڈاکٹر شہر لے گیا۔ ہم شہر میں کمرے کی کڑا ہو۔
”نہیں۔“ بھلنے نے چھٹی ہی آواز میں کہا۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا، ہم کو
ابھی اُس کے پاس لے جانا ابھی اسی وقت۔۔۔۔۔
”میں نے آپ سے کہا کہ وہ آپریشن نہیں ہیں۔“
”وہ کیوں بھی ہوا اُس کو کمرے کے دکھ دو۔“
”اسی کیا بات ہے؟“ ڈاکٹر بھگتا ہے۔ بول کر آپ لوگ ریوٹس کو لپکا
کیوں لائے تھے۔ ہم کمرے کے دشمن نہیں ہیں۔ یہ ہسپتال ہے جناب۔“
”ابھی آواز دہری کھو ڈاکٹر۔“
ڈاکٹر کے چہرے پر ایک رنگ آگے گڑ گیا۔ اُس نے ملائت سے
کھنے کی کوشش کی۔ ”مرد آپ کو کبھی کسی آپریشن سے مت تجربہ ہوئے۔“
ابھی ایسا ہی سمجھ۔ بھلنے صحن سے بھلنے بھلے بولا۔
”ضروری نہیں کہ دروازہ بھی ہی پڑے ہو۔“
”تم نہیں جانتے۔“ بھلنے کی جانتی ہوئی آواز میں کوئی دھڑکی شامل تھا۔
”بھوکو ہم کو کھادی چڑھا دی رات میں آتی۔“
”ادہ۔“ وہ ڈاکٹر شہر کے بولا۔ ”مگر آپ کا ہم ہی ہے نا۔ ہم دن میں
کئی آپریشن کرتے ہیں کبھی ہمارا ایک آدھ کس میں ملوئی البتہ ہو جاتی ہے۔
آپ اطمینان کیوں یہاں آپ کا ریل میں زیادہ محفوظ اُنھوں میں ہے۔“
”ہم کیا بول رہے ہیں ڈاکٹر۔“
ڈاکٹر کا چہرہ دھڑکنے لگا۔ میں جی بھیکہ رہا ہوں جناب۔ آپ میری
بات کیوں نہیں سمجھتے۔“
”تم بھی اپنی نہیں سمجھتے۔“
”میں ایک ڈاکٹر ہوں۔“
”ہم بھی ریل کے کوئی ہیں۔“

میں نے بھلنے کا ارادہ کیا لیکن اس موقع پر بھلنے سے کہہ کرنا ہوا
دینے کے بارے تھا۔ میں نے ہر کوئی طرف دیکھا۔ گودہ بھی خاموش کھڑا رہا۔ بھلنے جی
دندے باز نہیں آیا۔ آخر ڈاکٹر کو کھانا دیا کہ ہر صحت دیگر ڈاکٹر شہر کا کانتے کو
ہسپتال سے خارج کرنے کا
”ہم اُس کو ابھی لے جائیں گے۔“
”اس حالت میں آپ اُسے لے جائیں گے؟“ ڈاکٹر شہر کو بولا۔ یہ آپ

پیر کی دشتی آواز پر میں ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا مگر اب بڑوں
طرف انہیں اچھا بڑا ہاتھ بڑا ہوا ایک جھٹکے مار کے میں نے پیچھے گھر کے اندر کا
دُرج کیا۔ اندر کا مجھے یقین نہیں آتا پہلے تو میں ہی سمجھا کہ میری عیاری خواب دہی
کا کوئی کرشمہ ہے، ان میں اگر کوئی جھڈ تھا تو ان کے چہرے کا سب ایک دوسرے
میں اسی شامل تھیں متنازدی خود میں شامل ہو سکتا ہے میری نگاہوں کے
سامنے پھولوں کا سا کوئی منظر تھا۔ دشتی میں ان کے چہرے دکھائے تھے مگر بہت
سی جگہ ان کے گذر کی تھی چہرے آئینہ بڑوں جیسی روشنی منعکس ہوتی ہے۔ گرد
آلود آئینوں پر دشتی منظر جاتی ہے، فروغ چھپا بیگم کے پہلو سے لگی بیٹی جی ادوی
چھاپہ نگار کی آنکھیں ابھی ایک سمندر جی میں تھیں۔ وہ ایک دوسرے کے لیے
بے شک اتنی ہی اپنی تھیں جتنا کوئی ہو سکتا ہے مگر ان کے مابین کچھ حوالہ دینے
بڑی زنجیر قائم تھے بہت کچھ حوالوں پر منحصر ہوتے ہیں کہ کتنا بڑا حوالہ دربان سے
ہے۔ انھوں نے ایک دوسرے سے نہیں مجھ سے اپنی شناسائی بڑھائی تھی
سات بجے تو میں سو کہ ہی اٹھا تھا، آبا جان نے کہا اٹھ کھائے لیجئے
کو نہیں جانے دیا۔ وہ انھیں رات گزارنے کے لیے روک لے تھے لیکن کھاتے
کے عذر پر خاموش ہو گئے۔ جو لینے لے ان سے رخصت کی کہیں زندہ سب
اُس کے گھر چلیں وہ گھر ایسا چوٹا نہیں ہے۔ جو لینے لے یہی کتنا چاہے تھا اگر
کا کہیے کہ میں جھوٹے نہیں جانتے چائیں۔ آبا جان نے اُس سے وعدہ کیا کہ اگر
وہ اُس کے گھر ضرور آئیں گے۔ اتنی دیر میں آبا جان اُس سے خوب باتوں ہو گئے
تھے۔ اس میں اُن کے چاکل اور خوش طواری کا اتنا دخل نہیں تھا جتنا بڑوں کو
کی نشست پر غصے کی ناشکی اور اُس کے لبے لیے کے سوز و گداز کا دخل
تھا جو لینے کے لیے میں فروغ اور فریال بیسی ناز آفرین تھی، انھی بیسی اعداد
تھا۔ آبا جان نے اُسے ایک گھر کی اور طوائی میکلس یا شہر بابہ اور چھاپہ نگار
بھی میری قیمتی چیز تھیں۔ آبا جان کوئی کج حیثیت پرور نہ کیے تھے میں کہہ سکے
تھے مجھے تو جی کا کھلنے نے سب کچھ اس وقت خیر تھا۔ صبح تو ان کے
بازار جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، انھوں نے یہ خیر ماری جیل آباد
کہ ہوگی، فروغ ذرا دل و دھڑ کے خیال سے تھیلوں کے اک لفظ بھی نہیں کہا تھا

نے اباجان کو اپنا بزرگ سمجھ کر اور اپنا حق جان کے ہی انھیں قہراً
حق باتیں ہی منسوب کی تھیں۔

رات کے دس بج رہے تھے پائے کے بہت سے آدمی بیڑ
میں مل گئے۔ اب بھی وہاں بڑی تعداد لوگ بیٹھے تھے گویا
نہیں تھی۔ دنیا اور جارج بھی ابھی تک موجود تھے اور انہری کا
بھی رات ہم اس تیسرے پائے کے طرف ڈوری کے سبب نہیں جا سکے
اُن دونوں سے زیادہ قتل مند ملوم ہوتا تھا پر بیچو کی کسے بیچ میں
بیٹھ گیا۔ اُس کی نشست کے انداز سے ظاہر ہوا تھا کہ اُس اب اس کے
وقت ہی وقت ہے۔ بھی بھی اُس کو ابیل ہی نہیں تھی جو ان کو گم
تھوڑی دیر کے لیے ہسپتال ہو آئے تھے اور ڈاکٹر کلاش کو بڑھ
کے بجائے ہم نے گیٹ کے چوکی وارے کمرہ کے باہر لایا تھا
زیادہ دیر وہاں ٹھہرنا ممکن تھا نہ اس کا کچھ حاصل تھا۔ ماسکی اللہ
مطابق کائنات پھر بنا رہا تھا جیل کے بھی کبھی حالت تھی۔ کو دکن کے
بس اسی پر لگا دیں جانے اُس کی کسی ایک جنبش کا نظر تھا مارلی نے
ہم دونوں کو ان کے کشا اباجان اور میر علی ہسپتال آئے
بیٹھے۔ دونوں نے طرح طرح سے کہنے کو آوازیں لی لیکن نہ وہا
نیں رہا ہے۔ کہنے کا واسطہ خود سے بھی نہیں پڑتا تھا۔ کوئی دوسرا ہوتا
کبھی کا اُس پر حاوی گیا تو پھر اس بار خود وہ نے مقال تھا۔ اب
برداشت نہیں جو اس وقت ہم لوگ مہمان کرے میں سو رہے تھے
اباجان نے میر علی کو لے کے کل کھڑے ہوئے بول گئے۔ اباجان پوس
ڈال کے آئے تھے۔ اُس وقت میں بھی سوچ رہا تھا سہہ کراؤ
بچے تھے، تھکے تھکے کیوں ہیں۔ انھوں نے چلتے وقت کہاتے کہ
کیوں کچھ نہیں کہا اور ہسپتال چلنے کے لیے امر کیوں نہیں کیا۔ وہ
سے بچے کے آئے تھے ہم پر سے کیا ذکر کرتے۔ اب تیار ہوا تھا کہ
چکر نہیں گیا اور اب اتنی ڈیوٹی بھی حاضر ہے اور آئے ایک
کرے کا پھر لگتا ہے۔ جیسے کہتے اس کا کوئی عجز ہو۔

میں پائے پر آئے ہی میں نے منگو کو جین کے گھر سے
بولیں کے گھر اور پائے کے گھر ڈھانگ کے لیے کوئی شخص بولیں کے
تھا اباجان سے میں نے کہا تھا کہ رات کو وہ پرانے انڈیا ریکرڈ
درمیں بولیں سے بھی یہی کہہ کر آتا تھا میں بولیں کے گھر
تو پائے تک پہنچے مگر سناہنے کے خیال سے چلا آیا۔ دو سے
تھا۔ یہاں آ کے بھی وہی تھا کہ اب میں کہاں جا رہا تھا
آؤ کو ابیل نے لایا میں مونی ہے۔ جرد و شاہ اور دونوں آتے ہی
ہر ایک کو کہاں پر کہنے کا نام تھا۔ وہ دھت کے مام میں ہے!

خاتمہ ہوا کہ ہے۔ میں ایشین کی جواب دیتا۔ لوگ یہ سوال جانے کیوں کرتے
یہاں تب جان کے کہ ان کی کچھ تسلی ہو جاتی ہے

دوسرے دادلوں اور پائٹس میں بیٹھے تھے بہت سے آدمیوں سے منٹ
کے بعد پورے دن کے انداز میں چار بجے کی جانب رخ کیا تو میں نے بھی کبھی ماکے جرو
دینا سو کی توجہ احوال طرف منڈول کرنا چاہی۔ پیر نے اُن تینوں کو پاس ملا لیا
کہ وہ خوشخبر خوش رہا اور راجن اور دینا سے اُن کے علاقوں کا حال سنا
لاہجہ میں پیر کو پہلے ہی اشارہ کر دیا تھا کہ تینوں پائٹوں کا بہت صول ہو
پایہ پورے راجن اور دینا کو اُن کی بڑی عمر ہی دو بارہ کوئی سرزنش کی نہ
دیکر لے نتیجہ۔ وہ ان سے لے کر بھی کہ باتیں سنایا کی جیسے کوئی واقعی نہ
واپور رفتار پائٹس میں لوگوں کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی۔ راجن اور دینا
کی پائٹ میں عمر چار بجے وہیں بیٹھا پہلو ہلاتا ہوا پائٹ میں گئی کے آدمی رہ گئے
فریڈ نے پائٹ میں بھی سے تھو کے فرانس کی۔ تیغ اور کمر کی قدر کو ادائی تھو
ادھ اور شکر کے بفر فرنا میں پیجا با تھا پیر کو نہایت مغرب تھا۔ شروع
رہیں میں سے ملت سے نہیں اترا تھا کہ بین اگلے بھی اچھا لگے تھا۔
ن نے ایک نیاں کیا، چار بجے میں بھی اترا ختم کرنے کے بعد بھی اُس نے کچھ
پانچا کیا کہ شاید پیر اُس کی طرف توجہ کرے لیکن پیر کو جیسے وہ نظری نہیں آ
تھا اور چار بجے تک مجھے پیر نے ان کو کھلنے کی کوشش کی۔ بیٹھارہ۔ پیر و
پیر دانی سے کہاجا کہ کر کھانے کا؟

مگر کچھ پائٹ کے پائٹے۔ دادوا؟ چار بجے میں پیر و لا۔ ابھی نہیں بہت
لگے۔

”ابن جانتا ہے۔“
”نیش جانتا۔ پڑنے تیری ہے کہا۔“ ابھی تیرا کھال ہے پڑھا ہو جی این
تھو کہ کر کے گا تو اٹھا جانے لگا۔
”ابھی تم ایک ایسی بولی ہے۔“ جارحی تنک کے بولا۔ ”ابن کو بولو،“
ابھی این اور کیا کرے ابھی اور کیا رہ گیا ہے۔
”ابھی تودہ کیا ہے۔“ پڑنے تلخی سے کہا۔ ”ابھی تو ایدر پائے پر ہی
بٹنے کا ہے۔“
”پائے پر اکھول کیوں داوا؟“
”یہ لینے سے پوچھ حرام کا شکر کہ بول۔“ پیر پوچھ کر کے بولا۔ ”ابن تیرے
کو اٹھا تین دن تین رات ایدر اٹا نکالنے کا اور بولے گا! این کون ہے ایدر
کیسا بیٹھا ہے۔ این کا پاس کون سا جادو کا چڑھی سے جو ایدر بیٹھا ہے۔“
”تم تم کی بولی رہا ہے۔“ جارحی کی آواز سن ساری بھی تیری تم نے
اجن اور دینا کو کو بھی نہیں بولا۔
”اُس کو بولنے کا فرست نیش تھا، وہ ایدر گئے سے پہلے اٹھا تنکا
بالا بار بھڑا کے آیا تھا۔“
”اور این! این! تمھا مطلب ہے! این ایدر...“ جارحی کو خود معلوم نہیں
تھا کہ وہ کیا کتنا چاہتا ہے۔ وہ بری طرح کوڑا گیا۔
پڑنے اُسے دوبارہ یاد دلانفری میں سمجھا کہ وہ قاتل کے لڑے

کے ذیلے اپنا اور
دوسروں کی حفاظت کیجیے

ماٹشل آرٹ



ابتداء سے
بلیک بیلٹ
تک
ط
کرائے
سیکھیں

- ایک کلاس میں دو گھنٹہ کی کئی چیزیں جو کہ ابتدا سے ایک بیلٹ تک کی ہوں گی ہیں۔
- ان فکسز پر عمل کی انسانی آوازوں سے یہ کلاس شروع ہوئے گی۔ یہی کلاس وہاں کی ہو گی ہے۔
- ۶۵۰ روپے فی ماہ ضروری۔
- ہر شخص کو اپنی مکمل وضاحت سمجھانے اور وہیں کی ہو گی ہے۔

فیس ۲۰ روپے، واکسٹ ۲۹ روپے

مکاتیبہ فوٹو پتہ ۱۵۹

ہر آیت اور آوازوں کے درمیان تمام فیصلے ہاتھ کے نیچے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی کوئی ملال ہے تو وہ ہاتھ کو نکالنے کے ہاتھ کو نکالنے کا اہل نہیں ہے تو فاسق سے ہر بات قبول کرے اور پہلے چار پانچ استطاعت بڑھنے پر بات کرے۔ یہ دو اور دو جانک بات ہے۔ غلابے کا پاؤں اسے درشت میں نہیں ملا، کوئی بھی پاؤں کسی راد کی جاگیر نہیں جتنا۔ جاگیر کی کوئی جاقہ ہے اور داد کا مل جارجی نے کیا سوچ کے جتنا جینا بند کیا تھا، اس کی رانت میں کیا اس کے ہاتھ میں زیادہ زور لگایا تھا جو اس نے کیا کیا۔ وہ یہ جوں کی راد کی بی پروا کی موت کی کوئی خبر نہیں آتی ہے اور ہر کے ہاتھ پر بھی ایسے اور داد بھی ہیں جو کسی وقت بھی اس کا جوتھیں گئے ہیں۔ یہی میں پر کے ہاتھ کا مل ان سب سے مل کے ہی بنتا ہے۔

پرنے جاری کے متعلق شاید ٹھیک ہی اندازہ لگایا تھا۔ اس کے اندر ضرور کوئی گہری ہوتی تھی جسے کچھ چھپا ہوا ہو کر پرنے بیٹھا جو بھرے پر دوسے مسلسل کراہے اس کا احساس ہوا جارجی کے پاس اب اس کے ہوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ پر کر لے۔ ہلن کی صفائی کا تئیں دلا تھے۔ وہ یہی کرتا رہا۔ ناچنے بھی اس کی سفارش کی تھی۔ چلنے دوادا "اس نے ہمتی آواز میں کہا۔ ٹوٹ پٹ کے سلام ٹھکانے پر آجائے گا۔ اپنا کارناما آدی ہے۔ ابھی اس کو ایک اور جاس دیو۔"

ماچھی کی فصل انداز پر پروا نہ کر کے اٹھا۔ یہ اب داد کی پروا نہ تھی۔ چورن گیا۔ چورے سالہ۔ اس کے منہ کو لگ گیا ہے جو داد پر مینے بنائے لگتے تھے وہ ہاتھ کا آدی نہیں رہتا، وہ پچھریں ہاتھ بھی جاقہ پر رنگ لگتے تھے۔ پر اس آدی کا ہاتھ پر لگ جاتے ہیں کو بھی یہ بالکل بدلا ہوا دکھائی پڑتے تھے۔ اس کو لڑا ابھی تھلے کا پاؤں چھوڑنے سالہ مال بنائے ابھی دروازہ چوڑی رندی چلائے کل اس کا پانچویں لگ بھی پڑا ہوا ہے اور ابھی لڑی بھی ایسا پڑا نہیں ہوا ہے۔ چھوڑا پیسہ نہ ملے گا۔"

جارجی کا جوتھ پڑنے لگا۔ اس نے جھٹ اپنا جاقہ نکال کر پر دوسے پرین پڑاں دیادور بھی۔ "تھم سے دادا" وہ گڑگڑاتے ہوئے بولا۔ "ابن بولی فادر کو کچھ میں ڈال کے بولتا ہے۔" اہن کا من میں ابھی کچھ بھی نہیں ہے ابھی تھا غلام سے تروے گا تو اپنا اندر ہی ہے کہ کبھی ایسے نہیں جانے گا۔ ایک دم نہیں۔ ابھی آدی آدمی لوگ تھے ہی ہوتا ہے۔"

رات خاصی گزر چکی تھی۔ دو بجے تھے۔ پر پڑے کی اسٹھ کے لینے کرے میں ملا گیا۔ بیچ ماچھی نے ایک تہہ اشافہ اس سے جارجی کی سفارش کی تھی۔ پر پڑے تروے سے ظاہر تھا کہ جارجی کی طرف اس کا سینہ ابھی تک آدھ ہے۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ابھی اسے آدھ پر دکانہ ہی بھی چلتے وقت پرنے تھے۔ جیسے ہی اس کے آرام کرنے کو کہا تھا کہ میں جروٹ سو زور پھیندا۔ ابھی وغیرہ کے ساتھ باہر چوڑی پر مینا رہا۔

جارجی کے قریب ایک کونے میں بیٹ گیا۔ مجھے نہیں دیکھنا آتی۔ جیسے ہی کچھ بند کرنا، میرا جوتھ کھینچنے لگا اور دوسرا اٹھنے لگا۔ میں ہر رنگ کر دیش دلا۔ پھر اٹھ کے ننگے پاؤں پہلے نکلا۔ پھر کے کر کے طرف ملکے میں نے کھجک دیکھا۔ اس کی آنکھ کھلی تھی۔ پاؤں کے دائرہ واندہ بند کر دیا تھا۔ پھر کے پھر لٹ گیا۔ میرا دل اٹا اٹا رہا تھا۔ میرے لیے یہ کوئی نئی کیفیت نہیں تھی مگر کیفیت کی سحر شاد پر لڑائی ہوتی ہے۔ ہر بات پہلے میرا دل ہوتا ہے۔ ہر بات نامانہ۔

پرنے سے سب سے اٹھ گیا۔ میں تو بدلا رہی تھا۔ نامتھے کے قتل پر پھر چلنے ہوئی شریعت ہو گئی۔ جس کی کیر و کر آدم کا علم ہو چکا تھا وہ ملال بلکہ وہ اٹھنے چلا آ رہا تھا۔ گلاس سے پہلے کہ میرا اور جارجی پر لڑا۔ نکل گیا۔ ہم سے ہسپتال پہنچے۔ کھانے اسی طرح کھانا پڑا۔ گلاس کی طرف رہی تھی۔ سینہ آہستہ آہستہ دھڑک رہا تھا۔ ڈاکٹر کی اس بھی ہلنے ساتھ تھا۔ اس کی بان کی قیدی بھی ایک کچھ گندہ تھی۔ جھل کے ہنرول کو آدھ نے ہی لیا تھا۔ ہلے جانے پر سکر ہٹ کی ایک لڑائی کے چہرے پر لڑائی اُبھر کے میں ڈوب گئی۔ ہم نے اس سے نہیں پوچھا۔ پوچھتے بھی کیا پڑا تھا۔ آخر لیے ہیں اسے شہرہ دیا کہ وہ اب کتنے کے پاس آئے چھوڑا۔

جواب میں فصل نے آہستگی سے کہا۔ "گلتا ہے۔ اب ادھر بھی اپنے آدھ نہیں لگے گی دادا۔"

"کیا کیسا بولتے تھے؟" پھر دو ٹوٹی جیوں آواز میں بولا۔

فصل کے جوتھ پھیل کے رہ گئے۔ ڈاکٹر کی لاش نے بھی سنا سنا کر کے سامنے تو وہ کچھ نہیں بولا۔ لیکن باہر کے اس نے میں لینا دلائے گا۔ کی روم کے نازک آہٹیں سے بجالی وقت گزرتی جاتی ہے۔ ابھی ۱۴ گھنٹے بھی نہیں گئے ہیں ڈاکٹر لاش پر پہلے ہی مراد تھ کر رہی تھی۔ کویش میں آنے کے لیے ہم گھنٹے میں لگ سکتے تھے۔ اسے لگا لگتا تھا۔ نظا ہر زائر ہے اور جی ٹھیک چل رہی ہے۔ وہ ہر رنگ پر دو رنگ ساتھ چلتا رہا۔ ہمیں امیدوار حوصلے کا درس سنایا۔ اس کا ارادہ جانے کا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اسے جوں کے گھرنے کی موت تھی۔ جی جی تھی لیکن یہ سب کچھ علم نے وقت گزرتے گئے تھا۔ آدی کو بھی اناجہ عمل لگتا ہے۔ چوک پر رنگ کے میں نے اس سے درخواست کی کہ وہ کئی ہالے ساتھ آئے گا۔ بہتر ہے کہ واپس چلا جائے۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ ساتھ ہی آنا جاتا تھا۔ شاید وہ اپنی تئیں تقسیم ہر خود بھی ملتی تھی۔ وہ ایک نازک ملے فوجان تھا۔ اس نے اس کی مدت کی اور وہاں ہو گیا۔ بعد میں مجھے پشیمانی بھی ہوئی کہ وہ دو جاکچا تھا۔

دروازے پر دستک دینے وقت میرا سر جھٹا جا رہا تھا۔ جوں میں نے دلاؤ نہ کھولا۔ وہ لہ گاؤں پہنچے تھے۔ سیاہ گاؤں اور سیاہ بالوں میں اس کا ہر بولیوں میں جانک کے اندر کس کا تھا۔ ایک لمحے کے لیے تو میں ٹھنک کے گیا گاؤں میں اس کی فامت کچھ اور لہڑ ہو گئی تھی۔ جہیں کچھ کے اس کا چہرہ کل اٹھا اور لہڑا تھلا ہر کے گیا۔ اس کے دھڑکے سوا ٹھنک کوئی نہیں تھا۔ شہرہ اور چارچہ بھی اچھی ہسپتال کے لیے پہلے تھیں جوں کی ماں اور ملازم سوا سلف کے لیے گئے تھے۔ گھر میں ٹھنک تھی۔ فاسق کی ٹھنک۔ لوگوں کے کام پر جانے کی وجہ سے ان کے قتل اس علاقے میں بھی ممکن تھا جاتا تھا۔ پرنے ٹھنک میں قدم رکھتے ہی جوں سے ٹھنکے باقی کی فرمائش کی اور دیش حوصلے پر لٹ گیا۔ میں نے اسے یاد دلا دیو میں نہیں جھاک رہا۔ یہی میں اس کا ایک گھر بھی ہے جہاں اس کی بیوی اور کوئی بیٹی کیسا سے اس کی آدمی منتھو ہوں گی۔ مجھے احساس تھا کہ اس مام میں گھر میں بھی کیا چین مل کے گا۔ کھانے کو کیا معلوم تھا کہ وہ قید نہ پڑے گا۔ اس کے وہ پرمان حال بھی اس سے کچھ بہتر تھیں۔ جہیں ابی سہ ہر ہے۔ جوں نے شاید سے چہرے سے سب کچھ بچا ہوا۔ وہ میرے پاس آئے کچھ گئی اور لے لہڑا نہ پھینکی کی کیا بات ہے؟ انھیں مرغ کیوں ہیں؟ میں نے خندہ پیشانی سے نزدیک اور کہا کہ اس ذرا ٹھنک ہوئی ہے۔ مجھے یہ نہیں کہا جاسکا کہ میرا دل ڈوب سا رہا ہے۔ اس نے جلدی سے میرا ہاتھ چھوا۔ "بھار نہیں تھا۔" پیسے کے قہر سے اس کی انگلیاں گلی ہو گئی۔ ابی بولی کی۔ اندر چلے آگام کرو۔ وہ مضطرب لیے میں بولی۔ ٹھنکے لیے آئے ہیں۔

"ہاں ہاں پرنے اس کی تائید کی۔ رات بھر کا جاکچا پڑا ہے۔ اپن لڑی ہے۔ ابھی اپن کید بھی نہیں جانے گا۔"

میں خود بھی تھائی جاتا تھا۔ منگو پر کے پاؤں ہاتھ لگا اس گھر کا گڑ گڑا میرا دیکھا ہوا تھا۔ میرے قدم خود جو اس کے کر کے طرف اٹھے جہاں میں پہلے رہا کرتا تھا۔ کرے میں آنے کے مجھے احساس ہوا کہ اب یہاں جوں رہتی ہے۔ وہی سہری تھی ایک کونے میں گھار میری بھی وہاں رہی تھی کرے میں بہت کم سامان تھا۔ صاف تھر تھر کر کے لڑیوں اور دروازے پر نیل گوں پڑے۔ دیواروں پر نیا رنگ دیوین۔ سامان میں اگر کچھ تھا تو کچھ نہیں۔ دونوں اطراف کھوئی کی بڑی بڑی الماریاں میں سلپتے تھے۔ کتا بھی جی ہوئی تھیں۔ چند لڑکے قریب پر میری تھیں۔ سامنے دیوار کر کشائی کی تصویر تھرے پریم میں آدھ لگتی تھی۔ مجھے یاد تھا کہ ایک مرتبہ کر کشائی نے جوں کو شہرہ دیا تھا کہ وہ کھو رہا تھا۔ جلدی کر کے مطالعہ سے محروم بھی رہے گا اور اس کی علمی استقامت بھی بڑھنے کا کر کشائی نے کہا تھا کہ کتاوں میں ایک نہ باندھوئی ہے۔ کتا میں امراد شوں کی کچھ میں سامنے جہاں کی سیران کے ذلیعے جا

سکتی ہے۔ فلاب تو وہ جوں ہی سے تھکے میں من جاتا تھا۔ جوں کے ہاتھ وہ مجھے مطالعے کی ترغیب دے تھے۔ اس زمانے میں میں نے ان کی بعض کتابوں کا مطالعہ بھی کیا تھا لیکن پھر مجھے موقع ہی نہیں ملا۔ ابھی کیے۔ لگتا تھا جوں نے ان کی ہدایت پر اپنی طرح عمل کیا ہے اور مسلسل پڑھتی رہی ہے۔ ہر جوتھ میں ان کتابوں میں اردو کی بہت سی کتابیں بھی تھیں۔ مجھے کرے میں آئے ایک گھنٹے کے قریب گزرا ہوا تھا۔ جوں نے کرے میں جہاں کے دکھائی دی تھیں کھلی ہوئی تھیں وہ اند پڑا آئی۔

"جاگ ہے ہو؟" اس نے گوشیا پوچھا۔

"ہاں تیندیں آ رہی۔ میں نے کساتے ہوئے کہا۔ لیکن یہاں بڑا سکون ہے۔"

اس نے لباس تبدیل کر لیا تھا۔ سفید مٹی کے کتاوں پر نیل رنگ کی چوڑی تھی۔ تھی تھی کتاوں میں آونے لگے۔ میں ٹھیک میں ٹھیک تھا جو کل با آجانے آئے۔ ہاتھ میرے پاس آئے اس نے دوبارہ میرا ہاتھ چھوا۔ اب اس کی انگلیاں تر نہیں ہوئی تھیں۔ اس نے لینان کی سانس لی اور بولی۔ کسی چیز کی ضرورت تو تھیں ہے؟

"میں یہاں امان نہیں ہوں۔ میں نے سکر کے کہا۔

وہ میرے چہرے کھڑی تھی۔ میں نے اس سے بیٹھ جانے کو کہا اور خود بھی سہری کے کھیسے ٹھیک لگا کر ہم دروازہ ہو گیا۔ پڑ جاتی سوئے ہیں؟

"وہ بھی جاگ ہے۔ میں منگوں کے پاس ہے

"شہا ہے وغیرہ میں آئیں؟

"آجانا چاہیے۔ خدا کے غیرت ہو۔"

میں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہ ٹھنک کے سامنے کھی ہوئی کر کے کھینچ کے بیٹھ گئی اتنے قریب کہ میں اس کی سانسیں سن سکتا تھا۔ میں نے اُسے چھوا لیا تھا لیکن اب بھڑ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کتاوں میں پوچھا جاتا تھا کہ اس سے میں آئے کوئی پشیمانی تو تھیں ہوئی۔ ادھی بہت ہی باتیں کرنا تھیں۔ لیکن سب ذہن میں غلط فہم تھیں۔ وہ بھی منگو کے جانے کی اسوجا رہی تھی سوچے سوچے ابھی ایک بولی۔ "توڑ کی ہیں؟"

"زہیں؟" میں نے چوک کے کہا۔ ٹھیک بالکل ٹھیک ہے۔"

"انھیں کھینچنے کو بہت جی جاتا ہے۔"

اب کے تھ ساتھ چلا۔ میں نے تیری سے کہا۔ "یقیناً تم اس سے مل کے بہت خوش ہوگی۔ وہ بہت اچھی ہے۔"

"میں نے ان کے ہاسے میں بہت کچھ سنا ہے۔"

"کم سنا ہو گا۔ کتنیں کس نے بتایا؟ کیا میں نے کچھ بتایا تھا؟"

شاید.... مگر کتنے جہانی تو بس اٹھتے بیٹھتے اٹھی کا ذکر کرتے ہیں۔"

وہ استیقا سے بولی۔

ہاں ایک کسانے کیا، شاید کوئی اسے ناپسند نہیں کرنا بہت عجیب ہے۔ وہ۔
 قتل جانی ہے لیکن ہے قتل جانی کا جی بھی اس میں اور نہیں لگتا اسی
 کے پاس رہنا چاہتے ہیں اور وہ ایک ہی ہے جو ان پر حکم ملاتی ہے قتل جانی
 کاس میں جان کا اس کا حکم سنے جائیں۔ اب کہیں میں خیر ضرور ملے گا۔
 مجھے یاد آتا ہے کہ میں نے اس سے بھی تمہارا تذکرہ کیا ہے۔ چلو گی؟
 وہ نہیں پٹ پٹانے لگی۔
 "تم دیکھنا، وہ تم سے کیسے ملتی ہے احساس ہی نہیں ہوگا کہ کسی اجنبی
 سے مل ہی ہو وہ تو سمجھتا ہے اس کا دل سمجھتا ہے تمہاری طرح وہ بھی نیت
 لغات سے لہذا وہ سلیقہ خوار ہے۔ چلوں سے جی شیشے کے مانند تم میں اور
 اس میں ملنے لگتی باتیں شکر ہیں۔
 جو لک کے تراشیدہ ہونے پر پڑنے لگے۔ وہ خاموش رہی۔
 "میں جگہ کہہ رہی ہوں۔ میں نے بستر اپنی آواز میں کہا۔ ملکہ رانیال تو
 یہ ہے میری جانتا ہے کہ تم بھی دین رو سب کے ساتھ تم وہاں جاؤ گی تو خود
 واپس آنا نہیں چاہو گی۔
 "آبا جان اب کب جائیں گے وہاں؟"
 "آبا جان؟" میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔ میں اس کا کہہ سکتا ہوں اب کہیں
 گئے۔ ان کا کیا ارادہ ہے اور وہ کہاں رہنا پسند کریں گے۔ وہ اب بہت بڑے
 آدمی ہیں۔ نالوں کے نواب مگر انھیں زریں سے بہت انس ہو گیا تھا بہت
 خیال رکھتے تھے اس کا۔ نزدیک کی جوی بھی بہت بڑی ہے خاندان کے خاندان
 اس میں ساکتے ہیں۔ کاش وہ وہیں اپنے کاروبار کر لیں مگر سب ان کی جی
 پر خیر ہے۔ چنانچہ انھوں نے حیدر آباد میں بھی ایک بہت بڑی جوی
 خریدی ہے۔ وہ دیکھو کیا فیصلہ کرتے ہیں؟
 "مگر آبا جان تمہاری رائے ماننا تو ضرور چاہیں گے۔"
 "میں کیا رائے سکول گا۔ مجھے کوئی رائے نہ ہے کاش جی کہاں پہنچتا
 ہے۔ میں تو انھیں بھیڑ کے چلا آیا تھا۔ میں نے تو۔۔۔۔۔"
 "اب کیوں مڑتے ہو؟ وہ میری بات کاٹ کے بولی۔ ہو جاتا ہے خدا
 نے ہی کچھ کم کر دیا ہے کہ سب مل گئے۔ کیا خواب عیاں واقعہ ہے؟
 "مجھے تو سمجھا اب بھی کبھی خبر نہ پڑے کہ کوئی خواب تو نہیں؟"
 اس کی آنکھیں پلکنے لگیں۔ اگر خواب ہے تو کاش یوں ہی ہے خواب
 بھی تو ایک حقیقت ہے۔ اتنے دلکش خواب ہو تو انکھ کھلنے کی آرزو کوئی
 کیوں کرے؟
 "تم حتم کب کہہ رہی ہو خواب میں کبھی نہیں تھوکتی تو حقیقتوں کی طرح محسوس
 ہوتی ہیں۔ بولیں یہ کسی باتیں کرنے کی جی نہیں ہے اس سے بڑھا۔ انھیں
 فرض و غیرہ کسی لگیں؟"
 اس نے ایک نکل کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ کیا بتاؤں؟ وہ کہنے

ہوئے لیے میں بولی۔ "سب کہہ بیان سے باہر لگتے۔"
 "تم نے کی تو نہیں دیکھا۔ یہ تو ان کی گرد بھی نہیں ہیں اس کی
 جھلک جاؤ۔۔۔۔۔"
 "میں اندازہ کر سکتی ہوں۔"
 "یہ میں اس سے نہیں کہہ رہا کہ وہ میری مال تھیں وہ سب
 سائیں اپنا کیا، پرایا کیا، سائے کے سائے خاندان میں لوگ ان کا
 کرتے تھے۔ وہ سب کے لیے جنت تھیں۔ کاش کاش وہ بھی۔۔۔۔۔
 آواز دھلکا گئی۔
 "ہاں بہر حال یہ خوشی بھی کیا۔۔۔۔۔"
 "یہ شک بہت بڑی خوشی ہے لیکن انھیں کچھ کے لیے
 یاد آ رہی ہیں۔ میری آنکھوں میں گر جی ہوئے گی۔ ان کے پاس
 تو سب نے ہی سے سائے کھڑی ہو جاتی ہیں۔ ان کی نگاہیں مجھے ہر
 منٹ لائی معلوم ہوتی ہیں ان کی خوشی مجھے ہر طرف محسوس ہوتی ہے
 نے اپنا منہ بچھپایا۔ میں خود کو دیکھ کر سکا میری سسکیاں نکلتی رہیں
 "اے اے۔۔۔۔۔ اس پریشان ہوئی جانا چاہیے تھا وہ کسی
 کھڑی ہوئی اور میری پر میرے قریب آ کے بیٹھی تھی۔ یہ کیا ہو گیا؟ وہ
 لیے میں بولی۔ اس نے میرے ہاتھ اپنے زخم جیسے ہاتھوں میں پھیرا
 دے جانے لگا کیا کتنی دیر میرے آنسو اڑے آتے تھے۔ وہ مجھے ہر طرف
 کر رہی تھی مگر وہ اس کی آنکھیں بھی پھری ہوئی تھیں۔ اب اتنی دور لگا
 حوصلہ نہیں کھنچا جیسے۔ وہ گھٹی ہوئی آواز میں بولی۔
 "مجھے لگتا ہے اب میرے رائے مذاق تو نہیں ہی۔"
 "اب تو تھیں خود کو زیادہ توانا محسوس کرنا چاہیے۔ اتنی کہاں
 نہیں کرتے کہ وہ لوگ پائے بھی ہیں جو تھیں بہت بڑے تھے۔ کڑا؟
 قبول گئے۔ قتل اور پڑا بابا زریں چائے لگاتے، مارتے، لگے ہیں تو
 اپنی جان سے زیادہ دیر نہ تھکتے ہیں۔ زندگی اسی اچھے کیونے ہیں۔
 آدمی کھتا ہے کبھی پاتھ کھتا ہے تو پاتھ کھتا ہے تو پاتھ کھتا ہے تو پاتھ
 جانے کہ ہے پڑیا چھپاتے ہوئے ہو۔ اس نے نے اپنے انیس سے ہاتھوں
 دیا اور اپنی آنکھوں سے لگا لیا اور میرے یوں ہی بیٹھی رہی کہ نہیں بولی
 یک ایک اسے کچھ خیال آیا۔ میں تمہارے لیے باقی ہوں۔ وہ میری
 اٹھ کے ایک نام باہر نکلی۔
 دوسرے لمحے وہ گلاس لے آئی۔ اس کے کتے پر میں نے
 گھونٹ ملنے سے تارے گلاس ایک طرف کھٹکے کھٹکے ہاتھ اپنی ساڑی کے
 سے آنسو لے سے آدھ میرا چہرہ میری آنکھیں خشک کرنے لگی۔ مجھے
 لگا وہ مجھے اپنی کوئی حد نہ تھا تو جی میری جگہ جا کر اسے لگے لگے
 ردوں میں اس کے جلتے ہوئے چہرے پر میری ہی لگا رہی تھی۔

بچے کے لئے کہتے۔ وہ اسی لئے کہے سے مل گئی۔ اس نے یہی مناسب بھا
 پر میرے لیے مجھے سے ڈرو مجھے میرا جان اس کی موجودی پر اس پر اس پر
 یو۔ اچھا ہی برا، وہ کتنی مجھے اپنے آپ کو کتنے کا وقت لگ گیا تھی
 روکشہ سے زیادہ نور تھیں کر سکتا ہے۔
 خاموشی اور دلیر جب وہ کوئی تو پٹنے کے لئے کہنے لگی۔ کھانے کا وقت
 ماسوا تمام اچھی کچھ کھا نہیں سکو گے۔ پھر زرد سے بولی۔ بھوک تو نہیں
 اب رہی؟ بالکل نہیں۔
 "اور پڑا بابا مجھے انکار کر دیا ہے۔"
 "میں پڑا سے خوب ناشہ کر کے چلے تھے۔ میں نے چائے کی پیالی
 الٹی کر دی۔
 "وہ اٹھ کے جانے لگی تو میں نے اسے روک لیا۔ "بیٹھو، کوئی کام
 نہیں؟" وہ متر متر میرے میں بولی۔
 "چائے اور پیچھا ابھی تک نہیں آئیں؟"
 "اب تو انھیں لانا چاہیے۔ منگو کو کھجور کے دیکھا جائے۔"
 "کوچہ دار اور انتظار کرو لیکن سے سواری نہ ملی ہو۔"
 "آئی دیریں تو بیدار بھی آتے تھیں۔"
 "وہ کسی پر بیٹھی نظریں دیکھتے ہوئے اب میں اسے اچھی طرح
 دیکھ سکتا تھا اس سے میں کتنی مل گئی ہے۔ اس کے شراؤں پر شوق
 سی جھلکی جی جی اور ہونٹ جیسے ہو کے جوڑے سے کچھ کھتا جاتے۔ آئی ہی
 گلاس، آئی ہی میری صراحت ہے۔ اسے دیکھ کے جواز کے طور پر مجھے کھنا چاہیے
 تھا لیکن سب کچھ میرے ذہن میں منتشر ہو گیا۔ میں نے سوجا ہوا زریں کیا بہت
 فزیت ہے کہ میں اس سے بول ہی سائے بیٹھ جانے کو نہیں کہہ سکتا میں
 بہت نال لے رہا ہے دیکھنا تھا بہت میں ہی کتنی بار مجھے اس کا دھیان
 آیا تھا کہ ایک اطمینان تھا کہ چچا بیگم بیاں موجود ہے۔ کانتے ہی آتا جاتا ہوگا۔
 بولیں خود ہی بہت فزیت بہت حوصلہ مند ہے۔
 میں خاموش رہا تو چند لمحوں بعد اس کا بدن مل سے کھانے لگا اور وہ
 اچھی زبان سے بولی۔ "آبا جان اسے بھی آج آئے کھا تھا۔"
 "اے، کہیں تم ان کی خاطر داری کی تیاریوں میں تو نہیں لگی ہو؟"
 "مخلواری کی کچھ بھی انتظام نہیں کیا۔"
 "یہ کیسے ممکن ہے تم تو اس مسئلے میں مل جاتی ہو۔ میں نے کہا۔ ایسا ہے
 تو میرا باؤ تمہارا دل ہی میں ہی اٹھا ہے گا۔"
 "تمی آئی ہیں۔ میں یہاں کو دیر اور بیٹھ سکتی ہوں۔ وہ شگفتگی سے بولی۔
 کھانا ڈال کر۔۔۔۔۔"

"ہاں شاید میری آواز بوجھل ہو گئی۔ تم سے بات کرنے کا وقت
 بھی کب ملا؟"
 "اب جلد ہی کہیں جانا تو نہیں ہے؟ وہ زریں بولی۔
 "اب کہاں؟" میں نے سانس لے کے کہا۔ "فیض آبادی جانا ہوگا۔"
 قتل جانی اور آبا جان پر پھر سے کہ وہ کہہ کر ارادہ کرتے ہیں فیض آباد تو تم
 بھی ہر حال ساتھ ملو گی مگر ان غالباً تہ آباد کی طرف بھی جانا پڑے۔"
 "جہد آباد کیوں؟"
 "آبی جو دہاں ہیں۔ میں نے فزیت لیے ہیں۔ مگر کیا کیا تم غلام
 آبی کو جانتی ہو؟"
 "کسی مذہب؟" وہ سکر کے بولی۔ "کانتے جانی نے ان کے باپ سے
 میں بتلایا تھا۔"
 "کانتے نے کیا بتایا ہوگا۔ بس کچھ یوں ہے کہ وہ مذہب ہی کی کوئی
 پجاری ہوئی میں معلوم ہوتی ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کو سمجھتی بھی ہیں غلام
 تو کسی ملک کے باشند ہیں۔ کوئی ملک ہی ایسی ہو سکتی ہے۔ تمام شاہزادہ القاب غلام
 ان پر تھیں۔ ان کی ذات کوئی غلام نہ ہے۔ تہ تہ وہ ہر ہر ساریہ ہیں
 جادو تو چاہوں کا احساس ہو سکتا ہے انھیں شوق ہے حالہ کہ وہ خود کسی ساز
 سے کیا کہ ہیں آواز سے نغمی پھونکتی ہے۔ جانے یہ لفظ کیسے ہی زبان سے ادا تھے
 گئے۔ "سب خیال آیا تو زبان لگنت کرنے لگی۔ میں نے رجعت کہا۔ ایک لمبی
 داستان ہے۔ سہ بڑی طویل کہانی ہے پھر کبھی لے دست؟"
 چند لمحوں بعد میں نے کہا۔ "غلام کھانا پڑے پلے فیض آبادی آتا ہے۔
 انھیں لینے کوئی تو بھلے گا مگر فزیت نہیں کہ میں ہی جاؤں میں اب کہیں
 جانا نہیں چاہتا۔"
 "کیوں؟" وہ تجسس سے بولی۔
 "بس اب مجھے نہیں جانا۔"
 "کیا کوئی شے ٹھن گئی ہے؟" وہ بولے لیے میں بولی۔
 "کاہے کی کاہے کی شے گن؟" میں نے فزیت کہا۔
 "جس کی کھجور تھی؟"
 "تم۔۔۔۔۔ تم جانتی ہو؟" میں نے اضطراب سے کہا مگر میری بیعت بے
 ورجہ تھی۔ اسے مجھ سے گرو کی نسبت تھی تو سب کچھ جانتا ہی چاہیے تھا۔ میں
 بھول گیا یہ تو میں نے بھی اس سے کہا تھا کہ کسی کے لیے جانے اور کچھ
 لے نہیں ہے کبھی کتنی دور دور کہاں تک جانا پڑے۔ میں نے گستاخ آوازیں کہا۔
 "کوئی نا تو میں سب کے بارے پر کیا بہت بڑی ہے۔"
 "مگر حوصلہ کا کوئی کنارہ نہیں ہوتا۔"
 "سب کے کی بات ہے حوصلے سے آدمی دنیا کی پائش کر لے پڑا اور ہمیشہ
 دھوکا کھا جاتا ہے۔ دنیا اور بڑی لگتی ہے۔"

• جو کہ تو مجھے کہتا وہ ہے میری بولی۔

• کیا بتاؤں! بتانے کو کہہ دو بتاؤں۔ کرو گی بھی کیا جان کر کوئی چھا
ڈک نہیں ہے۔ لوگ شاید صبح کہتے ہیں کہ سب تاراں کا کھیل ہے۔ گر جی،
کوئی کیا کر سکتا ہے۔

• لوگ امید کے باسے میں بھی کہتے ہیں کہ وقت موسم کی طرح نہیں
ہوتا۔ وہ جن جھناتی آواز میں بولی۔ "اچھا وقت بہار کا پابند نہیں ہے۔"
"پھر سب وقت پر ہے نا پرتو نہیں پھر نہیں کیا کروں؟"
"کوشش اور محنت تو نہیں چھوڑنا چاہیے۔" وہ جھجکتے ہوئے بولی۔
"ابا جان کی مثال سننے ہے؟"

• ہاں! اگر یہ محنت بہت ہنگلی پڑتی ہے۔ اس کے مجھے تلخ تجربے
ہوئے ہیں۔ ایک میرا معاملہ ہوتا کوئی بات نہیں تھی مگر کوئی آدمی اکیلا نہیں لیتا
اُس کی لپیٹ میں بہت آدمی ہوتے ہیں۔ ایک شخص کی وجہ سے بہت لوگ
بے گھر بے در ہو سکتے ہیں۔ میں نے کتنے لوگوں کو تنگ کیا ہے کبھی سوچا ہوا
تو میرا دل دواں دلنے لگتا ہے۔ مجھے ہول آتا ہے۔ میں نے لے کیا ہے
کہ اب اپنی من مانی ہمیشہ کے لیے چھوڑ دوں گا جب ہم ہمیشہ آپسے تھے راستے
میں میرے درمیان میں سمائی ماراؤ آدرا ہلے ایک بار جاکے اور دیکھ لوں
چنانچہ میں نے پڑھائی سے منہ کیڑ کر کے نہ ہم ہمیشہ کے بدلے ایک پر کے لیے
حیدر آباد چلیں۔ میں نے تنہا جانے کو کہا تھا مگر پڑھائی مجھے کیسا کیسے چھوڑ دیتے۔
انھوں نے کسی طرح ابا جان کو بھی آدرا کر لیا۔ کاش ایسا نہ ہوتا وہ انکار کر
دیتے۔ ہم حیدر آباد نہ جانے تو یوں سب کچھ پیش نہ آتا۔ وہاں جا کے ہی جواب ملا
جواب تک ملتا رہا ہے۔ ایک پر کی بات تھی ہم دوسری گاڑی سے یاد دوسرے
دن کسی وقت روانہ ہو جانے کو وہاں ہی کے راستے جانے کے لیے بند کر دیے گئے۔ ایک
ایسا نڈل ہمارا منتظر تھا جہاں صیبا دمخف بھی تھا۔ مٹی بھی ابا جان
ہماری تلاش میں لگی کوچوں کی خاک چھانے پھرے پھل جہاں کو اپنے
زخمی پر سے اتنا لیا سفر کیا پڑا۔ خانم دوبارہ منتشر ہوئیں کسی آس میں خواب
عام تاب کی سانس اُٹھتی تھی مگر وہ زندہ تو تھا، زندہ تھا تو ایک اتنا زندگی
کی درازی کی بھی تھی غم کا پھینا اُس کی حیات کا باعث بنا مگر وہ کتنے لوگوں
کو کیا کر گیا پھر پولیس کو لیا انھیں خبر میرے سامنے ابا جان کا گریباں چاک
کیا گیا انھیں ملنے کے لیے یہ جو تم کا تے کو دیکھ رہی ہو اُس کا یہ حال
صرف اس وجہ سے ہوا کہ وہ ابا جان کی پریرن کے کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ آگے نہ
بڑھتا تو اُس جگہ مجھے مانا پڑتا مگر وہ بازی لے گیا۔ ایک آدمی کی جتنی حال
نہیں ہونا چاہیے کہ وہ اپنے اتنے نگر داروں کو بے آرام کرے اتنے لوگوں
کا سکون غصب کرے۔ کیا میں اٹھا ہوا ہوں مجھے نظر نہیں آتا کہ میرے کس ہجر
کس کے سبب ہوتا ہے۔ کیا میں نہیں جانتا کہ اتنی فتنے پہلے کیوں پہلی گئیں
اور فتنی.... میری آواز بندھنے لگی۔ وہ دم بخود بیٹھی تھی۔

• میں تمہیں کیا کیا بتاؤں۔ میں نے اُس سے کہا۔ سب جی
جاتا ہے کچھ نہیں ہوتی کہتے گھر دیش کے۔ کون کون اُڑ جائے
کے سفر میں بھی لوگ ہمارے تعاقب میں تھے وہ یہاں تک آئے
سی چوک ہو جاتی تو جانے کس کا وقت آیا تھا اور وہاں وہاں ملتی
ہی سے اس کی ابتدا ہو گئی تھی دلی اسٹیشن سے حیدر آباد جانے والی
جتنے توفتے میں ایک اور فائدہ ملتی موجود تھی میرے سامنے دکان میں بھی
کم سخن شیشا لازم ایسی کرش نکلتی گی۔ سونیا نے وہیں قبضے میں توڑ دیا۔
"کیا کیا؟" جولین بیٹھی ہوئی آواز میں بولی۔ سونیا کوں
• سونیا بھی ایک دل کی تھی تمہارے جیسی شیشے جیسی ایک
دیکھنے والی ایک دل کی۔... میری آواز مل رہی تھی۔ بہتر ہے کچھ نہ
• مجھے بتاؤ کون تھی وہ؟" وہ اضطرار لیسے میں بولی۔
میں نے اپنی زبان کو لگا م دی۔ مجھے جولین کے ظرف سامان
مطابق ہی بتانا چاہیے میری زبان پر سونیا کا نام بے اختیار آ گیا تو
گو کیا بتاؤ اور کہاں سے بتانا کہ سونیا کلکتہ جیل کے جیلر صاحب کی لڑکی
میں نے سات سال گزارے تھے۔ میں اُسے پڑھانے جاتا تھا اور اُس نے
اپنے آپ ہی اتنا گرافٹ بنایا تھا میں نے جولین سے منت کی کہ کہیے
کتنے کا یا راہ نہ وہ اُس کی شکل ہو سکتی ہے۔

• "جو کہ تو مجھے بتاؤ۔" وہ عاجزی سے بولی۔ کچھ اسی طرح
بوجھ رہا ہوا ہے گا۔

• "بہت سے بوجھ جسم میں شامل ہو جاتے ہیں۔ میں نے کہا
اب ایسا کچھ چھپا نہیں رہا ہے نا ہم جو رہ گیا ہے اُسے جان کے نہیں
نہیں ہوگی۔"

• اچھا ہوا! اُس نے مجھے قائل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ شیا
چھپا گیا گئیں اُسے مجھ سے امر کرنے کا موقع نہیں ملا۔ کتنے کے ہاتھ
کوئی نئی خبر نہیں لائیں۔ دو دنوں کے چرے سے تھے تھے۔ لباس تبدیل
کے لیے وہ فوراً کرے سے چلی گئیں۔ جولین گم گم بیٹھی ہی شہر آباد
کرے سے گئیں تو وہ آہستگی سے بولی میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں
• ہاں ہاں! میں نے چوک کے کہا۔ کیا بات ہے؟

• تمہارے باسے میں ہے۔

• میرے باسے میں؟ ایسی کیا بات ہے؟

• یہاں اس کا موقع نہیں ہے۔ وہ سٹی ہوئی آواز میں۔

• پھر کہاں؟

• کہیں بھی جہاں کچھ وقت مل سکے۔

• کہیں چلیں گے۔ میں نے مزید سچ کہا۔ مگر مگر....

• میں کچھ سمجھنا چاہتی ہوں یہ جاننے کے لیے کہ میں تمہارے

میں نے ایک گہری سانس لی۔ "غالبا تو کم کھنا چاہتی ہو" میں نے
 "اُس کا فیصلہ کر لیا ہے"
 "مگر وہ تمہارا فیصلہ ہے۔"

”مگر تمہارے لیے سوچنے والے دوسرے بھی تھے انے متعلق کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں یا مطلب ہے، تمہارے لیے کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں یہ دوسری بات ہے کہ تم اسے قبول نہ کرو۔“

”مگر شاید میں کچھ اور کہنا چاہتی ہوں۔“

”تم کیا کیا؟.... میں نے بلے لپیے کہہ۔ اُس کے چہرے پر کیا اعتماد تھا! اتنے محسوس جیسے وہ اس اعتماد کی افراش کرتی رہی ہو۔ میں نے جھپکتی پکڑوں کے اُسے نکھا۔ اُس کے لبوں پر سکڑا ہٹ کی ایک لمبے لمبے گز گئی۔ باہر سے کسی کی چاب سنا دی اور دور سے میرے لمحے چپا کر کے میری داخل ہوئی۔ پھر شاہ راء۔ دونوں اُن کی ہوئی اُن تھیں۔

چند لمحوں بعد جولین وہاں سے چلی گئی لیکن جانے کے بعد بھی موجود رہی
 چمپ، مگر جانے کیا باتیں کر رہی تھی، یاد نہیں میں نے کیا سنا، کیا نہیں

آباجان! فرخ، ذوال قارہ اور دلکرا کی شام جو ملنے کے گھر تھے۔
 کو کبھی واپس نہیں گئے۔ آباجان کو اگر کوئی تردد تھا تو دور ہو گیا جو
 ایسا وہ گھر میں نہیں آئے ہیں مگر صرف اتنی باتیں تھیں جو بگڑے قریب
 آئے تھے۔ بعد ازاں ہسپتال جاتا تھا اور کانٹے کے باسے میں ہسپتال سے ایک
 ڈاکٹر لے آتا تھا۔ ڈاکٹر کے یہ قول جتنی پرور میں تھی اچھا نہیں ہو رہا تھا۔
 یہ بتانے کے سب کو اور آرزو کر رہا تھا کہ ڈاکٹر دلے میں اسے خیال سے
 اس گھنے بٹانے تھے حالانکہ وہ انہیں وہیں گھنٹوں کے اندر اندر کانٹے
 ش میں آنے کی ترغیب تھی بگڑے قریب ہسپتال میں اس کے کسی
 رانے بتائی تھی۔ یہی بری بھی کانٹے کے کپے میں ڈاکٹر دلے کی آمد
 تھی، دفعہ دفعہ سے ایک کے بعد دوسرا ڈاکٹر اسے دیکھنے آتا ہوا دیکھ کر
 کو نہیں سو رہا۔ فرخ، ذوال قارہ وغیرہ کانٹے میں جاتی تھیں مگر وہ اس
 یے متعلق بھی کیسے ہو سکتی تھیں۔ آباجان نے آئے ہی ان کو اور پڑی کے
 میں کیا تھیں مگر ان کے لیے جملت انتقام کیا تھا رات بھر جیسا جیانا
 وہ عا دین کرتی رہی شام کو میں اور میری غمزدگی دیکھ کے لیے ہسپتال گئے
 میں باہر ہی کھڑا ہوا۔ جہاں شعل کے ٹپانے کی جہت تھی۔
 جو میں کے گھر کی ساری بتیاں روشن تھیں مگر ہر طرف اندھیرا نظر آ

ڈھلے سوچ کے وقت ہم پاؤں سے چلے تھے چلے چلے اپنے
لگا اور کرکوں پر ڈشیاں بنائے لگیں شام کی خواہش پر ہم نے ایک
چائے پی اور کچا چٹنی کے ساتھ کاندی سموسے کھائے۔

ہم ہائے سے ابھی فاصلہ پر تھے کہ دُور مرکز پہ گلیاں جھپٹا ہی جاتی تھیں۔
 اُٹھنا کھانا دیا اُس کی نگاہیں سسل اوپر اور دُور مرکز پہ، جہاں جیسے
 پر اُس کی نظر پڑی وہ وہیں سے جتنے نگاہ دوڑا وہاں کی طرح جھاگتا
 ہائے پس آگیا۔ کید سے لوگ تم؟ وہ ہا ہٹتے ہوئے بولا۔
 کیوں؟ اس کی حالت کیجئے کہ مرلزل دُور سے دُور لگنے لگا۔
 ایدر کھٹا غلطی سے تم کو دھونڈنا پڑا ہے۔ دارا ابھی اُٹھا ہے۔
 کیا بات ہے؟ میں نے سر سے لگی ہے پوچھا۔
 اُور دکھاتے جانی کے لیے ماسٹر مارا گیا تھا۔
 کیا کیا ہوا اُسے؟ میں نے جھپٹتی آواز میں پوچھا۔
 حالت ٹھیک نہیں معلوم پڑا یا راجا جانی، ماسٹر سے سالابت نہیں
 ہوا اور تم لوگ کے لیے تھوڑا دیر کا، پھر بھی لگ گیا ابھی سیہ چا
 ٹھٹھٹھٹھ کاہل کے گیا ہے۔
 شہر سے رستے ہی ایک لم تر کو ان کی جھپٹ کر سنا آنے لگا۔ مرکز کو
 پڑھ کر کو ان اس سے زیادہ تیز گزری نہیں چلا سکتا تھا۔ آگ دھٹنے

کے اندر ملازم اس نے میں اسپتال پہنچا دیا۔ اماط میں قدم رکھتے ہوئے میری
 ٹانگیں کچکپا رہی تھیں۔ اسپتال کا مقررہ وقت ختم ہو چکا تھا میں ڈاکٹر
 کی اسٹا کاوا لیا۔ وہ اس وقت ہاں نہیں تھا لیکن مزید کسی حوالے کی ضرورت
 نہیں پڑی۔ کائنات کا نام نہ کر کے انچارج نے مجھ کو لیا اور اس کے ہونٹ
 پھڑکنے لگے۔ مجھے افسوس ہے۔ میں صرف رائٹاؤں رکھا۔
 پیچھے سے جبر دے کر مجھے تھم لیا۔

۱ درانہ کلہا پٹا تھا۔ جیسا کہ میں غالبہ کہہ چکا ہوں یہ عالم کہ میں اہل بھگتوں سے ملنے
گھر پر سنا چھاپا ہوا جیسے بھی گنگے مول اور سن کر حیرت میں آگیا ہوں بولیں
چسپا بکرم بولیں کہ مال شہزادہ مجھے کچھ میری طرف بھیٹ پڑیں اور سن کر نہ لگیں۔
میں نے ان سے کہہ نہیں سکا کہ میں ان سے کچھ کہہ رہی ہوں یا نہ ہوں اس کو گناہ میں
دیدہ آنکھوں سے میں انہیں دیکھا کہ شہزادہ میرے بارے میں عجیب چھوٹ چھوٹ
کے دوری تھی۔

اندھ بھلی کرے میں کانتے کی لاش پڑی تھی۔


مافی نے مجھے ان سے جدا کیا اور دم کر کے میاں گئے کہ پاس لے جانا چاہتا ہوں اُس کے سامنے جانے کے تصور سے میری آنکھوں میں اندھیرا اُڑ گیا۔ مافی نے ڈراوا بدل لیا اور میری کمر پٹکتا جوا بھینک کے لے آیا۔ جھل پڑا، مچھی ٹھیک، لچھی ڈراوا جمید اور بلے کے علاوہ ڈاکٹر کا کاش بھی ان میں موجود تھا۔ میری نظریں سیوٹی ٹھیل پر تلے بکھر گئیں۔ دھوپ کے ساتھ تھپتھاؤ اور بارش کا بھی جملہ نے بڑی چھتک ہو تھا۔ میرے کالے پر اُس نے حرکت کیے نہیں دیکھا۔ میرے ڈاکٹر کے کھمبے اپنے پاس لے آیا اور ڈر بڑائی کا آواز میں بولا۔ "مجھ راجا اگلے سے ٹھیل عیانی۔"

”ہاں دادا! دیکھ لیا ہے۔“ بچھل کی آواز مجھے دُور سے آتی سنائی دی۔ بیٹھ جا رہے۔“

بڑی گھوٹی پٹیاں ایک ٹائیٹنگ چھوڑ بھی دیں پھر مرانا ہو گا کہ اس نے
 ایک بجے پہنچ لیا۔ میں نے رولنگتے دیکھ کر بچا، اسی نے مجھے بتایا کہ میرے
 دوست اچھو پوری زمین میں زمین جسے اس نے کھائے دھتے کے جھیل پر چڑھ کر
 لایا۔ بھولنے کے ڈھکے اس کا کھڑا ہوا اور دھاتی انداز میں ملانے کی گڑنے اسے
 ایک طرف جھکا، اور میرے سامنے آکے مجھے لینے دیا، چٹانے لگانے لگا میں نے اس کا
 ہاتھ نہیں دھکا، کوئی آواز، ہند کی بیست کی طرح سات اس کے متال کھرا ہوا۔
 اس نے پھر اپنے لیے کسی نیلے سے بیس لپکھول کر کے اسے فزٹ کر لیا اور اپنا بیجر
 میرے چہرے میں گرا دیا۔ میں نے فٹپٹیں کا آخراں سے خوبھی ہاتھ کھینچ لیے اور
 بننے بازو جھلا کے بے تحاشا پہنچ لیا۔ اس کی گرفت ایک سختی تھی مجھے اس
 سے سینے سے لگ کر لپٹا لگا گیا۔ میرے چہرے میں ایک ایک آگ کی جھلک اٹھی ہے، جیسے
 برے ساموں میں کوئی دنیاں جھوٹا ہے، جیسے کوئی تیری گیس موزوں ہا ہے، رگڑ
 میں اس کی گرجا آئی تیری چیخیں لگ گئیں۔ مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ میرے صمرا
 کا سامنا اخنڈ کو تو ہے، آدمی کے جس اس آتشوں کے سوا کیا ہے، بلکہ پھر بڑے
 کے پڑھک گیا، اس نے مجھے جانے کہ کب تک اپنی آغوش میں چھپنے دے گا۔
 ابھی کوئی مجھ سے دھڑکی۔

مناجاس کی خدمت آوری سے جسے ساتھ چلے میں نفس میں ملنے کی تھی لیکن نہیں ہے
 تھی یہ حال ہ وہی میں تھا کسی اور فریاد کے بجائے دفتر میں نے کھڑے ہو کر کہا۔
 پھر صاف ملتا ہے۔“
 آج مجھے یہ ترقی نہ ہوگی چند لوگوں تک ہر شش پہنچ میں کھڑا رہا پھر
 منہ زانہ میں سر مل کے بولا ”تو کوئی اور نیا آدمی جان پڑتا ہے ہم کو ضرور
 لے گا اور اب دھر کے ہی تم کو دیکھنے کا“
 میں نے جواب نہیں دیا اور اس کے ساتھ ساتھ مل چلا رہا کچھ دیر جا کے
 دیکھ گئی بلکہ تھوڑے اس کی فاسرست پڑ گئی کہنے لگا یہ جس میں بیٹھا ہو گا
 کوئی بات نہ ہو تو سے پہلے بتا دوں۔
 کیا بتا دوں؟ میں نے نہ کہہ سکا۔
 کوئی ایسا دسیا بات؟“

نہیں بالکل نہیں۔ میں نے جلدی سے کہا۔



107

103

بات سے بات چلتی گئی۔ مجھے بھی اختیار نہیں رہا کہ میں آستانہوں تو گھر آجی کبہ ہوتے ہیں کہیں ہی ٹکف کر رہا آدوہ تھے اُن کا تپاک سوچا سمجھا نہیں تھا۔ وہ بھی بے اختیارانہ عقائد نہیں اتنی دیرمیاں نہ ٹیڑھا نہ میری زبان ایسی وال ہوتی مجھے اپنا جی کچھ ہلکا ہلکا لگ رہا تھا جیسے کئی دن کی گھٹاؤں کے بعد بدلیاں چٹ مائیں یا دھوپ میں چلتے چلتے کسی جگہ چھاؤں میں گر جائے کسی نے ٹھیک کہہ دیا کبھی برسوں کی شناسائی تو دوسری ڈرتی ہے اور کبھی ایک پل میں برسوں کا فاصلہ مٹ جاتا ہے۔
 ”آپ چپ کیوں ہو گئے؟ زما کی مضطرب آواز پر میں چونک پڑا۔
 ”نہیں نہیں۔ میں نے ذرا تھک رہا ہے۔“
 ”تمہاری باتیں ہی اتنی ہی اعلیٰ تھیں ڈاکٹر کیلکشن نے بازدارانہ انداز میں اپنی بات سے شکایت کی۔

”کیا واقعی؟“ وہ مصروف بولی۔
 ”نہیں یہ سب تو نہایت دل چسپ اور دل نشیں تھا۔ میں نے کہا سب لیے نیا بھی۔“

”نیا کیوں؟ لگتا ہے آپ تو بہت پڑھتے بہت سمجھتے ہیں۔“
 ”دونوں باتیں شاید ٹھیک نہیں ہیں۔“
 ”یہ انکار بھی خوب ہے۔“ وہ دیرپس سے بولی۔ ”ہر حال مجھے خوشی ہے کہ یہی کورم شناسی آگئی ہے۔ کبھی نے پہلی مرتبہ ایک مکمل دستِ ریافت کیا ہے۔“
 ”غالبا اسی مرتبہ ان سے سب سے بڑی چونک ہوئی ہے۔“
 ”اوہ نہیں۔“ وہ پوچھ کر طرح پرچ پڑی۔
 ”کبھی آدمی پر باتیں ہی اثبات کا تسلط ہوتا ہے، ہوا کے رخ والی بات ایسے ہر کسی کی قوت میں ان کا آنا سامنا ہو گیا تھا۔“
 ”نہیں خیر بھائی! ڈاکٹر کیلکشن کی آواز اُنڈر ہی تھی۔“ اُس وقت تو مجھ پر نفی ہی نفی کا تسلط تھا۔

”مجھے کیلی نے آپ کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے۔“
 ”کیا بتایا ہے؟“ وہ کچھ بھی نہیں چاہتے۔“
 ”سب جانتا ضروری بھی نہیں ہوتا کچھ جاننے بغیر بھی آدمی کبھی اچھا یا بُرا لگ سکتا ہے۔ کچھ لوگ برائیوں سمیت بھی تو اچھے لگتے ہیں۔“
 ”پھر تو یہ ایک طرف عمل ہوتا ہے۔“
 ”ہوا کرے۔“ وہ ہلکتی آواز میں بولی۔ ”دو آدمیوں کی استوار میں ہمیشہ

ایک آدمی کا رنگ اختیار فرما دیتا ہے۔“
 ”میں نے ہر اٹھکے اُسے دیکھا اُس نے کسی خیال آفریں بات کو بھی نہیں اُس سے نہیں کہا کہ اگر کتنے ایسے ہوتے ہیں اور کہاں بستے ہیں۔“
 ”کم تر غیر متنب نہیں ہوتی۔ ماری ہونا؟ ڈاکٹر کیلکشن نے شہتم ہونٹوں سے اپنی بات کو لٹکا۔

ایک لحظے کے لیے اُس کی لڑا سیل جوا تھا پھر اُس کی چھٹا کپڑا کمرے میں پھرنی پٹ پٹاتی پکوں سے بولی۔ ”تم نے ٹھیک کہا تمہیں تو پتا رہا۔ ہم کنوں کے پاس بیٹھے ہیں اور کبھی۔۔۔ اُس نے ہلٹ کے لئے آواز اور کسی تاخیر کے لئے چائے تیار کرنے کا حکم دیا۔

اندھیرا پھیل گیا تھا۔ اُن نے قہقہے روشن کیے تو سنا اگر ماری ہوا۔ وہ اپنے بال رست کے ننگی اُس کے کٹے ہوئے سیاہ بال ٹانوں پر تھے بغیر ہمارا ہر چٹک کے بٹاتی تھی پھر اُس نے بن سے اُن میں گڑا اشتیاق آہنی لیے میں مجھ سے پوچھنے لگی۔ آپ کے مشاغل کیا بستے ہیں؟
 ”کچھ بھی نہیں۔“ میں نے بے بسی سے کہا۔ ”کچھ بھی نہیں۔“
 ”کچھ بھی نہیں۔“ اُس کی سرکائی آنکھیں میرے چہرے پر جی ہرانی تو ہوں گے۔“

”کیا بتاؤں آپ کو۔“ میری آواز اٹکنے لگی کچھ بول تو بتاؤں؟
 ”کوچہ گردی پیچھے۔“
 ”کوچہ گردی؟“ وہ کھوئی گئی۔ ”کیا خوب کوچہ گردی کسی کی ہو میرا مطلب آپ کے۔۔۔“

”راہ ڈاکٹر کیلکشن نے چلیے بن سے لٹکا۔ اچھی کیا کہا کہ سب کچھ جانتا اتنا ضروری نہیں ہوتا۔“
 ”ہاں میں نے کہا تھا۔“ اُس کا چہرہ لال ہو گیا۔ ”مگر۔۔۔ وہ کہہ چاہتی ہوگی کہ وہ تو کسی اور سابق مشاق میں کہا تھا۔ چند لمحوں کے علاوہ ہر سکون ہوگئی اور جی ہوئی آواز میں بولی۔ ”لیکن جانے کا اضطراب لانی مجھے ایسا لگتا ہے کہ جیسا کہ ساتھ زندگی کچھ زیادہ ہی سستی رہی۔“
 ”میں حیرت بھری نظروں سے اُسے دیکھتا رہا۔“
 ”ہمیں یہ لحظہ رکھنا چاہیے۔ ڈاکٹر کیلکشن نے نیٹے کے کہا تھا۔ ایک ذہن اور بوش مند شخص ہو جیو ہے۔“

”میں نے اپنے بوشن کو اس سیت ہی سمجھا ہے۔“ وہ ہنسی لگا۔
 ”کیوں نہیں سمجھا کہ چہرہ دیکھ کے مجھے گمان ہوتا ہے کہ مجھے کوئی سندر۔“
 ”میں اس پر غور چلا رہی ہوں۔“ اُس کی لکھاں مجھ سے مخاطب تھیں۔
 ”کی باتوں کو اُست مانیے گا۔ اسے ادوی اناں بننے کی بڑی عادت ہے۔“
 ”کیا کچھ ایسا ہی نہیں ہے؟“ وہ صاحب؟ اُس نے اپنے جالی کا کرتے ہوئے بے صبری سے کہا۔

”میں نے کیا کہوں۔“ میری زبان لکنت کرنے لگی۔
 ”اچھا ہوا ہوا لڑ جائے کے آگئی اور اُچھا جانے میں ہوا۔“
 ”اس بار اُس نے مجھ سے شکر کے لیے نہیں پوچھا۔ چائے کے دوران اُس نے اُس کی مال اور چھٹی ہن انور دھا مجھ سے ملنے کی بڑی آرزو مند تھی۔

دولوں میں سے کسی بھی متعلق باتیں کر رہا ہے میرے ہی متعلق نہیں ہوں نہ بڑا بہ چاہیے کہ جملہ اہل ہندوؤں کی متعلق اس کا ان اور جیوں میں سے کسی کے ہاں قریب میں گئی ہوں میں انھیں ایک ایک جانیے تھا حتیٰ کہ میں بھی اس کے گھر کے متعلق بہت کچھ معلوم ہو چکا تھا کیلکشن کا ایک چوراہا جانی شے میں تعلیم حاصل کر رہا تھا پانچ سے لے کر لندن میں مقیم تھا پانچ کے ذکر پر لاکے میرے ایک ایک عبارت سے شامل بھی رہی ہوں اور جانیوں کی انجی آمدنی بھی اور ان کے ہاں جانی کے بقول دست انھیں ایسی ہیبت نہیں تھی۔ دوں اور خود سب کے ساتھ ہے مجھے بھی جواب دہ تھا کہنا چاہیے تھا شاید انھوں نے اس لیے پل کی تھی لیکن میں نے اپنی زبان بند کر دی اور اس وقت کیلکشن کی ایک بار گھڑی نظر گئی تو وہ چونک اٹھا۔ اُسے اس کی ڈولی پر سناٹا جانا تھا۔ آج چھٹی کرو۔ لوٹ کر پلٹے ہیں وہیں جا کے ڈر کر گئے۔ زمانے پچھلے انداز میں رہنے جانی سے کہا۔

نہیں جانی اگر تیار ہوں۔۔۔۔۔

آج نہیں۔ میں نے چکیا ہر گز کہا۔ پھر کسی سی۔

آج کی ہوں میں؟ وہ ناچار فرمایا۔ میں نہیں بولی۔ کل کا کیا آپ کو اس قدر یقین ہے؟ جو آج مل رہا ہے۔ اُسے اُن کے ہاں مل کر صواب پید کر ہوں چھوٹا ہے۔ مجھے کل پر ہمیشہ ہوتا ہے کہ محض ایک گمان ہے۔

آئے انداز پر بھی تو ایک گمان ہے آئے دالے کل کے مانند۔ میں نے کہا۔

وہ چاہے کھڑکھڑاتے لیتے لگتی اور اس کی آنکھوں میں ستارے سے چمکتے اور اندر نہ دیکھتے۔ بے شک۔ کچھ تو فک کے بعد ہوتا تھا آواز سن بولی نہ کرتے والا محفل کے مانند یہ کہیں پر جو دھم جو دھم پرانے پڑا تھا جس سے ہنسنے میں کسی خاص صورت حال سے بھی مشروط ہوتے ہیں۔ اگر سب کچھ میرے ہوتا تو شاید ان کا تسلسل نہ ہوتا۔ کل ایک ہی نام سے جلتے کیا کیا بڑا ڈر ہے۔ سوچ لے اس کے موقع ہی کیوں ہیں۔ ہم قیاس ہی کیوں توڑیں۔ کل کی دوری کتنے لے کے کی نسبت بڑی ہے اور گویا زیادہ ڈر اندر ہے۔ میرے سر پر کتنے سے پہلے توڑی سے کہنے لگی۔ کیا آپ بھی لوٹ کر رہا ہے؟ میں نے نکالیں۔ ہاں اس کی آواز اور بار بار ہوتی۔ کیسی سے پوچھ کر کسی خولیاں کے جگہ سے اس وقت تو آوازوں سے سنہرا کاٹا اور دل پر لگا اندھا شوکر کیٹیوں کی کڑھ ڈھونڈ گئے۔ پانی میں مل کر جھینٹے پڑے ہوں جیسے پانی میں شعلہ ہو کر ہے۔ ہوں جھوتے پاتے گاتے ہوں لوگ خوش نہ کر خوش غریب ہنسنے اور کھنسنے کے لیے کہیں نہ شتی میں شیعہ کے دوری نہ کر جائے اور دل پر کا جھوٹا لہجہ لے سیرے۔

میں تعجب کر رہا ہوں۔ میں نے خوش خواہی سے کہا۔

آپ پیتے ہیں؟

جی۔ میں نے جڑی سے اُس کی طرف بھاگی۔ میں باکل نہیں۔ مجھے یقین تھا۔ وہ بے ساختگی سے بولی۔ پھر اچانک اندر سے غاص ہو گا۔

شراب ایک لقمی نشہ ہے مصمصی شراب لگیں میں سے کہ نہ ہوشی کی کسی خفاہر حقیقی رنگوں سے کوئی کیا انداز رکھتا ہے اور کس سے غم غم کس کس رنگتہ؟ تو جھوٹ ہے اپنے آپ سے جھوٹ بولنے اپنا پورا چہرے کی کوشش کر کے پینے سے لوگ کبھی اچھے نہیں لگتے۔ مجھے ان پر ترس آتا ہے۔ ہوش نہ لگا رہا ہو کہ میرے ہوشی زندگی بھر کرنے کے مترادف ہے۔ مجری خود کشتی۔

تم کہنا پھر انتہا پسند ہوتی بارہی ہو۔ کیا لاش کی کسی قدر تمنا دے گا؟ تم نے بھی شراب پی ہے؟

ہاں ہے ایک باتیں تین چار بار۔

تم نے؟ وہ تجھے لولا میرے علم میں نہیں۔

تمہارے علم میں ان افروزی نہیں تھا کہ اتنے ترس رہیں کیوں ہوئے؟ صرف دلوں کو اس کی اعزاز ہے۔ ہر جہ میں چار سال تک تم کی لاش نہ کر رہا۔

تم کہنا کیا جاتی ہو؟ کیلکشن کی آواز کھینچنے لگی۔

کیا میں نے کچھ نہیں کہا ہے۔ وہ مصدوم سے بولی۔

نہیں۔ میں نے کس کے کہا۔ میں جھکا کر سوچ رہا تھا۔

وہ ایک بالے نظر ہوا ان میں۔ وہ کیا سوچتے ہیں کچھ نہ انداز توڑا۔

قطعا نہیں۔ میں نے جلدی سے کہا۔ آج بھی شراب پی؟

ہاں تین چار بار۔

اور کیا محسوس کیا؟

میں نے جانا تھا کہ یہ جڑی کیا ہے۔ زوری تیری چوتھی بار میں محض اپنے تجربے کی تو جھینٹ کے لیے اپنی حالانکہ جڑی ہر ایک اس تھا میں نے یہ ملحق سے آواز دیا کہ میں نے دن بھر کوئی ہوں پر اور وہ زمین کی کشتی کا گیا نہیں اور میری آنکھیں میں نے کچھ کیری میری ہائی ہائی گشت سے لگائی یا اس کے اُسے میں نے لے لیا۔ میں اپنی راستہ اور رنگت بدل چکی ہیں مجھے ساگا لگا تو کہہ رہا ہے۔ میرا جی ہاں کہ میں تیرے کو ڈر دلوں اپنا شروع کر دلوں؟ گاؤں اور وہ دلوں۔ مجھے اپنی کسی کیفیت پر اختیار نہیں ہاں میری فصلی ہے مجھ میں گیا۔ آدمی کی اس سے بڑی بے بسی کیا ہو سکتی ہے میں شراب کو کوئی بلاتا سمجھتی لیکن ایک فنون چیز ہے۔ مجھے شہر کے شراب میں نشہ تو ہے۔ اگر وہی تو زندگی میں اس سے تیرا دم پانا رہے میں تیرے زندگی کی گلی کے اندر سے نا نشہ دو کے مانند۔

ڈاکٹر کیلکشن اُس کے خاموش ہونے کا منتظر تھا۔ اپنی کلائی پر ہندی گھڑی دیکھتے تھے تیری سے بولا۔ تمہارے بیان میں تمہاری خواہش تھا کہ لے کوئی امتناع کوئی آواز نہ ملے اور۔۔۔۔۔

میں اپنی بات کر رہی ہوں۔

اتنی آسانی سے فیصلے صادر نہیں کیے جاتے۔ ساری خارجی چیزیں تو دنیا نام کی نام ہوتی ہیں سائنس تو گلی والی غذا کیس اور بہت سی چیزیں۔ ہر حال وقت ہے۔ وہ پھول کے کولہاں پر ٹھہر جانے کو کہہ رہی تھیں۔

ہاں ہاں تو جب بھی گئی۔

میں یہی بہا نہیں۔

جی کی تم نے؟ میں اپنی کہہ رہی تھی۔ میں نے بھی کچھ نہ پتہ نہ تھا۔

اگر آپ ہاں میں جواب دیتے تو مجھے دیکھ رہا ہوں میں نے اپنے اذنانے کی تصدیق کر کے اپنے آپ سے پوچھا مجھے معلوم تھا کہ آپ ہی کہیں گے۔ اہم میں شراب کے علاوہ میں کل مشاغل میں تیرا بلیر بڑا برقع۔ قصص اور مینو۔ آپ سے چل رہی ہیں یا۔۔۔۔۔؟

مزدور ملتا ہے اس لیے کہ میں نے اس کا حساب کر رہا ہوں گے اور میرا اس میں کچھ کیے شاید مزدور نہ ہو۔ میری ان تالیفات کے باوجود وہ امر کرتی رہی اور کسے رنگوں اور دشمنیوں کا احوال خواہ میرے لیے بیان کرتی رہی اب سے اس ایک ہی حوازی رہا گیا تھا میں نے اس سے کہا۔ یقیناً یہ ایک لاش کی نسبت ہوگی لیکن اس وقت بھی کہا کہ وہ نہیں ہے۔

جی کو نہ لے ہی کے لیے تو چل رہے ہیں۔

کیلکشن نے تبسمی انداز میں اُسے لگا لگا بھی کر طرح مناسب سے اس نے اپنے لیے میں کاتے کی طرف اشارہ کیا وہ مجب مجب ہوئی غم غم میں ہی مجھے انوس نے۔ وہ زندگی سے بولی۔ مجھے احساس ہی نہیں ہاں کہ میرے کتے سے مل رہے ہیں۔ اس نے لگاؤ سے پوچھا کہ ہے۔ آپ بہت زور دھو رہا جی۔ تم نے لکھی سے کسی بار کچے ہاں جاتے ہیں کہ میں نے اور دوسرے میں لیکن میں نے لکھا یا جانا نہیں۔

وہ اٹھ کھڑا کرتی رہی۔

آپ بہت گھر سے دست تھکا؟ اگر نہ میں مجھ سے ہی پوچھا تھا اور لاجب نظر میرے ملحق میں الگ کے گئے تھے۔

لیکن لے لیا تھا۔ اُس نے میرے جواب کا انتظار بھی نہیں کیا۔ میں نے لے لیا تھا کہ وہ کیسے ضرورت سے تھکا رہا ہے کہ بڑی انداز ہوتی ہے کہ یہی چپ ہوتا ہے آدمی نے ساری اپنی غلغلہ بالیلے اپنے آپ پر پاشا کیا ہے کہ نہ لوگ دیکھتے دیکھتے تم جو جاتے ہو کوئی کسی سے کہہ نہ گیا ہو کہ کسی کو عادت نہیں تھی میں بہت محنت کے گھر سے جاتی ہوں بلکہ موت کے گھر میں لے والوں سے ان کی موتیں سن لیں بھی جاتی ہیں ان کے پاس ملے کو کچھ نہ اس کا سہوتا ہے انھوں نے کہا جی لکھا کہ ان سے بہت لڑا کرتے ہو۔ دودھ دیکھتے تھے کہ ان میں کیا کھا کھا آج ہی دھماکا ہوا تھا۔ نظر آ رہا ہے کہ میں نے کسی نے جانے والے کو نہیں دیکھا۔

تم کیسے موت سے بچ رہے؟

میں سنا رہا تھا کہ کیا کہنا۔

کہنے لگی۔ تمام راستے موت کی طرف جاتے ہیں کہیں کوئی ملدی منزل پر نہ جاتا ہے کہیں کسی کو رنگ ملتا ہے لیکن منزل سب کی کیسے۔

نہیں۔ آج سے موت کی طرف جاتے ہیں تو کوئی ملدی منزل کوئی ختم کے لیے ہیں؟ میں نے ڈوٹی آواز سن کر کہا۔

ہاں؟ وہ چونک کر بیڑی اور زبرد ہونٹوں سے بولی۔ آپ کی کسی خیر بات کہی ہے؟ یقیناً، ہر طرح راستہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

ڈاکٹر کیلکشن کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ اُس نے مجھ سے لباس کی تبدیلی کے لیے چند منٹ کی اعازت مانگی۔ اُس کے جانے کے بعد میں نے ڈاکٹر کیلکشن کے ساتھ لگا ہوں جھکا کر کھانے کو کوئی نہیں رہی۔

”میں ان کے ساتھ کھانا کھا کر چل گیا۔“ میں نے اس کے چمکے کا عندوہ کرنے کی کوشش کی۔ اتنی درمیں سب کچھ بھولا سارا۔

”جھلانے کی کوشش کیجیے زندہ آدمیوں کے پاس اس کے سوا کیا رہا ہے۔“

کرنے والوں کو بھولنا اور پتہ ہوا آپ یہاں آگئے۔ اس گھر میں شاید آپ کچھ سکون لے سکتے ہیں جی ہاں اہم ہوتی ہے۔ یہاں آجائے کیا جی ہاں کھانا کے کھانے کے بغیر جی یہ ایک سی سی باسے لیکن میں پہلے سے تم نہیں کہہ رہی ہیں اپنے لہجہ میں کل نہیں کی تھی کہ میں جی ہوں یہ بھی ایک طرح کی منافقت ہے۔ سچ ہی ہے کہ آپ کو دیکھ کر آپ کے دل کی غلیظت کا احساس ہونے لگا۔ میں نے کہا کہ میں نے کوشش کی ہے کہ یہ گھر اور گھر سے مختلف ہے یہاں کے کیوں ایک سے کہتے لگا کر کہ میں ہر دم ایک دوسرے کے کام آئے کے لیے لے کر لیکن اپنی ذات اپنی آزادی کی قیمت پر نہیں میری گزارش ہے کہ آپ کو کبھی کے حوالے کی ضرورت نہیں مجھے اپنے ہی حوالے اچھے لگتے ہیں۔

جی۔ میں نے سنا تھا کہ میں کہا تھا آپ کا بہت شکریہ۔

اور ضروری نہیں کہ ایک دوسرے کی شناخت میں ایک وقت ہی صرف ہو۔

میرا دل اشارت کا وقت کے یہ ناسلے بغیر ضروری فاصلے کو بھی ایک دوسرے کے متعلق ابھی رائے تمام کی جا سکتی ہے۔

جی جی ہاں۔ میں نے جلدی سے ہر لاکے کہا۔

میں نہیں جانتی کہ آپ کے کام آتی ہو۔

آپ کا اتنا کامیابی ہوتی ہے۔

بہت بالکل نہیں ہے میں بالکل نہیں کہتی ہوں اور مجھے لگتا ہے کہ میں آپ کے کسی کام ضرور سکتی ہوں ایک اچھے دیکھنے کے طور پر۔

جی ہاں یہ میرے لیے باعث عزت ہو گا۔

میری بات کا شاید آپ کو یقین نہیں آیا؟

میں یہ آپ کے لیے سمجھ لیا؟

میں پائے کی طرف جانا چاہتا تھا لیکن اگر میں کیراش سے کہتا تو وہ دیران میں کہیں مجھے آنے کے لیے تیار نہ ہوتا اس لیے پائے کی عمارت تک جانا بھی مناسب نہیں تھا تاہم چونکہ کیراش کوئی کڑی طاقت نہ تھا تاہم پولین انڈر شہ پارہ کے محل پر وہ اندر چلا آیا اور کوئی آواز نہ گونجی نہ شہ پارہ کوئی بھی موجود تھا کسی نے بھی مجھے سے کہا تھا کہ اس وقت تو زور دس لو گتنگی پر پڑے تھے مرنے والا مر کے نام ہو جاتا ہے تمام اس حال وشر کے ساتھ اسے کوئل جاتے جاتے کہ اس کے پیچھے

ڈھائی بجے درخان بھاگیا تب کہیں وہ دیکرے پاس سے ہلکا کھانے سے
آئی۔۔۔ کے انتظار میں کی گئی تھی کھانے کے بعد بھی وہ نہیں آیا اب مجھے تشویش ہونے
لگی فیصل کو تو یہ ہے، کہ کہیں ہو کر کے جا کے ہو گیا ہو، یا بے کاش نہیں لو ان
دو لوں کا آج امان اور حلیوں میں غرق کا تو خیال ہوگا۔ ہو سکتا ہے، وہ کہیں کی ٹریف
فلک گئے ہوں۔ سو اتنی باتیں ہیں اُنکے لئے ہوا۔ امانی شواہد جو میری جیب سے ساتھ آئے
گئے یہ اراذہ ہو کر کے جانے لگا تھا اگر ان میں سے کیسے ساتھ لے جاسکتا تھا۔ یوں روکنا
بھی مناسب نہیں تھا لیکن وہ اراذہ کو ان کی تذکرے کے بدلے میں میں صاف صاف

دیر تک پائے میں بٹھا رہا لیکن پڑا اور اچھی میں سے کوئی پٹ کے نہیں آیا۔
 رات کے چل جانے سا ڈیر کے پائے پر ان کی موجودی خفزی تھی۔ آنے
 والے لوگوں کی اطلاع کے مطابق عدالت نے ان کو ضمانت پر چھوڑنے سے انکار
 کر دیا تھا۔ پھر چند روزوں کے گرفتار رہ جانے کے بعد اب پولیس کا شبہ بعض
 راجن پر نہیں ہوا تھا غالباً یہ وہ اذنانہ درست تھا کہ وہ راجن نہیں ہو سکا شرم
 لوگنا اذنیہ سے ہو کے آیا تو اس نے بتایا، پڑا عدالت میں شہادتیں میٹ رہا
 ہے۔ ظاہر ہے ان دو دلوں میں وہ گھڑی دھماکا ہو گا کیا اور اس کی مال
 پریشان ہو ہی ہوئی گی۔ پہلے میں نے سوچا تھا کہ اب انھیں آسانی ملے آؤں لیکن
 پھر میں نے رادہ ملتی کر دیا۔ میرے بیان سے وہ کھٹکتی تھیں اور یوں بھی
 تو ان کے لیے معمول کی بات ہوگی۔

انگلنڈ میں میں پائے جانے کی تیار کر رہا تھا کہ وہ انے پر کسی
 کے کھانے کی آواز آئی۔ وہ آج بامیان تھے۔ دوسرے لمحے وہ اندر چلے آئے۔
 پہلے باران کے اس طرح سے میں گھر آگیا کہ میرے میں ابلائی تھا ہندو
 کوئی اہم بات ہوگی۔ انھوں نے کسی ہتھکڑی پر بری آواز میں مجھ سے کہا کہ
 نئے مکان میں آگے کسی خاص چیز کی ضرورت ہو تو آئیں تادوں۔ مجھ سے
 جواب نہیں لیا جاسکا۔ کچھ بھی نہیں۔ میں نے بے وقت چڑائی آواز میں کہا۔
 میری بات انھوں نے نہیں سنی۔ کیا کہ وہ ٹھیک سے آگے دھبے دھول
 سے میری طرف بڑھے اور انھوں نے میری پرکھی ہوئی میری مالٹا اٹھالی۔
 زبردستی فیض آباد میں اس کے موتی اذنیہ پر تھے اور دھڑلے لگ
 کا غلاف پر چڑھا اور تھا اس نے دانیہ چھپ جاتے تھے اور موندنا بھی ہتے تھے۔
 باہر سے دیکھتے میں وہ کدو سے تم کوئی چیز نظر آتی تھی لیکن باہر سے کسی کیچھا لیکن
 ہی نہیں تھا میں ہمیشہ اسے میان کے نیچے ہینٹا تھا۔ غلافی ٹکی ملی ہوئی تھی میں
 نے اسے مرنے کے لیے لایا مگر نکالی تھی کہ آج بامیان کی نظر کو مٹی وہ اضطرابی
 انگلیوں سے اس کے دانتے کو ٹٹولنے لگی تھی۔ وہ اذنیہ سے پاس۔ وہ اضطرابی بولے۔
 میں نے مرتجہ کیا۔ ان سے کیا کہا۔

یہ تو وہ ہیں۔ ان کی آواز میں ساری تھی۔ یہ کیا کہ نادر ترین موتی
 ہیں۔ ان کی حیرت بکا تھی۔ ان جیسے موتی ان کے پاس بھی تھے۔ کوئی لائی ہوئی
 پونڈی کے دوسرے نواد میں اس کے تم کے موتی بھی شامل تھے۔ آج بامیان نے دانیہ
 مہدی کے ایک جہری کے ہاتھ فروخت کر دیے تھے۔ جو بری سے سز و بپیل نامی
 ایک بے پروہ نے انھیں خرید لیا تھا۔ کرشنا جی جب مجھے کہنے لگے تھے تو سز و بپیل
 پیل کے گھنے کے ہار میں وہ موتی دیکھ کر میری بھی حال ہوا تھا جو آج بامیان کا
 اس وقت تھا۔
 یہ تھانے تھانے پاس کیسے آئے؟ میں نے جواب میں کچھ کھانا پانچ لیکن
 آواز ملتی میں گشت گئی۔ ان کی جہن لیگائیں میرے جیسے ہر پڑا لائی تھیں۔

اچھا ہوا۔ انھوں نے دو رکعتی سوال نہیں کیا اور میرے منہ سے کچھ بھی نہ بولا
 میرا جواب میرے جیسے پرکھا تھا۔ تو یہ یہ تھا۔ ہاں بھی تھے۔ وہ میر
 انداز میں بولے۔
 میں خاموش کھڑا رہا۔
 وہ بھی لمحوں تک بے حس و حرکت کھڑے مجھے گھومتے تھے۔ پڑا
 تھا لیکن ان کی آنکھیں مجھے اپنے سامنے جم چھپتی محسوس ہو رہی تھیں
 نے میرے شلے پر ہاتھ رکھا تو میرا جڑی تھج دھڑکنے لگا۔ موصلا کہ
 نے دھبی آواز میں کہا۔ ذرا حالات قابو میں آجائیں پھر دیکھیں گے۔ پڑا
 ہونا چاہیے۔

ملازمین پر دھکے دے دو فوراً چلے گئے۔
 ان کے جانے کے بعد بھی ان کی لذتی آواز کی بانگشت میرے
 میں گونجتی رہی۔ میرا جسم میں سا ہو گیا تھا۔ وہ کیا کہہ رہے تھے۔ پڑا
 سے کیوں نہیں بولے۔ جانے کیوں میرے سینے میں ایسی گرج تھی کہ
 زرد پائیں نے پناہ پر دلوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ کون
 میں آج تھا جس نے جھل کو جڑی تھی یا جھل از خود آگیا تھا۔ اس نے مجھے
 سے لگا تو میری ہچکچاہٹ بندھ گئی۔ کیا ہوا ہے؟ وہ جتنا مجھ سے بوجھ
 میری آنکھیں اور اذنیہ لگتی تھیں۔ بول لے مجھ کو بھی نہیں بولے گا
 بال بچھنے اور مجھے جھوڑنے لگا۔
 کچھ نہیں ہے۔ میں نے نکتے بڑے کہا۔
 کچھ حیا نہ کرنا۔ وہ دھڑکی تھی کہ میں کیا بولیں گی کہ بڑا بھائی۔
 وہ چلپاتی آواز میں بولا۔ کیا ہوا ہے۔۔۔۔۔
 کچھ نہیں ہوا۔ تم کیوں کیوں۔۔۔۔۔
 "اور ٹھیک سے بچ رہا۔ اس نے مجھے ستر پر پھیل لیا اور میرا سر لپیٹا
 پر کھلایا۔ اپنے پاس بھی سنی نہیں میں نے لائے؟"
 "تم کیوں پریشان ہو رہے ہو۔ کوئی بھی بات نہیں ہے۔ میں یوں
 مجھے ایسے ہی ہوا جاتا ہے۔"

"بول لے اب اس کے لئے توجہ لیا ہے۔"
 "کسی نے نہیں تم سے کہہ دیا۔"
 "بابا اور سے ہو کے گئے تھے۔"
 میں سکسکایا ہر تار پر۔
 "وہ کچھ بول کے گئے تھے، پڑا کچھ بھی بول کتے ہیں۔ وہ تو بابا
 "وہ کتنی آسانی سے کہہ کے چلے گئے۔ میں نے آستوں میں ہا
 میں کہا اور اسے تسلی کے کوشش کی۔ "یقین معلوم ہے وہ کیا کہہ گئے
 اب اتنی دوا آئی۔۔۔۔۔"

جھک چلے۔ وہ مجھے چٹکنے لگا۔ ایسا ہی آگے مجھے ہوا جاتا ہے۔
 اگر وہ پہلے سے۔
 آدھی گھڑی دیکھ کے عطا ہے آدمی خود گھڑی نہیں ہوتا۔ پہلے بھی ان
 ہی لڑا تھا اب بھی تامل کے نہیں گئے ہیں۔ جتنا تو وہی ہے۔
 ریت ہے؟ کیسی جیت ہے؟ ہم کسی باتیں کر رہے ہو۔
 کبھی کبھار تیرا دھرم بھی ایسی ہی جھوٹا۔ اب بھال لے اپنے کو۔
 ہنسی آواز میں بولا۔ یہ کچھ کو ایک دم کیا ہو جاتا ہے۔ ذرا دوسری بات پر کل
 نہ کر دیتا ہے۔ اپنے کتا ہے۔
 یہ نایابی بات ہے۔ اتنی ہی گلیں فنی ملی گئی سب رہ ہو گئے۔ تم کہتے ہو
 یہ بات ہے۔ میں نے ذرا ان میں کہا۔ تم نے وہ گھر نہیں دیکھا تھا۔
 "جہاں تو اس سے پہلے سے بھی نہ تھا؟"

"کہاں سے کہاں پہلے ہے؟"
 "مگر میں اس کو بالائے تھے دو ملیں جھلا کے۔"
 "میں لوگوں سے۔ میں نے کچھ کھانا پانچ لیکن سے میرے طرف سے جھٹ
 دیکھ دوسرے بالوں میں انگلیاں پھرنے لگے۔ ہر وقت اپنی طرف ہی ت
 مارا دے۔ کسی نے نصیب میاں کیا بولتے تھے کہ اساتدہر آدمی کے ساتھ کوئی
 لگا ہوتا ہے۔ کسی آگے گھومتے لگتے تھے۔ میں بولتا تھا یا دھن پر کرا
 لائی میں سال کی کھڑی ہی چکر لے گھومتے پڑا تھے تو دن کو رات لذت
 ان کو تھے۔ پر کتا ہے نصیب میاں سے کی بولتے تھے۔ اپنے کو بھی ابھی
 ایسا جان لیا ہے۔ کچھ اور مجھ میں نہیں آتا تو کیا بولیں۔ پر اب تو کچھ اسید
 نے لگے۔ میں نے کیا؟"
 "شما اس سے کیا بحث کرنا کہ کچھ اسید جھگڑنے لگا ہے تو میرے کتے کیوں
 ایسا نہیں دے۔ وہ کتنے لگا۔ ابھی پرسوں آوا بول تے تھے۔ سب تو
 مگر کھڑا تھا بولتے تھے۔ ابھی تھے ان کے کتے کے جس میں جاتی اپنے
 ہاں کو کچھ نہیں جاتا۔ ٹھوٹے ان اور میرا مہر میں گے ایکے اور سے
 ہاں کے کتے بچلے ٹول کے آئیں گے۔ دادا تو بولتا ہے اب کے کوئی
 ملائیک ہی بات ہے۔۔۔۔۔"

"میں اس کیسے جانے کی ضرورت نہیں کوئی فائدہ نہیں۔ دلوں پہلے
 ہاں کو کتے پر لیک ہے۔ کچھ کھڑا تھا ہے۔ جواب دہ کی حسرت ہے درگرم
 ہاں کے کتے نے جہر نہ ہو گے۔ اُسے پھینچ لیں نہیں جاتا تو وہ زرد
 ہاں کا کھڑا کر رہی ہوگی۔
 "کھینچ گئے ایک بار اور۔"
 "میں نہیں میں مانے دوں گا کسی کو بھی نہیں اب کن سا تار مٹا دیکھنا وہ
 ہاں جو بھی میں جاتا ہوں تو کوئی نہ کوئی زرد نظر ہوتی ہے۔ دادا

کا پور گھر ہے اور کیا گھر۔ انھیں میں رہتا تھا ہے۔ اپنی بیوی اور بچی کے ساتھ میں
 تو دادا سے کہوں گا وہ پانچ چھڑوں میں وہ لوگ کہتے نہیں تو کیا محسوس بھی
 نہیں کرتے۔ میں نے کہا کہ اب میں میں نہیں جاؤں گا سب بری وجہ سے
 ہوتا ہے۔ اب اور کتنے کھڑا نہیں کہ کسی کے حوصلے آڑنے والے ہیں سلطان دیر
 متن میان لیکن خالی کتا اب اور کون دشمن ہو گیا ہے۔ تم قبول گئے؟
 "یاد ہے۔ آدھی سے بولا۔ پڑا اور زرد کچھ ایک جگہ پہنچے تو دور
 رہتی ہے۔ کیا کتے نہیں بدلتی رات میں اتنی؟ اور سب لے ہو گیا ہے کیا اگر اپنی
 نہ لگاتے تو یہ سب دکھا دیتا؟"

"بس اتنا بہت ہے۔"
 "اور شیشے میں حضور اکھر آؤ جا کے دیکھو اتنا کھڑا بہت ہے۔ بلانے
 ذرا کتا چھو پانچ لپٹے لگا بھیل گیا۔
 "ہاں ہاں۔ میں نے جیسی ہوئی آواز میں کہا۔ یہی کیوں تم ٹھیک کتے
 ہو؟ بھی کیوں یہی سب تو ہے جو سب کو اپنی کرتے کرتے میں کیوں میں کہاں
 جاؤں۔ میں بہت کوشش کرتا ہوں جیسے کی بہت کوشش لیکن میں اپنا ک
 میں تھیں کیا بتاؤں کبھی میری جانتا ہے کہ اپنا کتا گھوٹ لں اپنے آپ
 کو جاقواریوں جھپ ٹھیک ہو جاتا ہے۔
 "ہاں ہے جاقو تو اسے پاس بٹائی ہے۔ اور چلنا بھی برا نہیں آتا۔
 مارے پھر۔ وہ شکتے تھے۔ میں نے بولا۔ اپنی ہی گڈی اور بچہ رکھا۔
 میں نے بے اختیار اس کے ہاتھ پکڑے۔ "پھر میں کیوں کرتا ہوں کیا کرو؟"
 "مجھے سے کیا پوچھتا ہے۔ اس نے ہر اس پر آشوب میں چھپا لیا۔ اتنی دور
 آنے کے بعد پوچھتا ہے کہ کیا کروں۔ اتنے دن کی محو میں تو یہی کمال سخت ہو
 مانی چاہیے۔ تو نے اسے اور چھوٹی مونی کر لیا۔ اس نے مٹی سی آواز میں کہا۔ ابھی
 سے کیوں پائے لگا۔ آگے تو دن پڑے ہیں۔
 "لیکن یہ نہایت بڑی ہے۔ میں نے اسے کہہ سکتے ہوئے کہا۔
 "جتنی بڑی ہے اتنی جتنی بھی ہے کبھی حرایت مانی ہے کبھی ایک پل
 میں لپٹ جاتا ہے کسی اور کتا نہیں تو مجھے اس کا بھی حیا نہیں ہوا۔ اصرار کا
 بھی تو یہ حال ہو گا۔ اصرار کا وہ کل سے بھی ہوگی۔"
 "کون جانے؟ اس کا کیا حال ہے؟"
 "رے بھول گئی ہو گی کیا؟"
 "وہ مجھے کبھی نہیں بھول سکتی۔"
 "پھر دوری توڑی ہوگی اس نے؟"
 "نہیں کبھی نہیں۔ وہ زندگی بھر میری راہ دیکھتی ہے گی۔ اپنی آخری
 سال تک۔
 "اور تو اور ہاتھ پر ہاتھ دھسے بیٹھا ہے گا؟"

چہاں میں اس سرور کا ہی۔ جبر و سلاطین اور سلاطین و جبر کے یہاں میں ہے دیر
جی ہی نہیں جاہاں لاکہ مجھے خیال تھا کہ پائے پر جا کے پڑی خبر لینی چاہیے۔ یقیناً وہ ابھی
تک انہی میں رہ رہتا ہے۔ وہ کبھی نہ آئے۔ آج آئے۔ کہ ان کے بعد مراد

آنے کی کوشش کرے گا اگر اندھیری سے فاصلہ زیادہ ہے۔ اسے

☆ — اسرار
☆ — طنز و مزاح

اُدھر مت جاؤ! ڈلے! پولیس نے سائے علاقے کو گھیرے میں لے لیا ہے۔“

ت ۛ پوسٹ بس نمبر ۛۛۛ ۛۛۛ

مكتبة لمسيان

از کم تھے وہاں نہیں لے جانا چاہیے۔ آگے جانے کی کیا صوت ہو۔ میرے حواس کام نہیں کر رہے تھے، مہتابیں انھیں یک جا کرنے کی کوشش کرتا، ادھ لٹنے ہی منتشر ہوتے۔ لگتا تھا یہ کوئی جیسا کنگ غاب ہے، خواب پر آدمی کو قدرت کہاں ہوتی ہے کچھ دیر میں آنکھ کھل جائے گی۔ ایسا کس طرح ہو سکتا ہے؟ ابھی ایک گھنٹہ ہی تو بڑا ہے، میں دادا اور اچھی کو لگی کے آخری رکنے تک چھوڑ کے آیا تھا۔ بار بار میری نگاہیں جرداد و ننگو کی طرف اٹھتیں کہ وہ کہیں مجھ سے صبر آنا مذاق تو نہیں کر رہے؟ میرے صبر و ضبط کا امتحان لے رہے ہوں لیکن دونوں کی چٹنی ہوئی آنکھیں ان کے جلتے چہرے دیکھ کے میرا سارا وجود ڈوبنے لگا۔ موٹر آگے بڑھنے پر وہ خاموش ہو گئے تھے۔ مجھے بھی اُن سے مزید کچھ پوچھتے ہوئے ڈر لگا ہوا تھا، موٹر کی رفتار بہت تیز تھی۔ میں نے ڈرائیور کو اور تیز چلانے کی ہدایت کی، ابھی ہم نے گلیوں کے دو ہی موڑ کاٹے تھے کہ ایک چور سے پرچر وٹے موٹر کو ادا دی اور ڈرائیور سے کہا کہ وہ اب کہہ کر لے کے چولین کے گھر چلا جائے۔ شاید یہی مناسب تھا۔ یہاں سے چولین کے گھر چلا راستہ جاتا تھا، موٹر پہنچنے کی وجہ سے آبا جان پریشان ہو رہے ہوں

بہ زیادہ سوال جواب مت کر۔ ابھی جیسا استاد نے بولا ہے، دیا کرنا ہے۔ وہ جگہ یہاں سے کتنی دور ہے؟ میں نے غصے سے پوچھا۔ اتنا دور نہیں ہے۔ منگو نے بتایا۔ مگر دادا تو کسی گھر سے نکلنے سے پہلے چلے گئے تھے۔ پراچی آدھا پڑا میل آگے گیا تھا کہ کوئی... منگو نے ہنسنے پرانی۔ یہ ایسا ہی کچھ لگتا ہے اپن کو... میری رگوں میں خون جھنے لگا تھا۔ کیا مجھے قہقل کی ہدایت مل کر نا چاہیے؟ ایک لمحے کے لیے میں نے یہی فیصلہ کیا تھا لیکن پیرے اختیارات بات نہیں تھی مجھے جمعہ وہاں نے اسے تو روایا۔ دوسرے ہی لمحے میں نے اُن دونوں کو موٹر میں بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ وہ جھپٹ جلتے بیٹھ گئے تھے کہ میں نے منگو سے راستہ بدلنے کے لیے کہا وہ چیخنے چلاتے رہے پھر اُن کا لہجہ عاجزانہ ہو گیا وہ کہنے لگے تھے کہ میرے لیے ابھی دور ہی رہنا بہتر ہے اور اگر نہیں تو موٹر چولین کے گھر پہنچ دینی چاہیے۔ موٹر میں علی مولوی اکرم آبا جان زنگ و والی دیوڑھ کر لے کے گھر چل جانے لگی۔ اکبر سب سے ساتھ ہے کم

کو بھی کہا تھا۔ ٹم ٹم نہیں ملی تو وہ آگے بڑھ گیا۔ آگے راستہ ہر گز گلیوں میں صاف معمول پولیس اور لوگوں کی تعداد بڑھنے لگی تھی۔ وہیں کسی جگہ بہت جھڑپ ہوئی تھی جی تو گیا اور دیکھا کہ گلی کے فرش پر پیر داور اچھی خون میں ڈوبا ہے ہوش پڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر اُس کے ہوش و حواس جا اُس کے دماغ میں یہی آیا کہ وہ جا کے قہقل کو تیز تیز بھاگ سکتا تھا بھاگ کر چولین کے گھر پہنچا۔ قہقل مارا کو لے کر اسی وقت گھر سے نکل پڑا منگو نے اگلی ہوئی سارا بتایا۔ دادا استاد جلتے جاتے جرداد بھائی اور اپن کو بولا آگے کے دھک دے۔ میں محو تک ٹنگ کھڑا رہا۔

جلدی کر لاڈلے! جرداد مجھے جھوٹے ہوئے بولا کہ آبا جان کو گھر چھوڑ آئیں گے۔ میں اکبر کو ساتھ لے کے فوراً سے نکل جاؤں۔ مگر کیوں! کیوں؟ استاد نے کچھ جان کے ہی بولا ہو گا۔ جرداد نے

میری آنکھوں کے آگے اندھ لپٹا دیا گیا یہ کیا بک سب ہو؟ "ہاں لاڈلے! زیادہ بات کرنے کا وقت نہیں ہے پورس نے دھڑساری گلیوں پر گھیر ڈال دیا ہے۔ جرداد کی آواز پٹ پٹا رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے لیے اپنے کو اُن کے سامنے نہیں جاتا ہے۔ مگر ہوا کیا؟ کیا ہوا؟"

کیا بولے کیا ہو گیا راجا بھائی! منگو بکلتے ہوئے بولا۔ ابھی تھوڑا دیر ہی میں قہقل کے آجانے کا پھر اُدھر جانے کا ہے۔ اُن کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ میں دروازہ کھول کے فوراً موٹر سے اتر گیا اور میں نے جرداد کا بازو پکڑ لیا۔ کیا بات ہے؟ دادا کیسے میں صاف صاف کیوں نہیں سناتے؟ "اپنے کچھ نہیں معلوم لاڈلے! کچھ بھی نہیں... جرداد فریٹے ہوئے سے بولا۔ اُس کی آواز حلق میں گھٹ گئی۔

"ابن کچھ بھی نہیں بول سکتا راجا بھائی! ابھی یہ کیا اور کیا ہو گیا؟ منگو کی آنکھیں باہر نکلی ہوئی تھیں۔ کہنے لگا کہ وہ قہقل کی پٹا پر اُس کے لیے بیڑیاں لینے نکلا تھا۔ گھر جانے کے لیے چونکہ سب لوگ موٹر میں نہیں آ سکتے تھے اس لیے قہقل نے ایک ٹم ٹم لانے



گئے اور پچھلے کہ اس وقت وہ یہاں سے چلے ہی جا رہے تھے۔ یہ اطلاع انھیں بعد میں بھی مل سکتی ہے، مگر نہ مامے ساتھ چلنے کی ضد کی تھی نہ جروئے ڈپٹ کرنے سے منع کر دیا اور تاکید کی کہ وہ گھر جا کے کسی سے کچھ نہ کہے، یہی تاکید اس نے ڈیوٹر کو بھی کی۔

مجھے نہیں معلوم کہ اس نے ان سے اور کیا کہہ سکا۔ مگر ٹھیکے ہی ٹھیکے کے اشارے پر پیش نے دائیں جانب کی گلی میں جھانکا شروع کر دیا۔ ٹنگو میرا ساتھ دینے کی کوشش کرتا رہا لیکن جھوٹی ٹانگوں کے سبب وہ اتنا تیز نہیں دوڑ سکتا تھا۔ مجھے اپنی رفتار بار بار کم کرنا پڑتی۔ اتنے میں جرو بھی پیچھے سے جھانکا ہوا ہلے ساتھ آگیا۔ گلی میں کئی کئی روٹی بھی اور کچھ زیادہ لوگ نہیں تھے لیکن جیسے جیسے ہم فاصلہ طے کرتے گئے، پھر رخصتی گئی۔ بیشتر کمالات کے دانے اور کھیر کھان کھلی موٹی تھیں لوگ ٹنگو لڑیں اور دھڑکے دھڑکے تھے۔ آگے رت جگے کا سا نظر تھا۔ جہاں تک نظر جاتی ہجوم نظر آتا۔ آگے بچے کے مجھے احساس ہوا کہ لوگ تو واپس آ رہے ہیں میں نے رک کے کسی سے پوچھنا یا لیکن جرو اور ڈنگو بڑھتے رہے۔ لانے میں سامنے آ جانے والے لوگوں کی وجہ سے میں ایک طرف موجانا پڑا۔ کبھی کوئی خود ایک طرف موجانا یا اپنی جگہ چڑھا نہیں آدڑوں کو دور سے بلے ٹاشا جھانکتے ہوئے دیکھ کے لوگوں کی توجہ ان کی طرف منعطف ہوتی ہی چاہیے تھی لیکن ہم ان کے تکتے اور تردد کی فکر کیے بغیر جھانکتے رہے۔ آخر کئی پولیس کی راتے میں کوئی بھی باہی رکاوٹ نہ مل سکتا تھا مگر کسی ایسی رکاوٹ کا سامنا کرنا نہیں پڑا اور ہم نے ایک بڑا فاصلہ طے کر لیا۔

سامنے چند قدم کی دوری پر ایک بڑا ہجوم نظر آ رہا تھا۔ راستہ بند تھا اور ہر طرح کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ قریب پہنچے پر معلوم ہوا کہ یہ ایک منظر جمع ہے چند سپاہی بھی سچے سچ لوگوں کو بکھر جانے کی تلقین کر رہے تھے۔ میرا دل بڑی طرح دھڑک رہا تھا۔ جرو نے بازو بڑھ کر مجھے دیکھ دیں۔ وہ لگا کہ ان دونوں کی سانس ٹوٹی ہوئی تھیں اور دونوں پسینے میں شرابور تھے۔ میرا بھی یہی حال تھا۔ جرو نے سانس استوار کرنے کی بھی ہمت نہیں لی اور اپنی آوازیں سامنے کھڑے ہونے ایک کن ریدہ شخص سے بھیڑ کا سبب ہو چکا۔ وہ شخص بھی اچھا اچھا تھا۔ نام اس نے بتایا کہ دو آدمیوں پر گولی چلی ہے۔ کوئی لمحوں کے بعد بغیر ہم ان کے بڑھ گئے۔ ہاں لوگوں کی ایک دہائی کی گھڑی تھی۔ باہر آتے اندر جاتے۔ ایک دوسرے کو دیکھتے۔ شور مچاتے لوگوں کی دیوار کے پار کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اسے

دور کر کے اندر جانے کے خیال سے میرے پر دل میں پڑا۔ وہ دن بے قرار ہی ان کی دیوار واصلہ کرنے کو اندر کیا کچھ ممکن ہے۔ میں ان سے پیچھے رہ گیا۔ جرو اور ڈنگو جھانپتے ہوئے اندر پہنچ گئے تھے۔ میرے جی میں آگ لگی لیکن جرو نے پلٹ کے مجھے اپنے پاس کھینچ لیا۔

اندر قدم رکھتے ہی میرا جسم ٹک ہو کر رہ گیا۔ ہمارے میں سے کوئی نہیں تھا۔ یہاں کی خالی جگہ فرش پر ہزاروں بکھر ہوا تھا۔ مجھے ہونے والے کوٹھے پر ایک پولیس افسر اور کچھ اور گیس کی لائٹیں کی روشنی میں جگہیں نہ پا رہے۔ نشان زدہ دانے سے لوگوں کو دور رکھنے کی کوشش کرنے چکر سامنے لگا اور میری آنکھوں میں ہلکی سی روشنی رہی۔ بڑا لمبے گز گئے۔ مجھے اپنی کوئی سندھ بڑھ نہیں تھی۔ جرو نے دیا تو میں اچھل پڑا۔ میں نے بہت نفوس چڑھا چا لیکن گان زمین پر پڑے ہوئے خون پر بند لائی رہیں۔ خون جیسے میری میں بھی بھر آیا تھا۔ مجھے ہر طرف سرخی ہی سرخی دکھائی دے رہی تھی۔ "یہ لوگ کدھر گئے؟" جرو کی منہ منہ آواز پر میں نے دیکھا، اس نے کسی سپاہی کو روک لیا تھا۔

"کون لوگ؟" سپاہی نے بگڑتی سی کہا اور وہ سرے جرو کو گھورتا رہا۔

"یہی لوگ جن کو گولی لگی ہے۔"

"تم ان کا کون لگتا ہے؟" سپاہی نے تلمی سے پوچھا۔

"ہم کون لگتا ہے؟" جرو نے بھی اسی کے لیے میں جواب دیا۔

"ان کو اچھی اسپتال میں لے گیا ہے۔" سپاہی کے جرو کے پیلوں میں کھڑے ہوئے ایک آدمی نے کہا۔

میں نے بھی سُن لیا تھا۔ کن سے اسپتال میں؟ میں چپٹنی آواز میں پوچھا۔ "کیسے وہ ہے؟..."

"تھوڑا جان باقی تھا۔" وہ بے رحمی سے بولا۔ دلوں کو سالہ ایک دم جان دار حرام کا اولاد۔

مجھ سے ضبط نہ ہوا۔ میں نے اس کے گریبان پر ہاتھ دیا۔ میں اس کا گلہ گھونٹ دیا۔ وہ ڈر کر لے اور ہاتھ پر پڑا۔ جرو، ڈنگو اور سپاہی مجھے ہر طرف سے گھیر لیا۔ سپاہی میرے منہ پر ہاتھ رکھا۔ ریدہ کیا۔ ایک جانب کا فٹہ ہاتھ میں ایک پولیس افسر کی آدمی سے گفتگو میں مصروف تھا۔ سپاہی اسے بھی آواز دیا۔ سب کی نظریں مجھ پر مرکوز تھیں۔

پیش میں تھا، اس نے تیزی سے مجھے اندر جمع کی طرف کھینچ لیا۔ سب نے اپنے گھروں کی طرف تھاپی سے ہماری طرف توجہ نہیں دی۔ جرو نے شاید غفلت میں فیصلہ کر لیا تھا، ہم اسی تہاڑان رفتار سے ایک دوسرے کے آگے پیچھے بیدھے راستے پر چلتے تھے۔ توجہ شاید کسی کو گمان بھی نہ ہوتا مگر سب اکیلے جرو ہی پر موقوف نہیں تھا۔ کیا وہی پتھر کا بنا ہوا تھا۔ ٹنگو کو اس علاقے کے راستے یاد تھے، مجھے بھی تھوڑے بہت معلوم تھے لیکن اس وقت سمت زندہ چھان پارہا تھا۔ نہیں۔ ہم چلتے رہے، کہیں نہ کہیں تو یہی گئی تم ہوگی ہی۔ ہمیں زیادہ دور نہیں چلنا پڑا۔ جلد ہی گلی ایک کشادہ مرکز پر پہنچ گئی۔ ختم ہو گئی۔ کچھ فاصلے پر چوک کی تیز روشنیاں جل رہی تھیں اور گھنٹہ گھر کی گھڑی میں ایک بج رہا تھا۔ ٹنگو راستہ پہچان لگا تھا۔ اس کے انداز سے کے مطابق اسپتال تک پیدل کا فاصلہ تھا۔ لیکن چوک پر کھڑی ہوئی ٹم کے کوچوان نے آوازیں لگائے کہیں روک لیا۔ اس سے کچھ کے منے بغیر ہم ٹم میں بیٹھ گئے تینوں کے جوئے اور پانچ بیٹھے بیٹھے سیارہ ہو گئے تھے اور بو اٹھ رہی تھی۔ ہم پہلے صفائی کر لیتے تو ٹھیک تھا، اب وقت نہیں ہا تھا۔ کوچوان نے ہمارے کتے پر رفتار تیز کر دی۔ وہ دونوں سر جھانکے بیٹھے رہے۔ میری طرح ان کے جسم ہی ریت کے راکھ کے ڈھیر ہوئے ہوں گے۔ ان کی گول میں بھی آگ دکھ رہی ہوگی۔ پیچھے سے موٹر کا مارن گونجنے پر وہ دفعہ بید ہو گئے۔ کوچوان نے بھی ٹم ایک طرف کرنی، پولیس کی ایک جیب تیزی سے گزر گئی اس میں سپاہی بھرے ہوئے تھے، انھیں ہماری طرف دیکھنے کی بھی فرصت نہیں تھی جرو اور ڈنگو ایک ایک کے انھیں دیکھتے رہے۔ مگر جیب آنا فنا نہ لگا ہوں سے دور ہو گئی تھی۔ کوچوان گھوڑے کو چاک ماتا ٹم پر ٹھہر کر پرلے آیا۔ جتنی دیر ٹم چلتی رہی میں اپنے آپ کو چٹخا کھسوتا رہا کہ مجھے ہر حال میں خود کو سیٹ کے لکھنا چاہیے۔ پانچاں سپاہی کچھ سیٹ کے میری طرح دوڑنے کی مانی بھی کسی لمحے ان سے چھن سکتی ہے۔ اپنے اسان کی جتنی ضرورت ہے، اتنی ہی دوڑنے کو بھی ہے۔ اس وقت مجھے بس ایک ہی دعا کرنی چاہیے، خدا کرے دادا اور باپجی حیرت سے ہوں۔ خدا نے چاہا تو بس ٹھیک ہو جائے گا۔ راستہ ہمیشہ خود کسی تاکید پر کرتا رہا کہ مجھے اس خود فریبی کا زیادہ وقت نہیں ملا۔ دس منٹ سے بھی کم عرصے میں ٹم ڈاکٹر شیدرام کے اسپتال پر جا کے بیٹھ گئی۔ گیت کھلا ہوا تھا۔ وہ جنگل کے طرز کی ایک دمنزل عمارت تھی۔

پیش میں تھا، اس نے تیزی سے مجھے اندر جمع کی طرف کھینچ لیا۔ سب نے اپنے گھروں کی طرف تھاپی سے ہماری طرف توجہ نہیں دی۔ جرو نے شاید غفلت میں فیصلہ کر لیا تھا، ہم اسی تہاڑان رفتار سے ایک دوسرے کے آگے پیچھے بیدھے راستے پر چلتے تھے۔ توجہ شاید کسی کو گمان بھی نہ ہوتا مگر سب اکیلے جرو ہی پر موقوف نہیں تھا۔ کیا وہی پتھر کا بنا ہوا تھا۔ ٹنگو کو اس علاقے کے راستے یاد تھے، مجھے بھی تھوڑے بہت معلوم تھے لیکن اس وقت سمت زندہ چھان پارہا تھا۔ نہیں۔ ہم چلتے رہے، کہیں نہ کہیں تو یہی گئی تم ہوگی ہی۔ ہمیں زیادہ دور نہیں چلنا پڑا۔ جلد ہی گلی ایک کشادہ مرکز پر پہنچ گئی۔ ختم ہو گئی۔ کچھ فاصلے پر چوک کی تیز روشنیاں جل رہی تھیں اور گھنٹہ گھر کی گھڑی میں ایک بج رہا تھا۔ ٹنگو راستہ پہچان لگا تھا۔ اس کے انداز سے کے مطابق اسپتال تک پیدل کا فاصلہ تھا۔ لیکن چوک پر کھڑی ہوئی ٹم کے کوچوان نے آوازیں لگائے کہیں روک لیا۔ اس سے کچھ کے منے بغیر ہم ٹم میں بیٹھ گئے تینوں کے جوئے اور پانچ بیٹھے بیٹھے سیارہ ہو گئے تھے اور بو اٹھ رہی تھی۔ ہم پہلے صفائی کر لیتے تو ٹھیک تھا، اب وقت نہیں ہا تھا۔ کوچوان نے ہمارے کتے پر رفتار تیز کر دی۔ وہ دونوں سر جھانکے بیٹھے رہے۔ میری طرح ان کے جسم ہی ریت کے راکھ کے ڈھیر ہوئے ہوں گے۔ ان کی گول میں بھی آگ دکھ رہی ہوگی۔ پیچھے سے موٹر کا مارن گونجنے پر وہ دفعہ بید ہو گئے۔ کوچوان نے بھی ٹم ایک طرف کرنی، پولیس کی ایک جیب تیزی سے گزر گئی اس میں سپاہی بھرے ہوئے تھے، انھیں ہماری طرف دیکھنے کی بھی فرصت نہیں تھی جرو اور ڈنگو ایک ایک کے انھیں دیکھتے رہے۔ مگر جیب آنا فنا نہ لگا ہوں سے دور ہو گئی تھی۔ کوچوان گھوڑے کو چاک ماتا ٹم پر ٹھہر کر پرلے آیا۔ جتنی دیر ٹم چلتی رہی میں اپنے آپ کو چٹخا کھسوتا رہا کہ مجھے ہر حال میں خود کو سیٹ کے لکھنا چاہیے۔ پانچاں سپاہی کچھ سیٹ کے میری طرح دوڑنے کی مانی بھی کسی لمحے ان سے چھن سکتی ہے۔ اپنے اسان کی جتنی ضرورت ہے، اتنی ہی دوڑنے کو بھی ہے۔ اس وقت مجھے بس ایک ہی دعا کرنی چاہیے، خدا کرے دادا اور باپجی حیرت سے ہوں۔ خدا نے چاہا تو بس ٹھیک ہو جائے گا۔ راستہ ہمیشہ خود کسی تاکید پر کرتا رہا کہ مجھے اس خود فریبی کا زیادہ وقت نہیں ملا۔ دس منٹ سے بھی کم عرصے میں ٹم ڈاکٹر شیدرام کے اسپتال پر جا کے بیٹھ گئی۔ گیت کھلا ہوا تھا۔ وہ جنگل کے طرز کی ایک دمنزل عمارت تھی۔

شعر سے جی ہوتی ایک قدیم عمارت گٹ بردبان پرانے ہاتھا اس نے نہیں دیکھا جاہلین جو رونے اندر پولیس کے پاس جانے کاغذ کیا وہاں نے زیادہ پس پیش نہیں کی۔ جو کو دہاں پولیس کی موجودگی کا خیر نہیں تھا۔ اسپتال کے احاطے میں قدم رکھتے ہی مراد نے بیٹھے لگا جیسے کوئی مجھے دھکیلتا، گھسیٹتا، جا رہا ہو میں اُن دونوں کے ساتھ قدم بڑھا رہا۔ چھلکاری اور عمارت کے درمیان گھومتے ہوئے بچے راستے سے گزر کر ہم خاص دروازے تک پہنچ گئے گاڑیوں کے آس پاس جگہ بلیک پر پولیس کی کسی ٹوٹن کھڑی تھیں اور پرسانے کے کشادہ اور روشن والان میں کسی بندق بردار سپاہی موجود تھے ہم دھکیلا گیا یہی جانتے تھے کہ انھوں نے ہمیں پھیرنے کا حکم دیا اور ایک سپاہی نے قریب آ کے دھکے مارے۔ ہمیں ہم سے پوچھا کہ تم کہاں جا چاہتے ہیں۔ جرد نے اُن سے تصدیق چاہی کہ سپاہیوں اور ہتھیاروں کو ہمیں لایا گیا ہے، وہ اُن سے ہمارا تعلق پوچھنے لگا۔ جرد نے جھپکتے ہوئے خود کو اُن کا عزیز بتایا۔ ہمیں دیکھ کے سپاہی کی آنکھوں میں جھک بھڑائی تھی اُس کی نظریں مسلسل ہمارے پس پردے پر پھرتی رہی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور سوال کرتا، میں نے اُس سے دادا کا حال پوچھا جواب نے بے کے بجائے وہ لپکتا ہوا عمارت کے اندر دھکیلا گیا میں چلا گیا چند لمحوں میں وہ نمودار ہوا اُس کے ساتھ ایک پولیس آفیسر بھی تھا۔ دونوں تیز قدموں سے ہماری طرف آئے پولیس آفیسر وہی سوال پُرا نہ کر لے گا جو سپاہی پہلے کرچکا تھا، پھر اُٹھی ہوئی آواز میں بولا وہ ابھی اندر ڈاکٹر کے ساتھ ہے۔

کیسے ہیں وہ لوگ.....؟ میں نے لکھڑائی زبان سے پوچھا۔
ابھی کچھ نہیں بول سکتا۔ اُس نے پاتھ پیچھے میں جواب دیا۔
کیا کیا انداز نہیں جانتے؟
کیا کہے گا تم چاہو؟..... اُس کی چٹائی پر ٹخنیں پرگٹن پھرنے لکھ خیال آیا ناگاری سے کہنے لگا۔ ٹھیک ہے، تم بھی مجھے کہہ دو۔ اتفاقاً کرو۔ اُس نے سپاہی سے کہا کہ وہاں اندر سے جا کے بٹھائے یہ کہتے ہی وہ چلا گیا تھا مگر جاتے جاتے لوٹ آیا اور حکیمہ لیس میں ہم سے لولا کہ آسے ہم سے ضروری بات کر لے اے اطلاع دیے بغیر ہم وہاں نہ جائیں۔

سپاہی نے میں والان سے ملحق ایک کشادہ اندر روشن کمرے میں پہنچا دیا جیسے کہ یہ لڑیاں تھا۔ وہ تینوں دہاں موجود تھیں تھے بھل شام اور مارنی ہم ایک طرف کونے میں رکھی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ گئے سپاہی پولیس چلا گیا کسی میٹ گزر گئے کسی نے ہماری خبر نہیں لی کسی

کے ساتھ یہ شاید کوئی راہ داری تھی جہاں سے کوئی پھرتا مضطربانہ سرگوشیاں سی سنائی دے رہی تھیں۔ کمرے سے لپکا کھلنے والا دروازہ بھی دھکا تھا۔ اُس طرف جا کر راہروں کے بجائے اپنے آپ کو کھڑے بیٹھا رہا مگر رام گھٹا رہا۔ پیر کی یو پی رانی کی صورتیں باہر باران کھول کے سامنے تھیں ابھی دو گھنٹے پہلے ہی تو میں اُنھیں اُن کے گھر چھوڑ کے آؤں گا سے ضد کر رہی تھی کہ وہ اُن کے ساتھ گھر کیوں نہیں لپکا۔ کسی ملحق اور خوش خوش گھر کوئی تھیں۔ اُن کے خیال سے ہونے لگا تھا خدا داد کا سلامت کھڑے میری زندگی دے دی ہو گی کا کاش یہ داد کو الگ جاتے ہیں دہاں بیٹھا پس عاقلین کر رہا تھا میں کبھی کیا سکتا تھا جرد کو گھوڑی کی ٹخسوں پر دانے پڑی تھیں پر زاری آہٹ ہوتی تو دونوں چونک پڑتے کوئی بھی اندر نہیں آتا تھا۔ انفرادی سپاہی ہیں یہاں جگہ کے بھول گئے ہیں دیواری گھوڑی بچ رہا تھا۔ لیے ہیں یہاں آئے زیادہ وقت نہیں ہوا تھا۔ ٹوٹھری پر نہیں آدی پر حقوق ہے آدی پر کیا گزر رہا ہے منٹ ہم پر بہاؤ کے مانند گزرتے تھے۔

پھر مجھے ہے، ایسے بے حس و جاہلی معذور و مفلوک نہ بیٹھا گیا۔ میں آٹھ کے سیدھا راہ داری میں کھلنے والے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ ایک راہ داری تھی جی جی میں اُن آس سے تھکے دونوں جانب کمرے بنے ہوئے تھے دہاں لوگ موجود تھے۔ سفید ڈھان میں اسپتال کے مریض کھلے کمرے آفرو اور سپاہی پہلے میں نے نرسنگ کے باہر کا کھانا لیا۔ ٹھکر مارنی کے چہرے درد تک دکھائی نہیں دیے یہاں انھیں چاہیے تھا۔ یقیناً وہ کسی کونے یا کسی اور کمرے میں ہوں گے۔ سے باہر لایا پھر میری جیسے پہلو کے کمرے سے مجھے ایک عورت ڈھنگ نظر آیا۔ میں جھپٹ کے اُس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ وہ جلدی پر اُس نے دک کر کیدگی سے پوچھا کیا بات ہے؟ میں نے بی دہی آواز میں اُس سے دادا اور ماہی کا

میرے معلوم کیا۔ ہم کوشش کر رہے ہیں لیکن اب عاکی ضرورت میرے بیٹے، وہ مجھ سے محنت کرنا ہوا راہ داری میں چلا گیا دیکھتا رہ گیا میری سانس سینے میں ایک گئی تھی درمیان سپاہی نے آوازیں دے کے مجھے پھیرنے کا حکم دیا تھا۔ دنگلے قدم تیزی سے اُس طرف بڑھتے رہے جہد و کد

بند کر کے فاصلے پر مجھے تھک کے رک جانا پڑا۔ راہ داری کے بیچ میں بنے ہوئے تینویں دائرے کے دہاں سے میں جھٹسا لگا تھا تین اسپتال کے عملے کے لوگ ایک بند کمرے کے گرد منڈلا رہے تھے وہ پولیس آفیسر بھی وہاں تھا جس نے مجھ کو گھونک کر پکڑ دیا۔ وہ دھکا کر کے کی پھوٹ پر سرخ بنی مل رہی تھی۔ اسی کمرے میں وہ دونوں ہوں گے۔ اُس پرکیشن تھکی تھی بھی نصب تھی۔ میرے دل میں پس ہی آئی کہ دروازے کے بہرے دار کو مٹا کے سیدھا اندر داخل ہو جاؤں۔ بعد میں چاہے مجھے دھکے دے کے باہر نکال دیا جائے۔ دادا کیسا بھی ناراض ہو کھٹے ہی خفیہ میں جو میری آواز سن کے اُس کا چہرہ ہمیشہ کھل اٹھتا ہے، وہ مجھے اپنی کیتا کی طرح عزیز رکھتا ہے۔ میں جا کے اُسے گیتا اور دہانی کا رابطہ دوں گا۔ شاید میری آواز اُس کا حوصلہ بحال کر سکے، میری موت اُس کے وجود کے اندھیرے میں کوئی کرن ثابت ہو۔ آئی ہو تو آدمی کی آواز ہوتا ہے۔ میری صدا پر وہ ایسا غافل نہیں ہ سکے گا۔ وہ کتنی با میری خاطر اپنی جان داؤ پر لگا رکھا ہے۔ اُس بار میں اُس سے زندگی مانگوں گا مجھے کسی تاخیر کے بغیر اندر جانا چاہیے۔ میں ڈاکروں سے عاجزی کر لوں گا کہ صرف چند لمحوں کے لیے اُس کے پاس جانے کی مہلت دے دیں اور دوپے پیسے کی کوئی فکر نہ کریں، میرے پاس دھن دولت کی کمی نہیں ہے۔ اباجان کے پاس بے شمار داد و نایاب ہیروں کا خزانہ ہے، ڈاکٹر کو چاہیں اُس سے لے لیں کسی بھی طرح داد کا ہوش واپس لے آئیں۔ بھل بھی نظر نہیں آتا، وہ کہاں چلا گیا؟ کہیں وہ اندر تو نہیں ہے، ہنسے تو دادا کے خطرے ہی ہونا چاہیے۔ میرے دماغ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔

میں اندر داخل ہوا مگر دوسرے ہی لمحے وہ تینوں مجھے نظر آئے۔ ایک کمرے میں کمرے کی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی کرسیوں پر چل شام اور مارنی سر جھکا کر بیٹھے تھے۔ ایک پولیس آفیسر بھی اُن کے قریب بیٹھا گاؤں پر کچھ رہا تھا۔ اتنی سی دیر میں وہ تینوں پہچانے نہیں جانتے تھے۔ بکھرے ہوئے بال سڑے سوجے چہرے کے پڑوں پر خون کے دھبے انھیں اس حال میں دیکھ کے میری ربی سہی بہت بھی جواب دینے لگی۔ میں انھیں آواز دیتے دیتے اُن کی طرف جاتے جاتے لپکا۔ اسی وقت مارنی اور شامو نے مجھے دیکھ لیا، جیسے انھیں میرا انتہا تھا۔ وہ اُدھرتے ہوئے میری طرف بڑھے اور اُس کے مجھ سے چوٹ لگنے سانس پھرتے لگا۔ اُس کی کرسیوں سے مارنی سڑک رہا تھا۔ اُسے کیا مارا سادوں؟ اس کی کرسی کے چپ کرافٹ؟ کیا کرافٹ؟

زبان کی طرح میرے ہاتھ بھی اٹھ گئے تھے۔ ایک تلوار دوسرے تلوار کے آگے ایک تھی دست و دوسری دست کے سامنے ہاتھ پھیلانے تو دوسرا لپکا کرے۔ شامو کو جانے کیا ہوا۔ وہ مارنی کو اُٹھی وقت میرے پاس سے لے گیا اور اُٹھی کرسیوں پر جا کے بیٹھ گیا۔ میں دہاں اکیلا رہ گیا۔ میں اکیلا ہی کھڑا رہا۔

زادہ درہنہ میری گزری تھی کہ چوٹ کی سُرخ تھی پھر گئی اور دروازہ کھلتے پرکشی ڈاکٹر ایک دوسرے کے آگے پیچھے برآمد ہوئے اُن کی پیشانیوں سے پسینہ پھوٹا تھا۔ انھیں دیکھتے ہی سب اُن کی طرف لپک پڑے۔ بھل کو بھی میں نے کرسی سے اٹھتے دیکھا پھر وہ سب میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ میں نے بھی اُن کی جانب بڑھا جانا تھا لیکن مجھ سے ایک قدم بھی نہ چلا گیا۔ ایک لمحے کے لیے شور مچا اٹھا پھر ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ اس مسئلے کا مطلب میری بھی سمجھ میں آیا کہ وہ دادا اور ماہی کے بارے میں فیصلہ نہا ہے ہیں۔ میرا سارا جسم دھکے لگتا تھا۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ نہیں نہیں یا تو یہ لوگ پاگل ہو گئے ہیں یا سب میری آنکھوں کا جھوٹ میرے دماغ کا فوٹو ہے۔ ابھی چند گھنٹے پہلے کے جیتے جاگتے آدمی اس طرح کیسے جا سکتے ہیں؟ میرے جی میں آئی کہ میں زور زور سے چیوں اُٹا سار دواؤں سے بھریوں پولیس آفیسر سے تنہا چھین کے سب کو گولی مار دوں! اس جگہ ہی کو آگ لگا دوں مگر مجھ سے کچھ بھی نہ ہو سکا۔

انھوں نے ڈاکٹروں کے لیے راستہ چھوڑ دیا تھا۔ میں موت کے مانند کھڑا انھیں دیکھتا رہا۔ وہ آہستہ آہستہ میرے سامنے سے گزرتے۔ آدی عناصر کا مرکز ہے تو اس سے بھی عبادت ہے۔ بے ہوشی بھی ایک قسم کی موت ہے۔ میں کچھ دیر کے لیے مر گیا تھا، اٹھا ہوا لگا تھا کیونکہ میری استقامت میری تھی کاش ایسا ہی رہتا میرے حواس سمجھ نہ جاتے، میری آنکھیں بند ہی نہیں۔ یہ عارضی موتیں تو آدمی کے لیے اور عذاب ہیں۔

مارنی میرے سینے سے لپٹ لکھنے لگا تو مجھے احساس ہوا کہ میں کون ہوں۔ یہ جگہ کون سی ہے اور سامنے کے کمرے میں کون ہے جس حرکت..... مارنی مجھ سے چوٹ چوٹ کے درد ہاتھ اور دی سرنیوں میرے تن بدن میں پھرتے ہیں۔ کیا وہ دونوں اتنے اکیلے اتنے بے وقت ہیں کہ اُن کے لیے یوں آسانی سے حکم صادر کر دیا جائے؟ پہلے بھی کسی باہر سے سینے میں گرنے آئی تھی مگر مجھے میرے پاٹھے جانا چاہیے۔ اُس کے لیے چاہے مجھے اس سے اس سے

میک میٹھی کے ایک ایک پاڑے جانا پڑے۔ وہ کوئی بھی جواڈا کہتے بھی
 ہوں نہیں انھیں ہمت نہیں دل گا۔ دادا کا خون ایسا اڑا نہیں
 کاتی دیر گے۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ دادا اور ساجی کے صرف اپنے
 ہاتھ پر ہی نہیں ہیں ان کے اُن گنت ہاتھ پر ہیں۔ دادا اور ساجی ہی
 کے خیال نے اب تک مجھے روک رکھا تھا اب تو کچھ بھی نہیں رہا۔
 اب کس بات کا انتظار رہے؟ مجھے تو کسی وقت نکل جانا چاہیے تھا یہی
 رگوں میں خون سن سناتا رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ نچل اور سب گیا
 سے چل پڑیں اور مجھے بھی ان کے ساتھ جانا پڑے۔ مجھے نکلنا ہی تھے
 ورنہ وہ مجھے نہیں جانے دیں گے اور میرا جسم اسی طرح جتا رہے گا۔
 اُن کی ٹیولنگ تک کسی اور کے پہنچنے سے پہلے بھی پہنچ جانا چاہیے۔
 میں نے ماری کو اپنے بازوؤں سے الگ کر دیا۔

وہ سب منتشر ہو چکے تھے میری نظریں بے اختیار قہقہوں کی
 طرف گئیں۔ وہ پولیس افسر اور سپاہیوں کے درمیان خاموش کھڑا تھا۔
 جبر وادٹنگ بھی مجھے اُن کے قریب کھڑے دکھائی دیے۔ دونوں کی نیکیوں
 برس ہی تھیں میں نہیں ٹھہرا، اسی طرف کا رخ کرنے سے پہلے مجھے
 اپنے آپ کو ملانچے مارنے کی ضرورت تھی اپنی مینائی کی درستی اور
 دل و دماغ کی یک جانی کے بغیر میں اُن تک بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔
 پھر میں اُس وقت جب میں ہاں سے نکلنے کا ارادہ کر رہا تھا، شاخویر
 پاس آگیا اور اڑی اڑی آواز میں کہنے لگا کہ مجھے فوراً یہاں سے چلا
 جانا چاہیے۔

”کیوں؟“ میں نے انتظار ہی لیے میں پوچھا۔
 ”وہ ہم کو قتل لے جائے ہیں۔“ وہ سرگوشی میں بولا۔
 ”تھانے؟ مگر کس لیے؟“
 ”تھوڑی پوچھتا چھ کے لیے۔“
 ”اب کیا پوچھنا رہ گیا ہے؟“
 ”بول رہے ہیں تو جانا پڑے گا۔ تو گھر جا کے پہلے بابا کو بول دے
 اور پارے میں بھی بول آؤ اور مجھے تو ادھر دادا کے گھر... اُس
 کی آواز دینے لگی۔

”نہیں نہیں یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔“
 ”یوں تو جو گا لاڈلے، وہ شگفتہ لیے میں بولا۔
 ”ہاں ہاں مگر قہقہوں جی کی کھینچنا۔“
 ”ہم کو ادھر دیری بھی لگ سکتی ہے۔“
 ”کیوں؟“
 ”سمجھا کہ پولیس کو تو سوا جانتا ہے۔“

”میری بھیم کچھ نہیں آ رہا۔“
 ”اپنے کو بھی دکھا نہیں دے رہا لاڈلے کہ یہ کیا
 سب کیا ہو گیا۔“ وہ مسکے ہونٹوں سے بولا۔
 ”میرا دل بہت گھبرا رہا ہے نا بھو۔“
 ”ہم جلدی آنے کا کر سگے۔“ وہ بلیکس جھپکاتے ہوئے
 ”ٹھیک ہے۔ ایسا تو اچھی پارے کی طرف مت جا۔“
 پولیس افسر کی آواز پر وہ کوئی توقف کیے بغیر میرے
 سے چلا گیا۔ میں بھی اُسی لمحے راہ داری میں مڑ گیا۔ میں نے
 عبور کر لی اور کارڈ دور کی بیڑھیاں ملے کر کے دروازے کی
 دوز تک چلا آیا۔ معافی سے مجھے سے اونچی آواز میں ملے
 حکم دیا۔ میرے قدم تو کھڑکے تھے لیکن میں دروازے کی دھکی
 رہا۔ پھر پیچھے سے جھانکے قدموں کی آواز آئی۔ میں نے سوچا
 دوز کے کڑے کروں اور جلد دروازے سے گز جاؤں
 میرے سر پر آگیا اور مجھے پھیر پڑا۔ ”کہہ کر جاتا ہے؟ اُس
 سانسوں میں مجھ سے پوچھا وہ ایک سبب ہی تھا۔
 میں نے اُسے بتانا چاہا کہ میں گھر جا رہا ہوں۔
 ”تم کو کچھ اور بولا تھا صاحب نے؟ میں چپ ہوا
 ہوئی آواز میں بولا۔ ”جی ہاں اچھی ساتھ چلنے کا ہے۔“
 ”کیوں؟“ میں نے تنہی سے پوچھا۔
 ”یہ آؤ افسر لوگ سے پتہ کرنا۔“

وہ ایک ہی آدمی تھا اُس کے شانے پر ہندو قہقہے
 دل میں اُس کی گون دوج لینے اور اُسے قریب کی باغی
 ٹوٹ دینے کا خیال آیا، اُس طرف اتنی روشنی تھی اب
 دروازہ بھی دور نہیں رہا تھا لیکن میں نے خود کو روک لیا
 میرے بازو پر ہاتھ مار کے مجھے کارڈور کی جانب ہٹا دیا
 تک وہ جانے کیا کیا بڑبڑاتا رہا۔ قہقہوں جبر وادٹنگ بھی
 پاس آچکے تھے۔ پولیس افسر میرا منتظر تھا۔ دوسرے مجھے دبا
 ہونے لگا کہ مجھے ٹھیک سنائی نہیں دیتا، میں اُسے
 بغیر کہاں جا رہا تھا؟ میرے خاموش رہنے پر وہ اور جبر وادٹنگ
 سے ایک دوسرے پولیس افسر نے اُسے اُسے ٹوکا اور جملت
 دیا تب اُس کی زبان قابو میں آئی۔ قہقہوں جبر وادٹنگ ہی
 تھے۔ سر پیٹھے ہی جیب چل پڑی۔ راستے بھر خاموشی

تھانے کے ایک وسیع اور روشن کمرے میں انھیں

خون پر چھا دیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں تیز تیز قدموں سے تین پولیس افسر
 اندر داخل ہوئے، اُن کے ہاتھوں میں کاغذات تھے۔ ایک عمر سید
 افسر کی ہل میں دبا بھی دیا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹہ کے اُس نے ہم سے
 چنانچہ پر زبان کی کرسی سنبھال لی۔ باقی دونوں افسروں کے اُن
 ہاتھ چلے۔ اُن میں سے دو کو میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ اُن کے
 ہاتھ پر ایک ساتھ دو سبب ہی بندو قہقہوں کے ساتھ کھڑے تھے۔
 دروازے پر ہی دو سبب سبب ہی تعینات تھے۔ ایک سبب سبب کی
 قریب ہاتھ اندھے کھڑا تھا۔ افسر کاغذات الٹ پلٹ ہے تھے کہ میرے
 بار پیچھے ہونے کے آگے میرا ہاتھ دیا۔ ”تھوڑا سنبھل کے۔“
 اُس کے کہنے پر میں سبب سبب کے پیچ گیا۔ اپنے کو سارا دھیان کھٹا۔
 ”وہ گڑھی میں بولا۔ میں نے اُس کا مطلب سمجھنے کی کوشش کی کہیں
 مجھے کوئی غلطی تو نہیں ہو رہی ہے جو یہ وقفہ وقفہ سے مجھے ٹوکے
 رہا ہے؟ یہی کچھ شامو نے کہے میں اُصل ہونے وقت مجھ سے کہا
 تھا تھوڑی سی بے دھیانی سے دیر لگ سکتی ہے۔“ جبر وادٹنگ نے
 بولا کہ وہاں، وہ ایسا بول کر کہہ رہا ہے۔ میں کس قسم کا دھیان
 رکھتا ہوں اور میں یہاں ایسے بے زبانی کی طرح کیوں بیٹھتا ہوں؟ میں
 جبر وادٹنگ چنانچہ جانتا تھا کہ اُس نے کوئی مار کے مجھے میری طرف متوجہ
 کیا اور ان دلی عمر سید پولیس افسر کی نگاہیں ہم پر بندھ رہی تھیں۔
 اُس نے ایک اُس کے میرے پر کہہ دی اور بھاری آواز میں قہقہوں کو
 غائب کیا۔ ”میں نے بولا ہے۔ یہ لوگ تھوڑی دیر پہلے گھر سے نکلا
 تھا، کوئی دس بجے کے قریب ہے۔“

”ہاں صاحب! قہقہوں نے دھیمے لہجے میں کہا۔
 ”اور ادھر ہی جانے کا بول کے کیا تھا؟“
 قہقہوں نے سر ہلا کے ہاں میں جواب دیا۔
 ”ہم تم کو کبھی اور کیسے معلوم ہوا؟“

”ہم سب پہلے بول چکے ہیں۔“ قہقہوں نے آگے ہی سے کہا۔
 پولیس افسر نے اپنے سپلوں میں بیٹھے ہوئے ساتھ قہقہوں پر نظر ڈالی۔
 اُن کاغذات ٹوٹے لگاتے۔ ”تم کتنی دیری بعد ہاں پہنچا تھا؟“

”یہ بھی ہم نے بول دیا ہے۔“
 بائیں طرف والے افسر نے افسر کی چھٹی چھٹی آنکھیں قہقہوں پر
 جمی ہوئی تھیں، اُس نے نسبتاً نرم آواز میں کہا۔ ”کوئی بات رہ گئی
 ہو تو یاد کر کے ہم کو بولو۔“
 ”یاد آ رہا ہے۔“ قہقہوں نے بول دیں گے۔ ”قہقہوں جبر وادٹنگ نے بولا۔
 ”کی جیتے پر پہنچنے کے لیے پولیس کو بھاری مدد کی ضرورت

پڑے گا، ہم کو کھل کے بتاؤ، ابھی تمہارے خیال میں کون لوگ اُن
 کا دشمن ہو سکتا ہے؟“

”اپنے کو پتہ تو تو پہلے اُدھر ہی جاتے۔“
 ”وہ قانون کا کام ہے، ہمارا کام اور ہم انھیں کھوج لے گا۔“
 انھوں نے کن گولوں پر ہاتھ ڈالا ہے، ہم بھی جانتا ہے۔ ادھر سبب ہی
 لوگ نے اُس کو پہچان لیا ہے۔ وہ پیرو دادا ہے۔“
 ”صرف دادا ہی نہیں بولو۔“

”ہاں۔“ وہ افسر جلدی سے بولا۔ ”سب سے بڑا دادا، ہم
 کو معلوم ہے، ایک نمبر کا دادا۔“
 قہقہوں نے سر جھٹکے، ”بھیا رہا۔“

”تم نے بولا کہ تم لوگ ادھر بیٹھی کا نہیں ہے اور یہ دادا تھا کہ
 کسی آدمی کے بیسیں پر اندھیری سے ماچھی دادا کے ساتھ آیا تھا،
 کچھ دیر پھر اور چلا گیا ایسا ہی بولا تھا تم نے؟“
 ”ایسا ہی۔“ قہقہوں نے ہنکاری بھری۔

”تم ابھی کہہ رہے بیٹھی آیا تھا؟“
 ”اپنی بات چھوڑو ابھی اس کی بات کرو۔“
 ”اُس کے لیے پوچھتا ہے۔“ دائیں طرف کی کرسی والے فوجان
 پولیس افسر نے تڑپ سے کہا۔

”اُسی طرف سے مت چلو۔“
 ”پھر یہی طرف کا تم بولو۔“
 ”کیا پولیس اپنے پاس ابھی یاد کیا ہے؟“ قہقہوں نے گری سانس
 بھر کے کہا۔ ”دادا کو کبھی تم نے کہہ دیا ہے؟“

”دونوں کا پوسٹ مارٹم کے لیے سرکاری اسپتال میں۔“
 ”اپنے کو کب تک بل جانے گا؟“
 ”زیادہ دیری نہیں لگے گا۔“ درمیان میں بیٹھے ہوئے افسر نے
 کہا۔ ”پران کو ابھی تمہارے حوالے کیوں کر ہے؟“

”پھر کس کو کو گے صاحب؟“
 ”تم اُس کا وارث نہیں ہو۔“
 ”ہم انھی کے پس لے جائیں گے۔“
 ”تم تم انھیں جانتے ہو؟“ فوجان افسر نے تڑپ سے پوچھا۔

”نہ جانتے تو ٹھیک تھا۔“ قہقہوں نے قہقہوں کی آواز میں کہا۔
 ”کون ہے وہ؟ کہاں رہتا ہے؟ ہم کے پاڑے میں؟“
 ”وہ اپنے گھر رہتا ہے۔“
 ”گھر گھر کہہ رہے؟“

”ادھر شہر میں ہی ہے۔“

”تم بتانا نہیں چاہتا؟“

”بتاؤں گے پہلے ہم کو ادھر جانا ہوگا۔“

”تم کو کیوں؟“

”اُس کو دیکھ کے وہ مر جائیں گے، ہم کو پہلے جا کے اُن کو بچانا ہوگا۔“

”تجھ کی آواز چھڑا رہی تھی۔“

”کون کون لوگ؟ ادھر؟“

”بیوی اور بیٹی۔“

”بیوی اور بیٹی؟“

”کیوں! نہیں ہو سکتا صاحب؟“

”ہو سکتا ہے۔“

”وہ اُن لوگ کو سب سے دور رکھتا تھا۔“

”تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ بیوی اور بیٹی نہیں جانتا تھا کہ وہ باڑا اچلا تھے، پاگٹ میں برقت چاقو رکھتا ہے، کتنی بائبل چاچکا ہے۔ سارا بیٹی کے دادا لوگ کا وہ راجا ہے۔“

”تجھ نے کچھ نہیں کہا۔“

”بولو، چپ کیوں ہو گئے؟“

”آپ کرسی پر بیٹھے ہو۔“

”لگتا ہے بہت قریب تھا تم اُس کے؟“

”آپ کو برا لگتا ہے صاحب؟“

”نہیں۔“

”پولیس افسر نے رچھا کیا۔ لیکن... وہ کچھ سوچ کے رگ گیا اور مضطرب آوازیں بولا۔ کیا نام بتایا تم نے اپنا؟“

”کاغذ پر لکھا ہے۔“

”تینوں افسر کاغذ ٹوٹنے پھٹنے لگے۔“

”تجھ نے کوئی جواب نہیں دیا۔“

”کیا کرتے ہو؟“

”دادا کا جان کا کیا کر سکتا ہے۔“

”دادا گری، با اتم بھی واد ہے، کدھر؟“

”ابھی تو ادھر ہی ہے کام کی بات کرو صاحب!“

”دیکھو تجھ کو دادا! ادھر افسر نے تیری انداز میں کہا اپنے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ اچھا ہوگا کہ تم سے جو پوچھا جائے سوج سمجھ کر ٹھیک ٹھیک جواب دو۔“

”یہ آپ کے ٹھیک ٹھیک ہونے پر ہے۔“

”کیا بات کا جواب دینا ضروری نہیں ہے۔“

”تم اپنے ہونٹ میں نہیں ہے۔“

”میں بیٹھے ہوئے عرصہ افسر نے میرے ٹھیک سے اُسے غل کی آواز اور پھیرے ہوئے بیٹھے ہیں۔“

”دادا! اور تم پولیس کے سامنے بیٹھا ہے۔“

”نئے نہیں بیٹھے ہیں۔“

”ایسا ہی لگتا ہے پر تم ادھر ضرور لو آؤ۔ یہ میں کہتا ہوں۔“

”اس کے بارے میں تم نے تھوڑا بہت سنا ہوگا۔“

”اوپر سے اتر کے نہیں آیا ہے۔“

”ہم بولتے ہیں اپنے آپ کو زیادہ مت الجھاؤ۔“

”ادھر ادھر کی منہ ماری ہے آپ کو کچھ نہیں ملے گا۔ آپ کو آدی ہے۔“

”ادھر اپنا دو جھانکی جھانکی ہے اور آپ کو مل کر ہے۔“

”یہ غول ہے؟“

”ہم ادھر پاگٹ مار کے نہیں آئے ہیں یا آپ کے گڑا ہوا۔“

”تم ایک خون نمک دو خون کے گواہ ہو۔“

”ادھر افسر نے کہا۔“

”اپنے دو آدمیوں کا خون ہو گیا ہے۔“

”کاٹ کے اوچی آوازیں بولا۔“

”ایسا ہی ٹھیک ہے اور تم وہ پہلا آدمی ہے جو اُس کو ہوا آیا تھا۔“

”ہم کو دو سے تیس سے مزید آنا چاہیے تھا کیا؟“

”اپنا آواز تھوڑا اونچا رکھو۔“

”اپنے کو بھی آپ بیٹی شکایت ہے۔“

”میں نے بے پستی سے جرو اور شام کی طرف دیکھا کیا۔“

”رہا ہے۔ وہ کیوں گھنگے اور ہرے بنے ہوئے ہیں۔“

”سے کتنے کیوں نہیں کہ وہ ہم سے ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟“

”کچھ حاصل نہیں۔ یہ لوگ پولیس سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔“

”روک لیں۔ کم از کم وہی اپنا پتہ بدل سکتا ہے۔“

”ہدایتیں مجھے ملے رہے تھے وہ جھل کو دینی چاہیے تھیں۔“

”میں نہیں معلوم ہوتا، ہونا بھی نہیں چاہیے۔“

”کے سینے میں کیا تلوار پڑا ہوگا۔“

”اور اُن سے کہوں کہ کچھ تو ہمارا خیال کریں۔“

”کہ ہم پر کیا گز رہی ہے۔ ہم کس طرح جبر کے یہاں بیٹھے ہیں۔“

”کارروائی کے لیے وہ کوئی اور وقت نہیں رکھ سکتے۔“

”میری لیکن فی الفور ادھر سے جھڑنے ادھر سے شامو نے میرے بازو کھینچے مجھے بھجا دیا۔“

”کیا ہے؟ کیا ہے؟“

”کچھ نہیں صاحب۔“

”یوں ہے؟“

”اینا بھائی ہے صاحب!“

”ابھی کیا ہو گیا اِس کو؟ کیا بولتا ہے؟“

”کچھ نہیں صاحب۔“

”یہ میں کہا اور کترانی ہوئی آوازیں مجھے سمجھائے لگا۔“

”کرتے دے۔“

”بچے کھڑے ہوئے۔“

”غصے دروازے پر تعینات سپاہی بھی آگے آگے تھکے۔“

”کی لگا ہیں دیکھ مجھ پر کمزور ہیں۔“

”کہا۔ کوئی اور کچھ بولنا اچھا ہے؟“

”سب خاموش رہے۔“

”سنو دادا! ذرا غور کر کے سوچو۔“

”لیے میں کہا۔“

”اپنے کو آپ زیادہ ہے۔“

”ہوئی تھی۔“

”ہم کریں گے۔“

”دادا کی مارے گئے ہیں۔“

”ابھی واد سے کسی کا دنگا فو تو نہیں ہوا تھا؟“

”کسی پتنگ ہو تو صاف صاف بولو پولیس اپنا کام کرے گی۔“

”وہ بدھ بھی ہے پولیس سے؟“

”آپ کو سارا بول دیا ہے۔“

”دادا سے پہلے اُس حرام کے تم کا کیا کر کم کرتے۔“

”تم کو اِس کا اجازت نہیں ہے۔“

”یہ ہم موجود ہے۔“

”آپ کو دیر لگی صاحب اور ہم کو یہ راس نہیں آتی۔“

”اِس کا مطلب یہ بھی لیا جاسکتا ہے کہ تم خودواں پہنچا چاہتے ہو اور اسی لیے ہم کو کچھ بتانا نہیں چاہتے؟“

”آپ ٹھیک سمجھ ہو یہ اپنا حساب ہے۔“

”کلیف نہیں دیں گے۔“

”ہم تمہیں ایسا نہیں کرنے دیں گے۔“

”آپ کا کام بعد میں شروع ہوتا ہے۔“

”تم غلطی پر ہے ہمارا کام پہلے ہی شروع ہوتا ہے۔“

”آپ کس کس کو روک سکتے ہیں؟“

”تم سب کو! ہم تم سب کو روک سکتے ہیں۔“

”اور ادھر جو کتنی کے بیٹھے ہیں؟“

”والے تھوڑے نہیں ہیں۔“

”تجھ نے سر دیکھ میں کہا۔“

”ہم کو ایسے روک سکتے ہو۔“

”روک سکتے ہیں۔“

”ادھیر افسر کشتی سے بولا۔“

”ادھیر کار ہے۔“

”بول رہا ہے، یہی چارج لگا کے ہونے والے خون خرابے کی روک تھام کے لیے۔“

”کتنے دولٹ تک؟“

”جب تک تھا رادملخ کھانے پر نہ آجائے اور ہم کسی ٹھیک جگہ نہ پہنچ جائے۔“

”پہنچ جائے اور جب تک تم پر اپنا ٹانگ ڈور نہ ہو جائے۔“

”نہیں جانا، ابھی تم پر شک کر کے کوکنا، کتنا پوائنٹ بناتے تم۔“

”ادھر کوئی کار ہے والا ہیں۔“

”ایک دم نہیں جانتا۔“

”کا نام کام کو ابھی طرح پتہ تھا۔“

”سب سے پہلے پہنچا تھا۔“

”پر گھر میں بیٹھا تھا۔“

”کو ابھی سارا پچان میں کرنا پڑے گا کہ تم۔“

”تجھ چپ بھار۔“

”آپ بادشاہ ہو صاحب۔“

”سکتے ہو۔“

”تھے، ہندو بھی اُن کے پاس تھے۔“

”تجھ کے منہ سے کچھ نکل جاتا۔“

”بکھری ہوئی آوازیں بولا۔“

”رہتے؟“

”آپ ابھی باپ دادا کی دشمنی کا ادھار نہیں ہے۔“

”کر رہے تھوڑی بہت اپنے کو بھی اونچے نیچے کی جان کا کاری ہے۔“

آپ چار دن میں تسلی کر لو گے دس دن میں سال بھر میں۔ سوال
کرنا آپ کو یہ نہیں آتا، اپنے کو بھی آتا ہے اور جو اپنے کو نہیں آتا
وہ اُدھر کہنے کے آدمیوں کو آتا ہے، ہرے خرے کا پورا صاحب
نکھرے لے جاتے ہیں۔ اُن پڑھنے لکے گا۔

”تم کو دیکھ کر دیکھ رہے ہو؟“ تو جوان افرح چھٹے ہوئے بولا۔
”آپ جھپک جھپک تھے صاحب! یہ بیٹی کی پولیس ہے۔“ جھپک
نے زہر خند سے کہا۔ ہم لوگ بالکل نہیں جانتے تھے۔
”آگے ابھی اور جان لے گا۔“

میسرے کپڑے پسینے میں جھپک گئے تھے اب میری بھین
غوب آ رہا تھا کہ مرد اور شاہو بار بار مجھے کیوں لوک سے تھے اور نہیں
نے مرد اور شاہو کو لگی کے سر پر بچے روک دینے کے لیے کیوں بھیجا تھا
اور شاہو مجھے اسپتال سے نکل جانے کو کہیں کہہ رہا تھا وہ یہی کچھ
کہنا بیسیب باور کرنا چاہتے تھے جس کا کچھ کچھ خیال ہی نہیں تھا۔
میں بھول گیا تھا کہ ہم اس شخص سے نسبت کے مدعی ہیں جو اپنے کا
آوی ہے۔ پڑا سے کا آدمی تو اپنے کا آدمی ہوتا ہے، زندہ رہنے بھی
مر جانے بھی۔ دادا کا سب سے بڑا والد باڑا ہے۔ اُس کے پرسان حال
کو بھی، سہی حوالے سے برتا چاہیے۔ مجھے بالکل خیال نہیں تھا کہ ہم
یہاں دادرسی کے لیے نہیں جواب طلبی کے لیے لائے گئے ہیں اور
ہا۔ یہ انھیں ہمارے چہرے ہمارے حال کی شہادت نہیں ہوں
گے۔ وہ ایسی باتوں پر یقین نہیں رکھتے۔ اُن کے گھروں میں شاید
کبھی موت نہیں آتی۔

ادھیڑا افسر کھڑا تھا کہ درمیان ولے افسر نے ہاتھ
اٹھا کے اُسے منع کر دیا۔ وہ تینوں سر جوڑے ایک دوسرے سے آدھی
انگریزی، آدھی ہندستانی میں باتیں کرتے رہے۔ اُن کی سرگوشیوں
کا کوئی کوئی لفظ مجھ تک پہنچ رہا تھا۔ تینوں بہت مضطرب اور مشتعل
نظر آتے تھے جب تک کہ آپس میں گفتگو کرتے رہے۔ جھپک بھی سادگ
پٹھان رہا۔ خاصی دیر بعد ریسیدہ افسر نے سر اٹھایا اور جھپک سے
”بولا۔ دادا! اب تک ہم نے تم لوگ کے ساتھ بہت نرمی کی ہے۔
گناہ ہے، تم یہ زبان نہیں سمجھتا۔ تم مجھ کو کہہ رہے کہ ہم بھی دمری
زبان میں بات کر رہے۔ ہم ایسا نہیں چاہتا۔ پھر دھڑکنے پر اپنی مدد کر
رہے ہو۔ تم ہماری۔ ہم صاف بولے، ایسا کر کے تم ہمارے شک کو
گھٹانے کے بدلے اور بڑھا رہے ہو اور اپنے لیے بالکل اچھا نہیں کہ۔“
جھپک نے ابھی کوئی جواب نہیں لیا تھا کہ میرے پاس بیٹھا ہوا

جرو ویکاک کھڑا ہو گیا اور ملتی ہوئی آواز میں بولا۔ ”مافی باپ! آپ
کے گھر میں آگ لگے، آپ اُن تیل چمکتے ہوئے شنگ کا مظاہرہ
ہم نے اُس کو مارا ہے۔ وہ ہماری جان تھا ہم اپنے کو مارنے کا
پھر ہم آپ کے سامنے بیٹھے ہوتے، ہنسی سے سول آگے نہ بڑھ
ہوئے۔ ہوا بھی نہ گئی آپ کو اور آپ کسی مدد کو بولتے ہو،
چاہتے کیا ہو آپ؟ ہم آدمی کا نام چھپاتے ہیں کہ اپنے کو چھپا
ہیں۔ ہم اُن سیدھا کسی طرف انگلی اٹھا دے یا آپ کو بول دے
کہ تم غریب ہو، ہم تم سے، ہم نے اپنا خون کیا ہے۔ آپ کیسے پلیر
دلے ہو جو آدمی کو نہیں بھیجنا۔ گناہ ہے، بس چورا کیوں سے پلا
پڑا ہے۔ آؤ بے باؤں کا آدمی بھی نہیں بھیجا آپ نے۔ آپ ادھر
روک کے کیا کر لو گے ہمارا؟ سولی پر چڑھا دو گے؟ ہاں تم ابھی
آپ دادا کا نام بولو، سو تو دیر کی بات ہے، اپنے پاس جاؤ
ہم ابھی اُسے سینے میں نہ آسکے تو ابی ماں کا جنا نہیں، ایک
بار بول کے دیکھو۔ دو گئے ہیں ابھی تیسرا چلا جائے گا پھر تسلی ہو
گا آپ کا دادا اپنے لیے کوں تھا۔ مرنے سے ہم نہیں بھاگتے تو
مرتے ہیں، روز زندہ ہوتے ہیں۔ موت تو سالی اپنی جیب میں پڑو
رہتی ہے۔ اپنے کو معلوم ہے کسی دن ایسی بیچ رستے میں ہی آئے گی
آپ زیادہ سے زیادہ موت کی سزا دو گے۔ موت کی سزا اس سے
بڑی نہیں ہے جو آپ ابھی دے رہے ہو۔ وہ ہمارا باپ تھا، اپنا
بھائی تھا وہ۔ آپ اپنے کسی بھائی کسی باپ کو مارنے کا شگ
کرتے ہو۔ آپ کا کوئی رشتہ نہا کسی سے نہیں ہے کیا؟ اپنی اپنی
خواری کبھی نہیں ہوتی۔ جرو کی آواز سارے کمرے میں گونج رہی تھی
تینوں افسر اُسے گھونٹے رہے، کسی نے کچھ نہیں کہا۔ جرو کا گلا
بیٹھ گیا تھا وہ حلق میں گھٹی ہوئی آواز سے بولا۔ ”ہم کو بولو صاحب
ابھی آپ خود کو کون سی زبان سمجھتے ہو؟ آپ کیسے جانو گے کہ؟“
”تھوڑا ٹھہر کے۔“ درمیان ولے افسر کے ہونٹ چمک رہے
تھے تاہم اُس کی آواز ابھی ہوتی تھی۔ ”تھوڑا ٹھہر کے۔ ایسا جوش
دھکھلنے کی ضرورت نہیں۔ یہ تھا نا۔ ادھر ایسا نہیں چلا ٹھیک
ہے، تمھاری یہ بات ہم ایک بار کو ماننے لیتا ہے کہ وہ تم نہیں تھا پھر
وہ کون تھا؟ تم پر یہ دادا کے لیے ایسا بڑھ چڑھ کر بولنا ہے خود
کو اُس کا دوست بنانا ہے۔ تم کیسا دوست ہے کہ دادا کے ایک
وشن کا نام بھی نہیں جانتا؟“
”آپ چور دی رٹ لگا رہے ہو۔ جرو بیزاری سے بولا۔
”یہ بہت ضروری ہے دادا۔“

اپنے لیے آپ سے زیادہ ضروری ہے آپ کے ساتھ تو ادھر
پوری فوج لگی پڑی ہے۔ ادھر آپ اپنا بٹن کر دو ادھر ہم اُس۔
جرو کے منہ سے گالی نکل گئی۔ اُس نے حتیٰ لیجے میں کہا۔ ہم ایسے
بہنی سے نہیں بولیں گے۔
”دادا! پچھ بیٹے سے ادھر اپنے ساتھ تھا۔ ہمیں سے باہر۔“
جرو کے خاموش ہونے ہی شاہو بچپنا تھے ہونے بولا اور انھیں بتا
لگا کہ ہم کوئی پیس دن پہلے ایک بیمار سادھی کے ساتھ یہاں آئے
تھے، پانچ چھ دن اُس کی بیماری میں کسی کو اپنی خبر ہی نہیں تھی۔
اُس کا بہت علاج کیا۔ آپریشن کا کیا باور ہو گیا تھا کہ اُسے جلدی
ہی تھی۔ جھپک میں دن ہونے اچانک وہ بھی دادا کی طرح کسی سے
کچھ کہنے کے بغیر چلا گیا۔ اُس تمام عرصے میں ہم انھی پریشانیوں میں
گھرے رہے۔ ہمیں اپنا ہی ہوش نہیں تھا کسی اور طرف نگاہ کیاجانی۔
اُس کے روتھ جانے کے بعد کبھی نکلنے بلکہ ہمیں میں ٹھہرنے کو ہی نہیں
چاہتا تھا کہ اُن کا داغ خیال رکھ رہا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ دادا کے
بچے ہمیں یہی کیا کچھ جوتا رہا اور کسی نے پڑے پر دادا کی دو باروں پڑی
اور شہر کے پاؤں پر اُس کا ہاتھ پسند نہیں کیا وہ کوئی ایک نہیں
بست سے ہونے میں۔ شام کو آواز دفرہ نہ سہرے ہی تین شاید
جھپک نے اس کی طرف منہ اٹھا کے دیکھا تھا، اسے خود کچھ خیال
ایک تھا وہ چمکانے لگا اور آگے کچھ نہ کہہ سکا۔
”کیا ہوا؟ وہ تینوں چمک پڑے تھے جیسے شام کو کوئی اُکھٹا
کرتے کرتے دگ گیا ہو۔ دادا ابھی سے کہہ رہا تھا؟“
”دہلینے ساتھ تھا۔ شام کو کے بجائے جھپک نے جواب دیا۔
”کہاں، کیوں؟“
”ایسے ہی گھومتے پھرنے کے لیے سستی کے لیے۔“
”ستی کے لیے؟“ ادھیڑا افسر نے مافی سے بولا۔ ”دادا! تم
ابھی چپ بیٹھو اُس کو بولتے دو۔ اُس نے براہ راست شام کو کوئی مطلب
کیا۔ ہاں کیا بول رہا تھا؟“
”شامو نے جھپک کی طرف لنگھ کر لہجہ آہستہ سے کہا۔ ہاں
صاحب گھومتے پھرنے کے لیے، اس کے لیے کوئی تینین کل سکتا۔“
”ایسا ہی لے دہر؟“
”بولا ناپ کو؟“ شامو نے تیز لہجے میں کہا۔ ”یہ بڑے کے لیے
آپ کبھی باہر نہیں نکلتے ہو؟ ادھر اُدھر تھکنا صاحب! انتظار
تھا کہ دادا ابھی آئے کے بعد پورا لائے میں تھا۔ یہی بولن تھا آپ۔
اُسے کچھ پتہ نہ تھا کہ ہم کو بھی ضرور ہوتا۔“

”اور ہم کو پتہ بھی تو ہوتا اپنی مرضی پر ہے۔“ جھپک نے پھر
چٹختی آواز میں دخل دیا۔ ”اور ہم آپ کو پولیس صاحب! ہمیں شہر
اپنے لیے ایسا دلور بھی نہیں ہے۔ پہلے ہی ہم ادھر آچکے ہیں۔ دادا
کے ساتھ اچھا دیکھا جالالہ۔ ادھر کا بہت سادا دادا لوگ ہم کو
جاننا ہے۔ مجھے حیرت ہوئی کہ جب اُن کی رت کی قدر نہ گئی
ہوئی نظر آرہی ہے تو جھپک کا لوجہ ایسا نہ کہوں ہے وہ انھیں کیا
جتنا چاہ رہا ہے؟ جھپک کی حالت جھپک نہیں معلوم ہوتی تھی۔
تو جوان افسر کا جسم اُس کے قابو میں نہیں تھا۔ ہی نکس
دی میں کلہرٹ۔ اُس نے جل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انگریزی
میں کہا۔ ”ہیں کچھ دیر کے لیے اسے باہر کے باقی سے ملت کر دینی چاہیے۔“
میں نے سن لیا تھا وہ ہم سب کو باسٹور اور فٹیل کی کٹھ
پتلیاں کہہ رہا تھا اور بھی بہت کچھ۔ میں سننا رہا لیکن میرے لیے
خاموش بیٹھے رہنا دشوار ہو گیا۔ اچھے اچھے کے اُن سے کہنا چاہتا تھا
کہ وہ زبان سنبھال کے بات کریں۔ اس سے پہلے۔۔۔ جھپک کو باہر
نکل جانے کا حکم صادر کر دینا مجھے صاف صاف۔ میں بتا دینا چاہیے
تھا کہ پھر ہم میں سے کوئی بات نہیں کرے گا میں نے جرو اور شاہو کی
طرف دیکھا وہ ہر سے بیٹھے تھے۔ جھپک مارٹی اور گھوٹی میں
انگریزی نہ سمجھتا تو میری بھی ہی کیفیت ہوئی۔ ہر آدمی اتنا بہر ہوتا
ہے جتنا وہ نہیں جانتا اور مارٹی کو تو اتنی انگریزی ضرور آتی ہے
اُس نے سن لیا ہو گا کہ وہ کسی بد زبان، ”دیدہ“ دہنی کہہ رہے ہیں اسے
چپ دیکھ کے میں بھی اٹھتا اٹھتا رہ گیا۔
درمیان میں بیٹھا ہوا افسر کھنچتا رہا پھر اُس نے اپنے زونان
سادھی کی تجویز دیکھ کر مستور کردی کہ ہم سب ایک جیسے ہیں جھپک
کے جانے کے بعد ہم اور بے گام بھی ہو سکتے ہیں یا زیادہ غلط بھی۔
اُس نے مذہب لیجے میں جھپک سے کہا۔ ”تم ادھر بیٹھیں میں کب تک
رہنے کا ہے؟“
”جھپک نے جواب دیا کہ وہ کچھ کہہ نہیں سکتا۔
”ابھی کوئی ضمانت کر سکتا ہے؟“
”کس کے کی ضمانت؟“
”کہ تم لوگ دھر شہر میں مکے گا۔“
”ہم ایسی کوئی ضمانت نہیں دے سکتے۔ آپ زیادہ بات مت
کرنا سیدھا پرچی بناؤ۔“
”پرچی بننے میں ابھی کوئی دیر نہیں لگے گا۔“
”جھپک کے لبوں میں جیش نہیں ہوتی۔“

"ایک بار بھی تم کو سوچنے کا موقع ہے۔" قہقہے نے کہہ نہیں سکا تو غریبہ افسر سرخوشی سے کہنے لگا۔ زبان بند کرنے سے تمہارے لیے اچھا نہیں ہے دادا۔

"کھلا رہنے سے ابھی اپنے کو کیا ملا ہے۔" قہقہے نے جھنجھلا کر کہا۔ "آپ نے اپنے لیے کوئل کا انتظام کرو۔"

"ویل کیسا کیل ہے؟ وہ خوش انداز میں بولا۔

"ابھی ہم اس سے بات کر کے ہی کچھ بولیں گے۔"

"تم بہت آگے کا بول رہا ہے۔"

"پیار بہت گھوم رہا ہے صاحب! ابھی آپ کے ساتھ کھپا کے اور اٹھا ہو جائے گا۔"

"تم بولیں گا پوریش نہیں سمجھ رہا ہے دادا! ادھیڑ پل میں افسر نے کسی قدر مفاہمت کے لیے یہی کہا۔

"پر آپ تو اپنے کو خوب سمجھ رہے ہو۔"

"نہیں۔ وہ سٹ پائے ہوئے لیے میں بولا۔ "ہم ہم کوش کر رہا ہے۔ ہم لو لاکھ لینے کو تم سے کوئی یر نہیں ہے۔" ادھیڑ افسر وہی کچھ دیر لے لگا جو کم دین وہ قبول پہلے کہہ چکے تھے کہ ایک نہایت سنگین واقعہ ہے، آج دو دادا لگے ہیں کل دوسے جاگتے ہیں، پاڑوں سے متعلق لوگ آپس میں خون خرابہ کر سکتے ہیں اس اسکان کی پیش بندی کے لیے پولیس کو اپنا فرض ادا کرنا چاہیے اُسے کسی لگے گاہ آوی پر ہاتھ ڈال کے خوشی نہیں ہوتی۔ پولیس بھی کسی کے سامنے جواب دہ ہے لیکن چونکہ یہ دادا ابھی دادا کے لیے رہے پہلے ہی ان کے سامنے لائے ہیں اس لیے ہم سے اٹا کھ کما ہا رہا ہے جمال تک پولیس کے اختیار کا تعلق ہے وہ قہقہے نے حد حساب نہیں ہے لیکن ایسا کم بھی نہیں ہے۔ پولیس رکھنے پر آئے تو ہمیں کسی بھی الزام کسی بھی شے میں لوک سکتی ہے۔ بعد میں ہم ثابت کرتے پھر س گے۔ یہی ہو گا۔ وہ بھی کچھ ثابت کر سکتے لیکن پس منظر میں اگر کچھ نہیں ہے تو یہ ایک غیر ضروری غیر نتیجہ خیز بات ہوگی۔ پولیس بھی پر کیا ایسی صورت میں کسی بھی شک کر سکتی ہے وہ کہنے لگا کہ پولیس کو ایسے معاملات کا خوب تجربہ ہے۔ دادا لوگ عموماً ہم نہیں بتاتے، غرض جانے کی کوشش کرتے ہیں پولیس ایسے خود مراد فہم مزاج لوگوں کو کیسے چھوڑے جاویں زبان سے کہہ رہے ہیں کہ انھیں معلوم ہوتا تو پہلے وہ اسی طرف کا رخ کرتے اور انھیں جرم کا نشان مل جائے گا تو پولیس کو اطلاع نہیں دیں گے، ہماری خواہش پر وکیل بلایا جاسکتا ہے مگر وکیل کیا کرے گا۔ وہ میں دیکھنے

ہی پر آگئے تو وکیل بھی دیکھتا رہ جائے گا۔ عدالت بھی اتنا ہر ہے کہ جالاک جرم بھی کسی عملی الاعلان سامنے آکے بھی جرم کی کوشش کرتے ہیں۔ جائے واردات پر ہمارا موجود ہونا دادا باتیں ثابت کرتا ہے۔ تجربے کے بعد میں فطری طور پر دل ان چاہیے تھا یا پھر ہم نے اس طرح اپنی والدت میں خود غور عام والدہ شک متا دینے کی کوشش کی ہے۔ پولیس افسر نے یہ سے کہا۔ پھر میری عدالت ابھی دو کابات ہے۔ پہلے اپنے کو کراہیہ سب الیا نہیں ہے۔

"شقی تو آپ اپنے کو دلوا آپ کا کون چلا گیا ہے ہوا ہے۔" قہقہے نے تنبیہ کیے میں جواب دیا۔ "آپ آگے بڑھ کر رہے ہو اس کا اپنے کو پورا پتہ ہے۔ رہتے رہے کہ آپ تہی دوند چلو گے، آگے کون۔"

پلیس افسر اس کی بات کاٹ کے ایک ایک لفظ رز فیتے ہوئے لولا کہ عدالت بھی پولیس کے شے کی تائید اس قدر کرتی رہے گی جب تک پولیس کسی نتیجے پر نہیں پہنچ جاتی، پلیس کا دروازہ ہے۔

"ہم نے ساری می نہیں کی ہے۔" قہقہے نے کھڑکی آواز کہا۔ اتنا چوہٹ نہیں ہے ادھر۔"

"ادھر بھی نہیں ہے۔" پولیس افسر کا لہجہ بدلا ہوا تھا۔ کوئی تھا راجس نہیں بیٹھا ہے۔ اپنے پھر سزا کو ادھل کے با "آپ کا رنگ کالا ہو جاتا ہے۔" قہقہے نے بے اعتنائی کہا۔ ہم کو بیان بدلنا نہیں آتا، ادھر گلی میں جو بول دیا تھا اور منشی نے لکھ لیا تھا اس کے بعد کیا کہہ نہیں ہے۔ تختہ آ کے پتے بھی نہیں ہے۔ جیسی آپ پھر کی گھا رہے ہو جب تک آپ کام لیتے رہو گے ایسا ہی رہے گا۔ تھوڑے نیچے کو آؤ اور چلا ہاتھ دھر کے دیکھو۔"

ادھیڑ افسر اضطراری انداز میں سر ہلا کے بولا۔ پولیس! تم لوگ میں سے ہے دادا۔"

قہقہے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ غریبہ افسر نے تنہی آ میں پوچھا۔ ابھی تم کچھ بولنے تو کر دے گے؟

"آپ بولو، کدھر جانا چاہیے؟"

"ہم تم سے پوچھ رہا ہے۔"

"کدھر جانا صاحب؟"

"پائے جانے کا؟"

ہاڑے بھی جاہیں گے پر پہلے ان کو کچھ نہ کہنا۔" قہقہے کی آواز دینے لگی تھی۔ "ہاڑے بھی جاہیں گے صاحب؟"

"ادھر دادا کی گدی پر بیٹھنے کا ہے؟"

"پاڑا کوئی راجا کی گدی نہیں ہے۔"

قہقہے کا مغز غور سے افسر کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کسی قدر بوکھلا کے بولا۔ "پائے کی گدی پر کون بیٹھنے کا ہے؟"

"پاڑا مال کا مادہ نہیں ہوتا، راج پاٹ کی طرح، باپ اکھ بند کرے تو بیٹے کے شے پر تاج ہوا دیا جائے۔ پاڑا کل سے ملتا ہے اور بن تک ہوتا ہے۔ دادا اسی نام ختم ہو جاتا ہے جب اس کے باجو پر اپنے نہیں رہتے۔"

"تم۔۔۔ تمہارا مطلب ہے کہ نام کے پاڑے کے لیے جو بھی جاتی کل والا آئے گا وہی گدی پر بیٹھنے کا ہے؟"

"یہ آپ بھی جانتے ہو۔"

"پر ہم نے دیکھا، ادھر بہت بوڑھا بوڑھا لوگ بھی پاڑے پر ہے۔ اب اس کا بل نہیں ہے پھر میری وہ پاڑا چلاتا ہے اور سب اس کا آگے بچھ کھوکتا ہے۔"

"پر پاڑا دادا کے بنے کو نہیں ملتا آپ کی طرح آپ کی کرسی بھی۔۔۔"

"ہاں ہاں ہم سمجھتا ہے۔" دریاں ملے افسر نے مضطرب کہا۔

"پاڑے کا راجا، دادا جتنا نہیں پالندہ اور کل کھوکے گدی بڑھی لگا ہوتا ہے۔ جب اس کے بنائے ہوئے پاڑے کے دادا لوگ ایسا چاہتے ہوں۔ برائے دادا کی جان کاری پوچھ کی ان کو عزت پڑے تب۔۔۔۔۔ قہقہے نے انھیں بتانا چاہا، لیکن ایسا کہتا ہے اور دیر تک نہیں چلتا۔ وہی گدی بنی تھا نہ جس کے بازو زیادہ پھرنے چوں اور جس کی انگلیاں چاؤ کے کیل سے خوب شاف ہوں اور اند پاڑے میں ایسا کوئی نہیں ہوتا تو باہر سے کوئی آتا ہے۔"

"پر دادا کا بھی یہی تھا؟" نوجوان افسر نے عینی سے بولا۔

"ابھی تو اس کا بل شروع ہوا تھا۔"

"پر وہ تو ادھر بیس چھٹیس سال سے پاڑے کا مالک تھا؟"

"شہر کا راجا بنے کو یہ نام بھی ہوتا رہا۔ خندے کو کم کی بچا میں پوری عمر دھنک جاتی ہے۔ ابھی اس کو نزدیک کا پڑے کا دیکھنا آیا تھا۔ بل کیلا بازو کا نہیں ہوتا۔ ادھر اس جیسا کوئی نہیں تھا۔"

"تم بھی نہیں۔۔۔۔۔"

قہقہے نے جواب نہیں دیا۔ نوجوان افسر نے ایک لمحے کی مہلت دیے بغیر اُسے ٹوکا۔

"جھکومت صاحب! قہقہے نے حیل بازی تو ازین کہا۔

"بولیں گے تو آپ کو سرخ لگ جائے گی۔ آپس میں کاٹنا نہیں رکھ جاتا۔"

نوجوان افسر کے کچھ کہنے سے پہلے ادھیڑ افسر نے بے دلی سے کہا۔ دادا! جس لوگ نے چاؤ کے بدلے گولی سے دادا کو ختم کیا ہے اُس نے گدی کا لالچ میں ایسا کیا، کیوں؟ مجرورہ ضرور سامنے آئے گا۔ ابھی نہیں تو تھوڑا دیر میں۔۔۔۔۔"

ایسا نہیں آئیں گے وہ حرام کے۔۔۔۔۔ اتنے جتنی نہیں ہیں جو پاڑے پر سینہ چمکا کے ابھی آجائیں۔ ادھر آپ یں روڑا اٹھائیں ادھلنے کو خوار کریں۔ وہ ایسے لگ کی طرف نہیں بڑھیں گے۔ گولی نہ چلاتا ہے پھر وہ بھی جیپ کی طرف سے۔۔۔۔۔"

"پھر ان کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟"

"دادا ابھی کے سامنے پاڑوں کا دادا تھا۔"

"ہاں۔ ادھیڑ افسر جیپ کی آواز میں بولا۔ "تم سمجھتے کہ وہ پر دادا کے باؤسے سامنے شہر کے پاڑوں کو نکالنے کے لیے بھی آیا کر سکتا ہے؟"

قہقہے سر ہلا کے رہ گیا۔

"پر اگر کوئی نیا دادا پھر سے نام کے پاڑے کے نیچے آئے تو بڑے تو ادھر بہت سا لوگ سامنے آ سکتا ہے۔"

"آپ قہقہے پر ہونا دادا آنے پر کون ایسے نام کے پاڑے کے حکم کو ملنے کا پاڑے کی چوکی کھڑکی کی ہے دادا کوڑی کا نہیں ہوتا۔ حکم کے لیے ضرور چاہیے۔"

"تم ابھی نام کے پاڑے پر بیٹھنا ناگھتا ہے؟"

"اپنے پاس آئے پاڑے کی کتا نہیں ہے۔ اپنے کو ابھی صرف ایک بات سے مطلب ہے کہ دادا پر ہاتھ اٹھانے والے کا گردن کب آتا ہے۔"

"ایسا کیسے آتا ہے گا؟" ادھیڑ افسر طنز انداز میں بولا۔

"اس کا نہیں تو اپنا آتا ہے گا۔"

"ہم پوچھتے، کدھر دھونڈے گا اُسے؟"

"دھونڈے گا صاحب!"

"کیسے؟"

"ابھی نکل کے دیکھیں گے۔"

”ایہی لوگ میرا جانتے تھے۔“

انے ساتھی افسہ دل سے لو جھنے لگا۔ "کہ کسا لو تے حکم جلاتا؟"

کھلے گروہ کے احزاب حرکت میں آ رہے ہیں۔

نہیں پہنچے تو ہم اپنے آپ کو منہ دکھانے کے نہیں رہیں گے جتنی

دیر وہ زندہ رہیں گے ہم کو فائدہ نہیں آئے گی! سارا جلتا ہے گا۔ ہم کو ایک طرف نہیں دیکھنا ہم نے وادہ پر بہت بوجھ ڈالے تھے، پر اتنے نہیں بنتے وہ ڈال کے چلتا بنا ہے۔ آپ آپ یہ سب نہیں جانو گے۔ ہم جانتا ہے۔ وہ میٹروں کی بجائے ہاتھ دیکھ رہے تھے۔ فٹیل جیسے ہی خاموش ہوا، ادھیڑ افسر نے کہا: ”پر تم پولیس پر بھروسہ کرے گا۔ سارا ساتھ دے گا۔ ہم سے ڈور نہیں ہے گا تو اتنا سب نہیں ہو گا۔“ اُس کی آواز اُٹ رہی تھی۔

جھلنے لچھنے نہیں کہا تو پولیس افسر مضطرب ہو کر کہنے لگا: ”ہم کیا بولتا ہے! ابھی بھٹکا ہے؟“

”سمجھ رہا ہے صاحب! اپنی طرح سمجھ رہا ہے۔“ فٹیل نے سر ہلا کر کہا۔ ”اپنے“ تمہارے دونوں کے اچھے کے لیے بولتا ہے بابا! تم کو صرف اتنا کرنا ہے کہ جلتے پر ہم کو اشارہ کر دو! بعد میں تم کو کوئی شکایت نہیں ہوئے گا۔“

”دیکھو گا صاحب! پر ابھی اپنی بھی ایک بات نہ بیان سے سن لو۔ اگر آپ پہلے پہنچ گئے تو ہم سے بات کیے بنا آگے نہیں ٹھو گے؟ پہلے ہم کو دکھاؤ گے؟“

”کیا؟“ ادھیڑ افسر نے سیدھے بولا لیکن دوسرے ہی لمحے اُس کے چہرے پر چٹائی ہوئی لکیریں دور ہو گئیں۔ ٹھیک ہے۔ اُس نے سخت آمیز مسکراہٹ سے کہا: ”ہم اس پر سوچ سکتا ہے۔ یہ کہتے ہی وہ ٹائلس سیمٹ کے کرسی سے اٹھ گیا، اُس کے دونوں ساتھی بھی ”باہر بیٹھی“ کا سارا ڈال افسر موجود ہے ہم کو ابھی حضور! اُن سے بات کرنے کا۔“ ادھیڑ افسر نے چلتے چلتے کہا۔

”آپ بڑا نہیں ہو گا صاحب!“ یہ سن کے وہ تینوں پلٹ گئے لیکن ایک لمحے کے نال کے بعد تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

اُن کے جانے کے بعد کمرے پر سکوت چھا گیا۔ سپاہی بھی ہیں کھڑے تھے۔ بیٹوں کے مانند ہم پر نظریں جمائے۔ فٹیل نے بیڑی سلگا لی۔ ماری اور ٹنگو کے ہمارے پاس آ جانے کی وجہ سے وہ سب الگ ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا، اُس کے پاس بچا جاؤ لیکن میں جا کے کیا کرتا۔ اُسے اور پریشان کی کرتا۔ چارہ گری کا حوصلہ نہ سہی آدمی یہ تو کر سکتا ہے کہ خاموش بیٹھا ہے۔ وہ سبھی سر جھکائے چپ بیٹھے تھے میری طرح سب کا دم گھٹا ہوا ہو گا مگر کم از کم ابھی ایک سلیقہ ہوتا ہے تو ہی خود کو دیر بہر بھی کرنا پڑتا ہے۔ چاہے اُسے اپنے وجود سے گھبراہٹ ہو۔ دیدل میں روشنی نہ ہو تو آدمی بہت کچھ دیکھنے سے محفوظ رہتا

ہے۔ جوش کم کر دینا تو بہت آسان ہے، میری طرح اتنا ہر دم گمان میں بھی نہیں تھا جتنا فٹیل کی اور اُن سب کی گول میا کھٹک رہا تھا۔ مجھے اُن کے سامنے بہت کم مانگی، کم تر کی اور کم ہو رہا تھا۔ انھیں مجھ پر اعتبار نہیں تھا جیسا کہ وہ مجھے یہاں لانے احتیاب کر رہے تھے۔ میرا سینہ اتنے بوجھ کا حوصلہ نہیں رکھتا۔ مجھے مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔

دیر تک کوئی نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے انھوں نے ارادہ بدل دیا ہو یا وہ۔ سب افسروں کو قائل نہ کر پائے ہوں۔ وہ ذہنی طور پر جھٹک رہے درنہ فیصلہ کر کے جاتے۔ اگر انھوں نے افسروں تک فٹیل کا رویہ، اُس کا لہجہ بھی منتقل کر دیا تو وہ بھی برہم ہو سکتے ہیں۔ فٹیل کا یہ ابتداء ہی سے معتدل ہوتا، جیسا وہ کہہ رہے تھے، وہ پہلے ہی ہال کر دیتا تو اتنی دیر نہ لگتی۔ جبر وادہ شامو نے بھی دخل دے کے انھیں اور متوشش کیا تھا۔ اتنی باتیں کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی جلد یا دیر انھیں ہمارے حق میں فیصلہ کرنا تھا لیکن یہ ضروری ہی نہیں ہے۔ وہ پہلوں اپنا فیصلہ ملتوی کر سکتے ہیں ہمارے لیے ایک ہر کی تاثیر بھی بہاڑ جیسی ہے۔ فٹیل نے شاید اسی خیال سے اتنی جتن کا بھی۔ ہماری نرم روی سے اُن کے دوسرے اور تقویت پاسکتے تھے۔ ممکن ہے فٹیل کے ذہن میں ہی کچھ ہو۔ اتنی رد و قدح کا سبب صرف ذہنی امتیاز نہیں ہو سکتا۔ بہر حال افسروں کے انتظار میں کوئی بے قرار نہیں تھا، جتنا اُن کے امکان میں تھا، وہ کر چکے تھے۔

بہت دیر بعد دروازے پر اُن کی آٹھیں گونجیں۔ سپاہی کے جسم اکڑ گئے۔ آنے والے صرف دو تھے۔ ایک نیا افسر، ادھیڑ افسر کے ساتھ تھا۔ تم جاسکتے ہو وادہ! اُس نے انداز کے بلند آواز پر سب کی نگاہیں فٹیل پر مرکوز ہو گئیں۔ فٹیل بچ پر بیٹھا رہا۔

”سننا تم نے! ہم کو تمہارے لیے بہت بات کرنا پڑا۔“ افسر نے کہا۔ ”پر یاد رکھنا، تم نے تم پر بھروسہ کیا ہے۔“ فٹیل نے اپنا جام جم سیٹھا اور کھڑا ہو گیا۔

”کچھ رہ گیا ہو تو ابھی اپنے کو بول دیو؟“ ”نہیں صاحب! فٹیل نے زیر لبی سے کہا اور دروازے کی طرف چل پڑا۔ ہم بھی اپنی جگہوں سے اٹھ گئے تھے۔ دروازے کے باہر سائباں میں افسروں اور سپاہیوں کا جھوم موجود تھا۔ ہم دروازے سے نکلے تو سب کا رخ ہماری جانب ہو گیا۔ چند ہی قدم بعد میں وہ تھیں گھر میں فٹیل کی وجہ سے ٹھہر جانا پڑا۔ فٹیل ہمارے نزدیک ہی ادھیڑ افسر سے جلتے کیا باتیں کرنے لگا۔ ایک دم ٹنگ گئے

ہم اُس کے انتظار میں کھڑے تھے کہ سامنے کھڑے ہوئے پولیس افسر کے جھنڈ میں انتشار سا ہوا، ایک افسر اپنے قریب کے افسر کو ہٹاتا ہوا تیزی سے آگے آیا، ابھی اُس نے بے تابانہ چند ہی قدم طے کیے ہوں گے کہ میری آنکھیں دھندلا سی گئیں وہ اُس کی شکل تھا، کرشناجی کا معتمد میں نے دوسری نگاہ میں پہچان لیا تھا اور میرا جسم ایک لمحے کے لیے ڈگلا گیا تھا۔ میں اُس کی طرف بڑھنا چاہتا تھا کہ رک گیا میرے قریب آگے اُس کے پاؤں بھی ٹھٹک گئے تھے، تم؟ ظہیر؟ اُس نے جیہاں آواز میں کہا۔

میں نے سر جھکا لیا۔
اُس نے میرے شانے پر ہلے، یہ تھی ہو؟ وہ منتشر لہجے میں بولا، تم یہاں کیسے؟ کب آئے؟

”بہت دن ہو گئے۔ میں نے نئی آواز میں جواب دیا۔
”بہت دن ہو گئے اور مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے مجھے نہیں بتایا۔ وہ جیڑا سے بولا، مگر یہ سب یہ سب کیا ہے؟“

مجھ سے کھڑک گیا۔
”کیا ہوا اخیر میں؟ تم بھی؟ میری خاموشی پر وہ اور پریشان ہو گیا۔ کیا بات ہے؟ وہ سر سیمٹی سے شاہو اور مادی کی طرف دیکھ کر بولا، تمہارا ان سے کیا تعلق ہے؟ بولنے کیوں نہیں؟“
”کیا باتوں؟ میں نے کہہ سکتے ہو توں سے کہا، پڑواؤ۔۔۔“
”پیرودا! وہ دہشت سے بولا، تم بھی اسی سلسلے میں آئے ہو؟ اودہ مانی گاڑا پیرودا اسے تمہارا کیا تعلق ہے؟“
میں اُسے کون سا رشتہ بتانا۔

دوسرے پولیس افسر بھی ہمارے نزدیک آگے ٹشکلا کی نظر پر سر پر تک اس طرح جھ پر بند لڑا رہی تھیں جیسے اُس کی آنکھیں دھوکا کھا رہی ہوں میرے گندے سر پر سیاہ پانچے اس کے سر پر بے ترتیب بال، میری یہ حالت دیکھ کے اُسے بے قرار ہوئی جا چاہیے تھا۔ اُس نے بے اختیار مجھے سینے سے لگایا، مجھے تاؤ ظہیر میاں! یہ کیا ہو رہا ہے؟

”راخھی سے پوچھ لیجئے۔ میں نے قریب کھڑے ہوئے نوجوان افسر کی طرف اشارہ کر کے ہونے کہا، انھیں سب معلوم ہے۔“

”کیا آپ اسے جانتے ہیں؟ نوجوان افسر نے انگریزی میں ٹشکلا سے پوچھا۔

”انھیں یہاں کون نہیں مانتا۔“ ٹشکلانے میرا کندھا تھپ تھپاتے ہوئے کہا، کرشناجی کو تم جھول گئے، یہ اُنھی کے

ساتھ رہتے تھے۔ متاثرہ کیس ابھی کی وجہ سے۔۔۔ اور پھر گیا، کیا ظہیر میاں بھی اُن لوگوں میں شامل ہیں؟“
”جی ہاں۔“ نوجوان افسر نے ہچکچاہٹ سے کہا۔
”نہیں نہیں، تجھ غلط فہمی ہوئی ہے۔“
”ان لوگوں نے تسلیم کیا ہے کہ پائے کے دادا میں پڑوا چھی دادا سے ان کے گھر سے مراد ہے ہیں۔“
”کیا واقعی؟ ٹشکلا نے یقینی کے عالم میں بولا، کیوں پڑوا کیا کہہ رہے ہیں؟“

”یہ ٹشکلا کہہ رہے ہیں۔ میں نے آہستگی سے کہا، ٹشکلا مرتد ہو گیا ہیں مجھ پر بھی ہوتی تھیں۔ یہ کیوں بالکل مختلف حالات وہ بے یقینی سے انگریزی میں بولا، کیا بات ہے ظہیر لہجے بتاؤ؟“
”مجھ سے اس وقت کچھ مدت پوچھیے۔ میں نے عاجزی سے کہا، اُس کے چہرے پر کیس پر گئیں۔ مجھے بھی نہیں بتاؤ گے؟“
”ٹشکلا کہہ رہے ہیں۔ وہ پڑوا تے ہوئے بولا۔ میں جیٹھا ہوں تم کہاں ٹشکلا ہوئے ہو جوں کی ہاں؟“
”جی۔ میں نے جھجکے ہوئے کہا۔

”ادرا اب کہاں جا رہے ہو؟“
میری نظرں تجھ کی طرف آگئیں، ایں بی ٹشکلا پڑواؤ پکوں سے اُسے دیکھنے لگا، آپ ہی کہہ بتائیے؟ اُس نے تھلے میں تجھ سے پوچھا۔

”اب کوئی بات نہیں صاحب؟ تجھ نے نظر اُڑائی کہ میں نے تجھ کو بتانا چاہا کہ یہ وہی ایں بی ٹشکلا ہے جس نے فیض آباد میں مجھے تار دیا تھا کہ انا جان جیسے خلیے کا ایک شخص نام میں دیکھا گیا ہے، اسی اطلاع پر تجھ نے تیرت جانے کا ارادہ کیا تھا اور اب جان مل گئے تھے۔ یہ زیادہ مدت کی بات نہیں کرنا، کہ بعد میں تھا جو اب جان کی ٹوہ میں لگا رہا، اس نے ہندوستان کے تمام تھانوں سے رابطہ قائم کر رکھا تھا مگر شاید تجھ کو کہہ جانے کی ضرورت نہیں تھی وہ عودا سے پہچان چکا تھا، اس نے ٹشکلا

سلام کیا، ٹشکلانے تیرا کہ سے جواب دیا، مجھے یاد نہیں تھا کہ وہ بچے چکے ہیں یا نہیں۔ ہونگتا ہے جوں کے گھر کسی اُن دونوں کی ملاقات ہوئی ہو۔ اُن کے انداز سے شناسائی ظاہر ہوئی تھی۔ ٹشکلانے جب براغظاب چھا ہوا تھا، ابھی سب ٹشکلا صاحب! تجھ نے جی آواز میں کہا، اپنے کو جلدی جانا ہے۔“

ٹشکلا کسی سوچ میں گم ہو گیا تھا، تجھ کی آواز پر پڑا گیا۔
”ہاں ہاں ٹشکلا، آپ لوگ جائیں، اُس نے بے خیالی میں کہا۔
”دیکھ رہی ہے وہ مجھ سے مخاطب ہوا، تم بھی جانے ہو مگر مجھے تم سے کچھ بات کرنا ہے۔“
”مجھے جانے دیجئے۔ میں نے دو جی آواز میں کہا، میں آپ سے چل لوں گا۔“

”صرف چند منٹ کے لیے نہیں ٹشکلا؟ وہ تکتے رہے بولا۔
”مجھ سے انکار کرتے زمین پڑا، ابھی اس کو جانے دے ٹشکلا جی، تجھ نے اُس کا نام لے کر کہا، اس کا آپ مر گیا ہے۔“
”باب؟“ ٹشکلا حیرت سے بولا، آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“
”یہ اُس کو ابھی بھجھا تھا۔“
”پیرودا کو؟“

”ہاں صاحب! وہ اس کے لیے دادا سے بھی زیادہ تھا۔
”پیرودا! ٹشکلا کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں، کیوں ظہیر؟“
”اُس نے مجھ سے تصدیق چاہی، میری خاموشی پر وہ مجھے جھوٹے لگا پراس نے میرے شانوں سے ہاتھ ہٹا لیے، اُسے اپنی جھٹکا کا خیال آگیا تھا، اطراف میں کھڑے ہوئے افسر کا اُس نے تھوں میں خود پر کا پالیا اور ہمارے لیے راستہ چھوڑ دیا۔

”چوڑے کی پڑھیاں لے کر کے اُچی تم تھانے کا احاطہ ہو کر رہے تھے کہ ٹشکلا پھر لپکتا چھپکتا ہلکے پاس آیا اور تجھ سے پوچھنے لگا کہ اُسے کسی مدد کی ضرورت تو نہیں؟

”ہوئے تو اپنے لیے سواری کا بول دو صاحب! اتنی رات کو نہیں ملے گی۔“ تجھ نے اُس سے کہا۔

”ہاں کیوں نہیں؟ اُس نے مجھے مر کے کسی کو اشارہ کیا۔
نوجوان افسر جھکا ہوا آیا، ٹشکلانے استفسار پر اُس نے تیار کھانے کے باہر ٹریس کھڑی ہیں وہ ہمیں اسپتال تک لے جائیں گی جہاں دادا اور اچھی موجود ہیں۔ ہاں ہمیں اُن کے وارث کے طور پر منتقل کرنے ہیں، ٹشکلانے اُسے ہدایت کی کہ اسپتال سے ٹشکلا پنچے کے لیے بھی سواری ہماری تحویل میں رہنی چاہیے۔

”نہیں صاحب! تجھ کو رجھل آواز میں بولا، اپنے کو ابھی اہم کے پارٹے تک جانا ہے مگر نہیں۔“
”نہیں لیوگ بتائیے تھے کہ دادا کا نوا پنا گھر ہے۔“ ٹشکلانے جھنس سے کہا۔
”ایک نام اُن کے سامنے کیسے لے جائیں؟“

”ہاں! ٹشکلانے نامت سے ٹھیل کر شورو دیا کہ ایسی ہے تو پیرودا کو ابھی اسپتال ہی میں رہنے دیا جائے اور ہر تھکے پہلے ہم گھر چلا آئیں۔

”پارٹے بھی تو اُس کو جانا ہے، وہ بھی اُس کا گھر ہے۔“
”لیکن پارٹے کے لوگ میرے کتے ہیں۔“

”نہیں لے جائیں گے تو ادنیٰ مل جائیں گے صاحب! ٹشکلانے مر ملا کے تائید کی اور مجھ سے کہنے لگا کہ اس کی موڑ موجود ہے ضرورت ہو تو میں لے سکتا ہوں، ڈرا تو بھی ساتھ ہے میں سوچتا رہا کہ کیا جواب دل میں نے ٹھیل کی طرف دیکھا، اُس نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ ضرورت ہوگی تو ضرورت سے رحمت دی جائے گی، ٹشکلانے نوجوان افسر ہمارے ساتھ ساتھ چلتے رہے، جھٹکا کی چار دیواری کے باہر تجھل کچھ فاصلے پر ہو گیا تھا، ٹشکلانے پہلو سے میرا ہاتھ تھام لیا اور میں جھناتے لیے میں بولا، ظہیر! کوئی ایسی ویسی بات ہو تو مجھے پہلے سے بتا دو؟“

”کیسی بات؟ میں نے پھر کے کہا، کوئی ایسی بات نہیں۔“
”مجھ پر اعتبار کرتے ہونا؟“
”آپ بھی اُٹھی جیسی باتیں کر رہے ہیں؟“
”پھر یہ سب کیا ہے ظہیر! میں کچھ نہیں سمجھ رہا ہوں۔“
”میری سمجھ میں بھی نہیں رہا، یہ کیا ہو گیا۔“
”پیرودا اسے تمہارا کیا تعلق تھا؟“

”وہ میرا۔۔۔ میری زبان کھنت کرنے لگی۔ کیا بتاؤں۔

”بہت لمبی داستان ہے لیکن کوئی اسی بات نہیں۔“
”تم کہہ رہے ہو تو یقیناً نہیں ہوگی مگر کسی وقت کسی طرف سے بھی کوئی اشارہ محسوس کر دو تو پروردگار اُس نے مجھے متنبہ کیا کہ پیرودا اب بھی کا بہت بڑا دادا تھا، پولیس نے اس اُٹنے کی یقینی کاشدت سے نوٹس لیا ہے، ہڈی کو مار کے حکم پر سارے شہر کی پولیس حرکت میں آگئی ہے اور جگہ جگہ چھاپے مارنے کا ارادہ کر رہی ہے، پیرودا اسے قریب کی وجہ سے میں بھی زد پڑا سکتا ہوں۔ وہ کہنے لگا کہ پولیس کی کاروائیاں اپنے انداز کی ہوتی ہیں، تو میں جانتا ہی ہوں کہ پولیس کی رائے میں یہ سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوگا۔

”میں متاثر ہا، میں نے کچھ نہیں کہا۔“
”اتنے دنوں تک تم اُسے کیوں نہیں؟ کیا کرتے رہے؟“
”فرصت ہی نہیں ملی خیال تھا کہ کسی دن شاید آپ ہی آجائیں۔“

پچھلے دو مہینے میں کئی بار بھئی سے باہر جانا ہوا۔ موٹر میں سوار
آجائے پراس کی سرگرمیاں بند ہو گئیں۔ فحش ایسی باہر نکلتا تھا۔
شکلات لے اپنے ہاتھوں میں اس کے ہاتھ جکڑ لیتے اور مندرتی انداز
میں لولا جیسے علم نہیں تھا کہ خیر مایاں بھی یہاں ہیں۔ ویسے بھی
مجھے پہنچنے میں کچھ دیر ہو گئی ورنہ اتنا وقت نہ لگتا۔
”اچھا ہوا جواب میرے آئے۔“

”کیوں؟“ شکلا چونک پڑا۔ یہ کیوں کہہ رہے ہیں آپ؟
”آپ ادھر اکیلے تو نہیں ہو صاحب! بھیل لے جیتی آواز
میں کہا۔ اپنے کو جان کاری میں آتی دیر نہ لگتی۔
شکلا کی آنکھیں سکوا گئیں۔ میری طرح وہ بھی بھیل کا مقصد
نہیں سمجھ پاتا تھا تاہم اس نے قشر قشر میں چاہی خوش اطواری
سے لولا۔ پولیس کو بھی اپنے آپ سے بھی مندر کرنی پڑتی ہے۔
اپنی مرضی کے خلاف چلنا پڑتا ہے۔ پولیس کی اپنی مجبوریاں
ہیں۔ میں ان کی جگہ جتا تو شاید مجھے بھی وقت لگتا۔ ہاں ظہیر
کا سامنا ہونے پر صروت یقیناً مختلف ہوتی۔ مجھے معلوم ہے کہ ظہیر
کم از کم مجھ سے دار نہیں کر سکتا اور نہ اس کے سامنے ایسے ہرکتے
ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ ان میں کسی نے ظہیر کو نہیں پہچانا۔ یہ ایسا
بدل بھی نہیں گئے کہ شناختی کو گزرنے سے بھی اتنا ناہنہ نہیں ہوا کہ
کوئی انھیں بھیل جانے اور ان کے محبوب ظہیر کو بھیل جانے۔
یہ اشارہ بھی کر دیتے تو ان سب کی شکل بھی مل جاتی آپ
کی بھی بہر حال۔۔۔۔“

”ہم پاڑے کے آدمی ہیں شکلا جی! اپنا بوجھ ساتھ لے کے
چلتے ہیں۔ آپ اس کی وجہ سے ہم کو تھوڑا چھوٹ دیتے تو ہم منہ
بول دیتے۔ یہ کسی کا نام لیتا تو ہم اس کو باہر کر دیتے۔“
”یہ اچھی بات ہے۔“ میری خوش کے خلاف شکلا کی آنکھیں
پچکے لگیں۔

”اپنی بیتی ہے آگے بھی آپ کوئی فلیکس مت لگانا کہندے کا
اُدھار ہم کو اس نہیں آتا۔“
”اوہ ادبیری گڈ۔“ شکلا اچھل کے بولا۔

یہ کچھ کہنے کا کیا عمل تھا۔ شکلا تو ہمارے لیے کدہ ہاتھ لیس
سے پہلے کہ جس کی بان سے کدہ اڑ نکلتا۔ میں نے اسے کوئی بار
کے اندر بیٹھ جانے کی التجا کی۔ اندر نشست پر بیٹھتے ہوئے بھیل
شکلا کو سلام کرنا نہیں بھولا۔ وہ مب اندر چلے گئے تو میں نے
بھی جانا چاہا۔ شکلا نے میری کلائی پکڑ لی۔ اپنا نشانیاں لکھنا۔ اس

نے نموش آواز میں کہا۔ میں اسی شہر میں ہوں۔
میری گیس کھینچنے لگی تھیں۔ میں جلدی سے اندر چلا گیا۔

اسپتال کے دروازے پر زور اٹھایا، پلھی اور پھیلا ہوا
کے دھائیں مارنے لگے۔ اسپتال سے پاڑے تک سامنے رہا۔
وہ منہ فرستے سینہ پیٹتے۔ سب پاڑے کے علاقے میں جگہ جگہ
گشت کر رہے تھے اور ہر طرف آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ مکانوں
کھڑکیاں اور دروازے کھلے ہوئے تھے جیسے ہر گھر میں کوئی رہا
ہو۔ موٹر میں پاڑے کی عمارت کے قریب پہنچیں تو ہر گھر میں لوگ
جب تک موٹر میں پاڑے کے دروازے پر پھر نہیں گئیں لوگ
ساتھ بھاگتے رہے۔ موٹر سے اُتار کے وہ انھیں اپنے کدھوں پر
میں لائے دیکھتے دیکھتے عمارت میں تل دھرنے کی جگہ نہ رہی
بھی اندر گھس آئے تھے۔ دونوں کو اُسی تخت پر لٹا دیا گیا تھا۔
ایک پہر پہلے وہ دندنا کرتے تھے۔ زور اٹھاتا اور نہ جانے کو
کون لوگوں سے بار بار خاموش ہو جانے کی پتیلیں کر رہے تھے۔
بھر کے لیے تانا بچھانا۔ پھر وہی شور اُٹھنے لگتا۔ میں نے اس کی
آنکھیں ایک دوسرے کے قریب پڑے دیکھا۔ جب وہ ان کے ہوا
سے جا رہے تھے تو میں وہاں سے ہٹ آیا اور ایک کونے میں
کے بیٹھ گیا۔ ان کی سسکتی لکڑی آواز میں اس کے میرا نام
ہو گیا تھا۔

جانے کتنا وقت گزر گیا تھا کہ شامویر سے پاس گیا اور
دھاتے ہوئے لولا کہ میں یوں چھپ کے کہاں بیٹھ گیا ہوں۔
سامنے میں مجھے دھونڈ رہے ہیں۔
”کیوں؟ کیا ہوا؟ میں نے چوکے کہا۔ میں کدھر جاتا ہوں
موت کرو۔“

”استاد ملاتے ہیں لاڈلے! وہ تلخی سے بولا۔
مجھے نہیں پہنچے دو کدہ دو کہیں ملا۔“
”کیا بولتا ہے؟“ اس نے میرے بال پکڑ لیے۔
”میں یہاں تھیک ہوں شامویر جی!“
”میں بولتا ہوں استاد نے پوچھا ہے۔“
”کیا بات ہے؟“

”اسی سے جا کے تکرنا، چل اٹھ۔“ اس نے جھکے سے
کھینچ کے اٹھا لیا چوکی کے اطراف لوگوں کا اڑھام تھا۔ ہم
کے درمیان سے گزرتے ہوئے اندر کمرے میں چلے آئے۔ بھیل

راکے خاص کمرے میں بیٹھا تھا۔ کیا ہے رے کدھر کھو گیا تھا؟ وہ
ل کے بولا۔

”کہاں جانا، یہیں تھا۔“
”چلنا ہے ابھی۔۔۔۔۔“
”کہاں؟“ میں نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔
”چلنا ہے رے۔“
مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کہاں جانے کو کہہ رہا ہے۔ میں
میں جاؤں گا خدا کے لیے مجھے مت لے جاؤ۔“ میں نے بہت
لجائی۔
”اس نے کچھ نہ سنا ہی نہیں۔“ چل بسے! وہ اپنا نہیں تو تیرا
ی تو دل خیاں کر لیں گی۔“
”وہ کسی کا خیال نہیں کریں گی۔“

”کوئی نہ مانے پھر؟ وہ غصے سے بولا اور اٹھ کے میری کمر
فلکات ہوا دروازے سے نکل گیا۔ دل جانے کے خیال سے میری ناگس
پکڑنے لگیں۔ شامویر مجھے آگے کی جانب دھکیلا۔ میں جو کھٹ
تھوڑے کھاتے کھاتے بجا لگتا۔ حقبتی دروازہ کھول دیا تھا۔ میں
دوبارہ جو کمر کی طرف نہیں جانا پڑا۔ پچھلے کمر میں کھڑی تھی۔ ہم
دونوں کے سوا کوئی اور نہیں بیٹھا۔ اس طرف بھی بہت سے لوگ موجود
تھے۔ دو جا کے کمر میں کمر کی رفتار تیز ہو گئی۔ میں بھی سنان ہو گئی تھیں۔
بھیل کمر میں بٹھا رہا۔ ابھی ہم نے اُدھار لے رہے تھے۔ میں نے کھاتے کھاتے
اندھار لے لگا لیکن روشنی اچھلا تو آدمی کے اندر ہوتا ہے۔ جیسے
جیسے دادا کدھر قریب آ رہا تھا، مجھے ہر شے گھومتی سی نظر آرہی تھی۔
جیسے کوئی مسلسل میری جان بھینچ رہا ہو۔

مکان پر سکوت طاری تھا۔ میں رات ہی کوئی دس گیارہ
بجے کے درمیان یہاں آ رہا تھا۔ اس وقت پانچ بج رہے ہوں گے۔
چند گھنٹوں میں کیا ہے کیا ہو گیا۔ رات ان کے سپرول کیسی روشنی
بکری ہوئی تھی۔ بات بات پر کھلی جاتی تھیں۔ کیا معلوم تھا کہ ہند
گھنٹوں بعد مجھے یہاں پھر آنا پڑے گا اور صبح کے ساتھ میں ان کے
پلے اندھیر لے کے آؤں گا۔ میرا دل دُوبارہ جاتا تھا۔ کمر میں کھڑے ہی
بھیل اُٹھ گیا۔ اس کی دستکوں پر دیر سے دروازہ کھلا اور منہ بوقت
بڑا کدھو کھو چوکی دار اندر سے برآمد ہوا۔ وہ آنکھیں ملتا ہوا آیا تھا۔
میں دیکھ کے اس کا جسم مل کھانے لگا۔ اندر جا کے بول ہم آئے
بھیل نے اسے پوری طرح آنکھیں کھولنے کی مہلت بھی
نہیں دی۔

وہ دیکھ لگایا۔ کیا ہے مالک! اسب ٹھیک تو ہے؟
”ہاں رے! ادبیری مت کر۔“ بھیل نے ابھی ہوئی آواز
میں کہا۔
چوکیدار لنگ کھڑا ہیں دیکھتا رہا۔ اس کی پیشانی ایک ہل
کے لیے سٹ گئی؟ وہ فوراً دروازے سے ہٹ گیا۔ ابھی سب
سوتا ہے؟ وہ اضطراب بولا۔
”اٹھائے رے ان کو۔“ بھیل نے حکیمہ لے بیٹھیں کہا۔
”مالک کو پوچھتا ہے آپ؟“ اندر جانے جانے اس نے
لنگ کے پوچھا۔

”نہیں سے! بھیل نے دشتی سے کہا۔ گھر میں جاکے بول۔“
سامنے کے فٹورہ زوار سے ملحق ساری کوٹھی اوسے کی
جالوں میں مصروف تھی۔ چوکیدار نے عمارت کے ستون میں نصب
گھنٹی بجائی۔ اندر سے پرواداکے خاص آدمی شبتی چاچا کی
دھکتی آواز سنائی دی۔ کون ہے گوسے کیا ہے؟
چوکی دار ابھی جواب بھی نہیں دے پایا تھا کہ شبتی چاچا ہمارے
سلے آ گیا۔ وہ بندھی اور لگتی پتے ہوئے تھا۔ کتنے کوہ ملازم تھا
لیکن اسے کدھر کے نگران کی حیثیت حاصل تھی۔ عمریں بھی وہ پرو
سے بڑا تھا۔ گھٹا ہوا جسم کدھیں رنگت دروازہ۔ اپنی وضع قطع
سے بھی وہ گھڑی کا کوئی فرد لگتا تھا۔ پیڑے اس کی شاسانی بات
پرانی تھی لیکن گھڑیں آدھرت گیت کے ہوش نہ بھالنے پر ہوئی گیت
کو سب سے پہلے اسی نے پڑھانا شروع کیا تھا۔ پروکی رائے میں کیلئے
کے سبب اس نے اپنے شہر سے جھاک کے بمبئی کے جنگل میں پناہ
لی تھی۔ اپنے باپے میں اس نے نہ بھی کچھ بتایا تھا۔ نہ پروے جاننے
کی کوشش کی تھی۔ پروے کدھر تھا کہ اس کا اصل نام شبتی خاں ہے
بھی کہ نہیں۔ بہت دنوں بعد پروے کو معلوم ہو سکا کہ اس کا تعلق
ریاست رام پور سے ہے۔ پروے کے اہل پروہ یہیں پہنچے لگا اور پھر
یہیں کا ہو رہا۔ گھر کی دیکھ بھال کے سوا اس کی کوئی دُشمن نہیں
تھی۔ گھر سے بھی وہ صرف مذمت کے وقت نکلتا تھا۔ سارا حساب اس
کے فتنے تھا اور کدھر کے دوسرے ملازم اس کے سامنے جواب دہ تھے۔
پروے بڑے بھائی کا دوجہ دیتا تھا۔ رانی اور گیتا بھی اسے بھائی
اور چاچا کہتی تھیں۔ لیکن شبتی چاچا ہر جگہ خود کو پروے کا ملازم کہتا اور
ایک مالک کی طرح پروے کا احترام کرتا۔ گھڑیں اتنا شامل ہونے کے
باوجود سب سے الگ تھلگ رہتا۔ ضرورت پر سامنے آتا۔ وہ کوٹھی کے
ایک کونے میں ملازموں کے لیے بنے ہوئے حصے میں رہتا تھا، البتہ

اندرا اور باہر دیاں اور سفید چادریں بچا دی گئیں، بابا جان اور میر علی بھی بچا چاہا کہ ساتھ مصروف تھے۔ میں ایک کونے میں سبزے پر بھی ہوئی دوسری پہاڑیہ۔ بابا جان اور میر علی کئی بار میرے پاس آئے اور گپ چپ بیٹھے رہے۔ دیکھ دو کہہ پاتے تھے، نہ مجھ سے کچھ کہا جاتا تھا۔ اُن کی سچھ میں کچھ اور نہ آتا تو وہ مجھے کچھ دیر کے لیے کسی کمرے میں جا کے کمر کمانے کو کہتے گئے۔ میرے چلنے کی طرف بھی انھوں نے اشارہ کیا۔ پھر جولین مجھے برآمدے کی چالیوں میں دکھائی دی۔ وہ مجھی کو بلارہی تھی، میں اُنھ کے اُس کے پاس پہنچاؤہ میرا ہاتھ پکڑ کے اندر ایک کمرے میں لے گئی یہ گیتا کا کہہ تھا۔ یہاں فرخ بھی تھی۔ دونوں کی آنکھیں برس رہی تھیں۔ جولین نے بھی گئی ہوئی تو لیا میرے سامنے رکھ دی۔ میرا چہرہ جتنی نہیں چاہتا تھا لیکن نہ انکار کی ہمت تھی، نہ اس کا کوئی جواز تھا بھے یاد ہے، کانٹے کے وقت پر وہ دادا نے کہا تھا کہ زندوں سے بھی لڑکچہ واسطہ ہے۔ جولین کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ میں اگو کوئی تماشا بنا ہوا تھا تو یہ اچھا نہیں تھا۔ جولین اور فرخ کو میری فکر سے زیادہ گیتا اور رانی کی ننگہ داشت کوئی چاہیے تھی۔ تو لیا ایک طرف رکھ کے میں غسل خانے چلا گیا۔ بابا جان کے پانچوں پر پانی انڈیلنے سے کچھ لڑکے دھتے بڑی حد تک مٹ گئے۔

میں باہر آیا تو فرخ چائے کی پیالی لے آئی۔ میں نے کوئی پرس پیش نہیں کی اور چند گھنٹوں میں چائے صلیق میں لٹ لی۔ گرم کی تازگی کے لیے تو انائی بھی ضروری ہے۔ وہ دونوں میرے ساتھ باہر نکلیں۔ میں برآمدے کی طرف چلنے کے بجائے اُن کے ساتھ بیرونی کمرے میں داخل ہوا۔ شہ پادہ، چچا، بیگم، جین کی ماں فریاں اور بڑوں کی عورتوں کے درمیان رانی اور گیتا بتوں کی طرح بے شدہ بھی بیٹھیں۔ بکھرے تھے بال، ویران آنکھیں۔ آدمی ایسے شیشے کے بنے تھے ہیں اتنی دیر میں وہ ایسی اجڑ گئیں کہ بچی کی نہیں جاتی تھیں کسی لمحے گیتا نے بھی دروازے کے قریب مجھے کھڑے دیکھ لیا، اس کے بدن میں کوئی ظلم سا اٹھا جس بات کے تصور سے میرا دل ڈوبنے لگا تھا۔ وہی ہوئی۔ مجھے دیکھتے ہی اُس کے ہونٹ پکپکاتے لگے، جیسے کسی بچے سے کوئی چیز چھین لی جائے اور وہ حسرت مے لے بیسی سے منہ سونسنے لگے۔ یہی اُس کا حال ہوا۔ وہ میرے پاس آنا چاہتی تھی یا مجھے بلانا۔ دوسرے ہی لمحہ وہیں ڈھیر ہو گئی اور

گھٹنوں میں سر دیے بلکنے لگی، چچا بیگم نے اُس کا سر اپنی انگوٹھ میں چھپا لیا۔ پھر میں ایک لمٹھ کے لیے بھی وہاں نہیں ٹھہرا لیکن باہر کے میری لگا میں اُس کو دیکھتی رہیں، اُسی کے گونڈائی ریل گیارہ بج رہے تھے جب موٹر لں اور موٹر لں کا شور بلند ہوا۔ پھر چہرہ منٹوں میں اندر باہر جگہ سارا مکان پاڑے کے آڈیوں سے بھر گیا۔ دادا کی چار پائی بیرونی کمرے میں رکھی گئی۔ تو وہ باگلوں کی طرح واڈیا کونے لگیں۔ کوئی اُنھیں خاموش ہو گیا۔ کڑا۔ اُن کا حال دیکھ کے سر کے ہوش گم ہوئے جانے تھے کسی کو ہنستا دیکھ کے آدمی کو آہنی خوشی نہیں ہوتی، متناظر دیکھ کے دل کٹتا ہے۔ سبھی بے حال تھے۔ زور، چھیدا، انگلیا، پھی، جوشن، مارنی، ٹنگو، زنادا اور پاڑے کے آڈیوں میں جانے کو لں مجھے دھونڈتے ہوئے میری طرف آنکھ تھے اور میرے ہی گونگے ہو گئے تھے۔ وہ گھل مل کے روتے اپنے آپ کو پٹ پٹے مارتے سر بیٹھے لنگے، کوئی کسی کو سنبھالتا اور خود بکھر جاتا۔ ٹھیل کے ساتھ آنے والوں کے بعد بھی لوگوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ کلاں کے باہر ساری گئی اُن سے گھر کی تھی۔ اُن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ لگتا تھا، باہر کا سارا علاقہ اُنھ کے آگیا ہے چند ہی لوگ میرے صوت آشنا تھے۔ پھر لکا یک جا جی میرے سامنے آگیا، اُسے دیکھ کے مجھے جھٹکا سا لگا مگر وہ خود بہت کھنڈر معلوم ہو رہا تھا۔ سارا چہرہ آنسوؤں میں ڈوبا ہوا لالہ لگا آنکھیں، دھکے ہوئے شانے، طائرانہ جسم وہ میرے سینے سے آگے لگ گیا اور میری طرح بلکنے لگا۔ مارنی نے اُسے ہٹایا اور نشانی ولا سے دے کے ایک طرف بٹھا دیا۔ اُس کی بیوی ماری بھی چند لمحوں کے لیے مجھے نظر آئی، مرک پریشی ہوئی کسی باڈی بکال کی طرح، کوئی ذرا چھڑے تو کاٹ کھائے۔ نہ اپنی خبر نہ دوسرے کی، جیسے پڑے پنے تھے تھی معلوم ہوتا تھا، ویسے ہی اُنھ کے چلی آئی ہے۔

مکان کے اندرونی حصے کے ایک گوشے میں مگلا سٹا ایس پی مشکا بھی مجھے دکھائی دیا۔ وہ سادہ لباس میں تھا اُس کے ساتھ لیتا اور پولیس والے بھی ہوں گے۔ مشکا میرے پاس نہیں آیا، دو دو کھڑا رہا لیکن اُس کی نظریں مسلسل مجھ پر ٹپکی ہوئی تھیں۔

گیارہ بجے وہ دادا کو لائے تھے، تین بچے ہمک اُنھوں نے بنا سوار کے اُسے پھولوں میں چھپا دیا۔ اُس کی اڑھی اُٹھی تو

اور رانی دواؤں کی طرح حسیتی بلبلاتی باہر نکل آئیں جولین باہر اور چچا بیگم نے اُنھیں جکڑنے کی کوشش کی لیکن وہ فرس کھارہی تھیں۔ دواؤں کی طاقت ہی اور ہوتی ہے، گیتا نے سے چوٹ گئی۔ ٹھیل میر علی اور شتی چاہا نے جا کے اُسے باڑے بس کر دیا۔ ٹھیل اُسے اپنے بازوؤں میں بیٹھے جانے لیا کتا رہ گیتا زار و قطار رو رہی تھی جیسے بس آنسوؤں میں مل ہو جاتی گی۔ ٹھیل کے اشارے پر وہ جلد ہی دادا کو گھر سے لے گئے۔ گلی کے بیچ میں ایک چوکی پر اڑھی رکھ دی گئی اور اُسے منت کی گئی کہ جسے دادا کا ویدن کرنا ہو قطار میں آئے اور اُسے بڑھتا ہے۔ کوئی زور زور سے باہر اس قسم کے لڑات کر رہا تھا کمرس ہر سے ہو گئے تھے کوئی سامنے سے ہاتھں چاہتا تھا، کوئی دادا کے لیے پھول لیا تھا، کوئی گلاب لے سے گلاب چھوٹی، کوئی پھول بکھیرتا، کوئی ٹس نکلی، باندھے جتا ہتا۔ سیاہ کپڑوں میں ملبوس کچھ عورتیں گھر کے اندر نہیں آئیں وہ فارس روڈ کی عورتیں ہوں گی۔ وہ رنگ رنگی چڑیاں

دوپٹے لے کے آئی تھیں۔ دادا کی اڑھی پر وہ اُنھیں پھیلائی تھاتی رہیں۔ میں نے اب تک اس کا چہرہ نہیں دیکھا تھا اور نہ مجھے اس نظر اُسے کی حسرت تھی۔ ایک ہی رات کی تو بات تھی میرے سینے میں اُس کا سکرگلا چہرہ نقش تھا، آدمی زندہ چہرے ہی سینے میں کیوں مخزلہ رکے۔ میں اُس کے قریب نہیں گیا لیکن جرو، شامو اور مانی مجھے گھسیٹے ہوئے وہاں لے گئے۔ وہ پھولوں کے درمیان جیسے پکلیں موندے کسی سوچ میں گم تھا، جیسے ابھی کسی آہٹ پر آنکھیں کھول دے گا مگر اتنی صداؤں اور دستکوں کے باوجود اُس کی ہلکوں میں ذرا بھی جنبش نہیں ہوئی۔ زندگی بھر دادا کو لں سے اپنا گھر چھپاتا رہا۔ کچھ خبر نہیں تھی، ایک دن الیا راز فاش ہو گا، اتنے لوگ یوں شور مچاتے ہوئے آجائیں گے۔

دھوپ اُڑنے لگی تھی اور اڑھی کے گرد گول کا جوم کم نہیں ہر ہا تھا مگر پھاڑے کے داداؤں نے زیر کستی دادا کی ڈو لی کنڈھوں پر اٹھائی۔ بابا جان اور میر علی کو ٹھیل لے رانی اور گیتا کے خیال سے گھر دکھایا تھا حالانکہ وہ اس کے لیے آدہ

اُردو ادب میں طنز و مزاح کا ایک نیاز خ۔ شگفتہ سیریز۔ گھر کی مٹنی، کھانے اور مٹنی کیسی میں سفر کرنے کے بعد

اثر نعلانی

دو تے ناول پیش کرتے ہیں

ایکے سر پر

قیمت ۳۰ روپے، ڈاک خرچ ۶/۱۰

بے وقوف

قیمت ۲۰ روپے، ڈاک خرچ ۱۷/۱۰

ہر صفحہ

تعمقوں سے

باب

دو ناول آج کی ضرورت ہے

دو نواں کتابیں ایک ساتھ دیکھنے پر بڑی بڑی بے

۱۸ روپے

کتابیات سپلی کیشنز ★ پوسٹ بک نمبر ۲۳ کراچی

”بالکل ٹھیک ہوں۔“ میں نے سانس لے کے کہا۔

”کہاں ٹھیک ہو۔“ وہ افسردگی سے بولا۔

”یہی جو میں دیکھ رہا ہوں۔ یہ سب بہت عجیب ہے۔ میں یہاں

نہ آتا تو ایک نئے تجربے سے محروم رہتا۔ یہ میرے

زیادہ بلکہ مختلف ہے۔ "میں صرف سنا کیا"

مکرمۃ لہجے میں بولا۔ ”یہ کون آدمی تھا؟“

• آپ لے اسے بھی نہیں دیکھا؟

” مگر ایسا نہیں ہوتا۔“

”اور آپ کیا دیکھ رہے ہیں۔“

”مگر اُس نے کبھی ذکر نہیں کیا۔“

”ضروری تھا کیا۔“

رات گئے ہر سو ستا نا چھا گیا اور باہر کا سارا ہجوم رخصت ہو گیا تو جو لین نے ایک ایک کو بیڑی کرے میں اکٹھا کر لیا انہیں

”ابھی اس کا بات مت کرو دادا! دینا نے کسی قدر جھنجھلاہٹ سے کہا۔

وہ ٹھہر کر کے بولا: "باہر کے پاڑے سے کوئی آدمی نہیں چلے گا۔
 ادھر ہمارے پاڑے پر کوئی نہیں ہے۔ ادھر ہی کا کوئی آدمی
 ہونے کوئی ہے۔" ماچھی دادا ہوتا تو بات ہی نہیں تھا دھور دور
 اس کے بل کا کوئی نہیں تھا بدرا دھور بھی ہے۔ اپن سے پوچھو
 تو ابھی ادھر کے پاڑے پر ادھر کے آدمی کا حق نکلتا ہے۔
 "حق کی بات مت کر لے۔ پاڑے پر حق صرف بل کا بنتا ہے۔"
 یہ ایک دینا اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی کھڑی آواز میں کہنے
 لگا کہ سر دست بھل سب سے موزوں آدمی ہے۔ دادا سے اپنے غصے
 تعلق کے لئے بھل پر لازم ہے کہ وہ اس کے پاڑے کا بھرم
 قائم رکھے، تھوڑے ہی دن کی قوت ہے۔ بھل کو صرف اس
 وقت تک بیٹھنا ہے جب تک ادا کو ختم کرنے والے سامنے نہیں
 آجاتے۔ بھل کی مرضی ہے کہ کچھ جیسا چاہے کرے۔ اس کے بعد
 ہم بھر اٹھتے ہو سکتے ہیں۔ یہ ریت نئی بھی ہے اور اچھی بھی کہ اس
 طرح بھی اپن ہم باسے میں کچھ فیصلے کر سکتے ہیں۔
 دینا بیٹھا ہی تھا کہ پو کی کے دائیں جانب بھاری تن و
 توش کا لی رنگت کا ایک عمر سر سید دادا کھڑا ہو گیا اور بے لچے
 میں بولا: "مائی باپ! حکم ہونے تو اپن بھی کچھ بولے؟"
 سب کی نگاہیں اس پر مرکوز ہو گئیں۔ انھیں اپنی اپنی ٹھنی
 کا گوشت لٹکا ہوا، انھی میں ہر سے کی انگوٹھی اور کان میں دیا
 پڑی ہوئی۔ میں اسے نہیں جانتا تھا۔ بھل نے اسے بیٹھ جانے کا
 اشارہ کیا لیکن شاید اس نے دیکھا نہیں کھڑا رہا اور کہنے لگا: "تم
 اپن کو نہیں جانتا، اپن پاڑے سے، سوٹ شہر سے آتا ہے۔"
 وہ بھی اتنا ہی کہہ پا یا تھا کہ بارسی دادا نے اٹھ کر اس
 کا بازو تھام لیا اور بھل سے مخاطب ہو کر بولا: "اپن بولتا ہے۔
 یہ پورا نہیں بولے گا کہ پاڑے دادا کون ہے۔ ادھر بیٹھی ہیں
 کئی پاڑے کا کوئی آدمی ایسا نہیں جس نے اگر پاڑے دادا
 کو دیکھا نہیں تو اس کا نام بھی نہ سنا ہو۔ یہ ادھر ہی پاڑا چلاتا
 تھا۔ پاڑے دادا مانگا تو ایک وقت میں بیٹھی کا اٹھا پاڑا اس
 کا گود میں ہوتا یہ اپنے پاڑے سے بھی باہر نہیں نکلا اور نہ
 اس کا طرف بھی کسی نے اٹھ اٹھ کے دیکھا۔ ابھی بیٹھی میں کتا
 دادا لوگ کو چاؤ کا دلی پاڑے دادا سے سکھا یا ہے۔ جیسا کوئی پتا
 ہے، ایک دم ایسا مانگ تھا۔ پاڑے دادا کے علاقے میں بھی
 پوچھ کے اڑنا تھا۔ چیتے کے مانگ چھپت تھا اس میں جھر
 بولتا تھا، چاؤ کسی طرف کو جاتا تھا۔ ایک دن منج پھلا تھا کہ

بہی کا پاڑا خلاص کیا اور سوٹ چلا گیا۔ ادھر شہر میں
 پاڑے وہ پاڑے دادا کا ہے۔ اس کے ہوتے دور شہر
 ہونے کا بھی کیے۔ اور ادھر سوٹ والا دادا بیٹھا ہے
 کا بنا ہوا ہے۔ پاڑے دادا اس کو بیٹھی کا پاڑا اس کے کتے
 برس ہو گیا۔ پوچھی تک لوگ پاڑے کا پاڑا ہی بولتا ہے
 جب بیٹھی کا یاد آتے تو پوٹ کے آتے۔ اپن کو نہیں کہیں
 پیر و دادا کو دیکھ بنا ٹوٹ کے گیا ہو۔ پیر و دادا سے اس کا
 یاری ہے۔ اچھا ہے کہ پاڑے دادا بھی ادھر ہے۔ کوئی لڑک
 تو ابھی اس.....
 "بیٹھ جا۔" پاڑے دادا نے بنارس کے شاعر ہاتھ
 کے اسے بٹھا دیا۔ پہلے بھی وہ کئی بار اسے لوگ چکا تھا۔ ہاتھ
 خاموش ہوا تو وہ بھل کی طرف ہاتھ جوڑ کے بولا: "اپن غلام
 اس کا عمر میں وہ اپن سے چھوٹا تھا پراپن کا باپ تھا کیا پراپن
 اپن کا کیا تھا وہ۔" اس نے دل کے لیے میں بھل کو تباہ کیا
 ہی رات بیٹھی آ گیا تھا، یہ سن کے کہ پیر و بے مغرے داپس آ
 ہے۔ اسے کیا معلوم تھا کہ یہاں یہ دیکھنے کو ملے گا۔ کل رات
 سے ایک بیل کے لیے اس کی آنکھ نہیں ملے گی ہے۔ رات سے ہاتھ
 پاڑے پر ہے۔ اسے بھی ان لوگوں میں شامل سمجھا جائے ہو یا
 ماچھی کے قاتلوں تک پہنچے اور انھیں کتوں کے آگے نڈا
 دینے کے لیے جہن ہیں۔ پیر و کو کسی چنان کی طرح تھا نا
 کا بنا ہوا۔
 پاڑے دادا کی پاٹ دار آواز میں گریں سی پڑنے لگا
 تھیں۔ "اپن آج پہلی بار سب کے سامنے زبان کھولنا ہے
 اپن ایک م بہی سے کہوں چلا گیا تھا۔ ایک ن پیر و پاڑے
 کے بولا، پاڑے دادا! اپن صاف بولے، جب تک تم
 ہاتھ نہیں کر لے گا، اپن کو ابھی جین نہیں پڑے گا۔ اپن ہاتھ
 باسے میں شرم کے تھک چکا ہے اور تھکا رہا چاؤ، تھکا راز
 دیکھنے کو ادھر آیا ہے اور بول دے گا پاڑے کو نہیں بل
 اپن کے ہاتھ سے چاؤ چھوٹ گیا تو اپن مام کا پاڑا چھوٹ
 چلا جائے گا۔ پاڑے کہنے لگا کہ اس نے پیر و کو ملنے کی بہت
 کوشش کی اور کہا کہ اگر میرے پاڑے سے نہیں کوئی چھٹا
 ہے تو مجھے بھی تھالے پاڑے سے دلی نہیں پھر کوئی نام
 ناگوار صورت حال سے دوچار ہوں مگر پیر و مانا، وہ ادھر
 رہا اور جاتا نکال کے کھڑا ہو گیا اور دھکی دینے لگا کہ اب باپ

بڑھ چے یا بن۔ ناچار پاڑے دادا کو بھی چاؤ نکالنا پڑا۔ پیر و
 کی خواہش یہ وہ پاڑے کی ایک کٹھری میں آگے، ان دونوں
 کے سرواں کوئی نہیں تھا۔ پیر و کا بھی کیلا تھا۔ دونوں چاؤ
 آزادی کرتے ہے اور پاڑے کے کہنے کے مطابق وہ تفصیل کیا
 بیان کرے۔ بہت دیر ہوئی۔ دونوں پسینے پسینے ہو گئے اور وہی
 ہوا جو پیر و دادا کے کمرے کے آگے تھا اور اس کا پاڑے کا تباہی میں
 الفاظ ہر چکا تھا۔ پاڑے کا چاؤ اس کے ہاتھ میں برقرار نہ رہ
 سکا پیر و سے لینے سے لگا کہ چلا گیا۔ چہرہ پاڑے بھی اپنے پاڑے
 پر پیش ہوا۔ دایک دن ضرور اس نے مذہب میں جھگڑے لیکن
 آخر اس نے اپنے دل کے فیصلے پر عمل کیا۔ پیر و کو بیٹھا پوچھا کہ
 وہ اس کے پاڑے پر بیٹھ جائے یا اپنا کوئی آدمی بھیج دے۔
 پیر و نے انکار کر دیا تو پاڑے اپنے سر شاگرد سوٹ والے دادا
 کا پیر و چھوڑ کے خود سوٹ چلا گیا جاتے جاتے وہ سوٹ والے
 کو نیک کر گیا تھا کہ کبھی پیر و دادا اس طرف آنکھ تو وہ پاڑے
 کی پو کی سے ہٹ جاتے مگر پیر و نے اس کے بعد کبھی پاڑے کے
 پاڑے کا رخ نہیں کیا اور ایک دن اچانک سوٹ پہنچ گیا اور
 پاڑے سے منت کر کے لگا کہ بیٹھی واپس چلے۔ اس نے پہلے
 ہی کہا تھا کہ اسے پاڑے کے پاڑے سے کوئی سروکار نہیں
 ہے مگر پاڑے پھر نہیں ٹوٹا لیکن وہ بیٹھی برابر آ رہا، صرف پیر و
 سے ملنے کے لیے پیر و اسے اتنی عزت دیتا تھا، اس کا ایسا
 خیال کہ کتا جیسا ہے پاڑے اس کا باپ، اس کا استاد جو۔ اس
 نے بھی کسی سے ذکر نہیں کیا کہ پاڑے سے اس کا کبھی کوئی تھام
 ہوا تھا پاڑے کو اگر کبھی بہی آئے ہیں وقت لگ جاتا تو پیر و
 اس سے خود سوٹ چلا جاتا۔
 پاڑے کی آنکھیں بھڑکیں۔ اس کی آواز بھی جھر جھرا
 رہی تھی۔ کمرے میں کتا مناسب تھا۔ جندلے وہ چپ کھڑا
 دبا کر کہنے لگا کہ میرا داغ کام نہیں کور ہا، وہ کون اندھے عقل
 سے عادی لوگ ہو سکتے ہیں جنہوں نے ایک اتنے زندہ آدمی کو
 ختم کر دیا۔ انھوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ وہ کون تھا۔ وہ پیر و
 اندھا بھی دادا کے دشمن نہیں تھے، اپنے دشمن ہیں۔ ایک آدمی
 کی طاقت، اس کے سارے دوستوں کی طاقت ہوتی ہے ایک
 آدمی کے ختم کرنے سے اس کے دوست ختم نہیں ہو جاتے انھیں
 دکھائی نہیں دیا کہ پیر و کے کہنے اور کیسے دوست ہیں پہلے ان
 سب کو ختم کرنا چاہیے تھا۔

پاڑے نے نسبت ٹھہری ہوئی آواز میں بھل سے کہا
 کہ کوئی ایک دن میں کیسے مام کے پاڑے پر بنے دادا کا خیال
 کر سکتا تھا۔ یہ تو پیر و دادا کا پاڑا ہے۔ اس کی عدم موجودی
 میں ماچھی بیٹھا تھا تو بھی یہ پیر و کا پاڑا تھا۔ یہ عمارت اسی نے
 بنوائی تھی۔ اس کے درد دار پر اس کے نقش ہیں۔
 بنارس نے اٹھ کچھ کچھ کہنا چاہا مگر پاڑے نے ٹیپٹ
 کے اسے بٹھا دیا اور کہنے لگا کہ یہاں لوگوں کے درمیان بیٹھ کے
 اس نے بہت کچھ سنا اور دیکھا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ
 بھل ہی کو پاڑے پر رہنا چاہیے۔ حالانکہ وہ بھل سے آشنا
 واقف نہیں لیکن اسے اپنے زیادہ عرصہ نہیں مجزرا پیر و نے
 اس سے بھل کا ذکر بہت اشتیاق اور احترام سے کیا تھا اور
 کہا تھا، پاڑے! دیکھنا، اب کے بیٹھی آیا تو اس سے ملو لگا۔
 پاڑے نے کہا کہ پیر و اگر بھل کا ذکر نہ کرتا تو بھی بھل کو دیکھ کے
 اس کے باسے میں وہ یہی رائے قائم کرتا۔ پیر و ہاتھ کا صاف،
 دل کا صاف تھا۔ اس کا کوئی دوست بھی اسی جیسا ہو سکتا ہے۔
 یہاں سب مام کے پاڑے پر بدستور بھٹتا پہنچانے کے لیے
 آدہ ہیں تو اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ایک تجربہ کار شخص
 دادا کی گدی سنبھالے۔ کوئی متنازعہ شخص پاڑے پر بیٹھا تو
 اس سے دادا کے ناپید دشمنوں کا حوصلہ بڑھے گا۔ آج کی بات
 اور ہے آج شہر کے جو دادا یہاں گم سم بیٹھے ایک دسے کا نہ
 تک ہے، ہر کل اسی کے درمیان اس معاملے پر اختلافات بہم
 لے سکتے ہیں اور لوہیں اس خلفشار سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔
 جیسا کہ بھل کا خیال ہے، مناسب یہی ہوگا کہ ہم ہر طرف کا دھیان
 رکھ کے کچھ طے کریں۔ کوئی ایسا فیصلہ جو ہم نے اس طرح بھی
 نہیں کیا، مگر جو کیا جا سکتا ہے جس پر سب متفق ہوں اور قائم
 بھی رہے سب سے بیٹھی کے پاڑوں میں سے کوئی دادا لیا گیا تو شاید
 زیادہ دیر تک ہم اس کے ساتھ نہ چل سکیں۔ باہر کا آدمی ہونا
 چاہیے یا اسی پاڑے کا کسی کوئی تلمی کی شکایت نہیں ہوگی۔
 وہ کہنے لگا کہ اسے اس اندیشے سے اتفاق نہیں ہے کہ پیر و دادا
 کے زمانے کی طرح سب جوں کا توں رہا تو دادا کے قاتل پھر
 اس طرف کا رخ کریں گے۔ اس کا موقع ہی شاید نہ آئے۔ اگر
 ہم میں سے کوئی ایسی کسی احتیاط کے سبب پاڑے پر بیٹھنے سے
 کھڑا آئے تو اسے پاڑے کا کام چھوڑ کے کوئی دوسرا دھند کرنا چاہیے۔
 بار بار ایسا نہیں ہوگا کیونکہ ہاں ان کی بازیابی میں بہت دیر

جو کئی کو کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

یہ کہہ کر ہانڈے بیٹھ گیا۔ کئی دادا کچھ کہنے کے لیے مضطرب تھے لیکن شو کی آواز ان پر غالب آئی۔ ابھی تم بھی تو باہر کا آدمی ہے۔

بیک وقت کئی اطراف سے شو کی تائید میں آوازیں اُٹھیں۔ ہانڈے سر جھٹکتا ہوا دوبارہ کھڑا ہوا اور ہڈیاں سے نلنڈ میں بولا۔ کیا بولتا ہے تم؟ پاگل ہو گیا ہے ابھی سب تمھارا مطلب ہے، اپن کو باہر کا آدمی سمجھ کے ایسا بولا تم؟ وہ اتنا برا لگتا ہے جو کیا تھا جیسے کسی نے اُسے گالی دی ہو۔ کہنے لگا کہ کیا وہ چہرے سے دہلے ہو یا وہاں بیٹھے لوگوں نے توجہ سے نہیں سنا۔ اُس نے یہ سب اس لیے نہیں کہا تھا کہ اُس کے منہ پر یوں مانچہ مارا جائے یہ ماہم کا پاڑا ہے، پیرو دادا کا پاڑا وہ کاؤں پر ہاتھ رکھ کے تو بہ کرنے لگا اور دیدہ لیچے میں بولا کہ اُس کے دل میں تو اب ایک ہی حسرت ہے کہ کسی طرح پیرو اور ناچھی دادا کے قاتلوں کے سر تانڈ لائے۔ اُسے معلوم ہے کہ اس طرح پیرو اور ناچھی واپس نہیں آجائیں گے مگر تھک اُسے قرار بھی نہیں آئے گا۔ اس وقت تو نہ اُس کا دل قابو میں ہے نہ دماغ ایسی حالت میں وہ پاڑے پر کیا بیٹھے گا اور پاڑے کے لیے کیا کرے گا۔ یہاں تو ایک ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو ساری ڈوریاں اپنے ہاتھ میں رکھتا ہو۔ یہاں دادا کا محرم دوست تھیل موجود ہے۔ اُس کے ہوتے کسی دوسرے کا خیال نا ہانڈے کے مفہوم کے مطابق، عاقبت نا اندیشا نہ ہی نہیں خیر مانہ بھی ہے۔

کسی طرف سے پھر آواز اُٹھی تھی۔ ہانڈے دادا نے اُسے جھڑک دیا اور بولا کہ اُس کے لیے ایک لفظ کہا تو وہ اُٹھ کر چلا گیا۔ ہر طرف تندر آہمز فاشی طاری ہو گئی۔ تھیل بھی چپ رہا۔ پھر سب پیچھے دیوار کے ساتھ لگا بیٹھا ہوا اندھیری کا چوڑا نوجوان دادا سکند بچپاتے ہوئے اُٹھا۔ راجن کے جیل جانے کی وجہ سے چند روز پہلے پیر نے اُسے اندھیری کے پاڑے پر تعین کیا تھا۔ سکندر کچھ بولنے سے پہلے جیسے لفظ دھونڈتا رہا۔ اُس کے چہرے پر تانت تھی۔ اُس نے دھیمی آوازیں کہا کہ کوئی بھی فیصلہ کرتے ہوئے میں پولیس کے طرز عمل پر ایچی طرح نظر رکھنی چاہیے۔ پولیس جانتی ہوگی کہ دادا پر کسی ایک پاڑے ہی کے لوگوں نے حملہ کیا ہوگا لیکن پولیس کو اس بہانے شہر کے تمام پاڑوں سے چھڑ خانی کا موقع مل گیا ہے۔ آئندہ وہ اونٹن ذریعہ

اختیار کر سکتی ہے اور جیسا کہ ہانڈے دادا نے اشارہ کیا ہے ہانڈے کے دادوں کے درمیان اتفاق کا بیج بوسکتی ہے۔ سکندر ہی کچھ دہلے لگا جو کل شام مشکل سے بچاؤ کر کے کل سارے دن پولیس مختلف پاڑوں پر پھیلے مارنے لگا۔ ہر پاڑے سے متعدد آدمی گرفتار کر کے کئی پولیس کوارٹر نہایت دشت اور دہشت انگیز تھا۔ سکندر کو حسرت تھی کہ اب تک ماہم کے پاڑے پر کمزور نہیں آئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پولیس پیرو دادا کے خاص پاڑے کو مشتبہ نہیں سمجھیں اُس کا شہر دہرے پاڑوں پر ہے اور بے سبب نہیں ہوگا۔ خاص بات سامنے رکھتے ہوئے ماہم کے پاڑے پر ہر شہر کے پاڑے کے دادا کا گڈی سنبھالنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ کی جائے حادثہ اندازی سے نجات ہانڈے کی دوی ہوئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم جلد از جلد دادا کے قاتلوں کو پکڑنے کا کام وہ اُس کے حوالے کر دیں۔ دوسرے یہ کہ ہم اپنے تمام شکایتیں ہر دست یک سر فراموش کر دیں اور ایک دوسرے پر اعتماد کریں۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ قاتل پولیس کو غلام ہے اور کسی نتیجے پر نہ پہنچنے دینے کی پوری کوشش کرے گا۔ پولیس کی آفتاد پڑنے پر ایک پاڑا دوسرے پاڑے کی مدد بھی کر سکتا ہے جب سب کسی ایک مرکزی پاڑے سے بندھے ہوں اور ان کے درمیان گہرا رابطہ ہو۔ ماہم کے پاڑے کی مرکز حیثیت برقرار ہے گی تو کم از کم ایک طرف سے سکون ہے گا۔ پولیس کو اتنا کھل کھیلنے کا موقع نہیں مل سکے گا اور یہی نکتہ ہے جب ماہم کے پاڑے پر کوئی ایسا دادا ہو کہ بیٹھا ہو جس کی سوجھ بوجھ زور اور غیر جانب داری پر تمام پاڑوں کے لوگوں کو رکھتے ہوں جیسا کہ پیرو دادا نے ثابت کیا تھا۔

سکندر کی آواز تندرینج بلند ہوئی تھی وہ کسی پختہ کار دادا کی طرح بڑ باری اور عقل سے ایک ایک کو کے مختلف ہیکلے رہا۔ اُس کی زبان ذرا صاف ہوئی تو کوئی بھی اُسے پاڑے کا دادا نہ کہتا۔ اُس نے اُن سے کہا کہ گزشتہ تین روز سے پیرو دادا کا بیشتر وقت اندھیری کے پاڑے پر گزارا ہے۔ پرسوں رات جب گولی چلی تو وہ ہانڈے سے اندھیری ہی کی طرف آ رہا تھا۔ اُس دوران سکندر کو اُس کے بہت قریب سے کاموقع مل گیا۔ بار تھیل کو یاد کرتا اور کہتا، راجن کا معاملہ جلد ہی طے ہو وہ اپنے دوست تھیل کے پاس جائے۔ وہ کہتا تھا، اگر کسی دادا

بچنا ہے تو اپنے تھیل بھائی کو دیکھو۔

سکندر کی باتیں سب توجہ سے سنتے رہے تھے وہ بیٹھ گیا۔ اس میں بھانت بھانت کی آوازیں گونجنے لگیں۔ شکرا سندر ان خان سندر والا، دینا، بناری سندر، وہ سبھی شہر سے تھیل کے ہار کر کے لگے کہ اُسے اب انکار نہیں کرنا چاہیے۔ اُن کے یوں بولنے لگا ہر کوئی کھوٹ نہیں معلوم ہوتی تھی۔ اُن میں دل دڑی بھی تھی اور تشویشیں ترزد بھی۔

تھیل تھا کہ گڑا تار باہر جب سب چپ ہو گئے تو اُس نے ہال ہوٹوں سے ہٹائی اور بھاری آوازیں کہا۔ ہم ایسے پاڑے نہیں بیٹھے۔

چکر پیر بیٹھا ہے وہ تینا غصے میں بولا۔

بل بیٹھے ہیں۔

پیرو ادرہ کی کھانے کو کولن بولتا ہے جب سب چپ ہے تو اپنے کو بولتا ہے۔ لال خان نے ناراضی سے کہا۔

اپنے کو ادرہ کھانا نہیں ہے پھر ادرہ دادا کے گھر کی طرف بھاگے۔ دونوں باؤں ہو گئی ہیں۔

تو پھر ادرہ راجا دادا کو بھلا دو۔ بالے چھپتی آوازیں بولا۔

میں سے قریب بیٹھے ہوئے جرو نے مجھے کہتی ماری۔ میں ناراض بیٹھا رہا۔ مجھے معلوم تھا کہ تھیل انھیں منع کر دے گا اور کسی توقف کے بغیر تھیل سے یہی کیا۔

پھر جس کو بول دو کوئی تو بیٹھے گا ادرہ کوئی آدمی تم کو برا نہیں ملتا تو ابھی دادا کی جوتی چوکی پر رکھ دو۔ بالے کے بولنے ہی تندی آ گئی۔

تھی میٹھو دادا اپن کی بنتی ہے۔ قلابے کے دادا جارجی نے اُن سے کہا کہ اُس کی آواز دھڑک رہی تھی اور اُنھوں میں آنسو بہے ہوئے تھے۔

"لو بھی یہی بولتا ہے! تھیل نے سر اٹھا کے کہا۔

ابھی یہی شک ہے۔ جاری انکھی زبان سے بولا۔

تھیل نے ہنکاری بھری اور چپ بیٹھا رہا ہر طرح طرح کے داداؤں کی آوازیں پھر ہانڈے نے تھیل کے اٹھ کے تھیل کے پاڑوں پر اپنا چاؤ ڈال دیا۔ بالے نے بھی اُس کی تقلید کی باجی کے پاڑوں سے ڈالنے سے بھی اور دینا سے بھی۔ دیکھتے دیکھتے تھیل اُن سے پھر چاؤں کا ڈھیر لگ گیا۔ تھیل نے ہاتھ بلند کر کے اُن سے پھر کہنا چاہا لیکن شورش اُس کی آواز سنائی نہیں دی۔

تھیل نے سر جھکا لیا شاید اب جنت پوری ہو گئی تھی وہ چاہتا تو ابتدا ہی میں چاؤ نکال کے اُن کے سامنے کھڑا ہو جاتا یا مجھے اشارہ کر دیتا۔ اول تو اُن میں سے کوئی سنے ہی نہ آتا، ابھی تو فیصلے میں زیادہ دیر نہیں لگتی، لیکن یہ چاہتے کہ زور پر پاڑوں کو کرنے کا وقت نہیں تھا۔ انھیں اس کے سوا بھی کچھ بتانا اور جتنا مقصود تھا جو انھوں نے یقیناً ابھی طرح جان لیا ہوگا۔ دوسری صورت میں انھیں اس مفید سیاہ سے انکھی کا موقع نہ ملتا اور وہ کوئی بھی اُن کے سہا قدم اٹھا سکتے تھے۔ شروع شروع میں مجھے تھیل کی مرضی کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ بعد میں اُن کی باتیں سن کر مجھے یہ سمجھ میں آ گیا کہ تھیل نے اُن کو لوگوں کو کیوں جمع کیا ہے اور اس تکرار و جنت کا سبب کیا ہو سکتا ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ تھیل کو نہ اُسے پاڑوں سے اب کوئی سروکار ہے اور نہ ہی میں اُس کا مستقل رہنے کا ارادہ ہے۔ اس کا بس جلتا تو وہ ہمیشہ فحش آباد میں اپنی زبیں کے پاس ہی ہوتا۔ پیرو دادا کے پاڑے پر بیٹھے کا خیال نہک اُس کے ذہن میں نہیں ہوگا۔ اس کا تصور ہی اذیت ناک تھا لیکن دادا کا پاڑا کسی ابرے غیرے کے حوالے بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ عارت دادا کی ذاتی کیفیت تھی اور عارت یہی کہ، پاڑے کے جن آدمیوں سے زندگی بھر قدم قدم پر اُس کا ساتھ رہا جو گیت کی طرح اُس کی لٹا کے مانند تھے، تھیل کو اُن کا بھی خیال رکھنا تھا۔ پاڑے کو ٹٹ کھسوت سے بچانے کے لیے ہماری موجودی اور فعالیت ضروری تھی، کسی اور طرح نہیں باقاعدہ پاڑے کے نگران کی حیثیت سے۔ اس میں ہماری عافیت کا پہلو بھی مضمر تھا۔ پولیس نے برسوں رات میں تھیل سے آجائے دیا تھا لیکن وہ دوبارہ ہماری طرف متوجہ ہو سکتی تھی چند دنوں کے لیے یہیں بھی کسی ہانڈے کی مضبوط چھت نہ کر سکتی۔ بے پاڑے کا دادا پولیس کی نظروں میں کسی پتھر کے مانند ہوتا ہے۔

پولیس کو اب اس خبر سے اتنی حیرت نہیں ہوگی کہ وہی تھیل پیرو دادا کی گڈی پر موجود ہے جس نے تھیل میں انٹرل کے استفادہ پر پاڑے کی منصوبہ بندی سنبھالنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ پولیس سے قوت رکھنے والے اور اُسے خبریں فراہم کرنے والے بعض دادا یہاں ضرور ہوں گے اُن کے نیلے پولیس کے علم میں یہ حقیقت بھی آئی چاہیے کہ تھیل نے کسی

قتل و قاتل و قاتل کے بعد یہ پیش کش قبول کی ہے وہ چاہو نکال کے سبکے سامنے کھڑا نہیں ہو گیا تھا۔

پاڑے پر بیٹھنے کی یہی بہترین صورت تھی کہ پیش کش ان سب کی جانچے ہو کسی کو چھٹا دیا نہیں ہوگا کہ صرف ایک اُس نے اس گراں بار فیصلے کی تائید میں آواز اٹھائی تھی۔ اتنی جلد کسی کا دماغ نہیں ٹوٹے گا کہ کل کوئی یوں سے سوچے جسے منہ اٹھانے اپنا حق جتانے چلا آئے۔ اتنے آدمیوں کے بیچ میں کیے گئے عہدے لوگ اتنی جلد ہی نہیں پھر اُکرتے مروت بھی کوئی چیز ہوتی ہے جو پاڑے کے آدمیوں کی بھی دمر مل سے کم نہیں ہوتی۔ چاقو کے زور پر پاڑا حاصل کرنے سے مراد تھی، اُن سب کی پسپائی جو ماہم کے پاڑے پر کب سے نگاہیں لگائے ہوئے ہوں گے اُسی انتظار

دُرّت کی جگہ پر چاہا کہ ایک 'ادا' وہ بھی ماہم کے دادا کے قبضہ جمائے گا تا زمانہ وہ بھی دل سے قبول نہ کرتے وہ مجھے تو جیتے اور شہر کے دادوں کو تنکے چھوٹے تو دوسری طرف پولیس کو یہ باور کولے گا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے کہ کم کس انتقال میں بیٹھے تھے کہ کرب پر دادا کا کانٹا لٹکا، اور کیا جب کہ وہ بھی ہوں جنہوں نے دادا کو اس طرح راستے سے ہٹا دیا ہے جانے کب ہم دادا پر گھات لگائے ہوئے تھے کہ اُس ات وہ نشانے پر لگا۔ اس صورت حال میں اُن کی شو شے بازی کسی مضحکہ خیز اور مبالغہ آمیز لگتی، نہیں دیکھ کے پولیس نے کچھ کم خیال آفرینی اور ہرزہ ماری کی تھی۔

میسے کے سر سے جلے پھٹا ہے تھے تھیل نے تھانے میں یہ کیوں لگائی تھی اور وہ اُن تین افسروں سے کیوں اٹھنا سہا تھا۔ اگر ہم اُس وقت تھانے جانے سے پہلو جاتے اور دانستہ وہاں آتی دیر نہ لگاتے تو شاید یہ ذرا فحش بھی نہ ہوتی۔ دادا کے گھر کے راستے میں دادا کے گھر پر پاڑے میں کسی بھی وقت وہ نگاہاں ہمارے نزل پر پہنچ جاتے۔ یہی ہماری ہمدردی اور دادا سے تعلق کا ایک ذرا سا اشارہ ہی انھیں مضطرب کر دیتا اور وہیں اپنے ذہن پر زبردستی کے بغیر انھیں چپن نہیں آتا۔ ہم نے انھیں اپنی تلاش کی زحمت نہیں دی تھی۔ یہ کام ہم نے خود انجام دے دیا تھا۔ اب انھیں کوئی شکوہ نہیں ہوگا کہ اُس رات اُنھوں نے ہمیں اچھی طرح دیکھا تھا۔ انھیں تھا۔ ہم دیر تک اُن کے سامنے بے تحاشہ بیٹھ کر رہ گئی تھی۔ تھیل کو دادا کی آخری رسم گیتا اور رانی کی دل جوئی پاڑے کا نظم، سبھی کچھ ذہن میں رکھنا تھا۔ یہ نہ ہوتا تو کون کہہ سکتا ہے کہ پھر دادا اور ماہمی کی لاشیں کب تک اسپتال کے دروازے

میں لٹھیتی رہیں سب کچھ اتنے تسلسل اور تواتر سے پڑ داوا کا پہلے پاڑے پر آنا، پھر گھر کے جاننا، دادا کی سواری پر اہتمام اور دھوم دھام سے نہ اٹھتی جیسے کوئی دھلہلا پھر یہ سب کچھ کس طرح رونما ہوتا۔ تھیل نے تھانے سے اپنے انتظار پر پولیس افسروں کو شدید حقارت کی تھی۔ سکندر کو پولیس ماہم کے پاڑے پر بابت تک کیوں نہیں آئی۔ بتانا کہ ہم یہ مرحلہ پہلے ہی سر کر آئے ہیں۔ جو دادا شامو میں بار بار بچے خاموش ہو جانے کی تلقین اسی لیے تھے کہ کہیں اپنی دیوانگی میں مجھ سے کوئی کوتاہی سرزد اندھیرے میں انھیں کھلی رکھنے کی اذیت نہ ملے۔ انھیں ڈھری اذیت سہنی پڑتی تھی، مصائب و فتنائے ان

سے اپنے سر محفوظ رکھنے کی اذیت۔ صبر ضبط تو بھلے تو آزار ہے۔ آدمی کوڑنے والے وقت سے برد آزا ہو یا کوڑے پر پڑنے باندھے۔ آدمی سے اپنا آپاڑی نہیں سمجھتا کہ وہ دھبیا بھی بنے جسم میں اگل گئی ہو مگر آدمی اپنی صلاحیت رکھے۔ انھیں یہ ہزار آتا تھا۔ میں نے اُن سے زور آزمائی بازی کے کام جو لینے سکھ لیے تھے مگر مجھ سے یہ شقت نہیں تھی ہزار کوششوں کے باوجود مجھے اس جبر کے طرے نہیں وہاں نہ شریعتی بیانی نہ دودھ کا شربت نہ قسم ہوا۔ پھول۔ سننے دادا کی مستثنیٰ پر کسی جاننے تھیں وہ غافلہ بلند نہیں ہوا۔ کچھ ہی دیر میں تھیل نیچے بیٹھے ہو کے درمیان چلا آیا، اُس کے چپھے پیچھے وہ بھی آگئے۔ جہزوں سے کسی ناروا اقدام کی ناگوار می ترشح نہیں ہوئی چھلک رہا تھا کہ اُنھوں نے محنت میں کوئی فیہ کیا ہے بلکہ صمیم قلب سے کیا ہے۔ دل تو مومن ہے، بھولا شامل نہ ہو جتنا اُنھوں نے دماغ سے کام لیا تھا۔ وہ فیصلے کسی قدر پابدار ہوتے ہیں۔ تھیل کو اسی قدر محنت تھی، وقت کی ایک ذرا سی امان جن کے دل نے اُن کے ساتھ نہیں دیا تھا، اُن معذوے چند دادوں کو یہ آگیا ہوگا کہ ایک آدمی کے راکھ ہو جانے سے پاڑے کے اُس کے نقش مرث نہیں جاتے۔ اُس کا زور اور اثر ان کتنے اُس کے ہم نشینوں ہم نفسوں میں حلول کر جاتی ہے۔ میں دھڑکتی رہتی ہے، کتنے لوگوں میں وہ خاکستہ زلفہ اقبال اُسی کو کہتے ہیں جو آدمی کے جانے کے بعد بھی قائم

اور اگر جیسا کہ اُن کا قیاس تھا، قاتل بھی وہاں موجود نہ جاب جان کے اُن پر کیا زبردی ہوگی۔ انھیں تو ایسے ہی لگا ہوا ہے۔ جو کتا ہے یہ جمع لگانے سے تھیل کا مقصد اُن کے ٹوٹا بھی ہوا اور انھیں یہ بتانا بھی کہ دادا کے نام لیا ہے۔ اُن پر وار نہیں کریں گے۔ نیچے آکے تھیل نے اُن سے مدد طلب کی۔ یہ سن کے پاڑے پر نہیں پہنچا گا پاڑے دادا پاڑے کے زحال کرے گا۔ یہ سن کے پاڑے دادا ہاتھ جوڑے انکار لے گا مگر تھیل نے اُسے زیادہ دوا دینا نہیں کرنے دیا۔ اُس اپنا تو کمال لیا اور وہ غالباً پاڑے کے پرل پر ڈوٹا لانا چاہتا تھا۔ پاڑے نے ایک دم بڑھ کر اُس کے ہاتھ جوڑ لیے اور اُردو اُس کے سینے سے لگ کے پھرنے لگا۔

علاقے کے کسی سیٹھ کی جانچے دہر کے کھانے کا انتظام لیا تھا۔ تھیل کھانا کھا تے بغیر اٹھ گیا۔ پاڑے اور دوسرے داداؤں نے اُسے روکنے کی کوشش کی لیکن تھیل نے دادا کو جانے کا عندیہ کیا تو سب چپ ہو گئے۔ پاڑے کے باہر لوگوں نے تھیل کی آخری جہز پر سے پرکھی ہوئی دھول سے مسلسل کھانا تھم کیا جا رہا تھا۔ پاڑے، شہوت والا، دنیا، سکندر، لال خان اور شامو بھی۔ غذا کی ضرورت ایک رسم بھی تو ہے، صبح شام کی رسم سب بس کوئی رسم ادا کرے تھے۔ سفید ساڑی میں بلوس رانی بالکل میسرے سامنے بیٹھی تھی۔ صبح کی نسبت اب اُس کے چہرے پر عزم و اعتماد سا نظر آتا تھا۔ یہ دیکھ کے مجھے ہلکے سونے ہو لیکن پھر ایسا لگا جیسے یہ استقامت صبر و شکر کی نہیں غصے اور خود آزاری کی کوئی کیفیت ہے جیسے رانی نے کچھ طے کر رکھا ہو اور جیسے وہ کچھ چھپا رہی ہو۔ آدمی عمر کی تو چھپاتا، غم، غصہ، خوف، نفرت۔ عمر زدہ کو دوسروں کا بھی تو خیال رکھنا چاہیے۔ کیسے تم ظریف ہے کہ زخم خوردہ کو اپنے میسائی کی نزاکت احساس کا خیال بھی رہے۔ ہر کم شاید یوں ہی نہ رہیں جانتے۔ ممکن ہے رانی کے بائیں میں یہ یہ لگانا ہو بہت سے دم لگان آدمی کی اپنی نظر کا فتور ہوتے ہیں۔ انھیں اپنے اندر کے مس اپنے اندر کے فساد سے مشروط ہوتی ہیں۔ ایک عینک آدمی کے اندر بھی ہو تو ہوتی ہے جس کے شیشے آدمی کے اپنے جسم سے بدلتے رہتے ہیں گھڑی گھڑی یہ پہلے بدلتے رہتے ہیں۔

جولین نے میسرے، جرو، شامو اور رانی کے لیے ایک الگ کمرے کا انتظام کر دیا تھا تاکہ ہم آرام کر سکیں مگر جولین اس خلوت کی منتظر تھی۔ کھانے کے بعد ہم چاروں وہیں آگئے اور جی ہم نے بستر پر کمر کھائی ہی تھی کہ جولین کے واپس آجانے پر ہمیں اٹھ جانا پڑا۔

جولین کے لیے ایک الگ کمرے کا انتظام کر دیا تھا تاکہ ہم آرام کر سکیں مگر جولین اس خلوت کی منتظر تھی۔ کھانے کے بعد ہم چاروں وہیں آگئے اور جی ہم نے بستر پر کمر کھائی ہی تھی کہ جولین کے واپس آجانے پر ہمیں اٹھ جانا پڑا۔

ہی کہتی ہوئی ہے۔ میں فوراً کوئی رائے نہیں دے سکا تھا۔ وہ لوگ دوبارہ آسکتے ہیں اور اس بار ان کا رویہ بدلے گا۔ یہ خیال جو سرکھانے میں نے جرد اور دانش کوئی طرف دکھایا، نہ کہہ سکے۔ واداکہ میں ہمارے مسلسل موجودی اور گفتگو کے آگے دیوار بنے رہنے سے پولیس کا نہ یہی گھوم سکتا تھا۔ جرد، دانش، مواد مارنی بھی یہی سوچ رہے تھے۔

بھی یہی جواب دے سکتی ہے۔ پولیس دوبارہ واپس لا جا رہا
گی، اس کے بواؤ اس کے پاس چارہ بھی کیا ہے لیکن اس کا
گنا اور لائی کا شک ثنوی کے لیے اُن کے گھر میں دے
جو غرضتوں کو لوں سے کس دے جو بد بگن ہو سکتی ہے اس کا
نہیں لگایا جاسکتا ہے۔ اس وقت تو پولیس کے سامنے
اہل کاروں کی جیس جھوٹے آدمی کے مانند ہیں لہذا کیوں
اور لائی کو سمجھا جھوٹے آدمی کے سامنے کر دیا جائے گا۔
کا یہ گھوٹ بھی نہیں اور صاف صاف کہہ دیں کہ وہ اس
سلسلے میں کچھ نہیں جانتیں لیکن پولیس بھلا اس جواب
مطلق ہونے لگی، سوال کرنا پولیس کا مشغلہ بھی ہے شوق
اور سب آسان کام ہے۔ وہ تو ڈھونڈ ڈھونڈ کے سوال
کے لیے دیکھ لیں کہ اُن کے مخاطب پر کیا عالم کر جائے گا
پولیس اُن سے پاڑے کا تذکرہ بھی کرے گی، وا کے عمدا
متعلق، شروع سے اب تک وا کے مشاغل کے بارے میں
فصی نے ذرا بھی تیراؤ نہیں لگیتا ہے کچھ کہہ دیا اور پاڑے
کیا کہ اس کا باب ممبئی کے سب سے بڑے پاڑے کا داوا تھا
تک گیا ہے اب کچھ بھی نہیں جانتا ہے۔ گاگل سے اس کا

تو تیس سوچہ مگوئیاں کوئی رہی ہیں وہ اُس کے کالوں میں
مولوں کی بیگن ایک ہی وقت میں اتنے سارے اختلافات
دور بہ حال ہو جائے گی۔

بولین سامنے کی کورسی پر سر جھٹکائے بیٹھی رہی بڑا
جھنجھک اٹھا۔ اگر گیتا کو نہیں تو رانی کو ان کی جناب میں
خرد کیا جائے۔ رانی نے نسبت اپنے ہوش و حواس تمام
میں اُسے پر دیکھ کر باڑے کے متعلق بھی سب کچھ معلوم
کے لئے سامنے آسکتی ہے۔ گیتا اور رانی کو یہاں سے ہٹا دی
دیا جائے۔ اتنا جان انھیں اپنے گھر لے جائیں گے۔ پوچھ
آؤد پر سختی چاچا کوئی بھی مُذکر کرنے کا گمراہ طرح تو پوچھ
ملک میں پرستگئی ہے۔ مانی، حمزہ اور شامو بھی اسی

حجرو اور شاہموکے دماغ میں کھٹکنا ہاتھا، یہی کچھ چولیس نے اپنے طور پر اخذ کیا تھا۔ سارا ترقد ان دونوں کے لیے تھا۔ ان کے لیے ہیں اپنی ضرورت تھی۔ ہم درمیان میں نہ ہوتے تو جانے اُن کا کیا حال ہوتا۔ ہمارا کیا ہے، پولیس زیادہ سے زیادہ ہیں ساتھ لے جائے گی اور سلاخوں کے پیچھے ڈال دے گی کچھ بھی رہا۔ لے نہ نہں لے، نہ سلاخیں، نہ کڑا۔ اس سے زیادہ

پولیس اور کیا کر سکتی ہے۔ یہاں بدنامی اور رسوائی سے کون ہراساں ہے۔ یہ دُوں عری، دل تنگی، بے شکستہ خاطر ی تو اُن دونوں کی خاطر تھی۔ اُن کے لیے یہیں خود کو محفوظ رکھنا ہے، صفِ چند دونوں کے لیے۔ جب تک اُن کا حوصلہ استوار نہ ہو جائے، اتنے دونوں کے لیے۔

بار بار میری نظر پر شکلا پچاتی تھیں! اُسی سے یہ مہلت مستحکم
لی جاسکتی ہے شکلا سے کہہ کے اُٹھیں رک جا جائے وہ ایک
مختلف پولیس مں الا ہے کر شجائی کی طرح شکلا اپنی اکھوں سے
گیتا اور رانی کا حال دیکھ سکتے مگر جو چین کو میں نے شکلا کا نام
یا دہنیں دلایا شکلا سے اپنی تمام تبصروں کے باوجود جو کیوں یہ
مجھے اچھا نہیں لگتا تھا اُس سے کچھ کہنے کا مطلب اپنے معاملوں
میں اُسے مداخلت کی دعوت دینا ہے گویا ایک سفارش کے لحاظ
میں بہت سہی انگشتیاں اُٹھا کر اکی جائیں اور قدم قدم پر اُسے
ضروری غرض دہری باتوں کا استحقاق دیا جائے میرا دلچسپ
نہیں مگر تھیل کو شاید یہ سب گوارا نہ ہو تھیل کا عندیہ لیے بغیر شکلا سے
کوئی بات کہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ہر جند کے اب ہم کے اسے میں شکلا کو بے خبر نہیں رہنا
چاہیے کل شام گھاٹ پر جاتے وقت وہ جس اضطراب کا اظہار
کر رہا تھا، اس نے اسے ہاتھ پر ہاتھ دھکے نہیں پیچھے دیا جو
شکلا کے لیے مجھ سے تعلق خاطر کا تقاضا بھی تھا اور کچھ اپنے مقصد
کا بھی کہ وہ ہر طرح باخبر ہے۔ اگرچہ مجھ سے وہ کچھ نہیں جانتا کہ
تھا تو اس کے پاس وسیلوں کی کمی نہیں تھی۔ کل سے وہ اس

جستجوئیں رہا ہوگا اور اب شاید اُسے اچھی طرح معلوم ہو گیا ہوگا کہ فیصل کون ہے اور اصل میں میں کون ہوں۔ میرے بارے میں اُس کے علم میں کوئی کمی بھی تو اب نہیں رہی جو مجھ کا یا باڈی کا چاقو کے زور پر حاصل کیے کا واقعہ بالہ خاں کے پاڑے پر قبضہ اور بھی بہت کچھ..... ماما کے پاڑے پر فیصل کی گدی نشینی کی بھی اُسے پہنچ گئی ہوگی اور خبر کا رازوں سے اب کچھ اپنے لب لہجے

اپنے منہ پرے اور تجربے کے مطابق بتایا جو گا۔
 کو اہل کفن والے تصوف رہ نہیں سکتا
 بڑھانے کا اگر موقع نہ ہو گا تو گھٹانے کا
 اس کا بھی کی اسود کی باوجود مشکل کا اضطراب کم ہونے
 کے بجائے فزول ہونا چاہیے۔ کل کی نسبت اب صوت حال
 بالکل بدل گئی ہے۔ بھل نام کے پاڑے بلکہ شہر کے سب سے بڑے
 پاڑے کا دادا ہے۔ سو مشکل کے لیے احتیاط لازم ہے۔ کل بھی وہ
 اسی احتیاط کے سبب سادہ لباس میں یہاں آیا تھا۔ خود مجھے بھی
 اُس کی حیثیت کا خیال رکھنا چاہیے۔ اُس کی حیثیت پر حرف
 نہ آنے کی حد تک ہی سفارش کی جاسکتی ہے۔ وہ خود بھی اس
 حد سے تجاوز نہیں کرے گا۔ وہ پولیس کا ایک اعلیٰ افسر ہے اور
 یہ بظاہر اُس کے لیے ایک ادنا بات ہے۔ اس ادنا بات کی ہمارے لیے
 کتنی اہمیت ہے۔ یہی جانتے ہیں اُسے تہنیں سکتے مگر مشکل
 جیسا ذہن اور باریک بین افسر ہر پہلو پر غور کے بغیر کوئی حکم لیتے
 ہی جاری نہیں کرتے گا۔ بھل سے پوچھنے کی بات تو بعد کی ہے۔
 مشکل کے سامنے زبان کھولنا خود مجھے کچھ نامناسب لگتا تھا جو لینے
 بھی غالباً بھی کچھ سوچ کے اُس کا نام نہیں دیا۔
 کسی کچھ نہیں کہا۔ ہزار آدمی ایک سمت ایک ہی ارادے
 سے دیکھیں تو سب کو ایک جیسا دکھائی دیتا ہے۔ تعدد سے کوئی
 فرق نہیں پڑتا۔ ہزار آدمی بھی ایک جان ہو سکتے ہیں اور ہر شخص
 ایک نیا منظر اخذ کر سکتا ہے۔ یہ تو دیکھنے کی نیت پر شدت اور
 شمولیت پر منحصر ہے۔ کون کتنا شامل ہے، کتنے کتنے جتن ہے۔ اُن
 تینوں کے منزل میں بھی وہی اندیشہ گردش کر رہے تھے جن سے میں
 دوچار تھا۔ جو لین کو بہت دیر ہو چکی تھی۔ اُس نے اٹھنا چاہا تو
 جرو نے اُسے رک لیا اور وہی کچھ کہا جو اُن کا دم میں سے کوئی
 بھی جو لین سے کہتا جرو نے اُسے ہدایت کی اگر اب وہ لوگ دوبارہ
 آئیں تو بھی انھیں یہی جواب دیا جائے اور ہر سے کہ جو لین ہی
 اُن سے بات کرے۔ گویا کوئی مرنے والی جبر و کا خیال تھا کہ شاید
 اب وہ آئیں ہی نہیں اور اپنے پہلے ہی تاخیر کا تقویر انھیں
 اندازہ ہو جانا چاہیے کہ دوبارہ بھی انھیں یہی جواب دیا جاسکتا
 ہے۔ بے شک یہ امکان بھی تھا تو پھر کسی تردد کی ضرورت ہی
 نہیں۔ پھر سب کچھ بعد از وقت ہے۔ اب جو کچھ بھی ہوا اُس کے
 لیے سیر کھلا رکھنا چاہیے۔ اُس نے جو لین سے کہا کہ وہ موقع ملے
 ہی بھل کو یہ سب بتائے چلے کچھ دیر کے لیے بھل کو گیتا کے

پاس سے اٹھانے پر۔
 جو لین سے جلد کے بعد ہم آنکھیں ملنے ہوئے تھے
 لوٹے۔ بے کسی کو نیند نہیں آئی۔ رش بارہ اور قریح چلنے کا اور
 لے کے آئیں تو وقت کا اندازہ ہوا۔ شام ہو چکی تھی۔ ہم جوں
 کمر سے نکل آئے جیسے کوئی چوک ہو گئی ہو جیسے گاؤں کی گھر
 والی ہو۔ باہر کے سب کے شانے ڈھلک گئے۔ سارا مکان غار
 میں ڈوبا ہوا تھا۔ عمارت کے باہر فیروز کی لولیاں جا چکی تھیں
 اُن کی آوازیں اندر نہیں آرہی تھیں۔ بستی چا جانے پر شام
 ساری مدھنیاں جلادی تھیں تاکہ گھر میں بیٹھے بھر کے
 اندھیرے کا احساس نہ ہو۔ آدمی خود کو کیسے کیسے بہانے دیتا
 پھر تو موت پر چاغاں ہونا چاہیے۔ میں سے پر بھی ہوئی کہ
 پریشانیوں میں مٹ کر رہے ہوں گے کہ ڈاکٹر کی تلاش کیا۔ اُس کے
 ہمراہ بکے آسانی رنگ کی ساڑی میں بروس رہا بھی تھی۔ میں وہاں
 کی پرانی کے لیے اٹھا تو کلاش مجھ سے چمٹ گیا جیسے ہر بات
 کا پھرا ہوا ہو۔ مجھے آداب کہہ کر اندر چلی گئی۔ کیا کلاش میرا
 بار کر رہی ہو بیٹھ گیا، میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دوپے ہوئے دیر
 وہ مجھے دہنی دہنی آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ وہ کچھ کہنے کے لیے
 بے تاب تھا۔ میں نے جیسی آواز میں پوچھا کیا بات ہے؟
 وہ جیل سا لگا لگا حال ہے آپ کا؟ وہ بے ترتیبی سے ہلا
 "ٹھیک ہے سب" میں نے خوش روی سے کہا۔
 "سویرے بھی میں آیا تھا آپ نہیں تھے۔"
 "آج چھا" میں نے چونک کے کہا کہ؟
 "آپ کے جانے کے چند منٹ بعد ہی"
 "جوں نے مجھے نہیں بتایا"
 "میں پھیرا ہی کتنی دیر" وہ جلدی سے بولا۔ میں نے پھر
 کے سیدھا اسپتال چلا گیا۔
 میں نے سوچا اُس کا شکر ادا کروں لیکن اُس کی ڈانڈ
 کے جواب میں یہ شائستگی مجھے معنی ملی۔ اُسے آواز کوئی
 خاموش باؤدہ زبردستی سے بولا۔ گیتا نے بہت اثر لیا ہے۔ میں کیا
 کہتا، کوئی آدمی کسی کے لیے ساری دنیا ہوتا ہے۔ کہنے لگا۔ زنا
 حال بھی کچھ کمیز نہیں ہے۔ بات گھر جانے کے بعد دیر تک جانا
 رہی اور بھی..... میں کا ذکر کرتی رہی۔ مجھ سے پوچھتی تھی کہ
 باؤدہ ہم کیا کر سکتے ہیں؟ خوشی اتنی مشکل کیوں ہوتی ہے؟ ہم دنیا
 آسان کیوں ہے؟ رات وہ نہیں رہنا چاہتی تھی میں نے زبردستی

ساتھ لے گیا۔
 "کیوں کیا سرج تھا؟"
 "کوئی سرج نہیں تھا، بعد میں مجھے افسوس بھی ہوا اگر کبھی
 کبھی مجھے اُس سے بہت ڈر لگتا ہے۔"
 "کیسا ڈرا وہ تو ایک نہایت....."
 میری بات اُس نے کاٹ دی۔ "وہ بھی بہت عجیب باتیں
 کرنے لگتی تھی، سرکشی کی حد تک۔ اب دیکھو آپ یہ لباس پہن کے
 آئے ہیں میں نے منع کیا تو کتنے لگی گیتا کو احساس ہونا چاہیے کہ زندگی
 ابھی بہت باقی ہے۔ گیتا میں شگفتگی کا احساس ہونا چاہیے اس طرح
 وہ جلدی..... میں نے اُس سے کہا سگرا در لوگ کیا کہیں گے، نہیں
 مانی، بولی کہ وہ لوگ دوسرے ہیں۔"
 "دوسرے کیا؟"
 "یہی کہ اُس کا مطلب تھا کہ وہ مختلف لوگ ہیں۔ وہ پھر
 ہوئے انداز میں بولا اور اُس نے وضاحت ضروری بھی کی۔ کوئی اور
 بات نہیں اُسی دن گھر پر صرف ایک بار آپسے کھل کے بات
 ہوئی تھی بس اُسی دن سے آپ کا چہرہ کتنی بے تم نے ظہیر
 صاحب کو غور سے دیکھا۔ گیتا نے ایک نوجوان نے صدیوں
 کا سفر طے کیا ہے۔ وہ جتنی حقیقت پسند ہے اتنی ہی تصوراتی بھی
 ہے۔ سب کو آپ کے چلنے سے ناہمی ہے۔"
 مجھے معلوم تھا کہ کیا کلاش کے قلبے دماغ میں کسی بل بل
 چمکی ہوگی، طرح طرح کے سوال داوا، باز، چاؤ، خون، پولیس۔
 اس نے اس بات کوئی سوال نہیں کیا۔ یوں کہ اُسے اپنے مخالف
 کے آگے گیتا کا احساس تھا۔ زنا سے ہٹ کے وہ کوہم کی باتیں کرنے
 لگا۔ جو مذہب لوگوں کا شعور ہوتا ہے اور جانے کیا کیا کتا رہا میری
 نظریں برآمدہ پر لگی تھیں۔ کمانوں کے ساتھ آنکھوں کا کار کا
 بھی ضروری ہے۔ بنیاتی منشہ جو تو سماعت آدمی مصافی ہے
 تاہم میں ہر مل کے ہول ہاں ہزار ہا بھل باہر نہیں نکلا۔ یہ اخیال
 تھا کہ سہ پہر کھانے کے بعد میں تو شام کو بھل ضرور کسی طرف
 نر کرے گا۔ سائے کا ٹول کا ایک ہی مدد اسے سارے سوالوں ایک
 ہی جواب ہے کہ جس طرح اُن لوگوں تک پہنچ جائیں جنھوں نے
 اتنے بہت سے لوگوں کو دردم براہ کیا ہے۔ سب سے بڑی پیش
 بندی یہی ہے۔ بھل نے پولیس سے وقت کی رعایت حاصل کر لی
 تھی لیکن یہ مہلت لپکتی ہوئی تلوار کے مانند تھی۔ معلوم ہوتا ہے
 بھل کو کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ جیسی وہ اطمینان سے اندر بیٹھا ہے۔

میں نے کیا کلاش کے سامنے اشارہ جو لین سے پوچھ لیا تھا کہ اُس
 نے پولیس کی آمد سے بھل کو مطلع کر دیا ہے؟ اُس نے اشارت
 میں جواب دیا اور تیار کہ جواب میں بھل نے کم دیش وہی کہا ہے
 جو جرو نے کہا تھا۔ اس کے باوجود بھل کے سکوت کی کیا وجہ ہو
 سکتی ہے؟
 جرو شام اور مارٹی کے پہلوں پر بچھائی ہوئی دھند بتا رہی
 تھی کہ وہ بھی بھل کی اس تردد کو جاننا چاہنے کی کوشش کر
 رہے ہیں۔ وہ بھی بس منتظر بیٹھے تھے کبھی بڑے پریشانی لگے کبھی
 برآمدہ میں چلے جاتے اور پھر آگے واپس سے پاس کرسیوں پر
 ڈھیر ہو جاتے۔ بھل کی تاخیر سے سب میں بھی ہوسکتی تھی۔ دونوں باتیں
 ممکن تھیں باؤدہ سمیت کی نشان دہی نہیں کر لیا تھا مگر اس گوشہ
 نشینی سے تو کوئی اہم ہونے سے رہا۔ کیا وہ اتنی آسانی سے ہاتھ
 آجائیں گے، ہاتھ پاؤں ہلانے بغیر ذکی لگی کی خاک چھانی پر ہسکتی
 ہے یا پھر یہ تھا کہ بھل نے اُن لوگوں کو چھان لیا ہے اس لیے اسے
 کوئی حکمت نہیں اور کوئی ایسا یقین اور اعتماد کے ہونے کے وہ لوگ
 اُس کی دسترس سے دور نہیں ہیں کسی قسم کی ہمت بھی وہ اُن کے منزل
 پر پہنچ سکتا ہے۔ اس وقت تو پولیس ہماری نقل حرکت پر کڑی نظر
 رکھے ہوئے ہوگی۔ ہم جہاں بھی جائیں گے، وہ سائے کی طرح ہماری
 نگرانی میں رہے گی۔ ہوسکتا ہے بھل کے ذہن میں بھی یہی ہو۔ اُس پر
 بھی یہ وقت کچھ گراں نہیں گذر رہا ہو گا۔ گیتا اور رانی کے چہرے
 دیکھ دیکھ کے اُس کا خون بہت جلتا ہو گا۔ اُن کے آنسو تو اکثر
 کی رگوں میں ٹپکتی ہوئی آگ اور جہر کا شہ ہے ہول کے جیسا کہ اکثر
 نے پولیس اسٹیشن پر کہا تھا کہ اُسے اتنی دیر کے قرض کی عادت
 نہیں ہے۔
 مگر وہ مرفوز خود اپنے دشمن کون ہیں جنھیں بھل نے
 کھوج لیا ہے یا جو ابھی تک اُس کی نگاہ کی زد پر نہیں آ
 سکے ہیں۔ کل سے یہی سوال میرے سامنے بود پر منزل قرار تھا، میں کہ
 پاڑے کا ہر دادا، علاقہ کا ہر آدمی جس نے پھر اور باجی کے
 زندگی گزارا ہے اور جو کل اُن کی آنکھوں پر اپنے کسی عزیز کا
 موت کی طرح گرے گا، تھے یہ سوال اُن سب کے سامنے بھی کھڑا
 ہو گا۔ پاڑے اور سکندر نے صبح پاڑے میں کہا تھا کہ وہ لوگ
 دریاں ہی کیوں موجود ہیں۔ مجھے نام یاد نہیں کسی اور نے بھی
 شے کا اظہار کیا تھا، خودی راول بھی یہی کہتا تھا اور یہی لگا ہوا
 اُن سب چھٹتی رہی تھیں لیکن سب کے ہرے ایک جیسے نظر آ۔

تھے۔ صبح پاڑے پر میں نے زور اور پھیلانے سے بھی من گن لینے کی
گوشش کی تھی اور میرے کان داداؤں کے درمیان ہونے والی
قیاس آرائیوں پر گئے ہوتے تھے کسی کے پاس کوئی حوالہ نہیں تھا۔
میری طرح وہ سبھی ایک دوسرے کی ٹوہ میں لگے ہوئے تھے اور سبھی
کو دادا اور ماچھی پر اٹھنے والے ہاتھ تلک کرکھینے کی بے بسی تھی سبھی
پر خون سوار معلوم ہوتا تھا، اگر وہ اٹھی میں سے کوئی تھا تو اس سے
کیسا برب پھر تھا۔

گزشتہ تین چار دن سے پیر وانڈھیری کے راجن دادا کے
پاڑے کی دیکھ بھال کے لیے اندھیری ہی میں یقین تھا۔ علاقے کی
ایک عورت کی جان لینے کے الزام میں راجن کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔
عورت سے راجن کا پرانا تعلق تھا لیکن پیر وانڈھیری میں تھا کہ راجن
جیسا دل کا زندہ دادا کسی عورت کو ختم کرنے کا گناہ بھی کر سکتا ہے۔
یہ خبر سننے پر پیر وانڈھیری چلا گیا تھا، بعد میں اسی کی زبانی مجھے
معلوم ہوا کہ اس کا اتحاد دوست تھا اور صحتی گنگ دو کے بعد
وہ پولیس کو راجن کی بے گناہی باور کرائے میں کامیاب ہو گیا ہے۔
اور اب راجن پھندن میں جیل سے چھوٹ کر آجائے گا لیکن ابھی
اندھیری کے پاڑے کی محرابی کے لیے یہ وہاں رہنا ضروری ہے۔
اندھیری کے پاڑے کا جتنا بھی ماہم کے پاڑے آتا تھا اس لیے
پیر وانڈھیری میں قیام ہی تھا کہ وہ راجن کی مدد کو پہنچے جن لوگوں
نے راجن کو قتل کے الزام میں جیل بھیجا دیا تھا، وہ پیر وانڈھیری
انڈازی سے خوش نہیں ہوں گے۔ پیر وانڈھیری کے لیے ثبوت درمیان میں
جمع کر رہا تھا اور اس نے اندھیری کے علاقے میں جا کے پاڑا منسٹر
نہیں ہونے دیا تھا۔ راجن کی زندگی اُسے نالینہ ہونے والوں کی موت
تھی۔ اُسے جیل سے پھرانے پر وہاں لوگوں کی طرف پٹنا لازم تھا۔
راجن کے بدخواہ خود اس کے پاڑے کے دادا بھی ہو سکتے ہیں۔
دوسرے پاڑوں کے دادا بھی لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ دادا ہی ہوں
اور ان کا تعلق پاڑے ہی سے ہو۔ وہ کوئی بھی آدمی ہو سکتے ہیں۔
ڈاکو قسم کے ورید ہو کو انھیں شناخت کرنے والوں کی جانب پولیس
کو اشارہ کرنے میں آتی ہو کہ پولیس۔ جن لوگوں نے انھیں کر لائے پر حمل
کیا تھا وہ اندھیری کے پاڑا اور صاحب جیتیت لوگ ہی ہوں گے۔
سنا ہے راجن بل کا کا کا اور دنوں کا کچا ہے۔ اس کا خون ذرا تپش
سے جھڑک جاتا ہے۔ ایسا دادا بھی نہیں نقصان ضرور اٹھاتا ہے اندھیری
کا پاڑا بھی ان تین پاڑوں میں شامل تھا جس نے پیر وانڈھیری میں
کے دوران ماہم کے پاڑے پر جیتنا جیتنا بند کر دیا تھا لیکن پیر وانڈھیری

کے پاس جانے کی ضرورت نہیں پڑی جیسا کہ وہاں کے دادا دادا
قلبا کے دادا جارج کو خبردار کر کے لیا گیا تھا کہ وہ کل صبح نکاح
کے پاڑے پر جیتنا پہنچا دیں تو قریب ہے۔ راجن کے پاس بھی پیر وانڈھیری
تھا کہ دوسری صبح خود راجن ماہم کے پاڑے پر پھرتے ہی پوٹلی نے کر
حاضر ہو گیا۔ میں نے اسی زمانے سے دیکھا تھا۔ وضع قطع اور لب لہجہ
سے وہ پختہ کار اور دارائے کا مضبوط دادا آتا تھا۔ اندھیری کے علاقے
میں اُنکا سیدھا کار بار کرنے والے بہت سی بیٹوں کو اس سے غار
کھا چاہیے۔ پیر وانڈھیری کو طرح پرکھ نہیں بتایا تھا لیکن اُس کی باتوں
سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ راجن کا قصہ پاک کرنے کے لیے علاقے کے
کسی جوٹیلے ڈپے پیسے والے نے کوئی آدمی خرید کر راجن کی محبوب
عورت کو آڑنا بنایا۔

عجب نیند جن لوگوں نے اُس عورت کو ختم کیا ہے انھوں نے
ہی دادا کا تعاقب کیا ہوا اگر وہ واقعی پاڑے کے آدمی نہیں تھے تو ان تک
پہنچنا ایسا آسان نہیں ہے۔ اس سے پہلے اندھیری کے اُن ایریکر
لوگوں کو شناخت کرنا چاہیے جو راجن کی حکمرانی سے نالاں تھے اور
جو ادھر بیٹھے بس ڈوریاں پھینچتے اور ڈھیل دیتے رہے تھے۔ پرسوں
رات جب پیر وانڈھیری کے ساتھ کانتے کے چالیسویں پر پولیس کے گھر
آیا تھا تو وہیں تک جھل سے باتیں کرتا رہا تھا۔ ہوسکتا ہے اُس نے
اس سلسلے میں جھل کو کچھ بتایا ہو، پھر توبہ سہ کچھ جھل تک محدود
ہو گا اور جب تک جھل چاہے گا اسی تک محدود ہے گا۔ اندھیری
کے پاڑے کے آدمی راجن سے ناراض اپنے ہر اس بھی اور دوسرے
پاڑوں کے داداؤں اور اپنے علاقے کے ایریکر لوگوں سے کچھ بھی
واقف ہوں گے۔ سب سے زیادہ تو راجن انھیں جانتا ہو گا۔ پاڑے
کے آدمی نفرت و عداوت کی بوجھ تو کھگھگھ لیتے ہیں۔ راجن نے یا
اُس کے ساتھیوں میں سے کسی نے کسی کی جانب شک ظاہر نہیں کیلئے
تو اس کا یہی مطلب ہے کہ وہ بھی کچھ نہیں کہہ پائے ہیں وہ بھی تیز
میں ہیں۔ راجن کا کوئی ایسا نمایاں حریف نہیں تھا جس کی جانب
بے دریغ بے تردد اونگی اتحاد دی جائے۔

اُدھر اندھیری کی پولیس کو بھی خوب معلوم تھا کہ راجن کی
وکالت کے لیے پیر وانڈھیری کے پاڑے پر آچکا ہے۔ تین چار دن
کی اس مدت کے دوران راجن سے ملنے کے لیے پیر وانڈھیری
کے قہار نے بھی جانا ہوا ہو گا۔ پولیس بھی اس اندیشے سے بے خبر نہ
ہو گی کہ کسی نے راجن کے لیے پیر وانڈھیری کو اس کی فعالیت کی سزاؤں
نہیں دی ہے۔ ایک شخص کو راستے سے جبا دیا گیا جو راجن کے لیے پیر

بنا ہوا تھا۔ ایک لڑکے کے چٹانے سے کیا مل ہوا اب ایک ایسا
فضض اندھیری کے پاڑے پر موجود ہے جوئی راجن کا چھل جمع
ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پیر وانڈھیری میں لیا ہوا اور دانستہ قاتل
کو رہا ہو اس کے خیال میں پیر وانڈھیری کے قاتل کا ہو گا۔ راجن کو
مغفول کرنے کے بعد وہ دوسرے مرحلے پر مل کر پیر وانڈھیری کے آدمی
کا دادا کا یہی طور ہونا چاہیے۔ جھل بھی یہی کچھ کر رہا تھا لیکن کبھی
کبھی ذرا سا نامل بہت گراں پڑ جاتا ہے زندگی کی قیمت پر کوئی
آدمی مرتے وقت پاسی کو ماننے وقت یہ نہیں سوچتا کہ ایک آدمی
کی زندگی صرف اُس کی نہیں ہوتی اور بھی کئی زندگیاں اس میں
شامل ہوتی ہیں۔

اور اگر یہ سب میرا قیاس ہے کہ پہلے اندھیری کی طرف قدم
اٹھانا چاہیے اندھیری ہی سے کوئی سلسلہ نکلتا ہے تو پھر دوسرا کو
ہے۔ جارج کے خیال نے کئی بار میری آنکھیں انگار کی تھیں اُس
کا نام آنے پر کئی بار میرے سامنے جیم میں آگئی تھی مگر جب بھی
اُس کی طرف التفات کیا وہ اپنا ہی کوئی چہرہ اپنا ہی کوئی کس نظر آتا
تھا۔ اُنسوؤں میں ڈوبی ہوئی لال ٹال آنکھیں مشت بار بار پیر وانڈھیری
لوٹا جیتنا سا کوئی جسم۔ وہ اتنا ہی آزدہ اور شک سے خاطر تھا جتنا پیر
سے رفاقت کا کوئی بھی مدعی ہو سکتا تھا۔ گلیا اور لہجی نے مجھے بتایا
تھا کہ جس رات دادا اور ماچھی پر پولی جلی تھی جارجی پاڑے پر موجود
تھا۔ پہلے ہی میں دن سے وہ وہاں تھا بلکہ جس رات پیر وانڈھیری کے
جوتے اور شراب کے اوتے پر چاچا تک پہنچ کے اُس کی گوشمالی کی تھی
اُس کے بعد سے جارجی بیٹھنا ماہم کے پاڑے پر دھڑا دیے بیٹھا رہا
تھا۔ آخر پیر وانڈھیری کے معاف کر دیا تھا۔ اُس نے جارجی سے غلامی
کا پاڑا نہیں چھینا۔ اس کی جو صورت یہ نہیں تھی کہ جارجی نے پیر وانڈھیری
حکم کی نہیں میں فی الفور اپنے غیبت آڈے کا کاروبار بند کر دیتا تھا اس
کا سبب یہ بھی ہو گا کہ جارجی، ماری کا شوہر تھا اور ماری پر بدبو بہت
عزیز تھی۔ اپنی بیٹی کی طرح دونوں ابتداء ہی سے پیر وانڈھیری کے
تھے۔ دونوں کی شادی بھی اُسی نے کر لی تھی۔ پیر وانڈھیری نے جارجی
کے بازو کوٹ کوٹ کے اُسے زور آزمایا بنایا تھا۔ اُس کی آنکھوں
کو پاؤں کا وزٹ نکالیا تھا۔ پیر وانڈھیری نے جارجی کو قتل کر کے پاڑے
کی لڈی پر جیتنا دیا تھا۔

بھئی آنے کی دوسری رات کا واقعہ ہے، ڈیڑھ مہینے پہلے
جب پیر وانڈھیری اور جھل کے ساتھ اُس کے سامنے آئے پھر جھل
جارجی اُس وقت لٹے میں پڑ تھا دوسرے دن وہ پاڑے پر جیتنے کے

آیا تو رہا یا محالیت میں ڈوبا ہوا تھا اس عرصے میں وہ مسلسل پیر وانڈھیری
میکر دور کرنے اُس کی نظروں میں اپنا کھویا ہوا رہتا تھا۔ جارجی کو
کی گوشش میں لگا رہا پیر وانڈھیری نے اپنی سفارش کے لیے اُس نے پاڑے
کے ہر آدمی کی میاں تک کہ میری اور جھل کی خوشنودی حاصل کرنا
چاہی تھی۔ میرا جی نہیں مانتا تھا کہ وہ جارجی ہو سکتا ہے۔ اُس میں
اتنی جرات کہاں سے آتی۔ پیر وانڈھیری کے ساتھ ایسا رہا جی کیا کیا
تھا۔ اُس نے اُس سے چوری چھپے کا کاروبار بند کر کے کا حکم دیا تھا۔
بازاری فروشوں کا کاروبار چھوڑنے کے دادا کا شیوہ نہیں ہے۔ پیر وانڈھیری
اُسے پاڑا بند نہیں کیا تھا اور اُس کی آنکھیاں نہیں کاٹ لی تھیں
کہ وہ ہمیشہ کے لیے چاقو سے عزم ہو جانا۔ سب کو معلوم تھا کہ جارجی
بل کا کتنا ہی کھرا چور ہے کہ بغیر آدھا بھی نہیں ہے۔ پیر وانڈھیری
سے تو شرمش اُس کا اعتبار فزول ہوتا تھا۔ پیر وانڈھیری کا کوئی جواز ہوتا
ہے۔ اتنی بڑی دیوانگی کے لیے کوئی بڑی ضد کوئی بڑا جواز چاہیے۔
جارجی ایسا دیوانہ نہیں لگتا تھا وہ جوتا جھل کبھی کا اُس کی
گردن دلوچ لیتا اور جھل کا وقت ہی نہ آتا پاڑے کے آدمی اُس
سے پہلے ہی اُس کے ٹکڑے کر دیتے۔ جارجی بھی خود میرے درمیان
اس طرح موجود رہتا تھا۔ پاڑے میں کسی ایک کی نظر اُس پر جا کے ٹھہرتی۔
میرے سر میں ریت آڑی تھی اور میرے دماغ ہی کا فائدہ
تھا کہ جیسا کہ آدے سے ہمارے تعاقب میں آنے والے دو آدمیوں کو بھی
میں نے ٹھہرے میں کھڑے دیکھا۔ وہ دونوں کئی ایک ماہم کے
پاڑے کی ایک تنگ تاریک کوٹھری میں بندھے تھے۔ ہتھ پتھ پتھ ہوئے
انھیں چھوڑ دیا گیا تھا کیوں کہ جو کچھ وہ بتا سکتے تھے اس سے زیادہ ممکن
نہیں تھا۔ پوچھوں کو اس سے زیادہ اذیت کی استطاعت نہیں ہوتی۔
گلیا اور لہجی جی رہے پوچھنے سے انھیں پاڑے لائے تھے، اُسی نے پیر وانڈھیری
کی حالت میں انھیں کسی جگہ چھوڑ آئے تھے۔ ہمارے ٹھکانوں کے کسی
راستے سے وہ واقف نہیں ہو سکتے تھے۔ اُن کی حالت ہی اس قابل نہ تھی
کہ وہ مزید ایک دن بھی بیٹھی میں ٹھہر سکیں۔ انھوں نے پیچھے جیسا آباد
کا رخ کیا ہو گا اور جلد سے جلد اپنے آقا و اب حشمت جنگ کے غصے
معدت نسبت شاہ خاں کی خدمت میں حاضر ہو کر مارا مارا جھگڑا
گوار کیا ہو گا۔ انھیں مزید ایک کے ساتھ بھی جے شرمش ازیر زوہاری
ملک شرمش ہماری نقل و حرکت پر نظر رکھنے اور موقع ملنے ہی گولی مارنے
کا حکم ہے کہ دوبارہ بھی بھیج دیے جانے کا اعلان نہایت مؤتم
معلوم ہوتا تھا۔ اُن کا مقصد صرف ایک تھا، اُن جان کے پاس
محل جواہر کے ذخیرے کا مراز لگانا۔ اُس کی تیل کے لیے ہماری

188

ڈاکٹر کی تلاش جو دُشمنانہ مواد ماری کی بجائے ارادہ کو بدلنے کے لیے
 بیٹھی تھی۔ آسمان پر بادل چھانے ہوئے تھے اور ہوائیں خنکی تھیں۔
 جوں نے کیلش کے لیے چائے کا انتہام کیا تھا۔ میں نے بھی اُن
 کا سا تھوڑا سا جسم دجال کی موجودگی کیسار پر ہے۔ بیوش دھواں کی
 پاک صافی ارادہ و خیال کے لیے کیسی عجیب۔ آدمی کا سانس، نہ اس
 کی موجودگی کی شہادت نہیں آدمی محض جسم نہیں ہوتا کسی بیٹ کی
 طرح کون کمر کھاتے ہو کوئی کتا و ایل موجود ہے جہاں نظر آتا ہے
 کو ابھر گا۔ مگر تعجب نہ کہ دُشمنانہ مریض سرخود ہو جائے۔ شاید

ہیں وہاں بیٹھے بیٹھے خاصی دیر ہو گئی، جھل باہر نہیں آیا۔
جولین اور شاہ بہا کھانا پیتا ہونے کی اطلاع دینے آئیں تو کسی نے
غذ نہیں کیا۔ جھل کو مرنے والے ہیں بڑی کمرے میں دسترخوان پر پر
بیٹھے دیکھا، سوچے ہوئے پوچھے بھاری بھاری جہو رکھیں یہ ایک
شکون آئین خاموشی تھی کہ حسرت آئینہ زبے صد کھنڈوں اور بے
برگ دسترخوان کا سا سکوت میں نے جھل کو کورسے دیکھا، اس کی پشتانی کی
پرا اضطراب کی کوئی علامت نہیں تھی یہ کوئی اور کیفیت تھی، اگر اس
میں نکھنڈوں کی مرد مزاجی بھی زندگے دسترخوان کی بے حسدی
اور گیتا دونوں اپنے ارد گرد بیٹھے ہوئے لوگوں اسی کار جو معلوم نہ
تھے، ان سے الگ نہیں۔ میں نے بھی گدھا گردائے اور پر ہر ہوش
حواس ان میں شامل ہونے کی کوشش کی مگر ہر بات اختیار لین میں
ہوئی یہ قدرت آدمی میں پیدا ہو جانے تو کسی کی بات کی۔ میں نے
سالے جسم سے جیسے مجھ پر چڑھتے ہوئے تھے جو بار بار دھکے لائے نہ کریں
کر دیتے تھے۔

کھانے کے بعد اچھا سب میں بیٹھے تھے کہ میں چپکے سے اٹھ
کے باہر چلا آیا، یہی جکی پھوڑا پڑتی شروع ہو گئی تھی میں نے سب پر
آدھ سے آدھ جگر کا گناہ بازندہ جی محمول میں اس تنہائی سے یہ میرے ہر
دل گھبلنے لگا۔ گناہ کیا بات تھی جو کوئی باہر نہیں آتا تھا۔ میں وہاں
اندر چلنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ رکنا کہ ایک خیال نے میرے قدم

کوٹے بچھے یاد آیا، حیدر آباد میں ہم نواب ثروت یا کوکاپا پتہ بتانے آئے تھے وہی نواب ثروت یا جس کا پتہ مولوی صاحب نے ملو ادا کے مسافر خانے کے درخت میں اپنی قیام گاہ کے طور پر درج کر لیا تھا اور جسے دیکھ کر میں کچھ اور دیکھنا مشتاق ہوں گیا تھا میں نے پر سے صرف ایک آن کے لیے حیدر آباد جانے کی ضد کی تھی اور ان سب کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ اپنا راستہ بدل دیں۔ میں اس وقت بیچلت دکرتا، ایک ذرا حمل کر لیتا تو سب کہتے تھے تو اسے پیش نہ آتا، نہ ہم حیدر آباد کا رخ کرتے نہ سونپا ملتی آدمی کو خواب کیسے زندہ رکھتے ہیں میری صوٹ نے اس کے خواب چھین لیے۔ میں نے اپنا منوں ہی توڑ دیا۔ نواب جہاں تارک زندان آباد جان کے منہ پر طمانچہ، آباد جان کا گریبان تار تار ہونے کا منظر آدمی کی مینا کی چلی جانے تو جی بعض منظر اور کچھ نہیں ہوتے۔ نواب عالم تاب کی ساس بھی کسی اس میں اٹکی ہوئی تھی، زندگی تو باقی تھی۔ خاتم کسی کسی آزمائش سے دوچار ہوئی۔ نہ ہم وہاں جاتے نہ آباد جان کو اپنے نعل جو اہر کی پوٹلی کھولتی پڑتی اس ادھر سے پھر کی پرتے کتنے لوگوں کی نگھیں چند نصیاد تھیں۔ کانتے بھی اس کی بھینٹ چڑھ گیا اور وہاں جانے سے حاصل کیا ہوا۔

حیدر آباد پہنچے ہی ہول میں اپنا بندوبست کر کے میں ادھر پر نواب ثروت کے مکان کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تھے اسی پہلی ملاقات میں ہم نے نواب کو پہلی کا پتہ بتا دیا تھا کہ وہ دوسری ہی گھڑی حیدر آباد کی زمین ہمارے لیے تکی تنگ ہو جانے کی درمیان کے سترہ دن رہنے کے بعد ہم نواب ثروت یار کے پاس جاتے تو شاید بمبئی کا پتہ بھی دیکھواتے دوسری ملاقات میں اس نے بتایا تھا کہ اسے ہمارا پتہ یاد ہے۔ دوسری بار ہم بمبئی روانہ ہونے سے ایک ہفتہ پہلے اس کے گھر گئے تھے۔ نواب حتمت جنگ کی موثر ہماری تحویل میں تھی اور دادا نے احتیاطاً نواب ثروت کے مکان سے خاصی دور موٹر کو لائی تھی۔ باقی راستہ ہم نے سپریدل طے کیا تھا اور اچھی طرح یقین کر لیا تھا کہ کوئی ہمارا تعاقب نہیں کر رہا ہے مگر ہماری آنکھیں دھوکا بھی کھا سکتی ہیں۔ بعد میں نواب حتمت جنگ کے ڈرائیور کی نشان دہی پر ہمارے دیوانے اس علاقے کے بکرا روگرد کے ایک ایک مکان پر جا کے دستک ڈے سکتے ہیں کہ اسی شکل مصوت کے دو آدمی فلاں وقت ان کے ہاں آئے تھے کہ نہیں۔ نواب ثروت یار نے ہماری آمد کا مقصد انھیں قتل کے بتایا جو گا چھپانے کی اسے ضرورت بھی کیا تھی۔ ہم نے اسے جوہن کے گھر کا پتہ بتا دیا تھا جوہن

کے گھر کے قریب ہی گولی چلی تھی۔ سامنے پر وادار بھی آگئے ان کے ساتھ کوئی اور تھا تو وہ بھی زخمی تھا۔ اگر سب اسی زخمیر کی ایک گولی ہے تو یہ سلسلہ اداوی پر تمام کیوں ہو گیا۔ ابھی دوسرے کئی باقی ہیں۔ جرو، شامو، مارنی، زور، انگو، آباد جان میر علی، میں اور بھل۔ سبھی حیدر آباد میں تھے۔ دوسروں کی باری بھی جلد آسکتی ہے اب نہیں تو چند دن بعد وقت کے کچھ بچھ جانے پر سترہ میں پولس کا جوش ٹھنڈا پڑنے پر جوہن کے گھر سے انھوں نے ہر شخص کا تعاقب کیا ہو گا اور انھیں ہمارے سامنے ٹھکانے معلوم ہونگے ہوں گے پاٹا، آباد جان کا گھر پر وادار گھر۔

میرا سرھن بھنا رہا تھا۔ بھل نے بھی اس پہلو پر کچھ سوچایا نہیں، ہمیں کجی میں اس کی فوراً بھل کے پاس جا کے اسے بتاؤں۔ میں نے جھپٹے قدموں سے برآمدہ منے کھریا تھا لیکن اندر کمرے میں جاتے جاتے غیر گیا۔ اتنے لوگوں کی موجودگی میں بھل کو اٹھانا مناسب نہیں سب منتشر ہو جائیں گے لیکن ہی ایک بات نہیں تھی جس نے میرے قدم جھک دیے تھے۔ یہ دلیل اپنی جگہ قرار تھی کہ انھیں اپنے سوال کا حتمی جواب ملنے کے بعد ہی اس شہر میں خوں کا فیصلہ کرنا چاہیے کیا انھیں ان کے سوال کا جواب مل گیا انھیں آدیں سے اتار کر انہیں بٹھانا پھر دل سے ہے ہم کسی خیرینے کے لئے کی دیوار بنے ہوئے ہیں تو بے شک پر دیوار ڈھانچنا چاہیے مگر اس وقت کے بعد کو کچھ کوئی خیریت واقعی موجود ہے یا بعض نظر کا فریب ہے۔ نواب ثروت یا کے ذریعے انھیں ہمارا پتہ معلوم ہو گیا تھا تو اپنے آدمیوں کو ایک مہی شہر میں بھیجنا اور خطرے میں ڈالنے سے بہتر یہ تھا کہ وہ نواب ثروت یا ہی کی جانب سے ایک خط لکھو کہ میں حیدر آباد بلاتے یا نہیں اور اپنی کسی جاگیر میں جہاں پر بندے بھی ان کی اجازت سے پڑا کرتے ہیں۔ نواب ثروت کا یہ چند لفظی خط ہی بہت ہونا کہ مولوی صاحب اور گور فلاں شہر فلاں گاؤں میں موجود ہیں۔ ہم کسی تاخیر کے بغیر وہاں پہنچ جاتے۔ نواب ثروت یار کی جانب سے ایسا کوئی خط ہمیں نہیں ملا تو یہی مراد ہے کہ اس تک پہنچنے میں ناکام ہے ہیں دروازے اس سے محفوظ ڈاؤ یقینی تدبیر کوئی ہی تھی۔

میرا جسم لٹا رہا تھا۔ میں ہنرے پر کھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور میں نے آنکھیں موند کے اپنے اپنے نجات پانے کی کوشش کی۔ پھوڑا سے پڑے گیلے ہوئے تھے۔ اندر سے کوئی بھی نہیں آیا میں تنہا بیٹھا رہا اور از خود بھر پور غفلت سی طاری ہو گئی۔ شاید اس لیے کہ اتنا ہی بے کس میں تھا۔ سر بھی کوسمی ہمالے کے مانند ہوتا ہے لیکن

بندہ نزل کا یہ وقفدم لینے کا ساتھ۔ میرے رگ پے میں پھر وہی بن ہوئے تھے۔ نواب ثروت یار کی طرف سے اب اگر کوئی خط آئے بھی تو ان کی صداقت کا کیا بھر دسا؟ کیا کسی نے؟ وہ یقیناً جھوٹا خط ہو گا۔ مولوی صاحب جس انداز سے اس کے گھر سے گئے ہیں ان کے لٹنے ہواں ہی پڑے انہیں ہوتا وہ ایسی جگہ کیوں آئیں گے جہاں میرے نے کی ابتدا ہو جو گھر میں نے دیکھا ہو۔ نواب نے بتایا تھا کہ مولوی صاحب نے اپنے معلوم کرنا بھی گوارا نہیں کیا۔ دوسرے ہی دن وہ ہاں سے چلے گئے جیسے انھیں علم غیب ہو گیا تھا کہ میں حیدر آباد ہی میں ہوں اور وہ وہاں رہیں گے تو میں کسی وقت ان کے سامنے پہنچ کے دھوکا کھاتا ہوں مجھے تو انھیں خوف آتا ہو گا قتل کے جرم میں سات سالہ دہرانا سے خوف آتا ہی چاہیے۔ نواب ثروت یار کی طرف سے مولوی صاحب کی خیر خبر کا خط آنے کی کوئی امید میرے ذہن کے کسی گوشے میں چھپی ہے تو اسے ایک سرخا ج کر دینا چاہیے۔ نواب کی طرف سے ایسا خط بھی نہیں آئے گا۔ اسے بھی تو اس پر توخیر نہیں دینی چاہیے۔

میں خود کو یہی کچھ یاد کر رہا تھا کہ انکا مال ایک خیلانے میرے واس مظل کر دیے۔ کہیں نواب ثروت یار نے روغ کوئی نئی موجودی صاحب کے میکے بارے میں اٹل سیدھا بتانے کے اسے آدہ کر لیا ہو کہ میکے آنے پر وہ اسی قسم کا کوئی جواب دے نہ تاکہ میں دوبارہ حیدر آباد کا رخ ہی نہ کروں، اس کے گھر پر دوبارہ دستک ہی نہ ملے۔ مجھے کور سے ڈر رکھنے کے لیے قتل ہی کیا مولوی صاحب اور بھی سنگین الزام لگا سکتے ہیں۔ لہذا نواب ثروت یار نے ایک کمائی ٹرائش کے مجھے سنا دی اور یوں مولوی صاحب سے اپنی خاندانی رفاقت کا حق بھیا جیسا کہ وہ کہہ رہا تھا کور سے اسے واقعی کوئی پڑی تھی تو مولوی صاحب کی ہم نوائی میں اسے اور شدت اختیار کرنی چاہیے۔ مولوی صاحب نے جیل میں ارشاد کا رشتہ مسترد کر دیا اور نامہ متاب کا پیام بھی اور اس دوران جانے کس کا کاخا رہے وہ اسے ایک بے ملک تھاکھ گئے۔ کب تک برہی کی زندگی بسر کریں گے کسی ایک دن ان کے اعصاب جواب دے ہی جائیں گے۔ نواب ثروت یار میں بظاہر کوئی خالی نہیں ہے اس کا نسب نوابوں کا ہے وہ وہیر اور شائستہ سے اور سب بڑی خوبی تو دولت کی ہے۔ دولت آدمی کے کس عیب چھپا سکتی ہے۔

میرا دل بڑی طرح دھوکا رہا تھا۔ نواب کے چہرے سے بالکل نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ وہ تو مولوی صاحب کے لئے سے دل برداشتہ تھا۔ دادا کو بھی احساس نہیں ہوا اسے آدمیوں

کی پرکھ میں بڑی مہارت تھی دادا کی آنکھ بھی دھوکا کھا گئی آدمی اتنا ہر پر کیسے جھوٹا ہے۔ میں ایک لحظے کے لیے بھی گمان نہیں ہوا تھا کہ نواب داستان طرازی کر رہا ہے۔ اس نے تو ہم سے بہت زیادہ ہم دردی ظاہر کی تھی، ہمیں دکھائی چاہا تھا۔ چہرے سے یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ اس کی والدہ نے کور کو اپنے کر لیا تھا اور مولوی صاحب سے رشتے کی بات کی تھی۔ اسے یہ سب بتانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی وہ صاف صاف کہہ سکتا تھا کہ مولوی صاحب آئے تھے دھوکا کھا کچھ بتائے بغیر چلے گئے تو ہم کیا کہہ سکتے۔ مگر یہ سب کچھ تو وہ اپنے بیا کا چھ ظاہر کرنے کے لیے بھی کہہ سکتا ہے۔ اسے یہی تاخیر دینا چاہیے تھا کہ مولوی صاحب کو یہ رشتہ نامنظر تھا اور ان میں صاف انکار کی جڑ تھی نہیں تھی اس لیے وہ کچھ کہنے سے بغیر چلے گئے۔ یعنی دوبارہ نہیں آئیں گے اور میں اس طرف سے بالکل بایں ہو جاؤں۔

میکے ہاتھ پاؤں بالکل شل ہو گئے تھے اور پوسے جسم سے پسینہ بھوٹا رہا تھا۔ اگر کسی سچے تو چہرے کیا کرنا چاہیے؟ مجھے فوراً حیدر آباد جانا چاہیے۔ میرا وجود یہی کہہ رہا تھا کہ ابھی اتنی قوت یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ مجھے یہ بھی یاد نہیں کہ ہاگہ حیدر آباد سے میں چلے گئے ڈیڑھ مہینے سے اوپر ہو گیا ہے۔ سامنے دروازے پر جو کی دادا موجود تھا۔ لڑکے بھی خالی پڑا تھا۔ میری نگاہیں دروازے پر منڈلائی رہیں۔ کسی کے باہر آنے سے پہلے ہی میرا میاں سے نکل جانا بہتر ہے۔ درہر بہت بڑھو سکتی ہے مجھ پر خفقان سا طاری تھا۔ میں نکل جانا مجھے بوس آگیا۔ یہ نامت کا پسینہ تھا جو بوس میں سے ابل رہا تھا۔ دادا کو گئے ابھی دو دن ہوئے ہیں میں اس کے قاتلوں کو ذرا موت کے حیدر آباد چلا جاؤں؟ وہ جب ہوا اندر بیٹھے گیتا اور رانی کا لوجھ کم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ ان دونوں کے کون ہوتے ہیں جو میں نہیں ہوتا۔ ان سب کے لیے یہ کیسا تماشا ہو گا میں انھیں بتانے بھی جاؤں تو بھی وہ کیا سوچیں گے کہ یہ کیسا آدمی ہے! اسے صرف اپنی طرف دیکھنا آتا ہے۔ میں ہمیشہ ہی کرتا ہوں۔ میں نے مراد آباد میں مولوی صاحب کا پتہ دیکھ کے ہی جملت کی تھی۔ اس وقت میں بھی بالکل ہو گیا تھا۔ ڈیڑھ مہینہ گزر گیا ہے تو چند دن اور سی اور لیے بھی میں حیدر آباد کس طرح جاسکتا ہوں میں کتنی ہی احتیاد کروں؟ ہمیں بدل کے جاؤں یا اندھیروں کی آڑ لے کر کسی نے مجھے دیکھا تو شاید میں بھی نواب ثروت یار کی دلہن تک نہ پہنچ سکوں۔ وہ تو ناک لگائے بیٹھے ہوں گے اور ابھی بڑے ہونا باقی ہے کہ دادا کو ختم کرنے والے حیدر آباد سے آئے تھے یا کوئی اور تھے وہیں کے تھے تو حیدر آباد میں ایک نواب ثروت

کیا، جائے کس کس نواب اجا کی فیصل چھاندنی پڑے۔

یہی تو شخص موقوفہ ہے کہ نواب ثروت یار نے مجھے اور دادا کو مولوی صاحب کے ہاں میں غلط بتایا تھا۔ ممکن ہے وہ ٹھیک کہہ رہا ہو۔ درمیان میں کو را بھی تو ہے۔ اُس کی آمادگی کے بغیر مولوی صاحب اور نواب ثروت یار کی مرضی کیا حیثیت رکھتی ہے۔ وہی نواب تک مولوی صاحب کو ملے کہ ہوگی۔ وہی انکار کر دیتی ہوگی اسی لیے مولوی صاحب نے ہر جگہ معذرت کر دی تھی۔ اُس کے چہرے پر عجز آجائے کے خوف سے وہ زیادہ اصرار بھی نہ کر پاتے ہوں گے۔ وہ تو اُسے مسلسل آواز دلاتے ہے ہوں گے کہ وہ مجھی کو ڈھونڈ رہے ہیں اور ایک دن میں ضرور مل جاؤں گا۔ وہ سمجھتے ہوں گے کہ کسی دن دنیا خود اُس پر غالب آجائے گی۔ کبھی تو اُس کا حوصلہ ماند پڑے گا اور آخر وہ اُن کی بات مان لے گی۔ مولوی صاحب ہمیشہ تنہا زندگی گزار رہے تھے۔ پہلی مرتبہ نہ بال بچے۔ پہلی مرتبہ کوئی پول اُن کے ساتھ رہا ہے۔ اس عرصے میں وہ اس کے عادی ہو گئے ہوں گے۔ اُس کی جدائی کے تصور ہی سے اُن کا دل ہول جاتا ہو گا۔ زہرہ اور میر علی کہتے تھے کہ مولوی صاحب اُس کے لیے پلکیں بچھائے رکھتے تھے مستقل سایہ بنے رہتے تھے۔ مولوی صاحب اُس کے لیے ایسے رشتے کی تلاش میں ہوں گے جو اُن کی طرح کو را کے آئینے کا خیال رکھ سکے۔ اُن سے زیادہ کون کو را سے واقف ہو گا کہ وہ کتنی بیشیشہ ہے اور اُنھوں نے کس طرح ریشم میں اُسے محفوظ رکھا ہے۔ انھیں اندازہ ہو گا، جس دن انھوں نے کسی اور کے ہاں میں کو را سے چھ کما تو وہ اُسے کھڑیں گے چنانچہ وہ کسی ایسے دن کے شدت سے منتظر ہوں گے۔ جب کو را کی استقامت میں خود ہی لغزش آجائے مگر جیسے جیسے وقت گزر رہا ہے۔ کو را کا ارادہ اُس کی رگوں میں اور رنج بس رہا ہو گا کسی سخت کی طرح نواب ثروت یار کے پاس کتنی ہی دولت ہو اور مولوی صاحب اُسے کتنا ہی لائق آدمی سمجھتے ہوں، کو را کا اقرار بھی تو ضروری ہے۔ مجھے خاطر جمع رکھنی چاہیے کہ فیصلہ کرنے والے صرف مولوی صاحب جیسے ہیں اصل فیصلہ کو را کا ہو گا۔ اُس کی آنکھیں تو بھی ٹوٹھوٹی ہوں گی، مہر کے خواب دیکھتی ہوں گی، میری طرح اُس کا دل بھی اُس سے کچھ کتا ہو گا۔ وہ بھی آہٹوں پر چونک پڑتی ہوگی اور مولوی صاحب کا آسرا کیا، خود اُس کی امید اُس کی توانائی ہوگی۔ کیا معلوم کسی دن مولوی صاحب ہی کا چہرہ کھل جائے اور وہ جان لیں کہ کو را کا نوم کتنا توانا ہے۔ وہ اُسے اس لیے میرے سر پر کرنا نہیں چاہتے کہ میں نہ ایمانہ ہوں اور اُس کے لیے موزوں نہیں ہوں لیکن جب اُن کے

اعصاب جواب دینے لگیں گے تو آل کار انھیں میری جستجو ہوگی۔ مجھ تک پہنچنا چاہیں گے۔ میں اُن سے کہیں ڈر نہیں۔ بشرطیکہ وہ اسی نتیجے پر پہنچیں۔

میں بستر پر بیٹھا اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا مجھے ارد گرد کی کوئی خبر نہ رہی تھی مگر میں لپکا لپکا اٹھ کھڑا ہوا۔ چند لمحوں کے لیے میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ یہ بیداری ہے یا کچھ اور۔۔۔ میرے رملے ڈاکٹر کی تلاش کی بہن راکھڑی تھی۔ آسانی رنگ کی ساڑی میں لمبی بال کھلے ہوئے تیز روشنی میں اُس کا چہرہ رنگ دمک رہا تھا میں نے چندھیان ہوئی آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھا وہاں صرف ہی تھی۔ برآمدے سے شتی چاچا گزر رہے تھے۔ چچا اور پونی بند ہو گئی تھی تاہم کپڑے بھیگے ہوئے تھے۔ آپ یہاں بیٹھے ہیں؟ وہ سرکاتے ہوئے بولی۔

”ہاں بس ایسے ہی۔“ میں نے جھپکتے ہوئے کہا۔

”کہیں کھوئے ہوئے تھے۔ میں غل ہوئی۔“

”نہیں۔“ میں نے اپنے شانے سے کیے اور مستعدی سے کہا ہے

”ہی اپنے آپ سے مخاطب تھا۔“

”سرسے آسان اور دلچسپ مشغلہ وہ شگفتگی سے بولی۔ میں نے

کہیں بڑھاتا تھا کہ آدمی کا سب سے بڑا رفیق وہ خود ہوتا ہے اور قریب ہی

وہی خود کو سب سے زیادہ ملامت ہے، ہنساتا ہے وہی اپنی سب سے زیادہ ہنسا

اپنی سناتا ہے۔ میں مڑھکا کھائے خاموش رہا تو بے یابی سے کہنے لگی۔

”کیا سوچ رہے تھے؟“

”کچھ نہیں کوئی بات نہیں۔ باقی سب کہاں ہیں؟“

”اندرا سی کر رہے ہیں۔“

”کیا کر رہے ہیں؟“

”گیتا اور رانی سے جھوٹ لوٹنے کی کوشش۔“

”کیسا جھوٹ؟ میں نے جیرانی سے کہا۔

”جو موت پر سب ایک دوسرے سے لوٹتے ہیں جھوٹ ہمیشہ

نہیں ہوتا۔ کبھی سچ بہت بے رحم ہوتا ہے کبھی جھوٹ بہت صحت

وہ تیکہ بچے میں بولی۔ ایسے میں سب یہی کرتے ہیں اور کریں بھی کیا۔

”جھوٹ کا تعلق نیت سے ہے۔“

”ہاں اور پھر سچ کا بھی۔“ وہ پلکیں جھپکتے ہوئے بولی۔ نیت

اچھی نہیں تو سچ لعنت ہے۔“

میں نے ہاتھ بڑھا کے اُسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

ایک منٹ کے توقف کے بعد اُس نے میری ہدایت پر عمل کیا

اور گری مانت بھرے گی چہرا اسکی سے لولی "آپ کیسے ہیں؟"
 "میں ٹھیک ہوں بالکل ٹھیک"
 "کہاں! چہرہ کیسا بجا ہوا ہے۔ آپ تو ایک پڑھے لکھے جوان
 اور مضبوط ارادے کے آدمی ہیں۔"
 "میں پہلو بدل کے رہ گیا۔"
 "کل بھی میں آپ کو بکھیتی رہی، پہچانے نہیں جاتے تھے۔"
 "واقعہ ہی کچھ ایسا ہے۔ پرسوں رات آپ بھی جلیں کے گھر
 تھیں۔ دادا کو آپ نے دیکھا ہوگا۔ کون کہہ سکتا تھا کہ کچھ دیر بعد۔۔۔"

میری آواز بھر پور لگی۔
 "میں نے انھیں دیکھا تھا اور ابھی طرح زندگی سے بھرپور وہ
 تیر تیر رہے ہیں لولی۔ لیکن میں بھی بے تیا ہے کہ وہ کیسے آدمی تھے،
 کتنے چھتے دوست بہادر اور۔۔۔ گیتا اور اس کی ماں رانی کو بھی اس
 رات میں دیکھا تھا۔ دونوں بھولوں کی طرح لگیں۔ اس کے چہروں
 کی خوشی بتا رہی تھی کہ دادا کیسے شوہر کتنے چھتے باپ ہیں۔ یہاں بھی
 الگ ہیں بالکل نئے آدمی میرے لیے تو یہ سب جرت ناک ہے میں آپ
 کو بتاؤں گی لیکن مجھے منہ کیا تھا کہ آپ باسی سے کتنے کے باپ کے
 بالے میں اس سانچے کے بالے میں کوئی سوال نہ کروں کہ یہ سب کیا ہے
 کیوں ہوا، وہ کون لوگ تھے اس کا خیال ہے یہ ذکر تکلیف دہ ہو سکتا
 ہے۔ مجھے خود احساس ہے کہ ناس کا موقع ہے نہ ضروری ہے لیکن
 آدمی کا دماغ سوالوں کا جنگل ہے۔ یہ سب دیکھ کے طرح طرح کے سوال
 مزا اٹھاتے ہیں۔"
 "آپ سب کچھ خود جان جائیں گی۔"

وہ گرائس کی ضرورت نہیں۔ اس نے شہزادے کہا "ضروری
 نہیں کہ ہواؤں کے لینے و دینے زندہ نہ رہیں۔ کتنے ایسے سوال ہیں جنہیں
 جانے لینے ہم اس دنیا میں پوری زندگی کے ساتھ موجود ہیں اور شاید زندگی
 گزارنے کا یہ ایک نہایت آسان نسخہ ہے کہ کم سے کم سوال کیے جائیں
 یا کم سے کم جواب چاہیں۔ وہ میری جانب مضطربانہ نظروں سے
 دیکھتے ہوئے لولی۔

"اور تو فتح کمرت کیجئے، ہر جواب کی کوئی توقع ہوتی ہے۔ ناقابل
 یقین جواب کی توقع کی جائے تو شاید سب ٹھیک رہتا ہے۔"
 "جائے دیکھیے۔ وہ سر جھٹک کے لولی "میں آپ کچھ اور کہہ
 رہی تھی۔ اتنے دنوں بعد لو آپ بول لے ہیں پھر یہ وقت مکمل جانے
 گا۔ اس سے پہلے کہ یہاں کوئی آجائے اور آپ سے بات ممکن نہ ہو سکے،
 میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

"کیا؟" میں نے بٹ پاتی نفلوں سے پوچھا۔
 "کوئی ایسی بات نہیں۔ وہ مسکاکے بولی "آپ اس دن
 آنے سے کیسی کے ساتھ تو بہت اچھا لگتا تھا پھر آپ کا انتظار رہا مگر
 نے لمبی سے کئی بار کہا لیکن میں وہ ایک غیر ذمے دار آدمی ہے پھر
 میں آپ کے کام کی اس قدر اہمیت نہیں دیتا کہ یہ میں کسی طور
 نہیں کہہ رہی ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے بے محنت کہا۔
 "نشتے ہیں کہ ایسے وقت میں دوستوں کا رخ کرنا چاہیے
 ان کی چھاؤں درختوں کے مانند ہوتی ہے۔ جائے کیوں مجھے ایسا
 لگتا ہے کہ آپ کو اس چھاؤں کی بڑی ضرورت ہے۔"
 "چھاؤں کی کسے ضرورت نہیں ہوتی۔"
 "اور لوگ کتنے ہیں درختوں میں چھاؤں اتنی نہیں ہوتی تو؟"

آدمیوں میں ہوتی ہے۔
 "لوگ ٹھیک کہتے ہیں۔"
 "اور جائے کیوں ہر فرشت کی طرح ہر آدمی کی چھاؤں کیسا نہیں ہوتی؟"
 "درختوں کی بھی یکساں نہیں ہوتی کسی کی کمر کسی کی زیادہ کسی
 کی گھنی، کسی کی چھدی آدمی کی بالکل نہیں ہوتی۔ یہ درخت فرشت
 کی تو فریق پر منحصر ہے۔"

"ہاں۔" وہ چمکتی آنکھوں سے لولی "اور لوگ گھنی چھاؤں کے
 درختوں کا رخ کرتے ہیں۔ ہر آدمی کے ساتھ ایسا کیوں نہیں ہوتا
 کسی کی چھاؤں بہت گھنی ہوتی ہے پر لوگ ادھر نہیں چھپتے بلکہ
 کو نظر نہیں آتی؟"

"ہو سکتا ہے۔" میں نے شائشی سے کہا "اور کبھی دھوکا بھی
 ہو جاتا ہے۔ قریب جانے پر معلوم ہوتا ہے کہ اتنی سی چھاؤں کچلے
 کتنا طویل سفر لے گیا کتنے درخت پیچھے چھوڑ آئے۔" وہ ہونٹوں سے
 انگلیں مڑھ لے لگی "میں نے اس سے کہا کہ کسی کے اندر ہی بہت
 اگل جلی رہی ہو تو چھپا لیا کہ کسی کی؟"

"ہاں! اس کے ترشے ہوئے ہونٹوں پر لرزش سی طاری ہوئی
 نے شک ہے آدمی بھی منہ سے کہے اسے کتنی چھاؤں کی ضرورت ہے
 اس کے اندر کتنی دھوپ ہے۔ وہ آدمی مزدور تھی اور اُدھی انگریزی
 میں باتیں کر رہی تھی کچھ منہ سے بولی پکی باتیں نہایت اناک
 سے نفاست اور تباہ کے باوجود اس کے لہجے میں کوئی تکلف نہیں
 تھا۔ لہجے شائشی تھی یہ کلام کی بات ہے کہ وہ کتنا دل نشیں ہے شرف
 میں اس کی آمد پر مجھے گھبراہٹ سی ہوتی تھی لیکن اب اس کی طبعی

بھتی آواز میرے کان میں گونجتی تھی اور مجھے ہلکا سا محسوس ہو
 رہا تھا۔ کہنے لگی "پر آدمی جب بھی ملتے ہیں ایک دوسرے کے
 لیے کسی نہ کسی قدر سایہ ضرور رکھتے ہیں۔ درختوں کا مقصد صرف سایہ
 کاری ہے، یہ مسافر کی مرضی ہے کہ آگے کتنا بڑا سفر ضرور ہے اور
 اسے کتنی دیر پھیرنا ہے۔ درختوں کو غرض اپنی چھایا سے ہوتی ہے اور
 ہوں انھیں اپنے وجود کا جواز مل جاتا ہے۔ کوئی کسی فرشتہ کو پوچھے کہ
 اسے سایہ دے کے کتنا سکون ملتا ہے۔ میرا مطلب ہے آدمی کے ساتھ
 بھی تو ایسا ہو سکتا ہے۔ آدمی بھی تو ایسے ہو سکتے ہیں۔ یہ کہتے کہتے وہ
 چونک سی پڑی اور مدھنٹ خوابا بنے میں لولی "معلوم نہیں یہ
 باتیں آپ کو کسی عجیب لگتی ہیں لیکن مجھے ان کے پیچھے کی ایسی تیز بینیں
 آتی اور میں سمجھتی ہوں، آپ بھی اس پر زیادہ تجربہ نہیں شیتے۔"
 "نہیں نہیں آپ تو بہت دل کش باتیں کرتی ہیں خیال
 آؤں۔ آپ چھاؤں کی بات کر رہی تھیں۔ سچ پوچھو تو مجھے ایسی
 کا احساس ہوا۔"

"مجھے یہ جان کے خوشی ہوئی لیکن باتیں ہی نہیں۔" وہ نکاتی
 لہجے میں لولی "باتوں سے کیا ہوتا ہے۔ میں ایک عملی آدمی ہوں۔"
 "میں جانتا ہوں۔" میں نے جلدی سے کہا۔
 "میں نے کئی بار آپ سے ملنے کا ارادہ کیا۔" وہ ہانسی سے لولی۔
 "لیکن بس رہ گئی۔ آپ کا بھی نہیں جا رہا؟"

"چاہا۔" میں نے چمکتے ہوئے کہا "پر ادھر مہلت نہیں ملتی۔"
 "میری سمجھ میں آج تک نہیں آیا کہ ہم مرحلوں کے قحاق کیوں
 ہوتے ہیں۔ ہم تمام مرحلے ایک ہی جست میں کیوں لے نہیں کر لیتے
 "مجھے یاد آ رہا ہے یہ بات آپ سے پہلے بھی کہی تھی۔"
 "مجھے روم و آداب کبھی نہیں بھاتا ہے یہ زندگی مشکل کہتے ہیں"
 "لیکن ہم سب ان سے شرط ہیں۔"
 "مگر کیوں؟ ہم پہلے مرحلے میں آخری مرحلے کے دست کیوں
 نہیں بن سکتے۔"
 "کیوں نہیں بن سکتے، لوگ بن جاتے ہیں۔"

وہ کہیں کہیں گئی نہیں بھی اسے تنگ نظروں سے دیکھتا
 رہا اس کا چہرہ تھما رہا تھا۔ بے چینی سے کہنے لگی "لیکن ہاں ایک
 اہم بات میرے ذہن سے اُدھل ہو جاتی ہے۔ یہ کیا ضروری ہے
 دونوں شخص ایک ہی کیفیت سے دوچار ہوں۔ ایک شخص کو جلدی
 ہے دوسرے کو نہیں ایک کا تاثر دیکھنا اور دوسرے کا کچھ اور۔
 مثلاً میں نے آپ سے جوشیدہ تاثر لیا ہے آپ نے ہو سکتا ہے اس طرح

مجھے محسوس نہ کیا ہو۔
 "جی جی ہاں مگر مگر میری زبان کلفت کھنٹے لگی۔
 اس نے میرے جواب کا انتظا نہیں کیا۔ کہنے لگی "بعض اوقات
 مراحل عذاب بن جاتے ہیں۔ یہ زندگی پوچھ کر دیتے ہیں۔ کہتے ہی
 لوگ ان کی کتاب نہیں لاپاتے وہ دُور ہو جاتے ہیں کہیں ایسا تو نہیں
 کہ آدمی کا ایک دوسرے پر اعتبار اٹھ گیا ہے۔ آدمی کو آدمی سے بہت
 تخیلات ملی ہیں اس لیے وہ قراڑے لے پھر رہا ہے۔ بہت محتاط ہو گیا
 ہے یا یہ کوئی خوف ہے یا اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی کسی انسانی قدر
 کی پاس داری کر رہا ہے۔ وضع بھار رہا ہے اور کسی جہد پیمان کی
 گرفت میں ہے۔ ہر بیان ایک دوسرے کے مفادات کے تحفظ کے لیے
 ہوتا ہے کسی کے مفاد پر ضرب نہ پڑتی ہو تو بیان پر کہاں ضرب پڑتی۔
 پھر ایک ایسا پیمان ایسا ہر آدمی خود پر کیوں مسلط کرتا ہے جس میں
 تیسرے آدمی کا داخلہ ممنوع ہو جب کہ تیسرا آدمی بھی ایک حقیقت ہے
 اور موجود ہے۔ کیا یہ دنیا میں دوا آدمیوں کے لیے ہے، یہ تیسری شہادت
 اس کا نظام بگاڑ رہی ہے؟ یہ کہیں ہی انسانی قدر کی پاس داری ہے جس
 میں تیسرا شخص یا پھر انھیں نقصان اٹھاتا ہے۔ کیا درخت کی چھاؤں
 صرف ایک شخص کے لیے ہے۔ ایک ہی شخص کے پاس شجر ہے زندگی
 تو ایک مستقل مسافت ہے۔ درمیان میں ہزار منزلیں ہزار آدمی ہزار
 حیرتیں ہیں۔ وہ آدمی زیادہ تحفظ اور سکون سے کہہ سکتے ہیں۔ وہ گریہ
 کی خلوت دنیا کی بہترین راحت ہے مگر کیا ساری زندگی کے لیے؟ کیا
 ایک شخص متعدد لوگوں کو مطلوب نہیں ہو سکتا؟"
 میں نے جواب دینا چاہا لیکن خاموش رہا تاکہ اس کا سلسلہ
 نہ ٹوٹ جائے۔ کوئی بھری بھری سی لہر تلاطم تھی۔ وہ تیز تر انگریزی
 میں باتیں کر رہی تھی، گھنٹی، چپٹی، چپٹی کی آوازیں کہتے ہیں خلق تو
 آواز کا صرف کو سلسلہ ہے آوازیں تو سارا بدن شامل ہوتا ہے۔ کہا
 کا ہاں ایک جیسے اس کی آوازیں شامل تھا۔ میں سنا نہ کہنے
 لگی۔ یہ بھی کبھی میں سوچتی ہوں ایسی کیا بات ہے یہ کیسا کڑا دھندا
 ہے کیا اتنا شہ۔ آدمی کی مرثرت جو تیرے مگر یہ کیا ہے کہ وہ تجربے
 سے بھی گریزاں ہے۔ وہ اتنا دُور دور کیوں رہتا ہے لوگوں کے پاس
 کیوں نہیں آتا؟ ان کا شہادہ ان کا جلوہ کیوں نہیں کرتا میں اکثر یہ
 سوچتی ہوں اور اپنے طور پر طرح کے نتیجے اخذ کرتی رہتی ہوں۔
 ہو سکتا ہے، ایک ہی شخص سے کسی کا جی میر نہ ہوا ہو ایک شخص کا
 ظلم بڑا ہے۔ ایک شخص کی رفاقت سے کوئی دھنسا ہوا یا سارا کھوج نہ
 پایا ہو۔ وہ زخم خود ہے یا اپنی انا کا اسیر ہے۔ کوئی شخص آنا بن گیا

ہے وہ اعلا درجے کے ترکہ ایشیاء پر کمر بستہ ہے یا پھر وہ مستقل تلاش میں ہے۔ وہ شخص کیسے خوش نصیب ہے جو تیسے لوگوں کے جوہر میں کر دہ مورد قرار یا جواب قبول جلتے ہیں یا میں اپنی آسویگی کے لیے انھیں تلاش لیتی ہوں قیاس کو لیتی ہوں لیکن میرا مقصد کچھ اور ہے۔ یہ کیوں طے کر لیا گیا کہ دریاں کے چھوٹے چھوٹے سائلوں سے آدمی نکال دیکھے۔ یہ ہو سکتا ہے، یہی راجس کبھی اپنا دائرہ وار ٹھکانا اور غریب تر کرنے اور کسی غلط منزل تک جلد پہنچنے کا سبب بن سکیں اور میں کتنا جاہلی ہوں کہ دوسرے شخص غاصب نہیں ہوتے، ہزاروں یا کم نگاہ بڑا غلبہ میں مجھے طرح طرح کے لوگوں کو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ہاں ایک شایہ پرست لڑکی کسی شخص کی تلاش میں اپنے خواب ناک دن گزار رہی تھی وہ باندنی سے کلب آدمی اور اپنے آپ میں گم رہتی تھی وہ اپنے خیال و تصور میں اپنی فوج جاسپی بھی کرنا لیسے کہ سوا کسی کی رفاقت اس کے لیے چھوٹی تھی۔ یہی ساری کے مانند تھی۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ اس نے بہت چسپ جواب دیا، خبر ہے اس نے کیا کہا؟

”کیا کہا؟“ میں نے اسے اختیار سے پوچھا۔
 ”اُس نے کہا، اُسے دریاں میں ٹھہر جانے اور منتشر ہوجانے کا ایشیاء لاق ہے۔ تبیر لھوئی رہ جانے کا وہ تصور تمام رہ جانے کا خوف۔ میں نے کہا کہ یہاں کون اور کمال پر فائز ہے اور کینل سے کیا ماروے اور انسان کو لوجہ لوجہ بدلنے والے عناصر کا مرتبہ ہے اور تم خود سہنتہ کمال کی دعوے دار ہو جس کوئی کمال نہیں پہنچ سکتا۔ نگار کا دل اور تناسب رنگ و پے سب سب کمال کا ایک طرح ہے۔ وہیں مجھے ایک لڑکی ملی۔ اس کے ہاں ایک اور نفسی گڑبڑ ہوئی تھی۔ اس پر مضحکہ خیز کی حد تک ایک اندیشہ طاری تھا کہ رفاقت اتنی جاں فزا نہیں جتنی جدائی جاں سوز ہوتی ہے۔ لوگ جدا ہوجاتے ہیں اور پھر عذاب نازل ہوتا ہے وہ لوگوں کے بدلنے کو بھی جدائی سے تعبیر کرتی تھی۔ لوگوں کا بدل جانا بھی اس کے خیال میں جدائی کے سامنے سے کم نہیں تھا۔ وہ بے شک لوگوں سے تباہ سے ملتی تھی مگر طنائیں ہیچ کے عقل و فہم کی بات ہوتی تو ٹھیک تھی اس کا معاملہ یک طرفہ تھا۔ لیکن میں نے شہید قسم کی رفاقت کا کوئی تجربہ کیا ہو یا اس بے پناہ انسانی جذبے سے آشنا ہو کر وہ اپنی واہنگی و شہدائی کی ممانعت کی طرح اپنے پاس محفوظ رکھتی تھی میں نے اس سے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے زندگی کوئی زمانہ نہیں جس پر گاہک آیا چلا گیا۔ جس نفاقت میں آدمی ہر جہاں شامل نہ ہو وہ مر رہا ہے۔ مہراں لئے آنے والے گڑے وقت کی آمل اندیشی میں کیوں گواہی دے

جائیں۔ یقیناً ہر شخص اعلا درجے کی نفاقت کا متحمل نہیں ہوتا۔ آدمی کے ظرف ایک جیسے نہیں ہوتے۔ اُسے قریب آنے دیا جائے مگر کوئی ہر زمانہ کبھی مل جائے جس میں رد آسانی کا نصف اور چند قدم ساتھ چلنے کی استطاعت ہو تو اس کے ساتھ دینے کا بخل ہو کر کرنے کے لئے ہے۔ یہ رفاقت ہے خود سے رفاقت اور میں نے کہا کہ کون تو میرے لئے مقنا ہے۔ آدمی کی وسعت کتنی پھیلتی رہتی ہے۔ آدمی جدا ہونے لیتے ہیں اور دنیائے آسمان سے نہیں اترتے۔ اترتے ہیں تو زمین پر بہت گرد و غبار ہے۔

وہ کتنی رسی اور میں چھٹی باز دھڑے اُسے دکھاتا رہا۔ اس کے بیان ہی کا لطف میں تھا۔ کچھ اور بھی مجھے بہت کیے ہوئے تھا۔ کتنے لگی، کلب میں ایک جوان سے میری ملاقات ہوئی وہ تعلیم یافتہ و وسیع اور ایک اچھے خاندان کا حوالہ دیکھتا تھا۔ اس سے کوئی پوچھ لیا تھا اور اس کے نظار میں اُس نے گویا جو لے لیا تھا وہ شائستگی سے دلوں سے ملتا تھا مگر اس شائستگی میں ایک عجیب نوعت اور اہمیت تھی میں نے اُس سے پوچھا کہ ایسا کیوں ہے۔ اُس نے زندگی کے حاشیہ پر چلنا کیوں شروع کر دیا ہے۔ اس گریز میں کیا راز ہے؟ اُس نے جواب دیا، وہ تصوری تھا اُس کی بات میری سمجھ میں آئی اور مجھے ابھی بھی بے بسی تھی۔ اُس نے کہا میں جس شخص سے غافل ہوں وہ شخص ایک جسم، ایک غول ہے، اُس کی روح اُس سے جدا ہو گئی ہے۔ میں نے پوچھا کہ اس کے دوا دہلنے کا امکان ہے۔ اُس نے لٹے پھوٹے لہجے میں کہا کہ کون جانے۔ مجھ اس سے بہت ہم دردی ہوئی میں نے اُس کی دل آری کی کوشش کی لیکن وہ اپنے سمندر میں ڈوبتا چلا گیا۔ پھر میں نے اُس سے سہرا رہ کر لیا، میں نے جانا کہ میری موجودگی میں اُس کے بادل گرتے لگتے ہیں۔ اُس کی آنکھیں اُمڈانی ہیں۔ مجھے یاد ہے میں نے اُس سے کہا تھا کہ یہ کائنات اتنی خفہ نہیں ہے۔ کتنے لگا نہیں کوئی ملے تو جانا کہ کتنی بڑی ہے میں نے کہا میں سمجھنا چاہتی ہوں کتنے لگا نہیں سمجھا یا میں جاسکتا کوئی سمجھی ملے گا تو خود خود سمجھ میں آجائے گا کہ اس آگ میں کیسا نشہ ہے میں نے کہا کہ اگر یہ تو فنا کا رستہ ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ اسی کی تو اُسے آرزو ہے۔ وہ بہت شراب پینے لگا تھا۔ میں نے دیکھا تو بولا، آگ اور پڑھ جاتی ہے۔ اُس کی سمجھت خراب ہوتی گئی کلب سے نائے کرنے لگا، پھر ایک دن اس طرف کل گیا، کہاں، کیا خبر میں نے اس سلسلے میں اُس کے ایک عزیز سے پوچھا تھا، جواب ملا، دینا کہاں جانے گا۔

میری رگوں میں خون رکنے لگا تھا۔ وہ مجھے یہ سب کچھ کیوں سنارہی ہے؟ ایسا لگتا جیسے وہ مجھے آئینہ دکھا رہی ہو۔ اس نے جان بوجھ کے کلب کے ایک نوجوان کا اشارہ تراشا ہے اور ان دو لوگوں کا ذکر بھی والد تباری ساقی رس ساقی میں کیا ہے۔ میں نے مناجا کہا کہ اس کی داستانیں نہایت تمام ہیں۔ دنیا میں استغنی نہیں ہے جتنا اس نے جانا ہے۔ اس سے بہت سوا ہے۔ اُسے کیا معلوم کہ آدمی کتنا بے بس ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی نفسی گڑبڑ تھی کچھ نہیں، جانے کیا ہے۔ کون کس کو پر مل جائے۔ یہ تو آدمی کے ملنے پر ہے اور زندگی پر ہے کہ وہ کس سے کیا بتاؤں گئی ہے۔

میں نے کچھ نہیں کہا، پھر بھی آنکھوں سے اُسے گھورتا رہا۔ وہ بڑا بڑا آہ میں گم تھی۔ اُس کی سیائیں شالوں پر پھول رہی تھیں اور پھول جیسے ہرے پر باسیت اور تافت کی دھند جانی ہوئی تھی، جیسے چاندنی ٹھنکی ہوئی ہو تو ان کے ذکر پر اس کی آنکھیں بھاری ہو گئی تھیں اور ابھی بکھر گئی تھی۔ اُس کا اندیشہ خود کلامی کا سا تھا۔ اس میں کسی تردد اور شبہ کی کیا بات ہے؟ میں نے خود کو لگا کر میں نے اُس کی صاف بیانی اور بے باکی اپنی بھی کیوں محمول کر لی؟ یہ میری اپنی کدورت ہے، اپنا اکراہ ہے جو میری رگیں کھینچنے لگی ہیں وہ ایسی لڑکی نہیں ہے جسے اشارہ دل اور کلاموں کی ضرورت پڑے۔ وہ کسی بائیں میں اکتانہ نہیں جانتی ہوگی اسے تباہے گا بھی کون؟ وہ کیا نہیں فطین لڑکی ہے اور اس نے میرے سپر پر لکھا ہوا کچھ لکھ لیا ہے اس کے خیال میں میری عقل مر گئی و سرشتی کا سبب یہی کچھ ہو سکتا ہے۔ سویرے دینے کی خیرات نہیں، معذوں اور غلوں سے خوش نھال لنگ بول کر تیرے میں میرے کتنے ہی درد مند میرے سوال آدمی شکل کے بغیر اسی نرمی اور گداز کی جھبک لیتے ہیں اور مجھے مزید ناتواں اور بلکان رشتے ہیں۔ پہلے مجھے رما کی باتوں پر اسی خیرات کا گمان ہوا تھا لیکن اب میں سمجھتا ہوں کہ وہ تو ویلیں سے رہی تھی۔ اُس کے اظہار میں تو بہت انکار اور تپاک تھا۔ وہ ایک حسد جمل لڑکی یا اس کا التفات اس کی عزایت ہے کہ اتنے لوگوں کے دریاں سے اُس کے لیے کسے پاس اسے بھیجے ہے اور اپنے رشتہ اپنی چھائی سے میری دھوپ کم کرنے کا مقصد کر رہی ہے۔ میری اور اس کی شناسائی کو مصدقہ لگا ہوا ہے لیکن اُس کے بقول شناسائی میں مدت کی شرط لگ ہوئی ہے اور مدعوں کی کیا ضرورت ہے؟ وہ کوئی نفس مٹانے کو لگا کر رہی ہے یا اس سے انکاری ہے۔ وہ کچھ اور کہہ رہی ہے۔ اس سے زیادہ کوئی کیا کہہ سکتا ہے اور کسی کو کسی سے اتنی غرض کہاں ہوتی ہے۔

میرا جی اس کے لیے بہت اذیتا ایک ٹٹ میرے جی میں آئی کر اٹھ کے اُسے سینے سے لگا لیا اور تباؤں کر کے لے کر لے کر آگ کا ذکر کیا ہے، وہ اس نے طنز کیا ہوگا۔ لوگوں نے طرح طرح کے نام دے دیے ہیں مگر یہ سب کتنے کی باتیں ہیں۔ یہ آگ تو دنیا کی جھلسا دیتی ہے۔ یہ کوئی نظریہ یا عقیدہ نہیں جس پر اصرار کیا جائے۔ یہ تو اپنی اپنا کا اصرار ہے۔ بے شک زندگی ایک فرد سے دوسرے فرد تک نہیں ہوتی مگر ایک فردی رشتہ بن جاتا ہے۔ رشتہ ہی منزل بھی دی۔ دو آدمی مل کے کبھی ایک بن جاتے ہیں۔ ایک شخص جیسے دوسرے کا جزو ہوا بن جاتا ہے تو دوسرا کیا کرے۔ اس کا اختیار تو میں جانتا ہوں۔ کوئی فتنہ نہیں چاہتا مگر راستہ دوسرا لکھا ہی ہے سچی تو وہیں اس سے بہت کچھ کتنا جانتا تھا لیکن میں نے عمل کیا۔ اُس نے کوئی سوال بھی نہیں کیا تھا نہ میرے جواب کی منظر تھی وہ خود تباہ طلب تھی اور اپنی دالت میں چارہ گری کے طور پر کر رہی تھی اور اس کا لبہ لہجہ وہی تھا، نرم و لطیف مگر نرم اور دل سوز میری زبانی اُس نے اس میں شکن پڑنے کا احتمال تھا۔ اس لیے میں بس منتار رہا۔

پھر کیلاش کی آواز پر سب کچھ درہم برہم ہو گیا۔ راجھی اچھل پڑی اور جھل جھل سی جوتی کیلاش بڑا سے آوازیں لگایا ایک ہمارے سامنے آگیا اور شکایت جیسے انداز میں کہنے لگا۔ وہ یہاں کسے بیٹھی ہے؟ دوسرے ہی لمحے اُسے میری موجودگی کا خیال آگیا۔ اُس نے پیشانی کے بل صاف کرنے کی کوشش کی اور جھکے ہوئے مجھ سے پوچھا کہ بھونڈا لکڑی کسے یہاں بیٹھی ہے۔ میری آنکھیں رما کی طرف اٹھ گئیں، میں نے نرمی سے کہا، ”جھپٹے غفلت میں ہونے کی معذرت کرنی چاہیے۔“ رما چپختی آواز میں بولی۔

”شکر ہے، تعین آدمیوں کی باتیں کرنا تو آئیں۔“
 اُس کی رجسٹر پر مجھے ہنسی آئی۔ وہ دونوں بھی کھل کھلا
 اٹھے، کیلاش کہنے لگا: ”مجھے آپ کے سپرے پر شگفتگی دیکھ کے
 یقین کیجئے بہت خوش ہوئی۔“ میں اُسے صرف ہنسنے کے رہ گیا۔ اُس
 کی آنکھیں اسی خوشی کی عمارت تھیں۔
 ”میرا احساس دلالت ہے کہ رملے اُسے ڈکا۔“
 ”نہیں، بالکل نہیں۔“ کیلاش نے فوراً تردید اور حسرت آمیز
 لہجے میں بولا: ”آپ ایسے ہی سپرے ایسے ہی خوش خوش میں تو ڈر رہا
 تھا۔ یہ دماغ میری باؤلی بہن انٹرائی سپرے میں بائیں کرنے لگتی ہے جو کراچ
 تو مجھے اپنے دیکھے پر یقین نہیں آتا۔ آج تو اس نے کمال کر دیا۔“
 ”ان میں بہت خوبیاں ہیں اس پر سب سے بڑی خوبی تو دوسری ہے۔“
 ”آپ کہتے ہیں تو میں اپنی محنتوں کے پُر نظر ہونے کو دل گا۔ کیلاش
 نے چہک کر کہا۔
 ”نہیں نہیں، تعین مال ہوگا کہ تم نے کتنی دیر بعد فیصلہ کیا کہ
 بعد از وقت۔“ رملے نے جواب دینے میں ایک نکتے جی ناکل نہیں کیا۔
 کیلاش نے کوئی بات ذہن پر ڈالی یا اُس نے میرے خیال سے
 نوک جھونک جاری رکھنا مناسب نہیں سمجھا مجھے علم تھا کہ ان دونوں
 میں فخر سے بازی خوب ہوتی ہے۔ میں نے کیلاش سے کہا کہ اُس کی
 بہن کوئی اعتبار سے ایک منفرد لڑکی ہے۔
 ”الفاظ بہت تمہارا کرتی ہے۔“
 ”اور تمنا بھی۔“ میں نے کہا۔
 ”ایسا نہ کیجئے، یہ اور سرکش ہو جائے گی۔“
 میرے منہ پر ہنسنے والا کہ کوئی پھر تو اور دل کش ہو جائیگی
 مگر میرے منہ پر بس چپکے کے رہ گئے۔
 ”لگتا ہے آج ایسی کی باری بھی نہیں ہوتی رہی ہے۔“ کیلاش
 نے تنہی آواز میں مجھ سے پوچھا: ”کیا نہ لگ رہی تھی؟ پھر اُس کے
 دل کی غزلوں سے رماؤ دیکھتے ہوئے جمالت تیرم کی۔“ میرا مطلب
 کہی گل افشانی۔۔۔
 ”بہت کچھ۔۔۔ میں نے گہری سانس لی۔
 ”یہ آپ سے ملنے کو بہت بے تاب تھی۔ آج سے موقع مل گیا ہیں
 سمجھ رہا تھا، یہ اندر کسی کمرے میں ہے۔“ جولین سے پوچھنے پر مجھے یہی
 تاثر ملا تھا۔ میری توجہ مجھے صحنی ہوئی کہ یہ کہیں آپ کے پاس
 نہ پہنچ گئی ہو اور ایسے وقت اپنی مختار زبان نہ بگاڑ رہی ہو، حالانکہ
 اوپر نہ ملے صاحب کچھ اپنے کچھ پرانے قصے سناتے تھے گیتا اور

رائی کی دل دہی کی خاطر بھی متوجہ تھے مگر مجھ سے وہاں نہ بیٹھا
 میں نے اُن سے مندرت کی اور اسے اندر دھونڈتا ہوا سیدھا رہا
 آکھلا اور میرا اندیشہ درست ثابت ہوا۔
 ”تم نے جولی سے پوچھ لیا ہوتا، اُسے معلوم تھا کہ میں یہاں
 بلکہ اُس نے مجھے یہاں بھیجا تھا۔“
 ”جولین نے؟۔۔۔۔۔ میں نے تذکرہ کیا۔
 ”ہاں وہ وہاں مصروف تھی۔“ رما دگی سے بولی: ”اُسے
 تھا کہ آپ یہاں تنہا بیٹھے ہیں۔“
 ”تو کیا وہ شخص جولین کی فرستادہ تھی اور ایک نہر بان مندر
 لڑکی کی طرح کوئی فرض نہجاری تھی؟ جولین نے اس سے کچھ اور بھی
 کہا ہوگا۔ کیا کچھ کہا ہوگا۔ میرا دل گھبرانے لگا۔ ایسا تھا جولین خود بھی
 سکتی تھی۔ وہ یوں نہیں آئی، رملے شاید چوسے سے میرے سینے کا
 گھٹن محسوس کر لی۔ اُس نے وضاحت ضروری بھی اور بے تابا:
 بولی: ”میں آپ ہی کو کھینچنے کے لیے وہاں سے اُٹھی تھی۔ اتفاقاً
 جولین اندر لگتی اور اُس نے جھبا کہتے ہیں کہ سندن کی بات بھیجیں
 ابھی کیلاش نے کہا تھا، جولین سے استفسار پر اُسے تاثر ملا
 تھا کہ رما اندر کسی کمرے میں ہے۔ اُن کا مطلب یہ ہو کہ جولین نے
 کیلاش کو دخل اندازی کے خیال سے جان بوجھ کر نہیں بتایا ہوگا۔
 خود بھی اسی لیے نہیں آئی اور شاید اُسی نے کسی کو اس طرف اشارے
 دیا کسی نے کچھ پوچھا ہوگا تو اس نے کوئی بھی منکر کر دیا ہوگا۔
 ”کیا سوچتے لگے آپ؟“ کیلاش کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔
 ”کچھ نہیں۔“ میں نے سہجے سے کہا میں اُسے کیا بتانا اپنی کیفیت
 خود میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اپنے اپنے آپ بڑھ رہی تھی۔ یہ
 مذمت کا کوئی احساس تھا یا اپنی بے جا دل کی کارکن خواہی کا۔
 ”آپ کہیں کھڑے گئے؟“ کیلاش نے ادا سے کہا۔
 ”میں سمجھتی ہوں۔“ نہا چپکے سے بولی۔
 ”کیا کیا بات؟“ کیلاش نے مضطرب ہونے لگا۔
 ”تمہارے سمجھنے کی نہیں ہے۔“ نہا گتے لہجے میں بولی۔
 ”غالباً مجھے سے کوئی بھول ہوئی۔“ کیلاش کی آنکھیں مجھے
 لگیں۔ ”میں غلط ہی ہو اگر میرا ساٹھ لوگر دیکھا۔“
 ”رملے کوئی تلفظ نہیں کیا کہنے لگی۔“ کا کاش تم ابھی نہاتے
 رات گزر جاتی اور تمہا ایک۔۔۔
 اُس کے منہ پر کچھ کہنے سے پہلے میں نے شرمندگی کا اظہار کیا
 نے جلد ہی خود کو بے حال کیا تھا۔ رما جولین کی سفارش پر آئی تھی

از خود یہ شرافت شائستگی تھی یا از خود فحشی۔ دونوں صورتوں میں اصل
 مقصود میری دل بستی تھی کہ درنیت میں کیا ابہام ہے مجھے آخر کیا
 مطلب تھا جس کی غم کی سینے میں سوزش کا سبب بنی ہوئی
 ہے۔ یہ دونوں اپنے گھر سے دور اپنے شغل سے کنارہ کیے میری خاطر
 یہاں بیٹھے ہیں اور مسلسل میری جستجو میں لگے ہیں۔
 مجھے خود کو ایک سوکر نے میں رہیں گی کیونکہ فیصلہ نہایت
 آسان تھا کہ مجھے ان کی نوازش پر بہر صحت شکر گزار ہونا چاہیے اور اپنی
 کیلید کی اپنی غلط فہمی کو دیکھنی چاہیے میری آرزوہ خاطر سے
 اُن کی آنکھیں کھلنے لگتی تھیں۔ اپنے اس طور کا کوئی استحقاق مجھے
 نظر نہیں آتا تھا۔ میں نے کیلاش سے کہا کہ اسی کوئی بات نہیں میرے لیے
 یہی ہے مجھ یوں ہی بیٹھے چھائے کچھ ہوجاتا ہے۔ میں نے اُس سے کہا
 دخل اندازی کیسی؟ ہم تو سبھی دینا جہاں کی باتیں کر رہے تھے۔ رما اپنے کلب
 کے مشاہدات سن کر سبھی تعین اور حید کر میں نے کہا کہ وہ سب کچھ نہایت
 دل نشیں تھا۔
 ”اور میرے آنے سے ختم ہو گیا؟“
 ”ختم تو کسی وقت ہونا ہی تھا، اب میں تو کچھ دیر بعد۔“
 ”بہت سہی ہوتا ہے۔“ رملے نے اُسی سے کہا: ”کوئی نہ کوئی خارج
 ہوجاتا ہے، کبھی وقت کبھی موسم، زندگی کبھی کبھی نہیں رہتی۔
 شاید زندگی اور موت میں یہی امتیاز ہے۔ آپ سبک تغیر ہے، ایک
 مسلسل موت موت شاید سب سے بڑا امکان ہے۔“
 ”چتر کا سکون؟“ کیلاش نے کہا اور چلتے لہجے میں بولا: ”ایک
 بات کہوں آپ سے؟“
 ”کیا بات ہے؟“ میں نے مسکرا کر کہا۔
 ”آپ چند دن ہالے ساتھ، ہالے گھر چل کے کیوں نہ رہیں کیوں نہ؟“
 ”اس سے زیادہ اچھی بات کیا ہو سکتی ہے۔“ نہا کی آواز میں شکر برپا تھی۔
 ”یہ کیسے ممکن ہے۔“
 ”کیونکہ میں نہیں یہاں بہت لوگ ہیں گیتا اور رائی جی کو دیکھنے
 کے لیے اور پھر کسی دوسرے شہر تھوڑی جا رہے ہیں۔ کسی وقت بھی جب
 بھی آپ چاہیں یہاں آسکتے ہیں۔ دن میں دو بار زمین بار۔ اس تبدیلی
 سے دیکھ کر گناہ شہر کے گارڈ کی داستان بھی ختم نہیں ہوتیں، درق
 پڑتے جایئے۔ یہ ایک بہترین نگران اور منظر بھی ہے۔ ویسے ہی تو ایک
 ڈاکٹر ہے۔ اسے چارہ گری ہی کی تعلیم دی گئی ہے۔ مجھے یقین ہے، ہمارے
 ہاں کل کے آپ خوش ہوں گے۔“
 ”وہ تو ٹھیک ہے مگر کیسے؟۔۔۔۔۔ یہ کیسے ممکن ہے۔“ میں نے اُسے

کچھ اور نہیں کہنے دیا۔ میں کیسے کہیں جاسکتا ہوں۔ یہاں رہنا میرے
 لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا دوسروں کے لیے۔ گیتا اور رائی بھالی بہت
 برداشت کا ثبوت دے رہی ہیں لیکن اپنے دل کا حال وہ خود ہی
 جانتی ہوں گی۔ اس وقت تو سبھی کو اُن کے سامنے رہنا چاہیے اور ابھی
 ابھی تو مجھے کام کر رہے ہیں ابھی تو داد کے خون۔۔۔۔۔ میں نے
 اپنے منہ پر ہنسنے لگے۔
 ”داد کا خون؟“ کیلاش نے فرادی سے بولا۔ ”آپ کیا کہہ
 رہے تھے؟“
 ”کچھ نہیں۔“ میں نے جھوٹی ہونے آواز میں کہا: ”ابھی داد کے
 بہت سے معاملات میں غلطی ہے۔ اُس نے تکرار نہیں کی، کسنا آؤ گیا۔
 ”نہیں، کیلی آرا مالو سے کہنے لگی۔“ یہ ابھی مناسب نہیں ہے۔
 وہ دونوں چپ ہو گئے، میرے کاش فحش روی رات ہوئی تھی۔
 میں نے بادل لایا کہ انھیں گھر بھی جانا ہوگا۔ میری جہ سے وہ نہ ٹھہریں
 گھر میں بھی اُن کا انتظار ہوگا۔
 ”جانے کو جی ہی نہیں چاہتا۔“ کیلاش نے سامنے بولا: ”تم سے
 ہم کہہ کے آئے تھے۔ مگر اب کھڑی ہے کسی وقت بھی چلے جائیں گے اُن
 اگر آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔“
 ”نہیں، نیند کہاں؟“ میں نے نہر خند سے کہا۔
 ”پھر جانے کیوں نہ بی جائے۔“ کیلاش بچوں کی طرح ہنسنے لگا۔
 ”میں اندر بکھیتی ہوں کہ کیا صحت ہے۔“ رما فوراً اٹھ کر کیلاش
 میرے پاس بیٹھا زمین نہا رہا پھر زیر لب سے بولا: ”دادا کے قاتل
 کا کچھ پتہ چلا؟“
 ”نہیں، چل جائے گا۔“ میں نے نہر لہجے میں کہا۔
 ”مناسب ہو تو مجھے کچھ بتائیے۔“ اُس کا کالج التاجی تھا۔
 ”پھیلائے کے لیے اب رہا بھی کیا ہے۔“
 ”میں اور بھی جانا چاہتا ہوں آپ کے خیال میں کون بہتر ہے؟“
 ”میں بھی خود سے ہی پوچھتا ہوں مگر جو بھی ہے یا جو بھی ہیں
 اُن کے پاس بھی وقت بہت کم رہ گیا ہے۔“
 ”یقیناً وہ بے بسی سے بولا: ”وہ زیادہ دیر تک نہیں بچے
 سکیں گے۔“ آل کار انھیں جرت ناک انتخاب سے دھار ہو جاتا ہے۔
 یہ میں بھی سمجھتا ہوں۔ گیتا اور رائی جی کے چوسے دیکھ کے جی
 کرتا ہے۔ جیل پکری میں سزا انصاف تو دوسری بات ہے انھیں دیکھتے
 ہی گولی ماری جائے۔
 ”یہی ہوگا۔“ میری آواز اُلگڑی تھی۔

جائے ایک گھنٹہ میں انڈل کے کرسی سے اٹھ گیا۔ سامنے بھی کوئی تعرض نہیں کیا اور گلانی کی گھڑی دیکھ کے چونک پڑی جلیں فرخ اور شہزادہ نے اس سے رات وہیں بیٹھ جانے کے لیے اور ابھی کیا مگر سامنے اپنی مال کا عذر کیا کہ وہ گھر کے آتی تو ٹھیک تھا۔ دروازے تک ہم انھیں رخصت کرتے آئے۔ گلی دور تک سسٹان پڑی تھی اور کتے بھوک رہے تھے۔ موٹر میں جا رہے تھے۔ رامنا پلٹ پڑی اور میرے سامنے آ کے گھڑی ہو گئی اور عجیب سنگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ مجھے شہر کے کیراڈان بھی وقت تھا۔ "نہیں! بالکل نہیں" میں نے سیدھے ہرکے کہا۔ "بس یوں ہی جوں میں آتا گیا۔۔۔۔۔"

"مجھے سب یاد ہے گا۔ میں نے آہستگی سے کہا۔

"ہو سکے توکل آئیے"

"کل شاید ممکن نہ ہو مگر میں جلد ہی۔۔۔۔۔ زندگی رہی تو جلد ہی ضرور آؤں گا۔"

"یہ آپ نے کیا کہا کہ وہ بے چینی سے بولی۔ زندگی کی آرزو کو تو زندگی راضی رہتی ہے بہت خوشامد پنچہ ہے یہ۔"

"مگر وہ دوسرے جوسی کی نالودی کے لیے اس سے یاد شدہ آرزو رکھتے ہیں زندگی انھیں بھی مالوس نہیں کرتی۔"

"وہ چٹکی ہوئی سی گھڑی پکس جھپکا رہی، کیلاش نے موٹر میں بیٹھے ہی مارن بجانا شروع کر دیا۔ اُسے جانا پڑا موٹر میں بیٹھنے سے پہلے وہ سب کو ہاتھ پلانٹا نہیں بھولی۔"

برونی کرے سے گزرتے ہوئے میرے جی میں آئی کہ اندھا کے قہقہے کو دیکھوں۔ دروازہ بند تھا لیکن گھر کیال روشن تھیں۔ اس کے بڑھ گیا جلیں نے مکان کے عقبی حصے کی جانب ایک اوکے میں سونے کا انتظام کیا تھا۔ ماری، جرو، شامو اور تنگ و فرس پر بھی ہوئی چاندنی پر ادھر ادھر پڑے تھے۔ جاؤں بیٹھتے ہوئے اٹھ گئے۔ میرے پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ ابھی کوئی آدھ پون گھنٹے پہلے ہی وہ یہاں آئے ہیں سب تھکے تھے لگ رہے تھے۔ میرا جسم بھی ٹوٹ رہا تھا۔ ماشاء اللہ شکستہ تھی، کوئی جھاؤں ہی تھی جس میں مجھے مزید کسی اگنی تھی اور اتنی دیر تک جیسے سبے مانع سے اوچھل ہو گیا تھا۔ جھاؤں گزر جانے کے بعد اس کا احساس زیادہ ہوتا ہے۔ آدمی اور درخت دونوں سایہ رکھتے ہیں لیکن ہوا فرق ہے۔ درخت کا سایہ سب کے لیے یکساں آدمی کا ہر ایک کے لیے جدا جدا کسی کے لیے ہے کسی

کے لیے نہیں۔ ایک لمحے ہے دوسرے لمحے نہیں۔ آدمی کا چھوٹی موٹی کی طرح ہوتا ہے جیسے ہی کیلاش آیا، رکھا کانا منکڑا سمٹ گیا۔

اُن چاروں کے آرام کی خاطر میں نے خاموشی مناد سمجھی اور ایک کونے میں جا کے لیٹ گیا مگر وہ لوٹے لوٹے پاس چلے آئے اور جرو کو جانے کیا ہوا اُس کے مجھ سے جڑ گیا پناہ کی تلاش میں ہر جیسے بہت گرد و غبار اٹھا ہو گیا۔ ہر نے بھی اس کا رنہ اپنے بازو میں جکڑ لیا۔ کیا بات ہے جرو جھالنے زری سے پوچھا۔

"وہ سامنے کھینچتا رہا میں نے پھر پوچھا تو کوئی چھوٹی آہ میں بولا۔ "کیا بولے لاؤں؟"

"دم گھٹا ہا ہے نا؟ میں نے اُس کے بالوں میں انگلی پھیرتے ہوئے سرگوشی کی۔

"ٹھیک ہے سب۔۔۔۔۔ وہ بند ہاتھ ہوئے بولا۔

"پھر کیا ہے؟ تم تو بہت بہت۔۔۔۔۔"

"سینک نہیں ہیں اپنے کے بس۔۔۔۔۔ میری بات کا"

"نہیں نہیں میں تو کہہ رہا تھا کہ تم سے دوسرے کیلئے ہر نے تمھیں بہت حوصلہ دیا ہے۔"

"کیا لاؤں؟ اُس کی آواز دہری گئی۔ اپنے سے چھوٹی کو دیکھا جاتا۔"

"گیتا کو؟" میں نے تذبذب کہا۔

"ہاں جانی! اُسے دیکھ کے خون بدن میں بہت کھولتا۔"

"اب تو کچھ ٹھیک ہے وہ۔"

"ٹھیک ہے، پر اسی ٹھیک بھی نہیں۔ استاوریج میں نہ تو مال تم اپنے سے ایک لمحے بھی نہ ڈھرا جاتا۔"

"تھیل بھائی سے کوئی بات ہوئی؟"

"کیسی بات؟"

"ہی، میں آئے جانے کی؟"

"نہیں لاؤں! تجھ کو استاوریج کا تیر ہے۔ سب ایک دم"

میں باندھ کے دکھاتا ہے پوچھیں بھی کیا اُس سے سامنے کانا اٹا سیدھا دکھائی دے رہا ہے تب استاد کرے بھی کیا۔ گیتا کچھ کے کدھر جائے۔ کدھر جائے کو سوچے۔"

"پر استاد ایک اسی مائے نہیں ٹھیک رہا جھالی؟" شامو بولا۔

"بولا۔ باہر نہیں دیکھا، برائیوں کو باجے پٹانے لیے، و برائیوں سے"

ہر اوپریس تھی۔ پارے سے واپس آتے ہوئے ہم نے انھیں تمام تلوں پر تعینات دیکھا تھا جہاں ردی والے نہیں تھے وہاں سکو اس دن گشت کر رہے تھے کیلاش اور رام کو دروازے پر رخصت کرنے میں نے غور نہیں کیا لیکن شامو تباہ تھا کہ اس نے کھانا لانے سے پہلے مکان کے اطراف بھی کئی سادہ پوٹن گھومتے دیکھے ہیں۔

"استاد! کچھ بھان کے ہی اید ہے۔" ماری دوبے لیے میں بولا۔

"استاد کو اگر تھوڑا بہت پتہ ہو تو بھی اُسے ادھر سے نہیں مانا جائے۔ ادھر گیتا کے پاس اُس کا ٹکنا ضروری ہے۔"

"ہر ان توکل مکتا ہے جرو بھائی؟ ماری نے کہا۔ گھر بیٹھے سے ابھی کچھ نہیں ملنے کا۔"

شامو نے بھی اُس کی تائید کی کہنے لگا کہ میرے آنے سے پہلے یہ ہی باتیں کر رہے تھے۔ کوئی کن مل سکتی ہے تو پارے سے یا میں بھی باہر جانے پر۔ گھر میں بند پڑے بیٹھے سے ہر باتیں کے تو ہیں انی خیرینے سے رہیں شامو نے مشورہ دیا کہ اگر ہر مرست تھیل کا باہر بازاں سب میں تو ہم توکل سکتے ہیں۔

"اِن لوگ چاہے تو ابھی بھی جاسکتا ہے راجا بھائی! ماری تھائی آواز میں بولا۔

"ابھی؟" میں نے تعجب کہا۔

"کیا ہے راجا بھائی! موٹر اور گھڑی ہے ڈرائیو کو اپن چکا۔"

"گھڑی پیچی ایک نظر مارے! ماری! جرو چھپکا رہی آواز میں بولا۔

"دیکھ لیا ہے جرو بھائی! اور ہم دیکھ کے ہی بول رہا ہے ڈیڑھ ٹکا رہا ہے اپن ابھی چلے تو سوراہوں سے پہلے پلٹ آئے گا تھوڑا ملنے کے دکھتا ہے ابھی۔"

"تھوڑا چل کے دیکھتا ہے۔۔۔۔۔ جرو نے اُسے دھککا دیا۔ ماری! بڑی گھڑی اُنک گئی ہے۔"

"گھوڑی پر تھاری بھی اپنے کو جگر پر دکھائی نہیں پڑتی؟ شامو نے بڑے لیے میں کہا۔" ماری کا انا بول رہا ہے۔ موٹر میں جائیں گے اُکی میں ٹوٹ کے آئیں گے۔"

"تو پھر چلا جا، جابجا۔ و کنا کنا ہے۔"

"ہاں چلے جائیں گے تم سے پوچھ کے نہیں؟ شامو وحشت بولا اور مجھ سے پوچھنے لگا۔ کیوں لاؤں؟"

"میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ جرو چھپکا رہی آواز میں بولا۔

"پر لوٹ کے ادھر آنا ہے تو اپنے باپ استاد کو بول کے ضرور جانا۔"

"تم لوگ مرنے لگے ماری تو ایک بات بول رہا تھا۔ بات

ہر اوپریس تھی۔ پارے سے واپس آتے ہوئے ہم نے انھیں تمام تلوں پر تعینات دیکھا تھا جہاں ردی والے نہیں تھے وہاں سکو اس دن گشت کر رہے تھے کیلاش اور رام کو دروازے پر رخصت کرنے میں نے غور نہیں کیا لیکن شامو تباہ تھا کہ اس نے کھانا لانے سے پہلے مکان کے اطراف بھی کئی سادہ پوٹن گھومتے دیکھے ہیں۔

"استاد! کچھ بھان کے ہی اید ہے۔" ماری دوبے لیے میں بولا۔

"استاد کو اگر تھوڑا بہت پتہ ہو تو بھی اُسے ادھر سے نہیں مانا جائے۔ ادھر گیتا کے پاس اُس کا ٹکنا ضروری ہے۔"

"ہر ان توکل مکتا ہے جرو بھائی؟ ماری نے کہا۔ گھر بیٹھے سے ابھی کچھ نہیں ملنے کا۔"

شامو نے بھی اُس کی تائید کی کہنے لگا کہ میرے آنے سے پہلے یہ ہی باتیں کر رہے تھے۔ کوئی کن مل سکتی ہے تو پارے سے یا میں بھی باہر جانے پر۔ گھر میں بند پڑے بیٹھے سے ہر باتیں کے تو ہیں انی خیرینے سے رہیں شامو نے مشورہ دیا کہ اگر ہر مرست تھیل کا باہر بازاں سب میں تو ہم توکل سکتے ہیں۔

"اِن لوگ چاہے تو ابھی بھی جاسکتا ہے راجا بھائی! ماری تھائی آواز میں بولا۔

"ابھی؟" میں نے تعجب کہا۔

"کیا ہے راجا بھائی! موٹر اور گھڑی ہے ڈرائیو کو اپن چکا۔"

"گھڑی پیچی ایک نظر مارے! ماری! جرو چھپکا رہی آواز میں بولا۔

"دیکھ لیا ہے جرو بھائی! اور ہم دیکھ کے ہی بول رہا ہے ڈیڑھ ٹکا رہا ہے اپن ابھی چلے تو سوراہوں سے پہلے پلٹ آئے گا تھوڑا ملنے کے دکھتا ہے ابھی۔"

"تھوڑا چل کے دیکھتا ہے۔۔۔۔۔ جرو نے اُسے دھککا دیا۔ ماری! بڑی گھڑی اُنک گئی ہے۔"

"گھوڑی پر تھاری بھی اپنے کو جگر پر دکھائی نہیں پڑتی؟ شامو نے بڑے لیے میں کہا۔" ماری کا انا بول رہا ہے۔ موٹر میں جائیں گے اُکی میں ٹوٹ کے آئیں گے۔"

"تو پھر چلا جا، جابجا۔ و کنا کنا ہے۔"

"ہاں چلے جائیں گے تم سے پوچھ کے نہیں؟ شامو وحشت بولا اور مجھ سے پوچھنے لگا۔ کیوں لاؤں؟"

"میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ جرو چھپکا رہی آواز میں بولا۔

"پر لوٹ کے ادھر آنا ہے تو اپنے باپ استاد کو بول کے ضرور جانا۔"

"تم لوگ مرنے لگے ماری تو ایک بات بول رہا تھا۔ بات

بات پر کاٹنے کو بول دوڑ رہے ہو۔ شامو راض ہونے لگا۔ ہم لوگ ابھی بات کر رہے ہیں دفع نہیں ہو گئے ادھر سے۔"

میں نے اٹھ کے اُسے دوجیسا اور سمجھا کہ جرو غلط نہیں کہہ رہا وہ خود بھی یہاں آرام سے نہیں ہے ہمارے طرح باہر نکلنے کے لیے بل ہے لیکن مزید کوئی وقت ہے نہ تھیل کو بتانے بغیر باہر جانا مناسب ہے۔ میں نے شامو سے کہا کہ ابھی وہ خود شہر میں پھیل ہوئی پولیس کا ذکر رہا تھا اس صورت میں باہر نکلنا کسی طور قریح عقل نہیں۔

جرو بڑبڑاتے لگا کہ ابھی حرف دو دن ہوئے ہیں تھیل کوڑے دو دن ہمارے ساتھ ہمارے سامنے رہا ہے جتنا میں معلوم ہے اتنا ہی اُسے کوئی بات اپرتے ہوئی تو ہم تھیل کے لیے دوسرے کھڑی کر دیں گے۔

"نامم کا کیا ہے جرو بھائی! ماری پھر مری سے بولا دو دن ہو گیا، پر جان پڑتا ہے، دوسرے ہو گیا، اُس کے بھی اوپر۔ مال قسم اپن کیا بولے کیسا اٹھا، تم میں۔۔۔۔۔ ماری کی آواز خیر لے لی۔

"اپن نے اپنے کو لیا تھا سمجھیں نہیں دیکھا۔"

میں نے ماری کو اشارہ کیا کہ اب وہ ادر کچھ نہ کہے شامو کا منہ لٹکا ہوا تھا۔ میں نے اُس کا سر سینے میں چھپایا وہ بڑبڑاتے لگا اور ہچکچول سے رننے لگا۔ جرو اور شامو کی انھیں بھی چھٹی ہوئی تھیں۔ انھوں نے شامو کو مجھ سے چھین لیا اور پوچھ کی طرح اُسے چھپانے لگے۔ وہ دیر تک جاگتے نہ کہے کئی بازو میرے دل میں آکر انھیں بتاؤں میرا ذہن کہاں کہاں جھپکتا رہا ہے لیکن وہ پہلے ہی کیا کم لے آرام تھے۔ ہوش انھیں اور ریٹان کرتا۔

رات کے آخری پہر کسی وقت اُن کی آنکھ لگ گئی۔

دو دن ہمارے ساتھ ہمارے سامنے رہا ہے جتنا میں معلوم ہے اتنا ہی اُسے کوئی بات اپرتے ہوئی تو ہم تھیل کے لیے دوسرے کھڑی کر دیں گے۔

"نامم کا کیا ہے جرو بھائی! ماری پھر مری سے بولا دو دن ہو گیا، پر جان پڑتا ہے، دوسرے ہو گیا، اُس کے بھی اوپر۔ مال قسم اپن کیا بولے کیسا اٹھا، تم میں۔۔۔۔۔ ماری کی آواز خیر لے لی۔

"اپن نے اپنے کو لیا تھا سمجھیں نہیں دیکھا۔"

میں نے ماری کو اشارہ کیا کہ اب وہ ادر کچھ نہ کہے شامو کا منہ لٹکا ہوا تھا۔ میں نے اُس کا سر سینے میں چھپایا وہ بڑبڑاتے لگا اور ہچکچول سے رننے لگا۔ جرو اور شامو کی انھیں بھی چھٹی ہوئی تھیں۔ انھوں نے شامو کو مجھ سے چھین لیا اور پوچھ کی طرح اُسے چھپانے لگے۔ وہ دیر تک جاگتے نہ کہے کئی بازو میرے دل میں آکر انھیں بتاؤں میرا ذہن کہاں کہاں جھپکتا رہا ہے لیکن وہ پہلے ہی کیا کم لے آرام تھے۔ ہوش انھیں اور ریٹان کرتا۔

رات کے آخری پہر کسی وقت اُن کی آنکھ لگ گئی۔

دو دن ہمارے ساتھ ہمارے سامنے رہا ہے جتنا میں معلوم ہے اتنا ہی اُسے کوئی بات اپرتے ہوئی تو ہم تھیل کے لیے دوسرے کھڑی کر دیں گے۔

"نامم کا کیا ہے جرو بھائی! ماری پھر مری سے بولا دو دن ہو گیا، پر جان پڑتا ہے، دوسرے ہو گیا، اُس کے بھی اوپر۔ مال قسم اپن کیا بولے کیسا اٹھا، تم میں۔۔۔۔۔ ماری کی آواز خیر لے لی۔

"اپن نے اپنے کو لیا تھا سمجھیں نہیں دیکھا۔"

میں نے ماری کو اشارہ کیا کہ اب وہ ادر کچھ نہ کہے شامو کا منہ لٹکا ہوا تھا۔ میں نے اُس کا سر سینے میں چھپایا وہ بڑبڑاتے لگا اور ہچکچول سے رننے لگا۔ جرو اور شامو کی انھیں بھی چھٹی ہوئی تھیں۔ انھوں نے شامو کو مجھ سے چھین لیا اور پوچھ کی طرح اُسے چھپانے لگے۔ وہ دیر تک جاگتے نہ کہے کئی بازو میرے دل میں آکر انھیں بتاؤں میرا ذہن کہاں کہاں جھپکتا رہا ہے لیکن وہ پہلے ہی کیا کم لے آرام تھے۔ ہوش انھیں اور ریٹان کرتا۔

رات کے آخری پہر کسی وقت اُن کی آنکھ لگ گئی۔

دو دن ہمارے ساتھ ہمارے سامنے رہا ہے جتنا میں معلوم ہے اتنا ہی اُسے کوئی بات اپرتے ہوئی تو ہم تھیل کے لیے دوسرے کھڑی کر دیں گے۔

"نامم کا کیا ہے جرو بھائی! ماری پھر مری سے بولا دو دن ہو گیا، پر جان پڑتا ہے، دوسرے ہو گیا، اُس کے بھی اوپر۔ مال قسم اپن کیا بولے کیسا اٹھا، تم میں۔۔۔۔۔ ماری کی آواز خیر لے لی۔

"اپن نے اپنے کو لیا تھا سمجھیں نہیں دیکھا۔"

میں نے ماری کو اشارہ کیا کہ اب وہ ادر کچھ نہ کہے شامو کا منہ لٹکا ہوا تھا۔ میں نے اُس کا سر سینے میں چھپایا وہ بڑبڑاتے لگا اور ہچکچول سے رننے لگا۔ جرو اور شامو کی انھیں بھی چھٹی ہوئی تھیں۔ انھوں نے شامو کو مجھ سے چھین لیا اور پوچھ کی طرح اُسے چھپانے لگے۔ وہ دیر تک جاگتے نہ کہے کئی بازو میرے دل میں آکر انھیں بتاؤں میرا ذہن کہاں کہاں جھپکتا رہا ہے لیکن وہ پہلے ہی کیا کم لے آرام تھے۔ ہوش انھیں اور ریٹان کرتا۔

رات کے آخری پہر کسی وقت اُن کی آنکھ لگ گئی۔

”ہاں شامو بھائی! بابا ای کا حکم تھا۔“ بولین نے مسکاکے کہا اس کی مسکراہٹ پر شامو عجیب سا لگا۔ کسی سے پھر خشک طرح ناشہ نہیں کیا گیا بولین نے لوکا بھی کر ایسی جلدی نہیں ہے لیکن سب سے جیسے جیسے چلتے چلتے کھینچ کر اسی جلدی میں آئے اس کے پیچھے کے مجھے خیال آیا کہ کچھ دیر کے لیے گیتا اور ان کی کوئوں نے دیکھ کر آدھ کر گھڑی کرنا لیا۔ سامنے سے بھل کر آتا دیکھ کر ہم سب بیکار کٹھن کھڑے ہوئے۔ اُسے پلٹے پھرتے تیار دیکھ کر میری طرح اُن جا رہے تھے بھی اطمینان کی سانس لی ہو گی یا اُن کے دل بھی میری طرح دھڑکے ہوں گے۔ دل کا دھڑکنا بھی اطمینان کا سبب ہوتا ہے میری جی اُتاجان اور مولوی اکرم بھی بھل کر کے ساتھ تھے۔ بھل کر آئے ہیں نہیں رکا، ہم منتظر تھے۔ اُس کے اشارے پر ہم نے تیز قدموں سے بیڑھیاں لیں۔ بھل اتنی ہی دیر بعد سے سوختہ بڑبڑے پر بھڑکتی جیتی میں آج اُتاجان نے اُس سے جلد واپس آنے کو کہا۔ میری جی نے کچھ بڑھ کر ہم سب پر دم کیا۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ میں گیتا اور ان کی صورت دیکھنے اور انھیں اپنی صورت دکھانے اندھا سنا کر ڈالنے پر موڑ کھڑی تھی۔ بھل نے ٹنگو کو دکھایا۔ بھل ڈرائیور کے ساتھ لگی نشست پر بیٹھا میں مانی جرد اور شامو بھائی نشست پر بیٹھے گئے موٹر منٹوں میں بڑی دُک پر لگی۔ اُس کا رخ پڑے کی جانب تھا۔ دن خوب روشن ہو چکا تھا اور درگول پر گاڑیوں کا شور گونج رہا تھا۔ چوراہوں پر جا بجا پولیس ڈیوٹی پر بھی جرد و شامو اور مانی کا حال تو نہیں معلوم لیکن مجھے ایسا لگا کہ اُتاجا جیسے بہت دن بعد باہر نکلتا ہوا ہے۔ درگول پر بھڑکی وجہ سے موٹر کی رفتار بھی تیز نہیں تھی۔ راستے بھر نہ بھل نے ہم سے کوئی بات کی، نہ ہم نے آپس میں کچھ کہا سنا۔ ڈرائیور بھی خاموشی سے موٹر چلا رہا جیسے وہ موٹر ہی کا کوئی حصہ ہو۔ آدھے گھنٹے میں ہم ماہم کے علاقے میں داخل ہو گئے۔ ابھی پڑے سے دور تھے اور دیر لے کر کیسے شہر اُڑنا می جانے خانے سے گزرتے تھے کہ ناگاہاں مجید بھول والے کی صورت میری آنکھوں میں گھوم گئی تھی۔ میرا نہ بیٹھا گیا۔ اس کی طرف تو میرا دھیان ہی نہیں کیا تھا۔ یہی مجید جس نے مولوی اکرم سے اپنے لڑکے کے لیے خرچ کا رشتہ مانگا تھا اور انکار پر مغصوبہ غضب ہو گیا تھا۔ اُس نے علاقے کی مسجد میں مولوی اکرم کو روک کر نے کو کوشش کی تھی کہ الزام لگایا تھا کہ مسجد کے چندے کے لیے اُس کی طرف سے دی جانے والی رقم کا ایک بڑا حصہ مولوی اکرم نے خود رو کر لیا ہے۔ اُس

کا لڑکا بھی شہید تھا۔ اُس نے کسی سنسنالہ گھی میں مولوی اکرم کو دھوکہ بھی کیا تھا اور بھی بہت کچھ ہوا تھا۔ یہ ہمارے مذہبی اُس کے دوسرے دن کا واقعہ ہے۔ کانٹے ابھی موجود تھا۔ مولوی اکرم زبانی مجید کو دھڑائی کا سارا براہ رس کے پر و مولوی اکرم کو کمر کے مجید کے ہونٹ پر بچا تھا۔ میں اور بھل بھی ساتھ تھے۔ پرنے بھر ہونٹ میں مجید کو کا دھڑکے اُٹھا کر فریج پر بچھ دیا تھا۔ مجید نے ہر اور مولوی اکرم کے پر بچھ لیے تھے۔ اُس دوران دادر کے علاقے داواہاں بھی آگیا تھا۔ اُس نے مجید کے ساتھ کچھ کم ڈالر آدھ سلوک نہیں کیا ہو گا۔ پرنے چلتے چلتے مجید کو کمر دیا تھا کہ وہ دھڑکے دن مسجد کے چندے میں پڑے آدھ بزار پڑے داخل کر دے گا۔ مجید نے مولوی اکرم پر آدھ سو پلے کی بددیانتی کا الزام لگایا تھا۔ مجید نے کسی چوں و چرا کے بغیر یہ حکم قبول کر لیا تھا۔ مگر وہ کینہ پرور سفار آدمی نظر آتا تھا۔ پیسوں کی بھی اُسے کسی نہیں تھی۔ اُس کا دل بھی اُٹھائی گرا تھا اور غرت اُٹھائی گریں ہی کا جھکٹ اُس کے ہونٹ میں جم رہا تھا اور پیر کے لیے وہ باہر کے آدمی بھی لپکا تھا۔ بظاہر اُس میں اتنی بڑی جرأت معلوم نہیں ہوتی تھی لیکن یہ بات جرأت کی بات نہیں کہنے کی ہے اور کہنے کے لیے نا اُتاجان کی شہر نہیں ہوتی۔ آدمی کو کینہ بیتہ دیر نہیں لگتی۔ اُس نے مولوی اکرم کو بھی صاف نہیں کیا تھا جالاکہ اُن کی خطا ہی کا بھی ریشہ آتے ہیں، منہ کر دیتے جاتے ہیں لیکن وہ مجید تھا۔ کٹ جت کٹ کھانا ہر سکتا ہے۔ اُس کا دماغ پھر گیا جو۔ میرے برابر بھٹھے بیٹھے ہوئے شامو نے میرے ہاتھ پر دل کی اٹھیں غمخس کر لی تھی۔ اُس نے جہن بھائی کی آواز میں مجھ سے پوچھا۔ کیا بات ہے لاڈلے؟“

میں نے اُسے کچھ نہیں بتایا۔ میرے بھی دل ڈرائیور کی موجودی نہ کچھ کمنا مناسب نہیں تھا۔ پڑا قریب آ رہا تھا۔ میں نے طے کیا کہ مجھے بھل سے بات کرنی چاہیے۔ ممکن ہے اُس کے ذہن میں یہ سب کچھ نہ ہو۔ آخر اس میں حرج بھی کیا ہے۔ بھل زیادہ سے زیادہ دھکا دے گا۔ پھر میں نے سوچا، بھل سے بات کرنے سے پہلے کہوں یہ میں بلے کو اشارہ کروں۔ وہ دادر کے علاقے میں ہے اور مجید کو طلب کر کے اُسے اُن کا کھانا، اُس کی کھال کھینچ سکتا ہے۔ کم از کم مجید تک تو ہم پہنچ سکتے ہیں اور ذرا بڑھ کر کے علاقے میں جا کر راجن کی محبوب کوٹ کو ختم کرنے والے اور اس کا الزام راجن کے سر تھوپنے والوں کی چھان بین تو ہو ہی سکتی ہے۔ مجید آباد کے لوگوں کی بات دُور کی ہے جہاں تک

بالعلق ہے، ہم یکے بعد دیگرے تمام لوگوں کے گھر یا نول پر ہاتھ پٹے ہیں جو دادر سے ناخوش تھے یا جنھیں چور سات مہینے کے غیاب بڑا دکھائی دے رہا تھا۔ واپس ابھی نہیں لگی تھی، ہر سکتا ہے اُنھی میں سے بڑا گے اور اُدھر بھٹکے کی ضرورت ہی نہ رہے۔

پڑے کی گلی کے سرے پر موٹر کھڑی۔ باہری آدمی موجود تھے۔ بھٹکے کی ہماری طرف ڈوڑھے اور ہمارے ساتھ ہی عمارت میں ہوئے۔ اندر لوگوں کی تعداد کم تھی تو میں بھی مگر اتنی کم بھی تھی چوکی کے اطراف زری پر متحدہ لوگ بیٹھے تھے۔ ہماری آمد کا سن کے چوکی کے وسط میں بیٹھا ہوا پانڈے داوا اچھل پڑا اور ناہنجیآ، دونوں ہاتھ پھیلائے۔ بھل کے سینے سے آکے چوٹ لیا داوا، اپن کو کیدر کو کچھ دیا۔ وہ منٹلائی آواز میں بولا۔

تمام لوگوں نے ہمارے گھر ڈال ڈال دیا۔ پانڈے داوا بھل کی بے اسے چوکی پر لے گیا جب تک بھل بیٹھ نہیں گیا سب کھڑے : اپن سے جاسی دیر لپکا نہیں جانے کا بھدا داوا، پانڈے لوف کے بغیر پڑا دے لپکے لگا کل سے یہاں لوگوں کا اتنا بندھا ہوا ہو گئے تھے۔ دروازہ شروع کرتے ہیں اور طرح طرح کے کلمات کہتے رہے کس کس سے بات کرے اور کس کس کو بھٹھے۔ لوگ جاتے ہی جیسے اُن کے بیٹھے سنے سے داوا کوٹ اُٹے گا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ بے جمیع میرے ہمارا انتظار شروع کر دیا تھا کہ بھل اُٹے تو اُس کے دے اُسے اس فرقے داری سے سبک دین کر بھنے کی منت کہے۔

نہی اس کی تصدیق کی اور بتایا کہ کل ہمارے جانے کے بعد بھی ایک بہت سے پاڈوں کے داوا بیٹھے ہے جو ہمارے سامنے چلے اُن میں سے کسی بھی پر شام کو واپس آگئے۔ آخر پانڈے کو اُن سے کنا بہتر ہے اب وہ اپنے پڑے دیکھیں اور اپنے اپنے علاقوں میں لے داوا کو ختم کرنے والوں کا کھونج لگا لیں۔ جتنی دیر ہوگی دوا کی بھڑاڑ ہے گی اور اس میں خود اُن کا قرار بھی صفر ہے۔ یوں وہ داوا اپنی دال میں کھاتی ہی ادائیں کر کے نکلے پانے ساتھ بھی سلوک ملے جتنی دیر ہوگی ثابت ہوگا کہ داوا بہت بے وقار نہت تھیراؤ سا لگتا تھا۔ پھر تو پانے کا ہر داوا ایسا ہی ہے ایسا ہی لے ماں۔ یہ اٹھا پڑی تو... گھٹا کے گھٹا کے مطابق پانڈے داوانے اُن سے ہٹا کر نہ تھا کہ یہاں حاضری سے کچھ نہیں ہوگا۔ اس طرح اگر وہ داوا اپنا تعلق بتانے دادر اس کے پڑے کے لوگوں پر کچھ تاثر قائم کرنا نہیں لپکا تو پانڈے وقت ضائع کر رہے ہیں۔ نئے داوا کچھ سے پہچاننے پانڈے میں اور شہر کے پاڈوں سے اُس کے ماسم پھیلے کسی ہوائے

زندگی سنوانے اور نکھانے والی کتابوں کے سلسلے کی ایک کڑی

شہر ہمارے نفسیات کی آرا پر مشتمل کتاب

احساس کمتری

اسباب = تدارک = علاج

ایسی کتاب کا مطالعہ آپ کو بتائے گا کہ

احساس کمتری سے کس طرح نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔
کامیاب زندگی گزارنے کے اصول کیا ہیں
کیا آپ واقعی احساس کمتری کے شکار ہیں یا صرف آپ کا خیال ہے۔
ہر سکتے ہر صورت اس کتاب کے مطالعہ سے ہی آپ کا یہ احساس ختم ہو جائے۔

اسلامی مشافہات
قیمت ۳۰۰ روپے
ڈاک خرچ
دوپے

مکتبہ نفسیات پوسٹ بکس ۹۳۲ کراچی

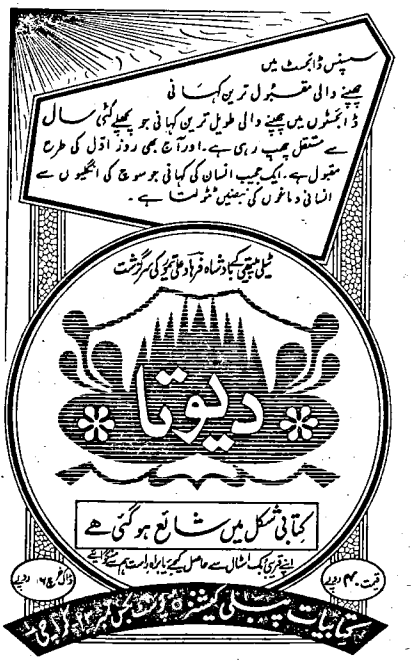
اور سفارش پرستی در پیش گئے۔ سب کوئی یقینی ہوئی تھی، ہم کہہ کر پائے
پریرہ و داد کے پیمانہ دکان اور اس کی جو کہی بیٹھنے والے نئے دادا
کی نظروں میں مشغوفی مقرر ہے۔ تو اس کا یہ طریقہ نہیں، یہاں بیٹھے
ہستے سے داد کے لیے اپنے دکھ کا اظہار ہے تو بے شک جو ہم کے نہیں
لیکن داد کا احسان کر کے۔

گرفتار ہو کر لے گئی ہے۔ سب کے سب کاروباری ہیں اور انڈیری کی کاروبار سے با واسطہ یا بلا واسطہ ان کاروبار پر ہے۔ میں پھل کے قریب درج سب کچھ سن لیا تھا۔ سکندر نے صفت الملاح وحی بھی تصدیق نہیں کی تھی لیکن اس کا اشارہ واضح تھا کہ پولیس کاروانڈیری کے علاقہ میں قریب نشیب نظر آیا ہے یا کوئی اور راستہ دیکھ کر پولیس بھی اترا ہی ہو تو نہ پڑ سکے کہ وہ یہ ہے کہ راجن کے سر پر ایک عورت کے خون کا الزام ڈالنے والے لوگ پید کر لیے بھی بہت تنگ دلی بہت بے رحم ہو سکتے ہیں۔ راجن کی دلیا جو بنا ہوا تھا۔ وہ سوسکا ہے حالات میں بند رہا جن میں نے اس طرف پولیس کی توجہ دلائی تو پھر سکندر گرفتار ہوئے والوں کے نام بتا دیے۔ ہمیں پانچ آٹے پندرہ بیس منٹ سے زیادہ نہیں ہوئے تھے کہ بڑے دروازے سے لمبی کھینک چھپکا انڈو خاں جوا اور دو زبان میں پڑ لوگوں کو کھینکا اٹھا ہوا چکر پر سہا بھا پھیل کے اس آبا اس کی حالت راسخ تھی کہ وہ کوئی ابھی خبر لے کے نہیں آیا ہے۔ "واوا! انجیل کے پرچہ وہ انگریز انگریز سانسوں سے بولا "اپن تھابے سے آتا ہے" اور دھوا میں ان کو تہہ لگا، ماری انڈر ہے۔"

اے میں کہوں موجود ہے اور پولیس نے جارجی کا باڑا اور گھر کو لے گئے
مے رکھا ہے۔ سہا ہی نے لمبی کوشش دیا کہ وہ جتنی جلدی ہو سکے
تے سے نکل جائے کیلین چھپ جائے اور جب تک کچھ واضح نہ ہو،
نہ نیکے کسی سنگین مقدمے ہی پر پولیس کی اتنی بڑی تعداد حرکت میں
نئی ہے۔ سہا ہی کی اطلاع کے یہ موجب ماری کو تھانے میں آئے
ٹے بھر سے زیادہ نہیں ہوا تھا۔ لمبی میں نہیں رکھا اور گیلوں گیلوں
لہا ساری پر کڑے سے بیٹھا کھائے آ گیا۔

[illegible]

مجھ سے دہاں بالکل نہیں بیٹھا جا رہا تھا۔ کم و بیش سبھی کا یہ حال تھا۔ جبر و شامو، مائی، چھیدا، دینا، سکندر، گلیا، سبھی کا، ان کے بچپن پر زنگ آئے تھے اور جا رہے تھے۔ سب بار بار فخل کو دیکھتے۔ فخل سر جھکائے تھے۔ گوگڑا آ رہا۔ شاید کسی کو بھی اس کی خاموشی ابھی نہیں لگ رہی ہوگی۔ گلتا تھا۔ وقت جیسے نکلا جا رہا ہے اور فخل نے دنیا کسی غفلت کا مرتکب ہو رہا ہے۔



جھکتے ہوئے کہا: رات ابن سب ساتھ میں باہر نکلا تھا۔
 "کیدر جاتا تھا۔ ایک دم محبت مانگ نکل جاتا، کچرا اسیلا کھٹا
 کتنا دس سے ایدری تھا" ابن بولا ابھی ہمت ہو گیا، کھولکے ٹھوڑا آدم
 کو بابا! نہیں جانا تھا۔ اپن کا گانی یا کرسالا ابھی دادا کا اسیا دادا بے
 تو کا سے کو خانی پٹی ایدر چوڑی ڈالے بیٹھا ہے۔ ابھی گلے مانگا ڈال کے
 تین چاکر ایدر ڈالے تو ابن بولے: ہاں دادا کا سگا دادا کا جانی ہے
 دفع ہو گیا۔ اپن کو بعد میں دھیان بھی آیا کھڑا جاسی ہو گیا
 پانڈے جو مہمن میں آیا کتنا باہر نکھلنے سے دخل نہیں دیا۔ وہ شاید سن بھی
 نہیں رہا تھا، معلوم ہوتا تھا جیسے وہاں موجود ہی نہ ہو۔
 ماری کا تھانے میں ہونا اتنی بڑی بات نہیں تھی مہمنی اس کے
 گھر اور قلابے کے پائے کے اطراف پولیس کی مرگشت لچھی کی اطلاع
 بہت اُدھوری تھی کچھ بھی ممکن تھا۔ ہو سکتا ہے رات اندھیری کی طرح
 پولیس نے اب قلابے کا رخ کیا ہو اور یہ محض معمول کی بات ہو۔ یا
 رات اندھیری سے گونڈا ہونے والے تاجروں نے قلابے کی طرف
 اشارہ کیا ہو۔ پولیس کی سرکار وائی دوسرے اتنی شدید نظر آتی ہے۔
 گورنمنٹ میں دن سے پولیس مختلف جگہوں پر پھیلے مانی رہی ہے جو
 ماری کیوں، ماری نے ایسا کچرہ کر کیا ہے، کہیں ماری پیٹ میں نہ
 گئی ہو، گولچھی نے اُسی کے پاسے میں بتایا تھا، ممکن ہے جارحی
 اور قلابے کے پائے کے دوسرے آدمی بھی تھانے میں موجود ہوں۔
 زور اور اور بے کولجیا بدیر داکھ آنا ہی تھا مگر ان کے آنے
 سے پہلے مختلف کامات کا ایک اندازہ لگالیا تھا۔ قلابے کے پاؤ
 پر ہونے والے کسی بھی واقعے سے ہم کے پائے کا رد عمل شرط تھا۔
 بجھل کی خاموشی اس کے اضطراب کی عمارت تھی، پیش بینی وہیں بندی کے
 اضطراب کی بیری نظریں بھی جانے کہاں کہاں جھپک رہی تھیں اوسکی
 ایک جگہ ٹھہری ہی نہ تھیں۔ رنگ کا تعلق بینائی سے نہیں ہے، نگاہیں
 بے نور آنکھوں کی بھی ہوتی ہیں اور ان کے لیے بڑے زائیلے اور
 فاصلے کی شرط نہیں اور اُرنے کی بھی۔ پانڈے اور اچھہ دیر کے لیے کون
 سے بیٹھا رہا تھا کہ چہرے میں ہونے لگا اور چھپتی آواز میں بجھل سے
 بولا: ابھی اپن ہی خود قلابے طرف کیوں نہ چلے دادا؟
 میں نے بھی بے اختیار اس کی تائید میں آواز اٹھائی میرے
 پیچھے سے کسی اور نے بھی بجھل سے سرٹھا کے تندرظوں سے پہلے بھی تھا
 پھر پانڈے دادا کو اور سپاٹ لچھی میں بولا: اُدھری کون گئے ہیں دادا!
 اپنے ہی آدمی ہیں!
 پانڈے دادا سرٹھا نہ گیا۔

بجھل کی کوئی خواہش نہ ہوگی، یقیناً اُس نے پانڈے اور اس
 کے گرد بیٹھے ہونے والوں کی رستیاں ڈھیل کرنے کے لیے جانے
 کا ذکر کیا تھا۔ پانڈے ہاتھ پر ہاتھ اتارنے لگا جیسے اُس سے کوئی بڑی
 فردا داشت ہوگئی ہو۔ سارے صاحب اٹھ رہی تھی اور بالو نامی
 پانڈے کا ایک آدمی منتظر بیٹھا تھا۔ پانڈے نے زور سے جھپٹے ہوئے
 اُسے جانے کا حکم دیا حالانکہ بالو پر ہی تھا۔ پھیدلے جانے کی پہل
 پہاٹی بجھل کے آگے کبھی تھی کہ ایک بیک سب کی نظریں دروازے
 کی طرف اٹھ گئیں۔ گرتے پاچاے اور دواسٹ میں بیٹوں ایک اچھہ
 آدمی دروازے پر گھٹا ہے کچھ پوچھ رہا تھا۔ دیمانہ قدر دیمانہ قدر
 توں بڑی دمگ وضع قطع سے وہ اپنی لگتا تھا، اصنی لوگوں کی آمد
 رفت جاری تھی اوسکی طرح کی روک ٹوک تیس تھی۔ جانے اُس نے
 کیا پوچھا تھا کہ گلیا کو جوت کرنی پڑی۔ اُسے ہاں دیک کے گیا پکنا ہوا
 چوکی کی طرف آیا اور بجھل کے پاس پہنچ کے بولا: دادا! وہ خیر کام
 لیتا ہے، بولتا ہے، اپن کو اس سے ضروری کام پڑا ہے۔
 "غلیر!" میں نے چوہک کے کہا۔
 "اپن بولا اپن کو بول دیو۔ گلیانے تیزی سے کہا: بڑہ...
 میں فوراً اٹھ گیا لیکن بجھل نے ہاتھ اٹھ کے مجھے منع کر دیا
 اور نورا کو تیرب آئے کا اشارہ کیا۔ وہ ہماری ہی طرف بھڑک رہا تھا۔
 "اپن کو اوپر کا دکھائی پڑتا ہے دادا! گلیانے نے بے لچھی میں کہا۔
 اوپر سے اُس کی مراد پولیس تھی۔ مجھے بھی ہی شک گزرا تھا۔
 اتنی ریمیں وہ تیردوں سے چلتا، فزٹ پر بیٹھے ہوئے لوگوں کو بڑو کرنا
 چوکی کے پاس آگیا اور جوتے اُٹار کے بجھل کے سامنے بیٹھ گیا، اس کے
 زبان کھولنے سے پہلے بجھل نے کدھتی سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟
 "اپن کو ظہیر صاحب سے ملنے۔" اُس نے دھیمے لچھی میں کہا۔
 "کام بلو؟"
 "اپن کو کھنی سے ملنے۔ وہ بھپکنا تے ہوئے بولا۔ اس کے بے
 میں عاجزانہ ادھر تھا۔
 میں بجھل کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ بجھل کوئی
 جواب دیتا، میں نے اُسے بتا دیا کہ میرا ظہیر ہے۔
 مجھے دیکھ کے اُس کی آنکھوں میں چمک سی اُٹا آئی، وہ کھک
 کے جھٹ میرے قریب آگیا اور مرگوشی میں بولا کہ مجھے اسے ڈی آئی
 صاحب سے بلایا ہے۔
 "اُسے ڈی آئی جی، میری آواز سٹ پٹا گئی۔
 "جی جناب! شکلا صاحب نے۔"

شکلا جی نے؟ میں نے حیرانی سے کہا۔
 "جی جناب! آپ کو اور بجھل صاحب کو۔
 میں نے بجھل کی طرف دیکھا اور اُسے بتا دیا جا بگر بجھل نے
 من لیا تھا۔ کہہ رہیں صاحب؟ اُس نے بھاری آواز میں پوچھا۔
 "اُدھری تھانے کی طرف۔
 بجھل نے بس ایک لمحے تامل کیا ہوگا کہ اٹھ کھڑا ہوا۔ پانڈے دادا
 اور چوکی پر موجود دوسری آدمی ہم ہمارے ساتھ کھڑے۔ بجھل نے انھیں بیٹھے
 رہنے کی ہدایت کی اور چوکی سے اُتر گیا۔
 "اچھی کھڑا دادا؟ پانڈے دادا وحشت بولا۔
 میں نے نہیں دیکھا، بجھل نے کیا اشارہ کیا تھا جو پانڈے دادا کا
 چہرہ تھا، ہر جھٹک گیا تھا۔ بجھل نے اُسے مزید استفسار کی مہلت نہیں دی
 اور بجھل نے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔
 نام کا تھا پانڈا اُسے سے خامی دور تھا، باہر منتظر کھڑے ہوئے پائے
 کے کسی آدمی مجھے اور بجھل کو دیکھ کے سیدھے ہو گئے، وہ ہمارے پاس آیا اسی
 چاہتے تھے کچرہ ہماری بے چاک آنکھوں سے اُنھوں نے جان لیا کہ بہت
 ہیں اُن کی توجہ کی ضرورت نہیں ہے یا میں جلدی ہے، اُن کی خندا نازی
 ناگوار خاطر ہوگی۔ دس چند قدم بڑھ کے کہہ گئے۔ گلی کے آخر میں داییں
 جانب مڑتے ہوئے یہی نظر پائے کی طرف گئی، میں نے ہاں پوچھ کر
 پوچھا، لچھی پھیدا، شکر، جو اور وارمان کے علاوہ بہت لوگوں کو کھڑے
 دیکھا۔ سب ہمارے پیچھے آئے کے لیے بے صبر تھے۔
 مرکز کے کنارے کھڑی ہوئی آنا جان کی موڑ میں ڈرٹو لوگ
 رہا تھا موڑ سے ہم جلدی پہنچ سکتے تھے۔ میں نے بجھل کو مشورہ دینا چاہا
 لیکن موڑ کے سنے پہنچنے کے باوجود وہ آگے جلتا رہا، میں بھی چپ رہا۔
 اس اعتبار کی تاویل سمجھ میں آتی تھی۔ بجھل کسی آواز کی کے لیے تائب
 کچھ وقت دکا تھا، لچھی کی اطلاع کے چند منٹ بعد شکلا کے سر کا سے
 کی آمد ایک ہی سلسلے کی موڑی معلوم ہوئی تھی۔ کوئی غیر معمولی بات ہی
 ہوگی جو شکلا نے اس طرز میں طلب کیا تھا اور بجھل کو بطور خاص۔
 سادہ پوش سے اس سلسلے میں کچھ شگن ل سکتی تھی لیکن بجھل نے اُسے
 کسی شکل میں نہیں ڈالا۔
 پائے پر آتے وقت دھوپ اتنی تیز نہیں تھی نہ مرکز پر ایسا
 جھم تھا جیسے مارا شہر اسی علاقے میں سٹ آیا ہو۔ پیدل چلنے والے
 بہر حال اپنا راستہ نکال لیتے ہیں۔ ہم کسی رکاوٹ کے بغیر تیز قدمی
 سے فاصلے طے کرتے رہے۔ ابھی ہم پائے سے کوئی میل بھر دور آئے
 ہوں گے کہ شکلا کا فرسادہ سادہ پوش پھلتے پھلتے چڑھا سا گیا اور اس

نے دونوں ہاتھ پھیلا دیے ہیں روک لیا۔ اُسی لمحے سامنے سے پولیس
 کی جیپ ہارن بجاتی ایک جھپکے سے ہمارے قریب ٹھہر گئی۔ اُس میں
 پولیس افسر اور سپاہی بیٹھے ہوئے تھے شکلا نظریں آگیا کرتے رکتے
 جیپ کچھ دھوکھٹتی چلی گئی۔ اسی ڈرامیوں نے انجن بند نہیں کیا تھا کہ
 ایک نوجوان افسر جھٹ لگانے کے انداز میں اُتر پڑا۔ دیمانہ کا فاصلہ
 اتنا نہیں تھا چند قدم بعد وہ ہمارے سامنے تھا۔ اُسے دیکھ کے سادہ
 پوش کا سچم تن گیا اور اس نے سپاہیانہ تن دی سے افسر کو سلام کیا۔
 نوجوان افسر نے سر کی خیفیت جنیش سے اُسے جواب دیا کسی قدر انکاری
 سے۔ اُس کی چھٹی چھٹی آنکھیں ہم چوڑی قین اُسے کچھ کہنے کی ضرورت
 نہیں پڑی۔ اُس نے چپکاتے ہوئے جیپ کی طرف اشارے کے لیے
 ہاتھ اٹھا یا یہی تھا کہ بجھل اُسی جانب پھل پڑا اور اس سے
 پہلے کہ ار دگر دھٹکتے راہ گیروں کی بیڑ لگتی، ہم جیپ کی پھلی نشست
 پر جا بیٹھے۔ ڈرامیور کو بہت بجھٹ معلوم ہوئی تھی۔ جیپ ٹھہرنے پر پائے
 کی طرف جانے والا راستہ سامنے آگیا۔ میں نے مانی جڑو نکلیا، اسی اُچھو اپنا پے
 کے کسی آدمی اُدھر اُدھر مرکز پر کھڑے دیکھے۔ ہمیں کچرہ خیزی نہیں ہوتی۔
 وہ ہمارے پیچھے آرہے تھے اور اتنی دور آگئے تھے کہ ہمارے اُن کے
 مابین گزروں کا فاصلہ نہ رہا تھا کچرہ جیسے جیپ کی رفتار تیز ہوتی
 گئی فاصلہ بڑھتا گیا تاں کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔
 ڈرامیور اور افسر کے علاوہ دو بندق بردار سپاہی بھی جیپ
 میں موجود تھے۔ ہم تیزوں کے اضافے سے ملگے کی گئی ہوگئی تھی۔ مرکزوں
 پر گرتے ٹھوکر دہرے سے کوئی بات کرنا یوں بھی ممکن نہ تھا۔ ممکن تہذیبی
 تو اب کچھ جاننے سے کیا حاصل تھا۔ ناہم کا تھا آجا چاہتا تھا۔ سب
 گونگے بیٹھے رہے۔ راستے میں نوجوان افسر نے کسی بار کھمک میں دیکھا
 جیسے ہم کہیں غائب تو نہیں ہو گئے۔ میں نے فٹ پیروی پر اس کی آنکھوں
 میں جھانک کر کوٹش کی تھی۔ اُن میں شہزادہ نہیں ہی تھی وحشت
 تھی اور سیرانی، اُس کا چہرہ ہنسا رہا تھا اور وہ کسی حد تک بدحواس بھی لگتا
 تھا۔ ہم سے اُس کا بڑا دعام پولیس والوں جیسا نہیں تھا۔ اس کی دہر
 شکلا سے تعلق کی رعایت تھی یا شہر کے سب سے بڑے دادا کا لحاظ مانے
 تھا یا کچھ اور؟ کوئی خاص ہدایت، کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ ہماری
 حیثیت کیا ہے ہمیں خود کو کیا جھٹنا چاہیے۔
 جیپ کی رفتار کم نہیں تھی۔ ڈرامیور بھی مسل ہارن بجا رہا تھا
 دوسرے لوگ پولیس کی موڑ دیکھ کے دیے ہی ایک طرف ہو جاتے
 ہیں دس بندہ منٹ کے قریب گزر گئے، لچھی نہیں ٹھہری مجھے سے ملنا
 کوئی مشکل ہو گیا۔ ہم باجم کے علاقے سے آگے نکل آئے تھے۔ میں نے

سچا، بھل سے کون اپنے پاس بیٹھے ہوئے سپاہی کو لوگوں کہ وہ ہمیں کہاں لیے جا رہے ہیں لیکن کہیں بھی کوئی بھی منزل ہو جائے لیے اس سے کیا فرق پڑے۔ میں نے اپنی زبان بند کر دی تھیں بھل نے بڑی سلگائی تھی اور لوہے کے ڈنڈے سے ایک لگانے دائیں طرف کے بھاگتے منظر دیکھنے میں گم تھا یا اپنے آپ میں۔

وہ قلابے کا تھا تھا، جیسا کہ بھی کہہ رہا تھا چار دیواری کے اطراف بڑی تعداد میں سپاہی گشت کر رہے تھے۔ اندر بھی سپاہیوں کی تعداد کم نہیں تھی۔ اسنے لوگوں کی موجودگی کا پتہ دھانے پر سنا سا چھاپا ہوا تھا جب سامنے کے حصے کے بجائے کونے پر ایک گول کرے کے سامنے رگڑ گئی۔ اگلی نشست پر پولیس افسر تیری سے پیچھے اڑا میں بھی اس کے ساتھ اٹھ گیا تھا لیکن بھل کو جسے وہ حرکت دیکھ کے ٹھہر گیا۔ پولیس افسر جب کہ پیچھے پیچھے ہماری طرف نہیں آیا اور اس نے ہم سے اترنے کے لیے نہیں کہا ہم بیٹھے تھے۔ کمرے سے ملحق دالان جیسے ایک مختصر تھے میں پولیس افسر نے میں کو بندوق پر بیٹھنے کی ہدایت کی اور وہ دی دست کرتا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا۔ دو دنوں ہنڈن بردار سپاہی باہر دگئے، سادہ پوش بھی۔

پولیس افسر کو گئے چند ہی لمحوں سے کمرے کے اندر سے ایک ایک ٹکڑا نمودار ہوا۔ اس کی آنکھیں مل سی رہی تھیں۔ ہم دونوں کھڑے ہو گئے۔ آدمی کی نگاہ پہلے مانوس چوڑوں پر جاتی ہے اس کی نظر پہلے بھی پڑی۔ وہ بے تحاشا میری طرف بڑھا اور میرا شانہ بکڑے کے لولاؤ آؤ، آؤ، آؤ، آؤ، آؤ، آؤ، میری نگاہ بے ارادہ بھل کی طرف گئی، بھلا کو کب ہم بھل کی موجودگی کا احساس ہوا اور اس نے بھل کے سلام کا جواب جلدی جلدی سر ہلاتے ہوئے دیا۔ "آؤ دادا بھل، بھل کی کمر پر ہاتھ دھکے اس نے اسے بھی اندر چلنے کی تلقین کی۔ اس کی سہیلی حالت سے ظاہر ہوتا تھا کہ اسے ہمارا اشتد سے انتظار تھا۔ اس کے اضطراب و انتشار کے باوجود مجھے اپنا جسم کھلتا ہوا محسوس ہوا جیسے کوئی دیرپہ دامن ہو گا جو۔ بھلا کے ریلے میں معاندت نہیں تھی مگر جرات بھی تھی، بھلا کے ہاں ہمارے لیے معاندت تو ویسے بھی محال تھی وہ اس اور بالوں ہی جو رکھتا تھا۔ ہمارے لیے وہ پولیس والا بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ کمرے میں کوئی اور اشرافان بھی جمع تھے۔ سب کو بندوقوں سے اٹھ گئے۔

ان کی تپش نگاہیں ہم دونوں کو حصار میں لیے ہوئے تھیں مگر وہ لوگ زیادہ دیر کمرے میں نہیں ٹھہرے، بھلا نے زبان سے کہہ نہیں کہا مگر ان کی اشارہ کیا ہو گا، سب کمرے سے نکل گئے کسی دل کی حرکت جیسے مذہم ہو گئی تھی۔ ہم کمرے پر بیٹھ گئے، بھلا ہم سے بہت قریب میز کے کنارے

پر بیٹھا ہوا اور کسی تائیر کے بغیر اس نے بھل سے پوچھا۔ آپ لوگوں کو کچھ پتہ چلا؟

"کائے کا صاحب؟" بھل نے تھی ہوئی آواز میں کہا۔

"ماری کا؟"

"اپنے کو پتہ لگا ہے ماری ادھر ہی تھانے میں نہیں ہے۔"

"صرف اتنا؟ اتنا ہی؟"

"کیا بات ہے صاحب؟ بھل نے تندی سے پوچھا۔

بھلا نے ہنگامی بھری اور بھل کو گھومتے ہوئے بولا۔ ماری تم کو کب سے نہیں ملی داوا؟

"دادا کے پڑے میں برسوں اس کی صوت دیکھی تھی، ایک بار کوس۔ بھل نے جو بڑھو کے کہا۔ اپنا اس سے زیادہ مانا نہیں ہے صاحب، پر دادا کا کہت تھا۔ لوگ بولتے ہیں دادا نے اس کے جنازی نہیں تھا۔ کٹا پٹ کا مانی کا سارا دادا نے بنایا تھا اس کو گھومتے سے اٹھا کے گھر میں رانی بنا کے بٹھایا تھا اس نے۔"

"اور کچھ.....؟" بھلا نے تابی سے بولا۔

"قلابے کے دادا جارحی کے ہاتھ میں داوانے ہی اس کا ہاتھ دیا تھا، پر صاف صاف بولا تھا، کیسے صاب؟"

"تم ماری کو کب سے جانتے ہو؟"

"زیادہ مانا ہے نہیں۔ میں پچیس دن سے اور نہیں ہونے بھل نے ٹھہرے ہوئے لیے میں کہا۔ بعد کو بھی ہم نے وہاں سے نیا اس کو نہیں بچھا۔"

"لیکن لیکن ماری تو تم کو خوب جانتی ہے؟"

"ہم کو؟" بھل کی آواز اونچی ہو گئی۔ اپنے کو نہیں پتہ کیے دادا نے بولا ہو گا۔ ہر جگہ اپنے لیے ایسی ایسی اشیاء پیدا ہوا تھا۔

"تم فہم؟ تم کہتے آئے جانتے ہو؟"

"یہی جو بھل بھائی بتا رہے ہیں؟ میری زبان لکت کرنے لگی۔ مگر آپ..... آپ کیا ماری نے کہیں ہمارا نام لیا ہے؟"

"ہاں ا!" وہ کھڑے ہوئے لیے میں بولا۔

"ماری یہاں کس جرم میں آئی ہے؟"

"قتل کے؟" بھلا نے ہر جگہ کے کہا۔

"میری سانس سینے میں اکٹری گئی۔ ماری نے قتل کیا ہے؟"

"کس کا؟" میں نے بھل کی طرف دیکھا وہ بھی ساکت بیٹھا تھا۔

"اس نے اپنے شوہر کا خون کر دیا ہے۔"

"اپنے شوہر جارحی کا؟"

بھلا نے ہونٹ بھیج لیے اور اضطرابی انداز میں اپنی نی رگڑنے لگا۔

"کب؟" میری آواز ٹھہر گئی تھی جارحی تورات سنا ہے

"ہم پاڑے میں تھا، ہم کب پاڑے میں؟"

"ماری نے اسے سویرے قتل کر دیا۔"

"کیوں؟ مگر ماری کیوں؟ نہیں نہیں جو کہتا ہے کسی اور

ہائے..... ماری تو ایک عورت ایک اچھی عورت....."

"ماری نے یہاں آکے خود کہا ہے؟"

"ماری نے اقبال کیا ہے؟"

"ہاں اسی نے؟"

میرا جسم من ہو گیا بھل بھی کہہ نہیں بولا۔ ہم دونوں اس کا روکتے تھے۔

"ماری نے آکر قتل بھی پولیس کو پیش کر دیا ہے، ایک منجر۔"

"بھلا نے دھبی آواز میں کہا۔"

"مگر کیوں؟ ماری نے اس کا کچھ سبب بھی بتایا؟"

"تمہارے خیال میں اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟"

"میں نہیں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"بھل دادا! آپ بولو؟"

بھل مراٹھا کے رہ گیا۔ کمرے میں خاموشی چھا چلی رہی۔

نامی دیر بعد بھل نے زبان کھولی، اُدھر اکیلا جارحی تھا صاحب؟

"یہ تم نے کیوں پوچھا دادا؟" بھلا کی آواز طرخ رہی تھی۔

"ایسے ہی..... بھل نے مزہ بنا کے کہا۔"

"تم دو کسے کو جانتے ہو دادا؟"

"نہیں، پر جارحی اکیلا نہیں ہونا چاہیے۔ اکیلا ہونا تو ہوتا

دن ابھی اوپر جانے ماری راتے دن کی جھپک اس کو اور نے دیتی؟"

"تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"اپنا کتنا سنا بعد میں رکھنا، نام پڑا ہے اور ہم ادھر ہیں۔"

آپ اپنی بولو صاحب، اور ایک بات اچھی طرح جان لو آپ کو ہم دوسری والی انیس سمجھتے آپ فردی والی بولو گے تو ہم سے ٹھیک۔"

"نہیں دادا؟" بھلا نے ہاتھ اٹھا کے تیری سے کہا۔ "ایسا

مٹ کو نہ ہو، مگر موت بھنا میں کچھ پوچھنا، کچھ جاننا چاہتا ہوں۔"

مجھے کھل کے بتاؤ کچھ مت چھپاؤ۔"

"چھپانے کا اپنے پاس کچھ نہیں ہے۔ بھل نے تم سے کہا۔"

"اور آپ کیا چھپائیں گے؟ پھر ایک حکم پر نہیں آجاتے؟"

"مجھے اندازہ ہے۔"

"ہم کو بھی سب آپ کی زبان سے پتہ چلا ہے۔"

"وہاں ایک اور بھی تھا؟ بھلا نے بتایا۔ جارحی کا رشتے دار"

وکی نام کا، گواہیں دینے والا غنڈا..... اس کی شناخت ہو گئی ہے۔"

"تم سے جانتے ہو؟"

"نہیں صاحب! ماری سے اس کا نام سنا تھا، دیکھا نہیں

پر وہی جو کہتا ہے۔"

"وی کیوں؟"

"یہ ماری نے آپ کو بول دیا ہو گا۔" بھل نے لیے میں بولا۔

"وہ جارحی اور وی..... میں نے سٹ پٹائی آواز میں

کہا۔ جارحی کی طرف بھی میرا دھیان گیا تھا لیکن وہ تو مسلسل دوا کے پاس اس کے پاڑے پر، وہ تو بالکل ہی....."

"اسے ان دنوں ادھر ہی رہنا چاہیے تھا۔"

"مگر ماری کو ماری کو یہ کیسے معلوم ہوا؟"

"وہ بولتی ہے، اسے پتہ تھا۔"

"پتہ تھا، جانتی تھی وہ؟" میری آواز حلق میں چھنس گئی۔

"نہیں، بولتی ہے، یقین تھا اسے۔"

"یقین غلط بھی..... میں کتنے کتنے ڈک گیا۔ مجھے احساس

ہوا کہ میں کیسی بچوں جیسی باتیں کر رہا ہوں۔ پولیس نے ماری سے اس کے یقین کے ثبوت ضرور چاہے ہوں گے کوئی عورت اپنے شوہر کو یوں قتل کر سکتی ہے؟ میری رگوں میں خون سن سنا رہا تھا اور لگ رہا تھا جیسے یہ سب جھوٹ ہے۔"

بھلا میرے اٹھ کے ہمارے مقابل کرسی پر بیٹھ گیا اور وال

سے ماتھے کا پسینہ خشک کرتے ہوئے آہستہ سے بولا۔ دادا! باری تم سے ملنا چاہتی ہے؟"

"اپنے سے؟ بھل نے چونک کے کہا۔"

"اس نے تھانے آتے ہی تم کو بلانے کو کہا تھا وہ تم سے کچھ

کہنا چاہتی ہے تم سے بھی اور اور راجا سے بھی؟ تم پر نظر کیا جاتا ہے ہوئے بھلا دیکھ لے میں بولا۔ وہ دھیرے سے ملنا چاہتی ہے؟"

"اب کیا چاہتی ہے وہ؟" میں نے تڑپ سے کہا۔

"پولیس نے جاننے کی کوشش کی تھی مگر ماری نے انکار

کر دیا، لولی کو اسے کچھ اپنے لیے بات کرنا ہے اور صرف تم سے۔"

کسی کو اس نے نہیں ملایا۔ نہ میں نے کچھ کہا نہ بھل نے۔ بھلا

211

بہت تھک چکی ہے، اس کا سب سے پہلے وہ کہیں ڈور چلی جائے، اُسے
 باہر کی بھی ایسی پروا نہیں، وہ صرف اپنے بچوں کے لیے خود کو وقف
 کر دینا چاہتی ہے تاکہ اُن پر اُن باپ کی چھوٹ نہ پڑنے پائے پڑ
 نے ہاں بھری بھی کہ ماری کو بھی وہ قلابے سے اپنے ساتھ لے جائے
 گا مگر یہ سب کچھ اُن کے دلے وقت پر منحصر ہے کہ وہ کتنی جلد بائے
 سے نجات پاتا ہے۔ یہ کہنا دشمنی اتنی آسان نہیں تھی ماری کا طرز
 پر یہ روئے وعدہ کیا تھا کہ وہ مجھے اور بچوں کو لے کے اُس کے گھر آئے
 گا اور اُس کے ہاتھ کی جھنجھٹی ہوئی پھلی اور تلے ہوئے جھینگے کھائے گا۔
 یہ بچوں پر دیکھتے ہوئے بھاری بزم خود گنتی کے اُن چند
 لوگوں میں تھی جو یہ دیکھ گھر اُس کی بیوی اور بیٹی کے بائے میں کچھ
 جانتے تھے حالانکہ وہ بیرو سے اتنے تعلق خاطر کے باوجود اُس کے
 گھر بھی نہیں جاسکتی تھی۔

ماری مسلسل اور بے تہی تھیل کر سے نکل گیا۔ اُس کے
 پیچھے پیچھے شکلا اور میں بھی ماری کی سسکیاں ہمیں دُور تک
 سنائی دیتی رہیں۔

کمرے میں کئی افراد موجود تھے اور شور گونج رہا تھا۔ شکلا
 کو دیکھ کے سب کھڑے ہو گئے اور سناں جھانک گیا۔ ہیٹ میز پر شوخ
 کے شکلا درمیان کی کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ اُس کی ہدایت پر وہ سب
 کمرے سے چلے گئے تھے لیکن شکلا دیر تک ہماری موجودی سے اور
 اپنے آپ سے بھی بے خبر سا بیٹھا رہا۔ تھیل نے بھی زبان نہیں کھولی
 بڑی ہونچا کر رہا۔ اردلی جانے کی ٹرے لے کے آیا تو شکلا کو کچھ
 ہوش آیا اور کرسی پر اُس کا بھرا ہوا جسم سٹ گیا۔ اردلی نے چائے
 بنانے کے لیے اُس سے اجازت طلب کی تھی۔ شکلا نے جھڑکنے کے
 الفاظ میں اُسے منع کر دیا اور خود اپنے ہاتھ سے پیالوں میں چائے
 اڈیلنے لگا۔ میں نے چاہا کہ اُس کے ہاتھ سے چائے نہ دانی لے لوں
 لیکن میں سوچتا ہی رہ گیا۔ میرے ہاتھ پاؤں اکڑے ہوئے تھے میں
 انکار بھی نہ کر سکا کہ مجھے جانے کی کوئی خواہش نہیں ہے اُس نے
 پیالی میرے آگے رکھی تو میں نے کسی معمول کی طرح تھیل کی شکلا
 نے چند گھونٹوں میں چائے ختم کر لی تھی۔ کوشش کی طرح اُس
 کے چہرے سے بھی کسی تاثر کا اندازہ لگانا اتنا آسان نہیں تھا لیکن
 برصرت جیسے اُس کے اختیار میں کچھ نہیں تھا۔ آدمی بہت سمنہ
 ہے برصرت ہے نہیں۔ سمنہ کا پالہ بھی کبھی تنگ نہ پڑتا ہے۔ شکلا
 کی آنکھوں میں دھند سی بھری تھی۔ چہرہ بھی جل سا رہا تھا۔

بھر دفعہ جیسے اُسے کچھ یاد آ گیا۔ اُس نے گھنٹی بجائی اور
 کے آتے پر شکلا نے نام بہ نام کئی افراد کو طلب کیا۔ وہ باہر
 ہی کھڑے تھے۔ اور ہر آدمی کو، اور وہ کمرے میں داخل ہوا
 یہ وہی افراد تھے جنہیں کچھ دیر پہلے شکلا نے کمرے سے باہر
 کا حکم دیا تھا۔ اُس نے اُن سے کرسیوں پر بیٹھ جانے کو بھی نہیں
 اور منتظر رہیے میں ماری کے بائے میں پوچھا کہ کوئی مادہ دہرا
 جو تو اُسے مطلع کیا جائے۔ ایک پختہ کار افسر نے، جسے شکلا نے
 کے نام سے مخاطب کیا تھا، ایک قدم آگے آگے ٹھہری تھی کہ
 میں بتاؤں کہ ماری کے گھر سے مزید کوئی قابل ذکر چیز برآمد نہیں
 مکان کے ارد گرد سے پولیس کا پھر اہٹا لیا گیا ہے تاہم جہز
 پرنٹل نفری مکان پر تعینات ہے۔ پائل کے پلوں میں کچھ
 ایک دوسرے افسر نے درمیان میں دخل دیا اور خود ہانسیے دے
 کہ پولیس نے گھر کے اندر تمام کارروائی مکمل کر لی ہے۔ جس کے
 خون ہوا تھا، اُس کا سارا فرش تھڑا تھا۔ پولیس نے فرش
 کو دیا ہے۔ گھر کی الماری کا تالا توڑنے پر پرنے طرزی ایک بند
 نکلی ہے، وہ استعمال کے قابل ہے لیکن اُسے استعمال نہیں کیا
 صندوق اور چنان پر پڑے کاٹھ کا ڈک ٹلائی کے دوران
 قسم کے چند چاقو بھی برآمد ہوئے ہیں اور کارٹوس کے ڈبے
 اس کے علاوہ ایک شیشا، ایک بیورو، بارونیم اور شراب کی بوتل
 دیسی ولایتی دونوں قسم کی۔ گنڈرات اور دات والے کپے
 یقیناً شراب پی گئی تھی اور صرف وہی آدمی شریک تھے کہ
 خالی بوتل کے ساتھ دو گلاس پائے گئے ہیں۔ سائے گھر میں
 پیسے اور زیورات وغیرہ جیسی کوئی چیز پولیس کو نظر نہیں آئی
 تمام چیزیں سلیپ سے رکھی ہوئی تھیں کسی جگہ نہ ترقی کے
 نہیں تھے اور گھر میں ضرورت کی تقریباً ہر چیز موجود تھی۔ سناں
 اہل خانہ کی نفاست، حسن ذوق اور نغز۔ خند کا اندازہ کیا کہ
 پولیس فزیز مزید مزید میں سے مخاطب تھا درمیان میں
 کیس ہندوستانی بھی اُس کی زبان پر آجاتی جانے کیوں باہر
 کی نظر مجھ پر اور تھیل پر مڑنا لگی تھی اور اُس کی آواز دھیمی پڑا
 اُس کے بیان کے مطابق ماری از خود پولیس اسٹیشن آئی تھی
 کہہ رہا تھا، واردات کے وقت سے پولیس اسٹیشن آنے تک کی
 کے دوران ماری گھر میں کہا کرتی رہی تھی حتمی طور پر کچھ نہیں کہا
 تاہم ایسا لگتا ہے کہ ماری نے خاصی دیر گھر ہی میں لگائی۔ اُس
 دپے پیسے زیورات وغیرہ کا کوئی انتظام کیا یا کچھ اور۔ ممکن ہے

اسٹیشن آنے اور اعتراف کرنے کا فیصلہ کرنے میں اُسے کچھ دیر لگی ہو۔
 خیر باری کی آنکھوں کے نشانات ہیں کسی پڑوسی نے غور غل کی
 آواز نہیں سنی۔ تکیا ہے کہ اول صبح جب باہر اور دکی سو
 رہے تھے کمرے بند کر کے ماری نے اُنہیں غم کیا۔ دونوں گہری
 نیند اور گہرے نلے میں تھے۔ غلے کے لوگوں کے بیانات سے ظاہر
 ہوتا ہے کہ پڑوسی باہر کی گھر سے دُور رہتے ہی میں عاقبت
 سمجھتے تھے گنتی کے چند پڑوسیوں کے سوا اُس کے گھر کسی کا آنا
 جانا نہیں تھا۔ باہر کی گھر سے وہ ماری سے بھی کچھ دیکھ رہے
 تھے حالانکہ اُن کی نظروں میں ماری کو ایک خوش وضع دردمند
 اور مظلوم خاتون کا درجہ حاصل ہے۔ ماری کے بچے بہت سے
 پڑوسیوں نے نہیں دیکھے کسی کے پوچھنے پر ماری نے بتایا تھا کہ اُس
 نے دونوں بچوں کو اپنے ایک عزیز کے ہاں پناہ دیا ہے۔ بوجہ
 مکان میں ماری اور باہر کی گھر سے ہونے چند سال سے زیادہ
 نہیں ہوئے۔ اس سے پہلے وہ قلابے کے گنجان آباد عیسائی پاؤ
 میں رہتے تھے وہی کے بائے میں بھی غلے والوں کو کچھ علم نہیں
 بس اتنا ہی کہ وہ کبھی کبھی اُسے باہر کی گھر آتے جاتے دیکھتے
 اور گواہی مہتمم باہر کی کے ایک شے دار کی حیثیت سے جانتے تھے۔
 جس وقت غلے والوں سے پوچھ گچھ کی جاتی تھی اُنہیں باہر کی
 گھر میں ہونے والے کسی حادثے کا علم نہیں تھا۔ پولیس کو اپنے غلط
 میں باہر کی کے گھر پر دیکھ کے وہ پریشان ہوئے تھے لیکن صرف
 باہر کی کا گھر پولیس کا مرکز و محور تھا اس لیے اُن کی تشریف دہنت
 میں نہیں بدلی۔ اُن کے خیال میں باہر کی کے ہاں کسی وقت بھی
 پولیس نہ سکتی تھی۔ انھوں نے صبح صرف ماری کو دیکھا جب
 وہ تھانے جانے کے لیے گھر سے نکلی۔ کسی کو اُس کی رفتار سے کوئی
 شب نہیں ہوا۔ اُس نے کسی پڑوسیوں کے سلام کا جواب خود پشانی
 سے دیا وہ انھیں معمول کے مطابق پرسکون اور خاموش نظر آئی۔
 ان کے کچھ اور کہنا چاہتا تھا مگر شکلا نے اُسے روک دیا اور
 ایک تیرے اس کی جانب اٹھکی اٹھائی جو اپنے ساتھی کی خاموشی
 کا منتظر تھا۔ شکلا کو اُس سے کوئی سوال کرنے کی ضرورت نہیں
 پڑی۔ وسط طعنے اُس افسر نے بتا کر ڈاکٹروں کی ابتدائی رپورٹ
 کے مطابق وہی کے بائیں بازو پر چاقو کا ایک گہرا زخم لگا ہوا ہے۔
 ڈاکٹروں کی رائے میں یہ زخم تازہ نہیں کسی دن پہلے کا ہے دونوں
 مقتولین کو ایک ہی خنجر سے ختم کیا گیا ہے، ایک ہی لمحے میں اور ایک
 وار پر اکٹھا نہیں کیا گیا پائے دپے کئی وار کے لیے کہ دونوں کو سمجھنے

کا موقع نہیں ملا اور انھوں نے کم و بیش ایک ہی وقت آخری سانس
 لیں۔ ان کے پٹے شکلا کو بتا کر ڈاکٹروں کی سختی رپورٹ کا انتظار ہے
 اور بظاہر کسی جھجکی کا امکان نہیں ہے۔

شکلا کے استفسار پر پختہ کار افسر نے بتا کر قلابے کے پاؤ
 سے باہر کی کسی ساتھی حراست میں لے لیے گئے ہیں لیکن باقاعدہ
 تفتیش ابھی شروع نہیں کی گئی ہے۔ شکلا نے اُس سے کہا کہ ماری
 نامی گواہ کے ایک نوجوان دادا کے بائے میں معلومات حاصل کی ہیں
 ہو سکتا ہے وہ گواہ کی طرف نکل گیا ہو اور اگر شہد تین دنوں کے
 چھاپوں میں گرفتار ہو گیا ہو وہ کہیں بھی نظر آئے، اُسے حراست میں
 لے لیا جائے۔ اگر وہ پہلے سے پولیس کی تحویل میں ہے تو اُسے قلابے
 کے تھلے میں منتقل کر دیا جائے۔

یہ کون ہے جناب؟ پائل نے میری سے پوچھا کیا یہ بھی؟
 "نہیں۔" شکلا نے تندی سے کہا "احتیاطاً کوئی حرج نہیں
 ہے۔" پھر شکلا نے خود ہی تردید کی۔ "یہ شخص بھی ایک کڑی ہے پائل
 اور پولیس کو شدت سے مطلوب ہونی چاہیے۔ فی الحال ثانی سمجھو
 تینوں افسر دروازہ عبور کیا جاتے تھے کہ شکلا کی آواز پر ٹھہر
 گئے۔ شکلا نے پائل کو مخاطب کر کے ماری کا خیال رکھنے کی ہدایت
 کی اور کہا کہ اُسے کسی دوسرے روشن اور ہوا دار کمرے میں منتقل کر
 دیا جائے نیز ماری سے متعلق عدالت میں داخل کیے جانے والے تمام
 کاغذات پہلے شکلا کے سامنے پیش کیے جائیں۔

تینوں افسروں کے چہرے کھنکھن گئے تھے تاہم انھوں نے
 مستعدی سے سر ہلایا اور کمرے سے نکل گئے۔

گلے گزر گئے۔ اُن کے جانے کے بعد شکلا ساکت بیٹھا رہا
 میری نظریں اُس پر جمی ہوئی تھیں خاصی دیر ہوئی تو تھیل نے
 آواز میں کہا "ابھی چنی کرو صاحب۔"

"ہاں ہاں۔" شکلا سٹٹا سا گیا "ٹھیک ہے۔" وہ کھوٹے
 کھوٹے لہجے میں بولا "آپ لوگ کو اب جانا چاہیے۔"

"لوگو تو بچہ آجائیں گے، نہیں تو آدمی بھیج دینا۔"

شکلا نے جواب نہیں دیا کچھ سہج رہا، تھیل اٹھنے لگا
 شکلا اضطاری لہجے میں بولا "ایک منٹ بیٹھ دو دادا؟"

تھیل کرسی پر دوبارہ بیٹھ گیا۔

"دادا! وہ کہتی ہے اُسے یقین تھا کہ پیر کو ختم کرنے والا
 وہی دو تھے۔ یہ غول اُس کے یقین کا ثبوت ہیں لیکن دادا! اُ
 کا یقین غلط بھی ہو سکتا ہے۔"

”پر آپ کیا کر لو گے؟“
 ”کچھ نہیں، کچھ نہیں۔“ شکل تیزی سے بولا، ”لیکن دادا کے قاتل چہرہ جالتے ہیں اور پولیس کا کام ختم نہیں ہوا، سمجھو دادا!“
 ”پولیس کا کام تو کبھی ختم نہیں ہوتا،“ بھلنے سے پاٹ لہجے میں کہا، ”پھر آپ لوگ کیا ہو گاہے؟“
 ”جوڑھا، یہی بھی ٹھیک بولتے ہو دادا!“
 ”تھوڑا دھیان دیں تو ایک بات پولیس صاحب؟ بھلنے سے ایک نکلنے کے وقت کے بعد کہا۔“
 ”کیا، کیا بات ہے دادا؟“
 ”جو سکتے تو آپ اندھیری کے راجن دادا کو چھوڑ دو۔“
 ”مجھے بھی حیرت ہوئی،“ شکل بھی چونک پڑا، ”راجن کون؟“
 ”اندھیری میں شیلانا نام کی جس عورت کے خون میں اس کو اندر رکھا گیا ہے۔“
 ”ہاں ہاں لیکن اس کا اس معاملے سے کیا تعلق ہے؟“
 ”سمجھیں تو بہت نکل سکتا ہے۔“
 ”کیا مطلب! صاف صاف بولو دادا!“
 ”سب صاف ہے صاحب! ابھی پولیس نے اس کا کھوج کب لگایا ہے۔“
 ”ہاں نہیں لگا سکی ہے لیکن پولیس نے اندھیری کے علاقے سے اور گرفتاریاں کی ہیں۔ وہ کچھ کم لکھا ہوا معاملہ نہیں ہے مگر مگر۔۔۔“ شکل پھری ہوئی آواز میں بولا، ”تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“
 ”ختم ہونے سے پہلے پرو دادا میں چار دنوں سے اُدھر اندھیری میں تھا، اندھیری کا پارانا ہم کے پاڑے سے بٹھا ہوا ہے۔ دادا کو پتہ لگے، پرو اندھیر جاتا تھا۔ آپ شاید جانتے ہیں، پاڑوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔“
 ”اگے بولو دادا!“
 ”دادا نے اُدھر پہنچ کے ساری گھوم پھری، چھان بھکی کی سختی اور تھانے جاکے بولا تھا، راجن بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ راجن کوئی زخمی یا لڑائی نہیں ہے جو ایک عورت پر ہاتھ اٹھائے جس نام راجن کی رکھیل کا خون ہوا، راجن اس کے پاس نہیں تھا۔“
 ”مجھے یہ کیس کی حد تک معلوم ہے۔ معلوم ہی نہیں، یہی چیز بھی کیس کی چھان بین کے دوران ہوا، تم ٹھیک کہتے ہو پرو دادا میں چار دنوں سے اندھیری میں تھا اور اس نے راجن کو بے گناہ قرار دینے کی بہت کوشش کی تھی۔ وہ بار بار پولیس سے یہی کہہ رہا تھا۔“

”اُس نے چند ایسے لوگوں کے نام بھوت کے طور پر بتائے جنہوں نے راجن کو اس رات اس کے گھر سے باہر دیکھا تھا۔“
 ”اُس رات راجن اپنی رکھیل کے ساتھ گھر ہی تھا صاحب!“
 ”شکل کو یہی پر سیدھا ہو گیا۔“
 ”پر کوئی حرام کا۔۔۔ اُدھر دہائی دیتا ہوا آیا اور راجن کے پرانے اسامی کسی سیٹھ سا ہو کر کام لے کے بولا، اُس کے ہاں چکر ہو گیا ہے اور پولیس آئی پڑی ہے۔ راجن اُٹا ہو گیا۔“
 ”رکھیل سے بول کے باہر نکلا، اُدھر سیٹھ کے ٹھکانے پہنچا تو کچھ بھی نہیں تھا۔ لوٹ کے رکھیل کے پاس آیا تو وہ ٹھنڈی پڑ چکی تھی۔“
 ”راجن ہی کہاں سنا تھا ہے۔“ شکل نے برہمی سے کہا، ”سیٹھ کے آدمی بھی یہی کہتے ہیں کہ اُس رات راجن گھبرا ہوا سیٹھ کے گھر آ گیا تھا، وہاں سنا دیکھ کے گالیاں بکتا لوٹ گیا۔ پولیس کو اس کا بیانیہ پریقین نہیں ہے۔ اسی پنج اُس عورت کا قتل ہوا۔ سیٹھ کے ہاں ہنگامے کی خبر سن کر گھر سے نکلے اُدھر واپس آنے کا عرصہ اتنا کم ہے کہ کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ ایک بالکل اجنبی آدمی کے آنے پر راجن پھر کچھ سوچے، بغیر گھر سے نکل جاتا ہے۔ آدمی سے کچھ پوچھتا پوچھتا اور درک کے ساتھ چلنے کو نہیں کہتا۔ بہر حال پولیس نے عدالت میں یہ کیس پیش کر دیا ہے۔ راجن چھوٹ بھی سکتا ہے، سزا بھی پاسکتا ہے۔“
 ”پر وہ راجن نہیں تھا۔“
 ”یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟“ سکنا بنا دیا۔“
 ”راجن کو تم نہیں جانتے پرو، پاڑے کا دادا ہے، اندھیری کے پاڑے کی لذی کا دادا۔ ایسے ہی کوئی پاڑے کی گدڑی پر نہیں بیٹھ جاتا۔ پرو دادا نے تم کو اس کے بارے میں سارا بولا تھا۔ دادا ہم سے جھوٹ نہیں بول سکتا اور شاید تم آپ سے۔ آپ عدالت بھی نہیں جو جو ہم کو کانٹے پر رکھ کے زبان کھڑی پڑے۔ راجن اپنی رکھیل کو جیوی کی طرح رکھتا تھا۔ اُس کو ختم کرنے کے لیے راجن کے پاس آدمی لوگوں کی کمی نہیں تھی۔ راجن کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو راجن کے گھر میں نہیں رک سکتا تھا۔ وہ اس آدمی کو نہیں جانتا تھا۔ یہ جانتے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ کوئی بھی آدمی اُسے خبر دینا نہ سکتا تھا۔ اُس کو روکے اور اگے پیچھے کا جان کے گھر سے نکلنے والا کوئی اور ہوتا صاحب! پاڑے کا دادا اندھیری ہوتا۔ دادا اپنے دل پیٹھ پر کوئی گھر میں چھپ کے نہیں بیٹھ جاتا۔ زیادہ دُری نہیں تھی اور آدمی نے نام ایسے سیٹھ کا بولا تھا کہ راجن کو گھوم جاتا تھا، اپنی رکھیل

سے بول کے وہ گھر سے نکلا اور جلدی لوٹ آیا۔ آیا تو سارا بگڑا ہوا تھا۔ راجن کو کچھ کیا کرنا تھا صاحب؟“
 ”شکل بھل کی صورت دیکھتا رہا اور کسمائی آواز میں بولا۔“
 ”راجن کو پاس پڑوس کو جگا جاپیے تھا۔“
 ”بھل نے اُس سے کہا کہ شوری کے راجن تماشنا بنا، دادا لوگوں کو شہادت میں شامل کرنے کی کوشش کرنا۔ کیا اس طرح وہ الزام سے بری ہو جاتا؟ راجن کو سب جوں کا توں رہنے دینا چاہیے تھا، کوئی چیز چھیننا نہیں چاہیے تھا۔ دھمکنے میں ہنگامہ نہیں کرنا۔ مشکل وقت میں پاڑے کے دادا کو کوئی دُست نہیں ہوتا۔ راجن کو بہت اہم فیصلہ کرنا تھا۔ ایک ادا کی طرح اُس نے ضبط اور حوصلے کا ثبوت دیا اور یہی مناسب تھا کہ اپنے پاڑے جاکے پہلے اپنے آدمیوں کو بتائے پھر پولیس کو خبر کرے۔ راجن نے یہی سوچا تھا کہ پولیس نے چھنا ڈال دیا۔“
 ”مگر پولیس نہیں سمجھتی کہ راجن گھر سے نکلا تھا سیٹھ کے آدمی اُس کے خلاف گواہی نہیں دے سکتے۔ پولیس کا خیال ہے کہ نہ کوئی آدمی آیا، نہ راجن کسی سیٹھ کے ہاں گیا، نہ وہاں سے لوٹ کے گھر آیا۔“
 ”تو پولیس کو کیسے پتہ چلا صاحب؟“ بھل نے زبردستی کہا۔
 ”پولیس کو؟“ شکل پہلو بدلتے لگا، ”مجھے علم نہیں کہ پولیس کو اس ادا کی کاکب اور کیسے علم ہوا۔“
 ”اپنے کو پتہ ہے۔“ بھل نے شریعے میں کہا کہ راجن کے جانے کے بعد کسی نے شور مچانے کے محلے والوں کو متوجہ کیا کہ اندر گھر میں کوئی گڑبڑ ہے۔ اُس نے چھین سنی تھی اور گلی میں ایک شخص کو کھانے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ راجن کی طرف اشارہ نہ کرتا تو بھی اس کا شور مچانا ہی کافی تھا۔ حواسِ باختر پڑی گھر دل سے باہر نکلے، اُنھوں نے اُس عورت کے گھر پر چھین دیں۔ جواب نہیں ملا تو اُنھوں نے کسی گنتی پولیس والے کو ڈھونڈا، سارا ماجرا اُسے سنایا اور یوں وہ گھر میں داخل ہوئے جہاں معاملہ کچھ اور تھا۔“
 ”ہاں شاید یہی کچھ پیش آیا،“ شکل مذہبیت بولا۔
 ”وہ لمبے کان والا۔۔۔۔۔۔ کا جنان کوں تھا جس نے نیل میا کے پاس پڑوس کی زیندہ پوٹ کی کسی کو اتنی جلدی پتہ چل گیا کہ اُدھر اندھیری سے خون کی لڑائی ہے۔ پڑوسی بولتے ہیں اُن لوگ کے کوئی شور مچا رہا نہیں تھا، درک پر چلنے والے نے سُن لیا؟“
 ”شکل مضطربانہ انداز میں سر ہلاتے لگا، ”بھل نے اس سے کہا کہ دادا بولا کرنے والے راہ گیر نے اپنی بیوی پر گلی میں اٹکے ہوئے والے

پڑوسیوں کو بتایا کہ اُس نے فلاں گھر سے چھین سنی ہیں اور گلی میں ایک آدمی کو بھاگتے ہوئے دیکھا ہے۔ یعنی ایک وقت یا چند لمحوں کی تاخیر سے دونوں کام ہوئے، سچ سنا اور گلی میں آدمی دیکھنا اُس نے سچ پہلے سنی یا آدمی پہلے دیکھا؟ اُس نے پہلے آدمی دیکھا اور سچ بعد میں سنی تو کیا عورت اُس وقت اندھیری میں تھی اور راجن ایک دُست کو زخمی کر کے گھر سے بھاگ آیا تھا اور بالفرض راہ گیر نے سچ پہلے سنی جب؟ گھر سے کچھ فاصلے پر تھا اور راجن کو گھر سے نکلنے ہوئے بعد میں دیکھا جب؟ راہ گیر گھر سے کچھ قریب پہنچا تھا تو اُس نے راجن کا نام نہیں لیا۔ وہ کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ پڑوسیوں کی نظر میں اُس عورت کے حوالے سے وہ راجن کے سوا کون ہو سکتا ہے۔ مگر وہ راجن ہی کیوں ہوا اور اگر فرض کر لیا جائے کہ راہ گیر نے راجن کا نام بھی لے دیا تھا۔ کسی خوف سے اُس نے راجن کے دُور پہلے جانے کا انتظار کیا تب شور مچا یا بگڑوہ خود کہاں چلا گیا؟ کیا وہ پولیس کو دُست یاب ہو گیا، پڑوسیوں نے اُسے کہاں کھو دیا؟ وہ انھیں جگا کے پھر کہاں غائب ہو گیا؟ اُسے کسی نے تلاش کیا؟“
 ”بھل چپ ہو گیا اور مٹی پڑی سلگ کے کش لینے لگا۔“
 ”تم تم کچھ کیا سمجھتے ہو دادا؟“ شکل نے چینی سے بولا۔
 ”آپ رُدی والے ہو اور پڑے افسر ہو۔ آپ کو ہم سے زیادہ چھنی کرنا آتا ہے۔ ہم اُس کے کیا بولیں؟“
 ”میں نے تمہیں بتایا ہے۔ دادا کہ میں اس کیس سے اتنا باخبر نہیں ہوں لیکن اگر اس کا تعلق پرو دادا سے نکلتا ہے تو میں جانا چاہوں گا۔ تم بولو دادا،“ شکل کی آواز میں اصرار شامل تھا۔
 ”بھل نے اُسے بتایا کہ رات کا وقت تھا، گلی سسنا ہو چکی تھی۔ راجن چپکے سے گھر سے نکل جاتا تو رات بھی گزرتی تھی۔ صبح ہو جانے پر کسی کو معلوم ہوتا مگر کسی وقت کسی نے شور مچا دیا؟ اس لیے کہ وہ راجن کو تلاش غائب کرنے اور کوئی فیصلہ کرنے کی مصلحت دینا نہیں چاہتے تھے۔ راجن کو وقت مل جاتا تو وہ ایک ہی رات میں سارا نقشہ بدل سکتا تھا۔ وہ راجن سے خوب واقف تھے۔ شکل مزید کچھ اور جھجک آیا۔ ”بھل نے کہا کہ پولیس نے ضرور کسی دُست امکاں پر عود کیا ہو گا لیکن وہ کسی نیچے پر نہیں پہنچ سکی تو اُس نے راجن ہی کو شفقت جانا تاہم علاقے میں چھاپے اور دُری گڑبڑ سے یہ مراد ہے کہ پولیس کا یقین متزلزل ہو گیا ہے۔ پولیس کو کوئی آکر یہی گھر سے دستیاب نہیں ہوا۔ وقت کا تعین بھی مشکل ہے اور کوئی پتہ دیکھو گاہ بھی نہیں ہے۔“

”تمھارے خیال میں پھر وہ کون تھے؟ شکلاتے بے تاب نہ بوجھا۔
 ”اب بھی آپ پوچھتے ہو وہ کون تھے صاحب؟ بچل نے
 ناگوازی سے کہا۔ ”اُن کو پتہ تھا کہ راجن کس ٹائم کو عدالت کے پاس
 جاتا ہے، کب تک اُدھر ٹہرتا ہے۔ کون سے میٹھے سے اُس کا لالک
 الپ ہے جس کے ہاں لٹنے کی ہوا اُن کے اُس کی کھڑی اُلٹ
 سکتی ہے اور اُس کا تیل جتنا دا دا اکتا دل پر لے سکتا ہے کیسا
 رکھنا ہو سکتا ہے۔“

بچل نے شکلا کو بتایا کہ وہ پیر کے مزاج آشنا تھے، پیر و
 کی ذمہ داری تھی کہ وہ اپنے زیر نگیں اندھیری کے پاڑے پر فوطے
 اور صورت حال سمجھنے اور سے قابو میں کرنے کی کوشش کرے کسی
 پاڑے کے جھٹے میں تھے اور اپنے کا مطلب اُس پاڑے پر لڑنے والی
 کسی آفت میں شرکت بھی ہے، اسے ہر ممکن حفاظتی ضمانت دینا چاہی
 چہ راجن کے دفاع کے لیے پیر کا اپنے پاڑے سے باہر نکلنا
 لازم تھا، وہ پیر کو منتشر کرنے میں کامیاب ہو گئے، اُسے اپنے پاڑے
 سے باہر نکالنے اور اُس کے مموالت میں رنڈ ڈالنے میں۔ پیر اندھیری
 پہنچ کے مسلح دُر جھاک کوتاہ رہا، اُس کے کام بہت تھے، ایک
 طرف اندھیری کے پاڑے کے دل شکست اور گردش و گول کی لگام کھینچنے
 رکھنا علاقے میں اصل اقد کے شراب دھونڈنا، پولیس سے راجن کی
 وکالت کرنا وغیرہ وغیرہ، اندھیرا اُنھوں نے طرح کی افواہیں پھیلا کے
 اُسے سکون سے نہیں بیٹھنے دیا۔ پیر کی نظر میں اگر راجن کا جرم
 ثابت ہو جاتا تو اُس کا اندھیری میں تاویر غیبرے رہنے کا کوئی جواز
 نہیں تھا۔ اُس کا کام کسی نئے دادا کی تقریری پر ختم ہو جاتا لیکن
 راجن کی رد و اد میں اُسے بہت سارا سچ نظر آیا، اُس لیے پیر کو
 زیادہ مگ؟ دو کرنی پڑی۔ اچھا پھل برآمد ہونے کی امید آدمی کی
 کوشش بڑھا دیتی ہے۔ نتیجہ پیر نے پہلے اندھیری کے پاڑے پر
 راجن کے ساتھی ٹوٹے ہوں گے، پھر علاقے کے میٹھے سا جو کار
 بھلے ہوں گے جن سے راجن کے خاص مراسم تھے یا جو راجن سے
 خا رکھاتے تھے۔ کسی اور جانب بھی اُس کی نگاہیں جھنکی رہی ہوں
 گی۔ پیر کے لیے اُسے شہر کے سب سے بڑے دادا کی حیثیت سے فاکا کاسلر
 تھا اور خود اس کے اپنے دل کے اطمینان کا بھی۔

ایک اور وجہ بھی تھی بیٹی سے پیر کی عدم موجودی کے
 دوران میں پاڑے کسٹھی اختیار کر چکے تھے۔ اندھیری کا پاڑا بھی
 اُن میں شامل تھا اور گو سبھی پیر کی داپس پر دوبارہ ماہم کے پاڑے
 سے واپس ہو چکے تھے لیکن اُن میں اپنا اعتماد و بحال کرنے بلکہ فزولی

کرنے اور شہر کے دیگر پاڑوں کو یہ باور کونے کے لیے کہ پیر واپس آیا
 حقیقت ہے اور اُس سے ہر ممکن نہیں راجن کے معاملے میں
 کی سرگرمی ایک فطری واقعہ ہے مگر اُسے کیا اندازہ تھا کہ وہ حق
 نرے میں اُچکا ہے، گلی کے کونوں نے ایک ایک کیلے اور گھاس
 اُس کا تعاقب کر رہے ہیں، جنگل کے شیر کو اُس کے پس خود پل
 ہونے پھیرے چلے ہی سے مار سکتے ہیں۔ وہ بس کسی ایک متح کی
 تلاش میں تھے۔ اس کام میں اُنھیں ہر بھی لگ سکتی تھی۔ ہر کمانہ
 اُن کے ذہن میں کھڑا اور بھی ہو لیکن اُنھیں ماہم کے پاڑے پر کسی
 معلوم ہو گیا کہ آج رات کالنے کا چالیا ہوں ہے اور پیر واپس کے
 گھر بانڈے جا سکتا ہے۔ پیر نے شرکت کا مشروطہ وعدہ کیا تھا کہ آ
 سکا تو آجائے گا مگر اُس نے کسی طرح دقت نکال لیا کیوں کہ لگنے
 کی بات تھی۔ اُدھر وہ اندھیرے میں جھن کاڑھے اُس کی داپس کی
 راہ نکلتے تھے۔ ماہی پیر واپس کے ساتھ تھا۔ اس سے بہتر صورت اُن کے
 لیے اور کیا ہو سکتی تھی۔

”تمھارا مطلب ہے جاری اور دو کی۔“ شکلا بہکلاتے ہوئے بولا۔
 ”جاری تو سُر کا..... ماہم کے پاڑے پر پڑا پیر اندھیرا تھا، بچل
 کی آواز اُٹھ گئی۔ اُس نے شکلا کو بتایا کہ کوئی اور داپس کے علاوہ دوسر
 بھی ہو سکتے ہیں جو ممکن ہے یہاں کے نہ ہوں گے اُسے اُن کے ساتھ
 آنے ہوں اور داپس بھی اُنھیں نہ جانتی ہو کسی اور کا نہیں پیر و
 داوا کا معاملہ تھا، اُن کی تعداد زیادہ بھی ہو سکتی ہے مگر بہت زیادہ
 نہیں۔ راجن نے جاری کی دیکھا کبھی جاری کی شہر پر ماہم کے
 پاڑے کا جھٹکا بند کر دیا تھا لیکن جیسے ہی اُسے پیر واپس کی خبر
 ملی وہ دم لے کے آگیا اور اُس نے پیر واپس کے پیر کو پلے۔ راجن کی
 یہ عزیمت جاری کے لیے دل شکنی کا باعث ہو گئی کہ ایک اور مُرت
 ٹوٹ گیا۔ راجن کی محبوب عورت کے قتل کا سبب راجن سے عناد
 نہیں تھا جاری کو معلوم تھا کہ راجن کے پاس دوسرا راستہ بھی ہے
 وہ بدلہ نصیب تو چارہ بن گئی۔ اندھیری کا انتخاب اُنھوں نے خوب
 سوچا سمجھا کے کیا تھا۔ ماہم سے اندھیری کا فاصلہ خاصا ہے۔ قلابے سے
 اور زیادہ پولیس اُن سے دُور ہی ہے گی اور اُنھیں راجن کی رکھل
 جیسی کسی انہنی عورت ہی کو منتخب کرنا چاہیے تھا۔ ایک ایسی عورت
 جس کا تعلق کبھی بازار سے رہا ہو اور متحدہ آتشاؤں سے ریلو خاطر۔
 اُس عورت سے جاری اور دو کی کو کوئی رابطہ یا واسطہ نہیں ہو گا۔ وہ
 کبھی راجن کے گھر بھی نہیں گئے ہوں گے۔ عورت سے کہانی کی پیر واپس
 سمجھ میں آتی ہے۔ پولیس کو راز دین کو کوئی نہیں ہے، پس منظر کے لیے مانتی

ہے۔ اندھیری ہی کے علاقے میں راجن کے ساتھیوں اور دو کیوں
 دیوں کو کوئی رچے رہے اور راجن کے سر پر تلوار لٹکی ہے اور پیر واپس
 اندھیری میں گلی گلی جھٹکا، سر پٹکا رہا۔ اندھیری میں پیر واپس کی آمد
 راجن کے دفاع کے لیے اُس کی بے مایوسی سے پولیس اچھی طرح
 واقف تھی۔ وہ اندھیری کے علاقے میں راجن کے حریف ڈھونڈ رہا
 تھا اور اُس نے راجن کے جرم پر پولیس کا یقین پھیکا کر دیا تھا پولیس
 باقی تھی کہ بات راجن کے بدخواہوں اُس عورت کے قانون کے
 لیے کتنے تردد کا سبب ہوگی۔ سوائیوں نے اپنے گریبان تکسیر کر کے ہاتھ
 بہنچنے سے پہلے ہی اُس کا کام تمام کر دیا۔ ایسی صورت حال میں پولیس
 کو یہی قیاس کرنا چاہیے۔ جاری اور دو کی پر اُن کے کالے اسال ہی پیدا
 نہیں ہوتا تھا۔ جاری مستقل ماہم کے پاڑے پر رہا اور دو کی کو کوئی
 کی پولیس جانتی نہیں تھی۔

بچل خاموش ہو گیا شکلا کی انھیں پھیلی ہوئی تھیں میری
 یہی حال تھا۔ بچل بیڑی پتیار ہا شکلاتے کوئی تصور نہیں کیا تھا
 نے اجازت مانگی۔
 ”نہیں دادا! ابھی بیٹھو۔“ شکلا ٹھٹھری ہوئی آواز میں بولا۔
 ”ہو سکے تو ایک چائے اور منگوا دو صاحب!“
 ”ہاں ہاں ضرور دیکوں نہیں۔“ شکلا نے گھنٹی بجائی۔ ادنی
 کے آنے پر اُس نے تیز تیریلے میں چائے لانے کا حکم دیا اور بچل
 سے پوچھا کہ اُسے کسی اور چیز کی ضرورت تو نہیں ہے؟ بچل نے
 انکار کر دیا۔ پھر اُس نے مجھ سے پوچھا ”ابھی میں نے کوئی جواب نہیں
 دیا تھا کہ وہ چونک کے بولا۔ کھلنے کا وقت بھی ہو چکا ہے، بلکہ گزر
 رہا ہے مجھے دھیان ہی نہیں رہا۔“

”نہیں صاحب! مہربانی۔“ بچل نے نرمی سے کہا۔
 ”گھراتا دو نہیں ہے۔“ شکلا جھکتے ہوئے بولا۔ ”ہم موٹر میں
 جائیں گے۔“
 ”اپنے کو بھوک نہیں ہے صاحب!“
 ”سچ پوچھیے تو مجھے بھی نہیں ہے۔“
 شکلا نے امر تو نہیں کیا اور کتنے لگا۔ کچھ اور تو نہیں رہ گیا ہے دادا؟“
 ”یہ تو آپ بولو صاحب!“
 ”نہیں دادا! شاید کبھی نہیں۔“ شکلا کی آواز پر اندر دلی
 گئی۔ یہ سب کچھ میرے لیے ایک تجربے کی حیثیت رکھتا ہے۔
 ”ابھی تو یہی پڑی ہے صاحب! بچل نے تنک کے کہا۔
 ”کچھ بھی جی کر رہا ہے کہ بہت مختصر ہو جائے۔“ شکلا شکستہ لہجے

میں بولا۔ ”یہ قلابے کا دادا جاری کو پیر واپس کا بنانا ہوا تھا۔
 ”بنایا تھا پر شرط نہیں ہے صاحب! اور پیر واپس کے ساتھ
 بھی ایسا ہے۔“
 شکلا پکلیں جھپکانے لگا۔

”وہ دادا انہیں نہیں تھے صاحب! بچل نے کہا۔ اُسے
 پاڑے کا دادا اور ہوتا ہے۔“
 ”وہ کیسا ہوتا ہے؟“
 بچل نے کہا کہ دادا لوگ کبھی ایک دوسرے کو ایک بل نہیں
 بھاتے پر بل ہوتا ہے تو تو اپنے حریف کو کھٹکانے لگانے کے لیے طرح
 طرح کے حربے اختیار کرتے ہیں۔ بچل کے بقول ادھر کی داپس لڑتے
 ہیں شطرنج کی بازی کھیلتے ہیں لیکن وہ ہندو تان کے بیٹھے بیچھے سے
 وار نہیں کرتے، جو ایسا کرتے ہیں وہ دادا کے عیس میں چور پکچھے اٹھا
 جیتے ہوئے ہیں کسی دادا کو اٹھائی گیرا بننے میں ور نہیں لگتی دادا بننے
 میں عورگ جاتی ہے۔ دادا تو بہت کم ملتے ہیں اور اُدھی کے دم پر
 پاڑا اُڑا چلا ہے۔ دادا گری الگ چیز ہے، دادا ہونا الگ۔

شکلا انہماک سے متا رہا اور بے کلی سے بولا۔ لیکن دادا! یہی
 کیا بات تھی جو جاری اس حد تک میرا مطلب ہے اتنی دُور جا گیا ایسا
 مشغل..... داپس کی اور تمھاری باتوں سے۔ مجھے کچھ اندازہ ہو
 چکا ہے لیکن.....“

”دھندے میں پڑنے والا دادا، دادا انہیں بہت صاحب!“
 بچل نے جھک کر ہنسی ہوئی آواز میں کہا۔ دادا لوگ بہت الٹ پھیر
 کرتے ہیں پر عورت نہیں چلاتے۔ دھندے میں پڑنے والا اور مال

بدنام ترین مجرم چارلس سوکھراج کے جرم کی مکمل تفصیل

چارلس مہراج کی سرگزشت

بہ ملاحظہ فرمائیں

اپنے جرم کی مکمل تفصیل

کتابیات سب کچھ ۵ روپے میں ۲۳ روپے ۱

کے آئے ہیں وہ گنگ ہو گئے، انھیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔
 پانچ بجے گنگ شہر کے تقریباً سارے دادا پائے میں جیج ہونے لگے۔ ہر طرف شور مچ رہا تھا۔ پائے وادانے بھیل کو مطلع کرنے کے لیے کمرے میں آدی بھیجا تو بھیل فوراً ہار گیا۔ اُس نے بس چوکی کے وسط میں آنے کی ہمت کی اور کسی تنید کے بغیر اُس سے کہا: "قلابے کے تھانے میں جاراج کی بیوی رانی نے آکے بولا ہے کہ اُس نے جاراج اور اُس کے رشتے داروں کو ختم کر دیا ہے، بولتی ہے، اُن لوگ نے ہی پیرو دادا کو ختم کیا تھا۔"

حمارت میں سناٹا طاری ہو گیا پھر دوسرے ہی لمحے ایسا شور اٹھا جیسے اُن سب کو بچھڑنے ڈنک مارا ہو۔ پائے وادانے کھڑے ہو کر اور ہاتھ اٹھا اٹھا کے انھیں خاموش کرنے کی کوشش کی مگر بھیل ہی کی آواز اُن کے شور پر غالب آئی۔ بھیل نے نسبتاً اونچی آواز میں اُن سے کہا: "ہم جو بولے ہیں وہ درودھان سے سُنو۔ اپنے کو تھوڑا ہی بولنا ہے، کوئی پتہ نہیں تھا کہ اتنی جلدی تم کو دوبارہ بلانا پڑے گا۔ بات آج بھی وہی ہے پر کل تم نے فیصلہ کیا تھا اور کھائے بولنے پر ہم نے تمہاری بات مان لی تھی۔ پیرو دادا کی خاطر بھی ہم چپ ہو گئے تھے۔ آج صرف اپنے کو بولنا ہے۔ پیرو دادا کا سارا حساب چٹنا ہو گیا ہے۔ جیسے بھی ہوا، ٹھیک ہے۔ اپنے کو ایسا نہیں چاہیے تھا۔ پر اس کی مار کھانے ایک جی نہیں تھے اور تعجب نہیں تھے۔ دوسرے کام سے بھی زیادہ ناتھا تھا۔" بھیل کی آواز جاراجی ہو گئی۔ ایک لمٹے کے تال کے بعد وہ بولا "قلابے کے تھانے سے ہم سیدھا اپنے گھر کو نکل گئے تھے۔ پائے وادادہری تھا۔" بھیل ہاتھ پر سوچ کے چلے آئے کہ سامنے سب صاف کر دیں تو اچھا ہے۔ ہم نے تم سے پہلے بول دیا تھا کہ ہم کو ادھر ہی نہیں ٹھکانا آگے جانا ہے۔ تم کو ایسی واسطے ادھر بتایا ہے کہ اب ہماری چوٹی کرو، گدڑی پر کسی اور کو بٹھا دو۔ ایک سے زیادہ دادا ہونے پر چاقو اٹھا کے فیصلہ کر لو۔"

راجہ کی جگہ اندھیری کے موجودہ دادا سکندر نے بے تابانہ ٹھٹھ کے کھکنے کی کوشش کی، بھیل نے اُسے ڈپٹ دیا۔ کسی کو کچھ نہیں بولا، کوئی سوال جواب نہیں دیا۔ جیجی میں ہم پڑا گیری کر کے نہیں آئے تھے۔ دادا انیس با تو اب ہمارا کوئی کام بھی ادھر نہیں ہے یہی میں پڑا چلانے کی ہم کبھی کبھی ہوتی تو اپنے پاس جاتو ہے۔" سب حیرت و اضطراب سے اُسے دیکھ رہے تھے۔ سکندر کے بعد کوئی نہیں اٹھا۔ بھیل نے وہ جیسے لیے میں وضاحت کی: "اپنے کہتے ہے، ابھی ادھر کوئی پیرو دادا نہیں ہے۔ ایسے دادا کا لانا مشکل ہے جو

شہر کے سارے پائے باندھ کے رکھے، تو مال کاٹ دو۔ آج سے کوئی پڑا ماہم کے پائے سے جٹا بندھا نہیں ہے۔ سب کو اپنا انگ لگا چکا ہے۔ کسی کو آکے ادھر کو ہتھ نہیں پہنچا۔ آگے نئے دادا کی مرضی ہے سب کو ساتھ رکھے یا الگ کر دے اور تمہاری مرضی ہے کہ تم انکے رہتے ہو یا الگ کے۔ ہم ماہم کے کھنٹے سے سب کو باندھ کے جائیں تو یہی بہ زیادہ دیر کی نہیں چلے گا۔ اپنے کو تھیل لگائے اور نہیں بیٹھنا اور نہ لوٹ کے بار بار کو بھی آنا ہے۔ پچھڑے کی ایک تھیل کھوئی ہو تو ایک ایک کھوکھلی اڑ جاتے ہیں۔"

"ابھی ابھی اپن کو تھوڑا بولنے دو، باندھے کے دادا دینا چلا کے کہا۔"

"بیٹھ جائے۔ اپنی بات پوری نہیں ہوئی۔" بھیل نے رشتہ بولا: "ابھی ہم ادھر کی گدڑی کے دادا ہیں اور تم سب نے مل کے ہم کو اس پر بٹھایا ہے۔ جو ہم بولتے ہیں تھنڈے ہو کہ اُس کو تو ماہم کے پائے کی گدڑی کے دادا کا فیصلہ جان کے، سبھا۔"

دینا بے چین کھڑا تھا، اُس کے برابر بیٹھے ہوئے داداؤں نے اُسے کھینچ کے بٹھایا۔ بھیل نے پھر اُن سے کہا: "پائے کی انہیں اور دروایا رجب پر دی جاگئے۔ وہ نہیں ہے تو اب اُس کی چوکی اور بیٹی اس کی مالک ہے۔ تم لوگ کو یہ پڑا چلائے کہ تو کوئی تم کو لڑ سے نہیں نکالتا۔ بھار پڑا کتے روگے تو سب ٹھیک چلتا ہے گا۔ یہ منگوز نہیں ہے تو ابھی پڑا خالی کر دو اور اپنے لیے ادھر کوئی دھڑی منڈھیا ڈال لو۔" سب جیسے بہت سے بیٹھے رہے۔

"اپنے کو ادھر کچھ نہیں بولنا۔" بھیل نے سختی آواز میں کہا: "ابھی ماہم کی گدڑی پر بیٹھنا چاہتا ہے، اپنے کو بولے۔"

کسی نے جواب نہیں دیا۔ بھیل نے چند لمحے انتظار کیا۔ کسی طرف سے کوئی آواز نہیں اُٹھی تو بھیل نے اُن سے کہا کہ اُن کے گوشہ رہنے کی صورت میں ماہم کے پائے کی گدڑی کے دادا کی حیثیت سے وہ پڑا بند کرنے کا اعلان کرتا ہے۔ سب اپنے اپنے گھر کو جانیں۔ "ایسا کیسے دادا؟ بنارس کی دادا بیچ کے بولا۔ اُس کے ساتھ ہی شور مچانے لگے۔"

"ایسا کیسے چلے گا دادا؟ دادا کا دادا بالے بھی اٹھ کھڑا ہوا۔" ہیبانی انداز میں بولا: "یہ پڑا بند ہو جائے گا، پیرو دادا کا پاٹا، یہ اس کی نشانی ہے۔" چوکی پر کسی دادا کھڑے ہو گئے اور مر کوئی اپنی بولی بول رہا تھا۔ وہ ہاتھ چلا چلا کے حدائیں بلند کر رہے تھے۔ پائے وادادہ

ہیں خاموش کرنے کے لیے اٹھا مگر اُس کی آواز پائے کے گونجنے میں گم ہو گئی۔ ایک لمحے کو ایسا لگا جیسے وہ سب بھیل پر پل پڑیں۔ بھیل نے جیسے انھیں کوئی گالی دی ہو۔

بھیل ساکت کھڑا رہا وہ دو ٹائیاں دیتے اور گرجتے رہتے ہیں۔ مل کے مت میں کوئی جیش نہیں ہوئی۔ آخر اُن کی آوازیں از خود بند پڑنے لگیں۔ پائے وادانے سب کو عازانہ لمحے میں صبر ضبط کی لید کی اور کہا کہ بھیل کی بات سمجھنے کی کوشش کریں۔

"اُن سے پوچھو دادا، یہ کہا ہے کار دلا کرتے ہیں۔" بھیل نے بھی سے کہا۔

"تم پڑا بند کرنے کی بات مت کرو دادا، بنارس پھینکارتی دادا میں بولا۔"

"نہیں کرنا، پھر؟" بھیل نے گرج کے کہا۔

"ایسا کبھی نہیں ہوئے گا۔"

"نہیں جو گا، کون روکتا ہے تیرا ہاتھ۔"

"پڑا چلے گا اور ایک دم چلے گا، پیرو دادا کے نام پر چلے گا۔"

"پھر ٹھیک یا ہے؟" دینا دادا بھلاؤ۔"

سب ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے، کسی جانب سے کوئی مدد انہیں اُٹھی پھر بالے نے آگے آکے اور ہاتھ جوڑ کے بھیل سے کہا: "وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرے۔ سب کے لیے وہ اس وقت پیرو دادا کی جگہ ہے۔ اُس نے پہلے بھی اُن کی بات مان لی تھی بیشہ کے لیے نہیں تو کچھ عرصے کے لیے ابھی وہ پائے پر بیٹھا ہے۔ بعد میں کوئی نہ کوئی انتظام ہو جائے گا۔ اُسے یقین ہے، فی الحال کوئی بھی ماہم کے پائے کی مرکزی حیثیت ختم کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔

جہاں تک پیرو دادا کی بیوی اور بیٹی کا تعلق ہے، وہ ہم سب کی مالک ہیں۔ پائے کا کارایا، اُن کے لیے جان بھی حاضر ہے۔ بھیل مستحار رہا۔ بالے کے بعد شکر بھیل کی منت کرنے لگا کوئی دادا بھی ماہم کے پائے کی گدڑی پر بیٹھنے کا خواہش مند نہیں ہے۔ اُس نے پائے میں بیٹھے لوگوں سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ کوئی ہو تو سامنے آئے کسی نے جواب نہیں دیا۔ شکر ابار بار لوگوں سے

بل پھر رہا تھا کہ نوجوان سورت دلانے لے اُس کا ہاتھ پیر کے اُسے غائب کر دیا اور بھیل سے بولا کہ اُسے دادا کی بیوی اور بیٹی کا اتنا خیال ہے، ہم بھی تو دادا کی اولاد کے مانند ہیں۔ سب نہیں تو ماہم کے پائے سے متعلق سارے دادا پر دی نگراں میں پڑاں چڑھے ہیں۔

وہ سب اُٹھ جاتے ہیں۔ بھیل دادا کے اُن پاس دکان کو کیوں بولے

ہوئے۔ سب اتنی بے رحمی، بے تعلقی سے کیوں مخالف ہے۔ سورت دادا جاراج کی مخالفت کیجئے لگا اور بولا: "میں نہیں آ رہا کہ جاراجی نے ایسا کیا ہے۔ سب کل رات مکہ سے ہمارے درمیان بیٹھا آسوار ہا تھا۔ وہ اتنا بڑا گدڑ ہے، کوئی خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتا تھا۔ بھیل کی بددلی کا سبب شاید یہی کتا ہو لیکن ایک نمک حرام کی عذار کی سزا اتوں کو کیوں دی جا رہی ہے۔ پانچوں انگلیاں یکساں نہیں ہوتیں۔ جاراج کی لفظے میں مزدور کوئی فرق تھا جو اُس نے اپنے مرئی، اپنے غصے کے ساتھ لیا کیا۔ بے شک یہاں ہر سب دادا، پیرو دادا سے غار کھاتے تھے، اُس سے حد کرتے تھے۔ وہ جنہیں ماہم کے پائے کی بالادستی ناپسند تھی اور جنہیں تیراڑی کے خاتمے کے بعد مجبوراً ماہم کے پاؤں سے والتہ ہونا پڑا تھا۔ ہمیں معلوم ہے، اُن میں کسی بقی تھانے کے لیے سر پرارتے تھے لیکن پر و کا پہاڑ بٹانے کے لیے کسی کے دل میں بھی یہ بڑولا نہ خیال نہیں کیا ہو گا۔ کسی دادا کا کام نہیں ایسا ہونے لگے تو پھر مرآت آسان ہے۔ سورت دادا بلند آواز میں بولا کہ دادا کی بیوی اور بیٹی کے لیے پائے کا کارایا ہی نہیں، اُس کے علاوہ بھی ماہ بہ ماہ کچھ نہ کچھ بدست کچھ پہنچا جاتا ہے گا۔ اپنے گھر کی طرح۔ یہ بیوی شہر ہے اور یہاں کے پائے ایسے نادار نہیں ہیں جو اپنے پیرو دادا کا گھر نہ چلا سکیں۔

"بیٹھ جا۔" بھیل نے غصہ کے کہا: "زبان کاٹ لیں تیری حرام کے..... چندے کو بولتا ہے؟ ابھی ہم جیتے ہیں سختی کے....."

"نہیں نہیں دادا! ایک دم نہیں۔" سورت دادا اسٹ ہٹا کے بولا: "مال قسم این کا....."

پائے وادانے جھڑک کے اُسے بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ شکر، دینا، بالے، زرا اور پائے وادادہ ضاحکین کھنٹے لگے کہ سورت والے کا مطلب کچھ اور نہیں تھا۔

"زیادہ باتیں نہ بناؤ۔" بھیل نے جھڑکتی آواز میں کہا۔ "ہم نے تم سے بولا تھا، اپنے سے ضد کبھی مت کرنا۔ پورا نہیں سکتے ہو کیا؟"

"میں لیا ہے مائی باپ، پائے کے نرم گوشت میں ترشی بھی شامل ہو گئی۔"

"پھر آگے کا بولو دادا! بھیل نے گرجنے سے کہا۔

"کیا بولو ہمارا ج؟ پائے وادادہ کی دادا چوکی پر بیٹھے ہوئے داداؤں کو مضطرب لگا ہوں سے دیکھتے ہوئے بولا: "تم نے تو ابھی کچھ بولے۔"

بجھل نے اُن سے کہا کہ تھوڑا سا کچھ حاصل نہیں ہو چکا کتنا تھا وہ کہہ چکا ہے۔ واضح رہے کہ وہ اُن سے اجازت طلب نہیں کر رہا۔ اُس کا فیصلہ اُن کی تائید یا انکار سے مشروط نہیں ہے لیکن نے صرف اپنا فیصلہ کرنا ہے۔ وہ صورتوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا۔ اتنی سیدھی اور آسان بات اُن تک کیوں منتقل نہیں ہوئی۔
 "ایسا رہا اور صاف نہیں ہے جیسا تم بولتا ہے دادا!"
 بالے نے کہا۔

"ایسا کیا بات ہے دادا جو تمہارے سے آگے تم ایک دم ٹوٹ گیا۔ پانڈے دادا بے چارے کی بے لولہ اچھی تو کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ سب ہوا کیا ہے، کیسے ہو گیا۔ جاری نے یہ سرفا کاہنہ کیوں اٹھایا؟ یہ سب تفصیل جاننے کے منتظر ہیں۔ جاری کے ٹوٹ ہونے کی خبر سن کر کشتہ زدہ ہیں۔ تھوڑا سا سن لینے دادا پانڈے بڑبڑاتے ہوئے بولا۔

"اس کے جلنے سے اپنی بات پر فرق نہیں پڑتا تم پانڈے کے آدمی ہو۔ آگے پیچھے کا سارا سامنے آجائے گا۔"

"پر ایسا جلدی کا ہے کہ کہے۔" شکر اُلو کھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ "گلتا ہے" اپن لوگ سے کوئی بھول ہوا ہے کہ اچھی اوپر سے دادا کو.....

بجھل نے خشک لبہ نغرسے اُسے دیکھا تھا، شکر اُلو کی آواز صحت میں گھٹ گئی لیکن اُسی لمحے باری دادا پیچھے لگا اور بجھل کے بجائے اپنے اطراف پیچھے ہونے داداؤں سے مخاطب ہو کر بولا کہ کیا اتنے ہی وقت کے لیے اُن سب نے خوشامد کی حد تک بجھل سے منت کی تھی۔ ایک دن کے بل میں کیا وہ مقصد حاصل ہو گیا۔ بجھل نے اُسے جواب دیا کہ پہلے اگر اُس نے اُن کے اصرار پر یہ اکراہا ہوا بھری تھی تو اُس کی وجہ دوسری تھی۔ دادا کے خون کا قرض واجب تھا۔ اب کچھ نہیں رہ گیا اس لیے اب اُسے تادیب پانڈے پر پڑنے کا کوئی حواز نظر نہیں آتا کیا اُس نے واضح طور پر نہیں کہا تھا کہ اُسے زیادہ دن نہیں چھوڑنا بہتر ہے، خوش الحاروی سے اُسے جانے دیا جائے جو فیصلہ انھیں کل کرنا ہے۔ وہ آج کیوں کر نہیں۔

پانڈے کے پیچھے کھڑا ہوا سکندر آگیا۔ اجازت ہو تو اپن ایک بات پوچھے دادا؟ سکندر کا جواب طعنے، غصہ، غصہ سا تھا۔
 "کیا ہے بے؟" بجھل نے ناگاری سے کہا۔
 "اپن کو یقین ہے تم دادا کا پاؤں بند کرنے کو نہیں مانگتے۔"

"پھر اتنا بولنے کی کیا ضرورت تھی دادا کے؟"
 "ایک دم دادا! اپن بھی یہی جانتا ہے۔ پیر و دادا نے اس کو بہت لگن اور جاؤ سے بنایا تھا۔ اٹھا بیٹھی میں ہیرا پاڑا ہے یہ تم نے دیکھ لیا اس ہیرا پاڑے کی گدی بٹھانے کو کوئی اپنی ماں کا بیٹا آگے نہیں بڑھا تم نے سب کو الگ کر کے بھی بولا کوئی نہیں اٹھا کسی نے پچھا یہ تمہارے کہ نہیں بولا کہ اچھی وہ دادا کی بگڑ چھا مانگتا ہے۔ تم جانتا ہے ایسا کس واسطے سے دادا تم خود بولا ہے اچھی اور کوئی بھی پیر و دادا نہیں ہے۔ دادا لوگ کو تپے، وہ کتنے دن کھینچ پائے گا۔ بیٹھے کو بیٹھ جائے گا پر اٹھا بیٹھی میں لوٹ کے منہ دکھانے کا بھی ہے۔ بجھل دفعہ سب اور بیٹھا کیا بولتا تھا، بولتا تھا، اور اینٹ اینٹ پڑے دادا کا رنگ بڑھتا ہے۔ پانڈے کے اندر کیا، ماہر کیا، بہت پکا رنگ ہے اُس کا۔ پھیکا پڑنے میں تھوڑا سا ٹانگ لگے گا۔ دادا کے تھوڑا دور ہو جائے پر۔ دھیس کر دھیرے ہی اُس کا نشہ...."

"کام کی بات کرے؟" بجھل نے چھپٹی آواز میں کہا۔
 "دہی بولتا ہوں دادا! ایک دم وہی۔" سکندر تیزی سے بولا
 اپن کا مطلب ہے، اچھی اور کوئی نہیں ہے جو چاروں طرف سیخ کے بازو کے رکھے کوئی بھی آگے نہیں آئے گا۔ تم ہی چلا جائے گا تالا مار کے پاڑا خلاص ہو جائے گا۔ اچھی دل ہے ہاتھ رکھ کے بولو تم کو چین پر جانے گا اور اُدھ اور اُدھ دادا کا رخ بھی خوش ہو جائے گا سکندر کی آواز پیچھے لگی تھی۔ ساری عمارت میں خاموشی چھا گئی۔

"کون سی بات کا جواب دیں سے تیری۔" بجھل نے بیزاری سے کہا۔ ایک ہی دنگا لگا ہے۔ پہلی مرتبہ اُس کے لیے ہی نمی اور نرمی کی آمیزش تھی۔

"کسی بات کا تم دادا! اپن جواب کے لیے نہیں بولا سب۔ اپن کو تپے، تم کیا بولے گا۔ ابھی دادا کی خوشی کی بات کرتا ہے حرام زانے۔ پر دادا اس بات سے خوش نہیں ہوئے گا۔ تو دیکھی بھی نہیں آگے پیچھے سب لوگ ٹھکانے سے ہو جائے گا پاڑا بند ہو جائے گا تو سب لوگ اپنے ٹھکانوں پر چلا جائے گا پانڈے دادا سموت لوٹ جائے گا، دینا پانڈے کو، بالے دادا کو اپن اندھیری میں۔ اور ماہر کا لوگ بھی کھر بھر کھائے گا۔ دادا کا پاڑا اچھی صرف ماہر علاقے کا پاڑا ہے یا اٹھا شہر کا۔ اس کو رہنا ہے

دادا! یہ خلاص ہو گیا تو پھر ہر پاڑا.... پھر آگے سدا کو ایسا ہی ہوتا رہے گا۔"
 "ہم سے کیا بولتا ہے" اور شہر کے سارے خیانتا بیٹھے ہیں۔
 چاقو کے دھنی، ان سے بول۔ یہ تھوڑے دن کے لیے ایک دوسرے کو کندھا نہیں بن سکتے۔ ایک ہی تھوڑے دن کے لیے گھر سے دکھائی پڑتے ہیں۔ پاڑے کا دادا کا اتنا درد پیٹ میں اٹھتا ہے تو ان کو بول۔ ہم اور تیرے دھماں میں آج نہیں، کل اور ہر سے چلے جائیں گے اور دادا کے ساتھ اُس رات ہم بھی نکل پڑتے تو۔ تو اپنا نمبر بھی آجاتا۔ پھر کس کو اور دلانا گدی سجالے کو؟

"اپن کو یقین ہے، ساتھ تم ہوئے تو ایسا بھی نہیں ہوتا سکندر نے بے ساختہ کہا وہ بات دوسری تھی پر ابھی تم اور ہے اور اپن زیادہ ٹانگ کے لیے نہیں بولتا۔ بس تھوڑی دیر کے لیے اچھی اس پر بھاری ضرورت ہے۔ تم بھی سمجھتا ہے، کیوں اس کے بعد تم چلے جانا، بعد ہر مٹی میں آئے چلے جانا، کون روک سکتا ہے تم کو؟

"پھر کیا ہو جائے گا، سیگ نکل آئیں گے تو لوگ کے؟"
 "نہیں نکلے گا پر یہ مانہ بھی نہیں ہے گا، یہ جانگلی ٹانگ اور کچھ نہیں ہونے کا تو تم تالا مار دینا۔"

"اپنے کو آگے بہت کام ہے بے؟"
 "اچھی دادا ہوتا تو تم کیا نہیں کرتا؟"
 "پر دادا نہیں ہے۔" بجھل نے بھاری آواز میں کہا۔
 "دادا انہیں ہے تبھی تو اتنا بولتا ہے۔" سکندر عاجزی سے بولا "اپن جاؤ دادا! دادا کے ناتے سے اپنا حق کھاتے ہے تم، اچھی اپن لوگ تم کو اُسی کا قسم دیتا ہے۔"

"کیا ایسا بولتا ہے بے؟"
 "تم رہو گے تو ادھر سب ٹھیک ہے گا۔ اچھی دیکھو، کیا سائل کے بیٹھا ہے۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوا، دادا کے ہوتے ہی...."
 بجھل کھڑکھڑا۔ اُس کے ہنر بیٹھے ہوتے تھے اور ہرے پر گہری لکیریں تھیں۔ عمارت میں سرگوشیاں گونے لگیں پھر سوچی پر بیٹھے ہوتے دادا آوازیں اٹھانے لگے کہ بجھل کو انکار نہیں کرنا چاہیے۔ اتنے لوگوں کی بات نہیں ماننی چاہیے۔
 "پھر دیا ہے بے؟" بجھل نے جلدی ہوئی سی آواز میں کہا۔
 "کیا، کیا بولتا تم؟" سکندر بے حواسی سے بولا پانڈے دادا بے

اختیار بجھل کے پہلو سے چٹ گیا اور اُس کے بازو پر مڑنے لگا۔
 "تم میں سے کوئی نہیں اٹھتا تو ایک رستہ اور بھی ہے۔"
 سب کو جیسے سکتے سا ہو گیا۔ بجھل نے اُن سے کہا کہ کوئی پاڑا بند کرنا نہیں چاہتا، نہ آگے آگے گدی پر بیٹھنا چاہتا ہے اور اس کے پاس بھی وقت نہیں ہے۔ کوئی یہ سمجھنا نہیں چاہتا کہ اُس کے انکار کی کوئی وجہ ہی ہو سکتی ہے ورنہ اتنے بڑے پاڑے کی گدی کی کے خواہش نہ ہوگی خصوصاً ایسا پاڑا جو اُس کے عزیز دست بھائی پر دو کی امانت ہو۔ ایک اجنبی کو شہر کے اتنے دادا یہ مرتبہ دینے پر ٹھہر میں تو انکار دینے بھی مناسب نہیں اس صورت حال میں ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے کہ وہ اپنی طرف سے کوئی آدمی گدی پر بیٹھائے، پاڑا اپنے نام پر چلے گا۔ بجھل نے کوئی آواز میں کہا۔ بیٹھے گا یہاں کوئی اور۔ جب تک ہم پاڑے سے باہر رہیں گے، اپنا آدمی، اپنی جگہ بیٹھا رہے گا۔

ہندو محلوں کے سکوت کے بعد عمارت میں وہی شور مبلانے لگا۔ بجھل نے ہاتھ اٹھا کر انھیں خاموش کیا اور کہا کہ تم کو غلط نہیں تو منہ کر دو پاڑے اپنی جگہ بیٹھے گا اور اُس کو یہی دینے کے واسطے جس کو تم بولیں۔"

پانڈے دادا اپنا نام اُن کے اچھل پڑا اور دھت نہ انداز میں بولا۔ نہیں نہیں دادا! اپن کو معافی دلو! اپن ایک دم نہیں ٹھیرے گا، اپن ابھی بہت ٹھگت لیا۔
 بجھل نے اُس کی جانب نہیں دیکھا اور اس سے پہلے کہ کسی طرف سے کوئی صدا بلند ہوتی، اُس نے کہا "بالے پانڈے کے ساتھ اور ہے گا جب تک تم پاٹ کے نہ آئیں اور تم لوگ کو بلا کے نہ پوچھیں کہ ابھی تم میں سے کون جوان بلوان نے کھال کتنی موٹی کی ہے۔ بس نے چاقو کی بولی کتنی سبھی اور اُس کو اپنی کتنی سکھاتی ہے۔ اپنے تین پاڑوں کے سوا سامنے پائے ماہر کے پائے سے لگے ہیں گے، بقا بھی نہیں پہنچا میں گے۔ قلابے، اندھیری اور دادا کے پاڑے کے سوا۔ ہمارے پیچھے کسی کا داغ اٹنے کا تو اس کو اور چھاتی چھلا کے آنے سے تم سب کو کو گے۔ جدر ہم پاڑے او بالے کو بول کے جائیں وہ ہم کو تیرے ہیں گے۔ ہمارے لوتے تک تم اُس تین مار کو انتظار کرنے کا بولو گے۔ ہمارے آنے سے پہلے کسی نے پانڈے اور بالے کو چھوڑا اور تم ہاتھ لپکتے رہے تو تم کو دوبارہ اس طرح نہیں بلانیں گے۔ ہم خود اس کو دیکھ لیں گے اور

پھر آکے ہم پولیس کے بھی نہیں۔

بھٹل نے کسی کو دخل دینے کا موقع نہیں دیا اور کہا کہ سب ان کی خاطر ہے کیوں کہ وہ پاڑا بند کرنے پر آمادہ ہیں نہ بچوں کے وسط میں آکے پاڑے کی باگ ڈور بٹھالنے پر تیار رہیں مگر یہ ایک مشورہ ہے جسے وہ یک سرہ سر نہ دیکھتے ہیں۔ ان کی تائید کے لیے یہ فیصلہ نہ جانا گئے۔ اچھا تو یہ کہ وہ خوب سوچ سمجھ کے جواب دیں اور چاہیں تو باہم مشورت بھی کر لیں۔ ان پر کوئی تہیز نہیں ہے۔ وہ بنا کسی دادا تھا جس نے اٹھ کر کھڑے ہوئے، چبائے ہوئے لفظوں میں پوچھا کہ کوئی دادا پاڑے کی گڈی پر بیٹھنے کا ذکر دار ہو جو نکاح صورت ہوگی یا بناری نے وضاحت کی، کیا اسے چاقو نکال کے اپنا منہ لٹا کر پیش کرنا پڑے گا یا کچھ اور؟ بھٹل نے کسی تاخیر کے بغیر جواب دیا کہ یقیناً اسے چاقو سمیت ہی اپنا دعوہ پیش کرنا ہو گا۔ چاقو ہی کسی دادا کا سب سے بڑا حوالہ ہے۔ مقابل کوئی نہیں اٹھا اور یہاں موجود سارے داداؤں کو منظر ہوا تو اسے پاڑے کی گڈی سونپ دی جانے لگی۔ بھٹل نے بھی مرحلت ضروری سمجھی کہ وہ اور اس کے ساتھیوں میں سے کوئی پاڑے کی گڈی کا سوا ہش منہ نہ نہیں ہے۔ سو خاف جمع۔ نہ وہ چاقو اٹھا لے گا نہ اس کا کوئی ساتھی۔ ساتھیوں سے بھٹل کی مراد سامو مجرہ اور مجھ سے تھی۔ اس نے بنا ہی سے کہا کہ یہاں سارے داداؤں کو ابھی لیے طلب کیا گیا ہے کہ وہ آپس میں کوئی فیصلہ کر لیں کیونکہ پہلے بھی انھوں نے یہی کیا تھا۔ دادا کے پاڑے کے ترکے میں شہر کے وہ تمام دادا و شریک ہیں جو باہم کے پاڑے سے متعلق تھے مگر نگاہ سے پاڑا تقسیم نہیں کیا جاسکتا نہ اس کے اعتبار اور اس کی سادگی تقسیم ممکن ہے۔ اس کا انتظار کسی ایک ہی کے پیر کیا جاسکتا ہے اور اس لیے کسی ایک کا انتخاب لازم ہے یا دوسرا طریقہ ہے۔ چاقو کے ذریعے خود کو دادا کے ترکے کا حق دار ثابت کیا جائے۔

بناری نے پھر سر نہیں اٹھایا۔ بھٹل نے ایک بار ان سے اور پوچھا کہ کوئی آرزو مند ہو تو سامنے آئے، بصورت دیگر وہ سبھی گاہک سب اس کے فیصلے پر متفق ہیں۔ پانڈے دادا کچھ بولنا چاہتا تھا، بھٹل نے اسے روک دیا۔

مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ بھٹل نے اسے آنے کے بعد کیا کیا بھٹل کو کیا ہو گیا ہے۔ شروع شروع میں مجھے سب کچھ عجیب سا لگتا تھا۔ جیسے بھٹل کسی ذہنی دباؤ کا شکار ہو۔ اتنے تسلسل سے آتی بے لطمہاں پیش آئیں ایسی ناگمانیاں ہوں تو آدمی کی یہی حالت ہوتی ہے۔

اس نے پاڑے دادا اور پانڈے کے نام تجویز کیے تھے تو بھی مجھے بہت حیرت ہوئی تھی۔ پھر تلے لوگوں کی طلسمی اور اس جوت و کھل سے کیا حاصل تھا مگر میری اپنی خستگی، اپنی بے مائیگی تھی۔ بھٹل سے آکے بھٹل کو پہلا کام ہی کرنا تھا۔ اس تجدید کی اتنی ہی ضرورت تھی جتنی دادا کے جانے کے بعد پاڑے پر موجود رہنے کی پاڑے سے دادا کے قاتلوں کی طرف جانے والے رشتہ نشینہ آسان ہو جاتے تھے۔ داداؤں کے درمیان رہنے، ان سے ہمہ وقت رابطہ رکھنے، ان میں نظر و ضبط قائم رکھنے، ان کی اعانت حاصل کرنے اور اہر پولیس، اٹھ قاتلوں کو کچھ باور کھانے کے لیے بھٹل کو پاڑے کا کھڑا دیکھنا اور یہ زور بھی حاصل کیا جاسکتا تھا۔ کوئی دیر نہ لگتی لیکن اس اندھیرے میں یہ اقدام کسی طور قریں بھٹل سے ہوتا نامناسب بھی تھا کہ پیش کش ان کی جانب سے ہو۔ ایسے غیر یقینی حالات میں انھی کی جانب سے پیش کش کا امکان تھا۔ وہ اتنے اندھے نہیں تھے کہ گڈو پیش کی دھند چھٹنے سے پہلے گڈی کی طبع کریں گویا ان کی پیش کش میں بھٹل کی ترغیب اور خواہش کو متنازعہ دخل تھا، آنتا ہی ان کی نکتہ زنی اور معاملہ منجمی کا تھا۔ اسی لیے بھٹل نے انھیں اٹھا کیا تھا اور یہ ظاہر کر رہا تھا کہ پاڑے کا منصب قبول کر لیا تھا باطن بھی دادا کے بعد دادا کی جگہ بیٹھنا کی خوش گوار فیض نہیں تھا۔

ماری نے ہر حال اس آزار سے جلد نجات لا دی۔ اس کے بھٹل نے چلے جانے کے بعد بھٹل کے بے قول کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ ہمیں بھٹل سے سیدھے گھر چلنا چاہا ہے تھا۔ پاڑے پر کوئی ہے نہ ہے، چلے چلے، خاک اڑے یا آگ لگے، ہمیں اب پاڑے سے کیا غرض ہو سکتی ہے۔ غرض ہوتی تو دادا کی موجودگی میں بھی پاڑا کسی اور کا نہیں تھا۔ بھٹل نے ہم سیدھے گھر جا چکے تھے، شام ہم وہ ہمارا انتظار کرتے۔ دادا کا گھر انھوں نے دیکھ لیا تھا۔ شام کو وہ لال آنکھوں اور زرد چہروں کے ساتھ گھر آہٹے۔ بھٹل کو اندازہ تھا کہ جارجی کے ملوث ہونے کی خبر ان کے لیے کسی ناقابل یقین بات تھی۔ دہشت انگیز ہو سکتی ہے۔ اس سے پیشتر بھٹل کے غیاب سے وہ طرح طرح کے وہم و گمان سے دوچار ہوں، آپس میں دست و گریباں ہوں اور سننے سے شوشے چھوڑتے پھر بھٹل کو ان کے پاس جا کے بات صاف کر لینا چاہیے تھا۔ ہر بلا دست برداری کا اعلان بھٹل کو احساس تھا کہ خوش و غمی کا یہ مرحلہ کتنا وقت طلب ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ سکندر رکھ رہا تھا۔ پاڑا بند کرنے سے بھٹل کو داخلی کوئی خوشی نہیں ہوتی چاہیے تھی۔ زورا، چھیدا، گلیا، پھمی اور جانے کتنے

ک ماہم کے پاڑے سے وابستہ تھے۔ بھٹل کی نفوذ سے وہ تمام بھٹل نہیں رہے ہوں گے۔ پاڑا بند کرنے کے اعلان سے مداخلتی بند واہل سے کی جانے ہاں باہم ختم ہوتی ہے تاکہ وہ ملکہ کسی نتیجے پہنچ سکیں۔ پاڑے پر دادا کی ملکیت کے دعوے اور کرانے کا ذکر اٹھا گا کہ ماہم کے پاڑے کے لیے شہر کے متعدد داداؤں کی ڈوبنے کی نہ تے اور بھی کئی باتیں تھیں جن کی طرف میرا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔ بنے سوسا کی دوسری طرف میری نگاہ جاتی ہی کمال تھی۔ ابھی نہ جانے کتنے ن کتنے عرصے میں یہی میں رہنا تھا اور آگے بھی کتنی بار یہاں آتا تھا۔ ن سے دوبارہ بھی واسطہ پڑ سکتا تھا اور یہ بھٹل کے لیے اپنے سکون لب کا معاملہ بھی تھا کہ حساب کتاب میں کوئی گسر نہ جانے۔ بنیہ تو پاڑوں کے دادا کے پاس بھی جوتا ہے۔ شاید بھٹل کے گمان میں نہ ہو کہ مال کا وہ آدمی کو ہر ہفت بنائیں گے، واسطی ہی زنجیر ن جانے لگی۔ بھٹل کی بے غرضی ہی ان کے اصرار کو ختم کر بن گئی۔ تنی جوت کے بعد بھٹل کا انکار بلاغت سے بعد اور عزت اٹھا۔ کے منافی تھا جس کی طرح خود بھٹل نے ڈلی تھی بھٹل کے پاس کوئی جارہ نہیں رہ گیا تھا کہ وہ اس دائرے سے اپنی برأت کا کوئی گوشہ کوئی روزن ڈھونڈے۔ یہاں پانڈے اور پانڈے کے لوگوں میں تھا جن سے وہ سب مردوں سے زیادہ مانوس تھے۔ پانڈے کی طرح پانڈے نے بھی بہت پس و پیش کیا اور کہا کہ بھٹل کی نیابت کے لیے کسی کی کیا ضرورت ہے۔ اس نے میری طرف اشارہ کیا کہ میں موجود ہوں کبھی اعراف سے اس کی تائید میں آوازیں اٹھیں۔ میں خاموش بیٹھا رہا مجھے معلوم تھا کہ بھٹل انکار کرے گا اور اس نے یہی کیا۔ اس نے کہا کہ مجھے اسی کے ساتھ جانا ہے۔

بھٹل نے پھر انھیں حقارت بنا کر ماری نے بھٹل میں جا کے کیا بیان دیا ہے۔ وہ بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے سننے لگا۔ بھٹل نے ماری کے بچوں کا ذکر نہیں کیا اور کہا کہ دکن کا سامتی نامی غالباً گوجا ہاگ لیا ہے۔ قلابے کے پاڑے کے کسی اور آدمی بھی ان کے معاون ہیں، ممکن ہے وہ بھی گواہ کی طرف منسلک گئے ہوں یا نہیں مگر میں ہوں اور جارجی کی طرح ہماری آنکھوں میں دھول بھونکنے بیٹھے ہوں۔ بھٹل نے ان سے کہا اب تم جانو کتنے دن ان کو کھلا رکھتے ہو۔

سارے پاڑے میں آگ سی بھوک اٹھی۔ وہ نعروں کے انداز میں ڈھانڈے لگے اور ان کی دستانہ صدا میں عمارت کے در و دیوار سے ٹھوکے ٹپتی، بکھرتی رہیں پھر ان پر محرومی اور پاس کا عالم

طاری ہوا وہ آنسو بہانے اور گریہ و زاری کرنے لگے۔ بھٹل کچھ دیر ان کے درمیان بیٹھا پھر سوچی سے اتر آیا دروازے کی طرف جاتے جاتے اس نے بھٹل کے کہا کہ ابھی وہ بمبئی سے نہیں جا رہا لیکن شاید پاڑے پر اس کا تاننا ممکن نہ ہو سکے کہ وہ بھی کہیں کونے میں دادا اسے کیسی اماںیں سونپ کے گیا ہے۔ وہ پاڑے سے بڑی آزمائش میں ہے۔ بھٹل نے انھیں یہ جتنا بھی ضروری سمجھا کہ بمبئی سے جانے کے بعد کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کی واپسی کتنے عرصے بعد ہو لیکن اگر موقع ملا تو جانے سے پہلے پاڑے آنے کی کوشش کرے گا۔ اس دوران اگر کوئی دادا تیار ہو سکا تو یہ ایک نہایت اچھی بات ہوگی۔

پھونچ رہے تھے۔ سوچ غروب ہو چکا تھا سب مڑھکا تے ہمارے ساتھ پاڑے سے باہر نکلے اور گلی میں ایک جوم ہو گیا۔ پھر ماری نے ایک لفظ بھی بھٹل سے نہیں کہا۔ پاڑے، بالے، شکر، سورت والا، بناری، سکندر، زورا، چھیدا اور جانے کون کون گلی کے آخری سر تک وہ ہمارے ساتھ چلتے رہے۔ موٹر کے پاس بھٹل ٹھہر کر پاڑے اس کے سینے سے بٹ گیا۔ دیکھ کر اس کا جسم بھٹل کے بازوؤں میں پھیر پھیرا۔ سبھی بھٹل سے بھٹل گریہ کر رہا تھا جیسے کتنے مگر چورتات ہو جاتی۔ بھٹل یہ عملات موٹر میں بیٹھ گیا۔

جسے نازکین آج تک نہیں جوتے

طالت

۳ حصوں میں (مکمل)

قیمت فی حصہ: ۲۰ روپے، ڈاک چارج ۱۰ روپے۔

- پراسرار کہانیاں کے شائقین کے لیے
- طالع و مناجات کے نیک و ناصی کے لیے
- جاسوسی کہانیاں کے پستالوں کے لیے

ایک لمبی داستان جو آج تک آپ نے نہ پڑھی ہوگی؛

کتاب کا شکل میں تیار ہے

اپنے قریب و دور کے سب دوستوں یا براہ راست ہم سے مل سکتے ہیں

جنہوں نے ایک ساتھ مل کر پڑھ کر ڈاک خانہ

کتابیات پبلیکیشنز پوسٹ بکس کراچی ۱

مردوں پر بھیڑ کی وجہ سے موٹر کی رفتار سست ہو گئی تھی۔ پھر ایک جگہ موٹر ٹرک گئی۔ آگے کسی موٹر پر کوئی حادثہ ہو گیا تھا، موٹر آگے جاسکتی تھی نہ پیچھے۔ ہر طرف شور مچا ہوا تھا۔ غم منوں کی گھنٹیاں گاڑیوں کی پوں پوں اور راہ گیروں کی چیخ پکار ڈاڑیوں نے انجن بند کر کے باہر چائے دیکھا اور آگے تباہ کردہ دوڑنگ راستہ نہیں ہے۔ ٹھیلے لے کچھ نہیں کہہ وہ ڈرائیور کے برابر والی نشست پر بے خبر سا بیٹھا تھا۔ پچھلی نشست پر بٹھنے ہوئے ہم چاروں کا بھی کچھ خبری حال تھا۔ ہم میں سے کسی نے موٹر سے اتر کے حادثے کی نوعیت جاننے کی کوشش نہیں کی۔ باہر جتنا شور تھا، اندر موٹر میں اتنا ہی سنا تھا۔ کبھی کبھی چرو، شام اور مارنی چونک کے میری طرف دیکھتے مگر کچھ کہہ نہ پاتے۔ مجھے ان کی بے چینی کا تصور بہت اندازہ تھا۔ پارے میں انھوں نے پھسل کی زبانی سب کچھ سن لیا تھا لیکن اس مختصر بیان سے ان کی تسلی نہیں ہوئی ہوگی۔ وہ اور بھی بہت کچھ جانا چاہتے ہوں گے۔ ہم بہت دور بعد تھانے سے پارے والیں آگے تھے اتنی دیر تک ہم وہاں کیا کرتے رہے؛ ماری کو آخر کیسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ باہر جی اور وکی ہی تھے، وہ دونوں کتے جو پاگل ہو گئے تھے ایک توڑ

نے انھیں کس طرح کاہلوں کر لیا، ہمیں ماری سے کوئی چونک تو نہیں ہو گئی، اس نے تھانے جاکے کیا بیان دیا اور ہمیں کیا کیا بتایا، جب ماری نے اعتراض کر لیا تھا تو آخر پولیس کو ہماری ضرورت کیوں پڑی تھی، صرف میری اور پھسل کی۔ بالیے جانے کتنے سوال چرو، شام اور مارنی کی رگیں کر رہے ہوں گے پھسل کی وجہ سے ان کی زبان اتنی مضبوطی تھی، یقیناً ان کے اضطراب میں ملاں بھی شامل ہو گا۔ میری طرح کلاں کر ماری نے آخر اتنی جھلت کیوں کی، ماری سے پہلے تو میں جاری اوڑ وکی کے سروں پر پڑ پڑنا چاہیے تھا۔ داوا کی ہمت کے بعد جاری سسل سب کی نظروں کے سامنے رہا تھا۔ وہ آنکھوں میں کسی دھول جھونکا رہا۔ ایسا سوانگ کبھی کسی نے نہ دیکھا ہو گا پھر پھٹا پارے میں آدمی اپنا منہ نہ فورج لے یہ تو ہماری ذمہ داری تھی۔ ہمارا حق تھا، جو ماری نے ہم سے چھین لیا تھا۔ میں نے دیکھا تھا کہ جو لوگ پارے پر دراد کے اشارے کے منتظر رہتے تھے۔ وہ پھسل کی زبانی ماری کا نام سن کے دم پر غور و گئے تھے اور چند لمحوں تک کتنے کی سی کیفیت کے بعد ان کے سر جھٹک گئے تھے جیسے رنج اور ندامت میں کسی کا حال ہوتا ہے۔ وہ بہت کھسپانے کھسپانے سے لگتے تھے۔ وہ جاری اور وکی کو اتنی آسان



موت نہ دیتے۔ ماری کی طرح شراب پلا کے وہ ان پر وار نہ کرتے۔ وہ تو انھیں زیادہ سے زیادہ ہوش میں رکھتے، انھیں ٹکڑوں میں تقطوں میں ختم کرتے۔ وہ انھیں ایک بار نہیں بار بار مارتے۔

پرسوں سے کتنی بار پانڈے دادا دیوانہ ہوا تھا، وہ کبھی اپنا چہرہ کھسٹتا، کبھی سینہ کو ٹسٹا کہ دادا اور باپھی کا خون بہانے والوں کے سر تارے بغیر آسے نہیں آتے گا۔ بالیے بھی ہی کتنا تھا اور بھی بہت سے لوگ یہی بڑیاں دیکھتے ہیں۔ سر تارے کے کیا سکون آتا ہے، سکون کیا کسی جونی کی حریت سے وابستہ ہے، دادا اور باپھی کا تانتے ہی لڑن تھے، اب اطمینان ہو جانا چاہیے کہ دو کینے اور بڑوں آدمی ہر حال اپنے اشیام کو پہنچ گئے۔ آدمی کا عوض آدمی ہوتا ہے۔ یہاں ہی دستور ہے۔

چاہے کوئی کسی کو کتنا ہی عزیز کسی کے لیے کتنا ہی قیمتی ہو، چاہے وہ کتنی آدمیوں سے بڑا کتنی جانوں پر بھاری ہو، اپنی ذات میں سمندر ہو یا بہاؤں کا مثیل، اسے ایک ہی آدمی گنا جاتا ہے۔ اسے اس کے عزیزوں اور طلب کاروں سے جدا کر دینے کی سزا محض ایک تھیر آدمی ہے، ایک بادو جاری اور وکی آدمی کی قیمت تو اس کے طلب کاروں سے طے ہوتی جا رہی ہے۔ مجھے اپنے اسکول کے زمانے کا ایک واقعہ اچھی طرح یاد تھا۔

اسکول سے ملحق ڈگری کالج میں ایک مرتبہ کسی طالب علم نے ایک بزرگ استاد کو ختم کر دیا۔ ہر طرف غل مچ گیا۔ پروفیسر تیس سال سے پڑھا رہا تھا اور بہت محبوب و محترم شخص سمجھا جاتا تھا۔ اس کی ارتقی اٹھ رہی تھی تو گنا تھا، اسارا، شرموٹ پڑا ہو۔ میں بھی شریک تھا۔ میں نے کالج کے طلبہ کو دھارن راستے دیکھا تھا۔ ان کا بس نہیں جیتا تھا کہ دیواروں سے سر پھوڑیں۔ ایک طالب علم نے صرف اس وجہ سے اپنے استاد کو ختم کر دیا تھا کہ استاد نے اسے اپنے مضمون میں غم کر دے تھے ننگا گونے پورے کالج کو ایک مطلوب شخص سے محروم کر دیا۔ اسے سزا مل گئی مگر کیا واقعی تلافی بھی ہوگی؟

موٹر کو راکت و باد کھڑے ہوئے کئی منٹ گزر گئے۔ پھر کہیں دس پندرہ منٹ بعد شور مچائی گاڑیوں نے رنگنا شروع کیا۔ پولیس والے چیخ چیخ کر ہدایات دے رہے تھے۔ آگے جاکے معلوم ہوا کہ ایک ٹم ٹم گاڑی بدک گیا تھا۔ اس انفرنگ میں کتنی نیر رفتار گاڑیاں اور موٹریں ٹکرائیں۔ بڑک پھٹنے ہوئے دائرے میں خون بکھرا ہوا تھا۔ نزدیک ہی ٹوٹی پھوٹی گاڑیاں کھڑی تھیں اور لوگوں کا جھوم تھا۔ راستہ بہت تنگ تھا، کچھ دور جاکے صاف ہو گیا مگر تیز



رفتاری سے موثر پلانا چاہی مگر نہیں تھا گھر پہنچتے پہنچتے اندھرا ہو گیا۔ سب دروازے کے قریب بیٹھے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کے سبھی چونک کر بڑے جیسے ہماری بر سلامت واپسی کوئی ان ہوتی ہو۔ ان کی آنکھوں کی وحشت اور دیوانی سے ہی ظاہر ہوتا تھا۔ بھل سب سے پہلے گیتا کے پاس گیا اور اس سے پہلے کہ گیتا کی بلیں چھلک پڑتیں، بھل نے اس کے گال عقب تپا کے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا اب کب نہیں جانا رہی اپنے کو بھل کی آواز باپ سی رہی تھی۔ اس نے گیتا سے کہا کہ اب وہ گھر ہی میں رہے گا، مستقل اس کے پاس اور کوئی بھی نہیں جائے گا، گیتا کی اجازت کے بغیر کوئی بھی گھر سے باہر نہیں جائے گا، گیتا کے ہونٹ پھر پھر اڑے رہ گئے۔ بھل نے زیادہ کچھ نہیں کہا شاید ہی بہتر تھا۔ وہ گیتا کے پہلو میں رکھی ہوئی گرسی پر بیٹھ گیا اور دھونک گیتا کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبا لئے مسدود سا بیٹھا رہا۔ شہتی چاچا نے حقائق کے آگے لاکے رکھ دیا تھا لیکن مثال بھل کے زانو پر پڑی رہی۔ آج بھی گھر کی ساری روشنیاں جلی ہوئی تھیں۔ اندھیرا بیٹھے پر روشنیاں اور دیاں ہو گئیں شہتی چاچا کو اچھی طرح معلوم ہو گا کہ روشنیوں میں کیا رکھا ہے۔ ان سے کیا ہوتا ہے مگر کچھ دست و پا میں ہے، اس میں کوئی ٹکڑیوں چھوڑی جائے۔ آدمی کے اندر بھی یہ مقصد ہوتے تو سب کچھ کتنا آسان ہوتا۔ جب ذرا اندھیرا گرا ہوا، بٹن دبا دیا۔ دیر ہوئی۔ سب گونگے بنے بیٹھے رہے۔ بار بار ہر نظر بھل پر آئے مگر نہ ہو جاتی۔ اس کا سوسا سو جا، اُدھر اُدھر چہرہ انھیں اجنبی لگ رہا تھا تاہم انھیں بھل کو بھی کچھ رعایت دینی چاہیے تھی غالباً اسی سبب سے وہ خاموش تھے یا انھیں نئے لفظ نہیں مل رہے تھے۔ کراش جی کہتے تھے، تکرار سے لفظ بوسیدہ ہو جاتے ہیں اور دنیا میں جس چیز کی سب سے زیادہ کمی ہے، وہ لفظ ہیں۔ ان سب کی آنکھوں میں آنسو بھی نہیں رہے تھے کہتے ہیں، آنسو، سینہ کچھ ہلکا کر دیتے ہیں مگر آنسو بھی فظوں کے مانند ہیں، اندر بہت آگ لگ رہی ہو تو جس طرح لفظ ساتھ نہیں دیتے، آنسو بھی کام نہیں کرتے، آنسو بھی مل جاتے ہیں۔

مولوی اکرم نے منیر محل سے وقت پوچھا اور کھڑے پھتے ہوئے ایک بیک اٹھ کھڑے ہوئے۔ بٹن کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ مرنے پر ایک بک نے جس جانا تھا بھی شہتی چاچا بھی شامل ہو گئے مولوی اکرم نے نمبر پڑھی، امامت بھی انھوں نے کی، میں، جمرہ، شامو، مانی اور منگو اٹھ کے عمارت کے عقبی حصے میں چلے آئے۔ میرا سارا جسم دکھ رہا تھا لیکن یہ اندر کسی کمرے میں جا کے لیٹ جانے کا وقت نہیں تھا۔ وہ میری طرف متوجہ ہو جاتے تھے بعضی حصے کے وسیع دالان میں نواڑے پلنگ رکھے تھے۔ جمرہ اور شامو ان پر بیٹھ گئے میری طرح ان کے جسم بھی اٹھ رہے ہوں گے۔ آدمی آدمی کا کتنا پابند ہے۔ اُن کا جی بھی یہاں سے بھاگ جانے کو چاہتا ہو گا لیکن ہر ایک کے پیٹ سے کوئی زنجیر لٹی ہوئی تھی۔ امیری صرف زندان کی نہیں ہوتی۔ وہ گم گم ادھر ادھر پڑے کسمائے، کھلائے رہے۔ میری توقع کے خلاف انھوں نے مجھ سے کچھ نہ جانے کچھ پوچھنے کی کوشش بھی نہیں کی مگر آگے اور سب کے چہرے دیکھ کے شاید ان کا حوصلہ زیادہ پست ہو گیا تھا۔ اتنی دیر میں انھیں اندازہ ہو گیا ہو گا کہ کوئی ایسی دوسری بات ہوئی تو میں انھیں خود گاہ کر دیتا اور اگر میں کچھ چھپا ہی رہا ہوں تو مجھے مجبور کیوں کریں عقبی حصے میں بہت سکون تھا مگر یہاں آگے دم اور کھٹے لگا تھا۔ نماز کے دوران ہمارا وہاں بیٹھے رہنا بھی نامناسب تھا۔ میں منگو کو بھیج کے دکھانا چاہتا تھا کہ اب تاجان وغیرہ نے نماز ختم کر لی ہو تو اسی طرف چلیں۔ اتنے میں شہ پارہ کی آواز آئی۔ سب بڑبڑا گئے جیسے سب کسی خواب سے دو چار ہوں۔ شہ پارہ کھانا گانے کی اطلاع دینے آئی تھی کسی کو بھی خواہش نہ ہوگی لیکن کسی نے انکار نہیں کیا۔ ہم گھوم کے عمارت کے سامنے والے حصے کی طرف آئے تو وہ کھانے کے لیے اٹھ رہے تھے۔ اسی لمحے میں دروازے کی گھنٹی بجی۔ جوہاں تھا وہیں ٹھہر گیا۔ اب تاجان نے منگو کو بارہا دیکھنے کا اشارہ کیا۔ اسی اثنا میں بھل خود دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ میں بھی بیک کے اس کے پاس پہنچ گیا۔

مجھے ایک لمحے کے لیے لگانا ہوا تھا کہ میں شکار ہو، اس کے باوجود ہمارے اپنے سامنے دیکھ کے مجھے جھٹکا سا لگا۔ وہ مادہ ہاں میں اپنی موٹر کے پاس کھڑا تھا مولوی بھی پولیس کی نہیں تھی۔ بھل نے سلام کے لیے ہاتھ اٹھا یا ہی تھا کہ شکار نے بڑھ کے اس کا شانہ بکڑ لیا "آؤ آؤ صاحب! اندر آؤ۔" بھل نے کسی قدر اضطراب سے آواز میں کہا "سب خیر تو ہے؟"

"ہاں ہاں بالکل، سب ٹھیک ہے۔" شکار بھلکے ہوئے بولا۔

"ادھر سے گزر رہا تھا، سوچا..."

"چٹا کیا صاحب، بہت اچھا کیا؟"

"یہاں آگے احساس ہو رہا ہے کہ یہ وقت نامناسب ہے"

"کیا صاحب! کیسا بولتے ہو؟"

"جی نہیں مانا، اب اس ادھر کا رخ ہو گیا"

اپنے شوک تھا، آپ آگے آگے تھے؟

کھلا پکس چھپکا لگا: آپ کو اندازہ تھا؟ کیسے کیسے؟

ابھی تک آپ آدھے دروی والے ہو۔

سلمان تو وقت کے بعد شکار مسکرا پڑا۔

نیر علی، مولوی اکرم، جمرہ، شامو وغیرہ سبھی باہر آگئے تھے۔

بائیں، مانی، جمرہ اور شامو کے لیے البتہ وہ دیا نہیں تھا۔

ن کی رات وہ اسے بھلنے میں دیکھ چکے تھے۔ شکار اندر لگے چارہ تھا، شائستگی کی جھلک، بھل نے اس کی کمر پر ہاتھ رکھ دیا۔ اندر چلے کو کتا تو اس نے مزید تاثر نہیں کیا۔ وہ سر جھپکائے ہوا۔ اسے دیکھ کے ایک بار گیارہ تھا تھا تھا کتا کتا اس وقت بے بسب نہیں ہو سکتی، ابھی سہ پہر تو اس سے رخصت ہونے لوم پھر کیا خبر لایا ہو۔ مگر شکار کے انداز اور ادار اور دلچسپی ہی اس کو دیکھ نہیں تھی جو میری وحشت سواری کا اندر کے روشنی ہی اس کی نظر اب تاجان پر پڑی، وہ جھٹک کے رک گیا۔

بابا، اپنے لاڈلے کے بابا، بھل نے اسے ہانسی سے کہا۔

ہیں، میں دیکھ رہا تھا؟ شکار حیرانی سے بولا۔ اب تاجان سے نے کے لیے بے ساختہ اس نے ہاتھ پھیلا دیے میں آپ کو

"تھا؟"

مجھے؟ اب تاجان نے تندی سے کہا: کیسے؟ مجھے یاد نہیں

جناب سے...؟

اتنی بار آپ کا ٹیبلر سا اور...؟ وہ کہتے کتے ٹھہر گیا اور میری پس جما کے بولا "آپ میرے لیے بالکل اجنبی نہیں ہیں، پوچھیے؟"

تاجان کے علم میں تھا کہ ابھی میں مجھے بہت سے لوگ بلکہ تاجان کے نام سے جانتے ہیں اس لیے وہ چہرے میں تباہی چھائی

میں سے شکار کو دیکھتے رہے۔ یوں ہی اس کی وضع قطع میں ارتقاء، لمحے میں بردباری تھی۔ بھل نے تاجان کی پریشانی کو

غیر انھیں بتایا کہ شکار جی کی وجہ سے ہم ان تک پہنچ سکے تھے

مانے اب تاجان کی تلاش کے لیے ہندوستان بھر کے تھانوں کو

اند کیسے تھے، ان کے بعد شکار ہی اس سلسلے میں پیروی کرتا

بڑھ میں میرا تاجا ہوا اب تاجان کا خلیہ تفصیل سے درج تھا اور

زیر ہو گیا تھا آخر کام میں اب تاجان نظر آگئے شکار کے تار کے

میں یہ اطلاع فضل آباد میں تھی بھل نے شکار کو نہیں بتایا کہ

بابا تاجان نہیں نہیں مل سکے تھے، میں تبت کا مسافر بنا پڑا اور

ابھی بہت کچھ دیکھنا سننا رہا تھا کہ نشانے چوکے رہے، ہم زعل و ملتا واپس آگئے شکار تو وہ میں رنگا رنگا تو شاید اب تاجان میں بھی ملے۔

ملنے بھی تو جانے کہ کس حال میں تبت سے لے کر ہمارے کنارے کے ساتھ ان کی تندرستی کس طرح ممکن ہوئی اور واپسی کا سوال تو بعد میں آتا تھا انھوں نے صدیوں پہلے کے مدفون تھانے تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ اس شخص کی سنگلاخ دیواروں، دروں میں جیسے ہوئے نوادر کر بدنے میں انھیں ایک مگر مگر جانی، اب تاجان کے چہرے پر حیرت چھائی ہوئی تھی۔ ان کے ہونٹ شکار کے احسان کی زیر باری سے سکے رہے۔ ممکن ہے، انھیں امی کی یاد بھی آئی ہو اور فی کی بھی اور بھی بہت کچھ اس ذکر پر سب کچھ تازہ ہو جانا چاہیے۔ وہ شکار سے کچھ نہ کر سکے۔

مجھے آپ سے ملنے کا اشتیاق تھا آج دوں کو دوں باپ بیٹے کو ساتھ دیکھ کے یقین کیجیے کیسی کیسی، شکار کی آواز بھی بھڑکی۔

مکاش کرنا شامی آج زندہ ہوتے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ سب اٹھی کا...

درمیان میں جولین کے آنے پر شکار کی آنکھوں کی چمک فزوں ہو گئی۔ جولین نے رسمی سلام کے بعد اسے کچھ کہنے کی مصلحت نہیں دی اور سامنے بچھے ہوئے دسترخوان پر چلے کا حکم دیا۔ اس حکم میں تعلق خاطر کا باز بھی شامل تھا۔ شکار نے کنا چاکر وہ بے شک کنا کھا کے نہیں آپاے لیکن اسے بھوک بھی نہیں ہے۔ جولین نے اس کا غرور مستر کر دیا۔ برآمدے میں جانے سے پہلے شکار نے بھل سے خواہش ظاہر کی کہ پہلے وہ پیرواداد کی بوی اور بیٹی سے ملنا چاہتا ہے۔ گیتا اور رانی، فرخ اور فریال کے قریب کچھ فاصلے پر کھڑی تھیں۔ بھل کے ساتھ شکار خود ان کے پاس گیا، انھیں ہاتھ جوڑ کے پر نام کیا اور دونوں گنگ کھڑا رہے۔ پولیس کے بہت بڑے افسر ہیں ری، شکار جی، بھل نے ہماری آوازیں کہا گیتا اور رانی نے بیک وقت سر اٹھا کے اسے دیکھا، ان کے چہروں پر ایک آن کے لیے کوئی کلام سا کہ گزر گیا۔

"مگر میں، میں یہاں پولیس افسر کی حیثیت سے نہیں آیا ہوں، مجھے آپ سے ملنا تھا؟ شکار افسر کی سے بولا۔ مجھے بھی ان لوگوں میں سمجھنے چاہیے آپ کے دکھ درد میں شرکت کے لیے موجود ہیں؟ شکار کی زبان اٹھتی رہی۔ وہ وہی کچھ کہتا رہا جو آدمی کے تقدیر میں ہے۔ لوگ مرتے رہیں گے اور ان کے یہاں گمان کے سامنے زندہ رہ جانے والے یہی جموں جملے دہراتے رہیں گے۔ کوئی نہیں جانتا، سوگا اور صرف ایک بات مننا چاہتے ہیں کہ ان سے بچنے کے لیے والا بیک واپس آجائے گا، کوئی ترکیب، کوئی تدبیر تا کہ وہ اسے دوبارہ حاصل کر سکیں کسی کو یہ دعوے کرنا نہیں آتا میں آتا تو یہ ہم دروہاں کیسی، سب بے کار ہے۔

گیتا اور رانی خاموشی سے سستی رہیں۔ شکلا کے اظہار میں دل دھڑکی بھی تھی، بے چینی تھی۔ دونوں نے ساڑھی کے آپٹل سے منہ چھپا لیا۔ پھر نہ جانے شکلا کو کیا ہوا، اس نے بھائی انداز میں گیتا کو اپنے بکلیوں پیچھے لے لیا۔ لگا۔ میری چھوٹی ہنس کا منہ بھی بالکل تھکے ہوئے سی ہے۔ بہت چھوٹی تھی کہ ماں مٹی بتاتی بھی چند دنوں بعد بیل بے میں نہ ہی اسے پلا پلا ہے۔ میرے لیے وہ بیٹی کے مانند ہے تبھی دیکھ کے ایسا لگتا ہے پرج مانو، ایسا لگتا ہے کہ اب ایک نہیں، میری دو بیٹیاں، دو بنیں....

شکلا کو احساس ہوا تو وہ مضطربانہ گیتا کی پیٹھ ملانے، اس کے سر پر ہاتھ پھرنے لگا اور بولا "نہیں، نہیں، روؤ مت، مجھے معلوم ہوا ہے کہ کچھ کھن لڑکی جو علم تو حاصل دیتا ہے، علم سے تو اندھیرا اجالا زیادہ بھیج دیتا ہے۔ جب سے دنیا ہی ہے، یہی ہوتا رہا ہے، آگے پیچھے لوگ بھڑکتے جاتے ہیں۔ یہاں جتنے بھی ہیں، سب ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں۔ گے سب کی تقدیر ایک جیسی ہے۔ ہر آدمی چھوٹی بڑی مدت کا مسافر ہے۔ تمھارے پتا جی نے تو اتنے لوگ اتنے پیچھے لوگ تمھارے لیے ورثے میں چھوڑے ہیں۔ یہ تو بہت بڑی دولت ہے۔ جانے والے تو کبھی بہت ایکا، بہت تنہا کر جاتے ہیں تمھارے پاس تو اتنے....

گیتا اور چھٹ بڑی۔ جھیل نے شکلا کی مدد کی اور گیتا کو اس سے جدا کر دیا۔ وہ روتی سسکتی گیتا کے شانوں پر ہاتھ رکھے ہر اکسے کی طرف بڑھ چکیا۔

دستر خوان پر جھیل نے شکلا کو اپنے پاس ہی بٹھایا۔ میں بھی اس کے ساتھ تھا، جو لین میرے برابر تھی۔ وہ بار بار شکلا کے آگے دوٹکے رکھتی۔ اس کے اصرار پر شکلا آخر تک ہاتھ چلاتا رہا۔ میر علی اور ولوی اکرم نے خانے کے دوران مضامیر چھپایا ہوا غبار دور کرنے کے لیے کئی مرتبہ موضوع بدلنے کی کوشش کی۔ اتنا ضرور ہوا کہ گیتا اور رانی کے آنسو ٹھہ گئے۔ کھانے کے بعد بھی شکلا درمیک و دستر خوان پر بیٹھا رہا اور مختلف موضوعوں میں مختلف غذاؤں کے خواص کے بارے میں میر علی کی باتیں انہماک سے سنتا رہا۔ وہ کھلی کھلی آنکھوں سے سب کو دیکھتا تھا، کسی حد تک حیران و پریشان آنکھوں سے۔ جب دوبارہ سارے مرد و سترے پر بیٹھے تو بھی اس کا یہی عالم رہا۔ آبا جان نے شکلا کے قریب کی کرنسی سنبھال لی تھی۔ ایک شخص کے اچھا لگنے کے علاوہ اس قربت کی وجہ اور بھی ہوگی۔ ان کی نظر پر مسلسل شکلا کا احاطہ طے ہوتے نہیں۔ سر پر بھی انھیں ایک پیلو کرنا نہیں تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ شکلا سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں مگر جیسے سرائیں مل رہا ہے گھر کے ایک آدمی کو، دادا سے تعلق رکھنے والے کسی شخص کو جو بے کلی ہوئی چاہیے، وہ انھیں بھی ہوگی

اب تک سب کچھ جوں کا توں قبول کر لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں وہ اندھا وقت گزر چکا تھا۔ آبا جان کو گرد و پیش کا جاننے کی بہت کم ہوگی، پولیس کے روئے اور اندازے جاننے کی بے تابی، ہم پر کوئی آنے یا کسی طور ہمارے قوت ہو جانے کا خدشہ ان کے سینے پر دھڑکتا ہوگا جو بات وہ ہم سے نہیں پوچھ پاتے تھے، مناسب سمجھتے تھے یا ہم سے کسی معقول بات کی توقع نہیں تھی، اسے پورے کے لیے یہ موقع قیمت تھا۔ ایک پولیس افسران کے سامنے موجود جھیل کے برقی ایک بڑا پولیس افسر شکلا کی خوش بانی، وضع و فرد و جگہ، ادھر جو لین نے بھی شکلا کے لیے سب کا ٹکڑا دوڑ کر نہ میں ہر مدد کی تھی اس کی بے ساختہ خاطر داری اور غیر ارادی انکسائت کا بھر دخل تھا بھی شکلا کسی کو ایسا اجنبی نہیں لگتا تھا لگتا تھا جیسے بہت سے وہ اس گھر میں آ رہا ہو جو لین کی ماں اور چچا بیکہ تو بے چینی ہی اچھی طرح جانتی تھیں انھوں نے بھی شکلا کا ایک اچھا تاثر قائم کر دیا جو لین کی اعانت کی تھی مگر شکلا کا تعلق ہر حال پولیس سے تھا اور آبا جان ایک سرد گرم چٹھہ شخص کے خیال میں اس کی اجاگات آمد محض اعلیٰ کے لیے نہیں ہوگی، کوئی دوسرا مقصد بھی ہوگا۔

شکلا کی طرف آبا جان کی رغبت ایک طرف نہیں تھی، شکلا بھی انھیں کی جانب مائل تھا۔ وہ بھی کے موسم کی نیرنگی کے بارے میں تجربے سنا رہا تھا اور کوئی عجب نہیں تھا کہ باتوں باتوں میں کسی نے ان سے پوچھ لے کر آخر کیا مجوری تھی جو انھیں اپنے آبا جان گھر اور ستر دور ہونا پڑا، کیوں جلد علودہ نہ گئے، شہر بدلے رہے۔ انھوں نے اس کی بھی پردا نہیں کی کہ ان کا جواں بٹا خٹور کھانے کسی گھر واپس آ سکتا ہے، اس کے لیے کوئی پتہ نشان تو بتانے جاتے کیا؟ نے اپنی داستان میں اس پر خاک ڈال دی تھی؟ اس کی یاد تو انھیں آتی ہوگی کہ میں کوئی اس کے قد، اس کی کھٹی کا نظارہ تاہر کا تو انھیں بہت جلتی ہوں گی۔ آخر کیا تم کو تھا، کون سی دہشت تھی جو وہ خود بچائے بچائے، چھپائے چھپائے پھرتے رہے، شکلا کو بہت کچھ معلوم نہیں تھا میں نے ساری بات کرنا بھی کو بھی نہیں بتائی تھی کہ آبا جان گھر چھوڑنے کا اصل سبب کیا تھا۔ مجھے خود بھی اتنا کام معلوم تھا تھا کہ سان و گمان میں بھی نہ ہوگا کہ ایک اجنبی لڑکی کے ترک کے لیے کاغذات کے نقش و نگار نہ ان کی مینا فیہ کردی تھی۔ معلوم ہوا کہ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس کی کیا حالت ہوتی۔ اس جیل میں عزت و کے راستے چھپے تھے، آبا جان کو انھیں کھوتا تھا کسی ہم جوار طالع آہ کی طرح سمندر کی گہرائی جتنی قریب آتی ہے، آدمی اتنا ہی ڈوبتا ہے

یوں پیچھے رہ گیا، اس نے صدائ لگائی، اس کا ہوش کسے رہتا ہے۔ اس کی کمال کی طلب میں ایسے ہی دیوانہ ہو جاتا ہے۔ ہر کمال کے پے اتنا شرط ہے، اتنا قربانی، صبر و ضبط پر آبا جان نے کاغذات کے گے کے علم پر تو تیر نہیں دی تھی جو دیوار کا نقشہ ہے۔ وہ نقش اندھروں میں بھی روشن رہتا ہے۔ کاغذات میں آپ جیات کا نقشہ ہن تھا جس کے بغیر ہر کمال عارضی ہے، نامختار اور ناتمام۔

شکلا نے آبا جان سے کوئی ایسی بات نہیں کی جس کا جواب ہا نہیں مشکل ہو جاتا یہی اندیشہ آبا جان کو بھی روک رہا ہوگا جو پڑوا کا تذکرہ ان کی زبان پر نہیں آ رہا تھا، کیوں معزز زمان کوئی اطمینان ش جواب دینے کے موقف میں نہ ہو جو، شامو، ماری اور رنگو کچھ روڈان بیٹھ کے چیکے سے ایک ایک کر کے باہر نکل گئے تھے شکلا نے بتا تو میں بھی ان کے ساتھ نکل جاتا مگر شکلا نہ ہوتا تو وہ بھی کیوں تے۔ اس آغا میں جو لین نے چائے کی ٹرے لاکے رکھ دی تھی۔ رنے چائے پانی اور آبا جان نے اوصی پہلی بھی ختم نہ کی ہوگی کہ ایک اٹھ گئے۔ شاید انھیں احساس ہو گیا تھا کہ جھیل کی موجودی میں وہ شکلا سے دادا کا کوئی ذکر نہیں پھیر سکتے اور خود ان کی موجودی جھیل ہر شکلا کی کسی ضروری بات حیت میں عاجز ہو رہی ہے انھوں نے لگاتے واجبی معذرت کی۔ ان کے ساتھ ہی میر علی اور ولوی اگر ہم بھی ٹھہ گئے۔

میرے اور جھیل کے سوا کوئی نہ رہا تو شکلا نے بس چند لمحوں کا وقف کیا مگر شیدا انداز میں جھیل سے کہا کہ تمھارے سے ہمارے جانے کے بعد وہ پھر ماری کے پاس گیا تھا اور اس نے ماری سے اس کے بیان پر غرائی کے لیے کہا تھا، ماری نے انکار کر دیا۔ ہمارے جانے کے بعد وہ بالکل بڑھال ہو گئی تھی۔ شکلا نے بتایا کہ صبح ماری کو جھیل ٹرے کے سامنے بڑھ کر دیا جانے لگا، پولیس نے کاغذات تیار کر لیے ہیں۔ ماری کل بھی کل منسل ہو سکتی ہے اور اسے چند دن کے لیے حالات میں بھی رد کا ہاسکتا ہے۔ اس دوران ماری اپنے بیان میں خود کو سی ترمیم کر لے کر لڑائی میں ہو سکتی ہے۔

جھیل سر ہلاتا رہا۔ وہ نہیں کرے گی صاحب! اس نے سپاٹ لے کر کہا۔

اس کے چوٹ کا خیال آتا ہے۔ شکلا بے قراری سے بولا۔ سمجھ نہیں آتا کہ اس کی کیا مدد کی جائے؟

اب تو تامل بھاد صاحب!

وہ ایک اچھی عورت لگتی ہے۔ کا شہ پر ازاد ات خود کرنے کے

بھائے سیدھی پولیس اسٹیشن آجاتی، پھر یہ سب نہ ہوتا؟

"آگے کا دیکھو صاحب!"

"ہاں!" شکلا ماری سے بولا۔ وہ تمھارے اچکی ہے وقت کو پیچھے چلنا نہیں آتا؟

"آپ بولو تو اس کو اٹھوا دیں؟"

"جی، جی!" شکلا اچھل سا گیا۔ کیا کہتا ہے ہو دادا؟

"سوچ لو صاحب!"

شکلا کی پیشانی شکنوں سے بھر گئی۔ تمھارے سے اسے اٹھایا جاسکتا ہے؟

"آپ کی مرضی پر ہے؟" جھیل نے جیسی آواز میں کہا۔

"اوہ! انو!" شکلا سر جھٹک کے بولا اور ایک ٹائیپ کے تذبذب آمیز سکوت کے بعد کہنے لگا۔ "پھر، پھر وہ کہاں جاتے گی؟"

"ڈیٹا کوئی چادر نہیں ہے صاحب!"

"اور بچوں کا...؟"

"ساتھ ہی رہیں گے اس کے؟"

"اور سب چھپے رہیں گے؟" شکلا کھنی سے بولا۔ لگ بھگ؟

کہاں تک؟ وہ قتل کی ملزم ہے۔ دادا!

صرف دو ہی تو کیے ہیں صاحب!

شکلا نے اپنے ہونٹ بھیج لیے۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا، تم، تم کیا کہہ رہے ہو دادا؟"

"نہیں آتا تو جانے دو!"

"میری بات دھیان سے سنو!" شکلا کی آواز میں ترشی تھی۔ "تم جو کہہ رہے ہو، میرے خیال میں وہ بالکل ممکن نہیں ہے لیکن اگر آگرا ایسا ہو سکتا ہے تو اس سے اس کا کوئی بھلا نہیں ہوگا۔ ایسا مت سوچو دادا! ہم اور بھی کئی طریقوں سے اس بھان کی مدد کر سکتے ہیں صبح مشورہ تو ایک اچھا وکیل ہی دے گا۔ کا ادھر پولیس نے بھی اپنی رپورٹ میں ماری کے لیے نرم رویہ اختیار کیا ہے۔ وہ ایک عورت ہے عدالت منور اس کا خیال رکھ گی؟" جھیل چپ بیٹھا رہا تو شکلا جب اپنے آپ سے باتیں کرنے لگا۔ قانون بھی عجیب ہوتا ہے۔ عدالت کو اچھی طرح یقین ہوگا کہ ماری ایک عادی مجرم نہیں ہے اور وہ دوبارہ ایسا سنگین جرم نہیں کرے گی۔ ایک لمبی کارڈ رانی کے بعد عدالت بھی جس نتیجے پر پہنچتی، ماری نے وہی کیا ہے مگر اس کو سزا صرف اس وجہ سے ملے گی کہ اس نے عدالت کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ شکلا بڑھاتے ہوئے بولا۔ پر شاید یہی ٹھیک بھی ہے۔ ایک مرتبہ یہ حق عام کر دیا جائے

تو...! شکلا خود چرک پڑا اور حتی لہجے میں بولا "میری نظر میں ایک قابل وکیل ہے، میرا شر بھارا گورڈا اٹھتا ہے مگر ہم ماری کے پیے دوپے پیسے کی پروا نہیں کریں گے۔ پیسہ ہوتا ہی کس لیے ہے، جتنا پائے ہے پھینکیں گے، کیوں دادا؟"

"آپ زیادہ جانتے ہو صاحب!";
"کیا یہ پیسے کا صحیح استعمال نہیں ہوگا؟"

"ٹھیک بولتے ہو صاحب!";

بھل کے لیے جس کی تندی کی آمیزش تھی جو شکلا نے محسوس کر لی۔ "میرا مطلب ہے دادا! اس نے نسبتاً تیز آواز میں کہا۔ شکلا رو بہ پیسہ ہر جگہ نہیں چلتا۔ سونے کا مسک بکھریا بعض جگہ لٹھوٹا ہوا جانتے ہم عدالت کو رد پے پیسے سے نہیں خرید سکتے، نہ خریدنا چاہیے مگر ایک تجربہ کار وکیل عدالت میں ماری کے لیے منید ہو سکتا ہے۔ جن کو کہنے میں کیا حرج ہے ہم ان کم اس کی سزا تو کم کر سکتے ہیں۔ بھل کے بولوں میں جنبش نہیں ہوئی۔ شکلا منتشر ہو گیا، "کیا تم نہیں چاہتے کہ وہ... وہ... (کیسا بولتے ہو صاحب!"; بھل نے سر اٹھا کر کہا "ہم تو آپ سے بولے تھے، اس کی جگہ جاکے بیٹھ جائیں۔"

"نہیں دادا! اس کی ضرورت نہیں تم بس اتنا کرو ماری سے جاکے کہو کہ اپنی زندگی باؤں کے نوکے بچوں کی زندگی بڑی ہے۔ اُسے بولو، جیسا وکیل مشورہ دے، ویسا ہی بیان دے، مٹھوڑی خوش میں آجا۔"

"میں گے تو ضرور بولوں دیں گے۔"

"رات ہو گئی ہے۔" شکلا فطری دیکھتے ہوئے بولا "میں بھارا گوجی سے ملنے کی کوشش کرتا ہوں، صبح تم جتنی جلدی ہو سکے تھانے پہنچ کے اس سے مل لو تو اچھا ہے۔ تمھاری بات وہ ضرور مانے گی دادا! ہیں اس میں زندگی دوبارہ چمکی ہوگی، سمجھے دادا! دوپہر جب تم نے اُسے دیکھا تھا، اس وقت وہ کچھ اور تھی۔ لگتا ہے جیسے تم سے ملنے کے لیے اس نے طاقت بچا کر رکھی تھی۔ شام کو میں دوبارہ اس کے پاس گیا تو پہچانی نہیں جاتی تھی۔ اتنی دیر میں وہ ایسی اجڑ گئی تھی کہ مجھ سے ٹھیک طرح بات بھی نہیں کی۔ اُمڑے کے بیٹھی اور بس خالی خالی آنکھوں سے بری طرف دیکھتی رہی۔ میں اس کے منہ کو اس کا خیال رکھنے کا کہہ کر آیا تھا ضرورت پڑنے پر فوراً ڈاکو بھی بلائے گا..."

"اگ اپنے آپ کو بھی بھلائی ہے صاحب!";

"بالکل دادا! وہ تو ریت کا لڑکھ کا ڈھیر معلوم ہوتی تھی دیکھا نہیں جاتا تھا۔" شکلا کی آواز اس کے اضطراب کی غماز تھی "میں تمہیں

بتاؤں شام اُسے دیکھ کے مجھے شبہ ہوا کہ شاید ہی وہ عدالت کے فیصلے تک پہنچ سکے۔"

"نہیں چلے گی صاحب! وہ بھل نے سر دلیجے میں کہا۔
"تم بھی بری سمجھتے ہو؟" شکلا تیزی سے بولا۔ "پر دادا! یہ بھل تو اس میں تمھارا بھی دخل ہے۔"

"اپنا!"; بھل کر سی پر سیدھا ہو گیا "کیا بولتے ہو آپ صاحب بہادر!";

"تمہیں بچوں کا وارث بنانے کے وہ چنٹ ہو گئی ہے، ساک کاموں سے مرٹ چکی ہے، اُسے نہیں ہے کہ تم اس کے بچوں کے لیے اس سے بڑا سایہ بنو گے، تم، ظہیر اور... گو اس نے اپنی کاپڑ پونجی بھلائے حوالے کر دی ہے مگر وہ جانتی ہے کہ اس کے بغیر ایک بار ڈنٹے داری لے کے تم وہی کرتے جو زیادہ سے زیادہ جملہ بس میں تھا، جان سے زیادہ اُن کی حفاظت۔"

"وہ تو الٹی ہوئی ہے صاحب! آپ نے دیکھا ہی ہے اُس حرام کی جی کو، ہم نے آپ کے سامنے اس کو سارا بولا تھا، بھل نے ترشی سے کہا۔"

"میں نے دیکھا تھا۔ تم یہی کرتے، تمھاری جگہ کو کوئی بھی ہوا وہی کرتا لیکن تمھاری جگہ کو کوئی دوسرا ہوتا تو ماری کو اتنا نہیں بھنا آتا۔ وہ تو تم تھے دادا، کوئی اور نہیں۔ اس وقت تمہیں اسی طرح سنا چاہیے تھا جس طرح وہ کہہ رہی تھی مگر اب تم، تم اُسے بٹانے ہو تمہیں اس سے کہنا چاہیے کہ ایک ماں سے زیادہ کوئی اصل کے بچوں کے لیے بستر نگار نہیں ہوتا، کوئی بھی نہیں۔ تم اُسے مجبوریاں بتا سکتے ہو، سیدھے اور سچے عذر... اس صورت میں وہ... میرے کہنے کا مقصد یہی ہے۔" شکلا کو وضاحت میں لگا "آرہی تھی۔ وضاحت کی ضرورت بھی نہیں تھی بھل ساکت رہا۔ بیٹھا اُسے گھورتا رہا۔"

"مجھے اٹھنا چاہیے صبح تھانے میں ملاقات ہوگی۔ امید ہے تم جلدی آؤ گے۔" شکلا کا لہجہ عکبر بھی تھا، انتہائی بھی بھل نے ٹھیک بند کر کے اثبات کا اظہار کیا۔ "وہی ہے اب تمھارے پاس وقت ہوگا۔" شکلا نے کہا۔ "پارے تو جانا نہیں۔" میری نظر میں ایک بھل کی طرف گئیں، میری طرح اُسے بھی حیرت ہوتی ہوگی۔ پانچ بجے کے نہ جانے کے ہائے میں شکلا اس وقت سے کہہ رہا تھا میں پوچھنا چاہا لیکن بھل کو خاموش دیکھ کے چپ رہا۔

شکلا تیکے لیے میں کہنے لگا جو مجھے نہیں معلوم کہ تم نے بھی

ہائے سے ناکا توڑنا کیوں ضروری سمجھا حالانکہ تمھارے اور ظہیر کے کسی بھی ہم دردی ہی خواہش ہوگی کہ تم کبھی پارے کا رخ نہ کرو مگر ابھی ابھی شاید تمھارا دہان جاتے رہنا کچھ بہتر ہوتا۔"

"اب اپنا ادھر کی کوئی کام نہیں تھا۔"

"دوسروں کا تھا، پولیس تمہیں وہاں دیکھنا چاہتی تھی پولیس کو اندیشہ ہے کہ تمھارے جیسے دادا کے پارے سے مٹنے کے بعد دادا لوگ بہت دنوں تک آپس میں بیٹھے نہیں رہیں گے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اُسے کیس ٹوٹ مارے، اُن کے درمیان کتنا سر پھٹول ہو رہا ہے فوراً ہی خبر دی گئی تھی۔ شام ہی کو پولیس افسروں کی میننگ بلائی گئی۔ میرا خیال ہے، اب تمہیں یہ بتا دینے میں کوئی حرج نہیں کہ کئی پولیس افسروں کا من تمھاری طرف سے صاف نہیں تھا۔ صبح ہی کے تھکانے آنے سے پہلے یعنی کل رات تک تمہیں شک تھا کہ کہیں وہ تمہی نہ ہو تم نے اُس رات دادا کی موت کی رات تمھارے میں بہرپ بھرا تھا اور پولیس کو فریب دینے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ انھیں انوس تھا کہ تمہیں اس رات تمھارے میں کیوں نہ لوگ لیا گیا۔ اس دوران تمہیں تمام نشانات، شہادتیں ملنے کا موقع مل گیا۔ یہاں ابھی باقی رہا تھا تو نہ ڈانٹے تمہیں کچھ اور وقت دیتے کیوں کہ وہ تمھارے طرف سے پوری طرح باخبر تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ تم نے بہت دیر بعد پارے پر سیر کی جگہ بیٹھنا قبول کیا تھا۔ وہ اصرار جو تمھارے جیسے دادا کے ہاتھ آجائے کے بعد انہی آسانی سے چھوڑ دیے جانے کے فیصلے پر ناراض تھے، اُن کی رائے میں پارے پر تمھارے نہ بیٹھنے کی ٹھیک بھی ایک دکھاوا تھی اُن افسروں کی تعداد زیادہ نہیں تھی اسی برسے اُن کی بات نہ چل سکی لیکن وہ افسر جنھوں سے تم پر اعتبار کیا، ماؤں کی بات واضح نہ ہونے کی وجہ سے ڈلگائے گئے تھے۔ یہ جیسے کوئی سراغ ملنے میں انھیں ناکامی ہو رہی تھی، وہ کم زور رہے تھے ٹوٹ پھرنے اُن کی نظر میں تمھاری ہی طرف آئیں ماری اُنہی تو شاید تمہیں زیادہ وقت نہ ملتا۔"

"اپنے کو بس اتنے ٹائم کی ضرورت تھی۔"

"اتنے ہی ٹائم کی؟" شکلا تعجب سے بولا۔

"دادا کو آگ میں چھونکا اور تھوڑا دن دونوں کو سنبھالنا تھا۔ لے لے کر اُس کے طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر وہ بھی دیر نہ گزری۔ "اندازہ ہے دادا! شکلا گری سانس لے کے بولا۔ میں سوچتا ہوں اس رات اگر وہ تمہیں تھکانے میں روک لینے اور تمھارے بجائے لانا اور ذریعے سے گیتا اور اس کی ماں کو دادا کی خبر نہ تو جانیے کیا۔"

کیا کچھ بدلا ہوا ہوتا..."

"نہیں روکتے صاحب وہ اپنے کو۔"

"نہیں روکتے! تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو؟"

"اپنے کو پتہ تھا، وہ روک سکتے ہیں۔ اسی واسطے ہم نے پورا ٹائم لگایا تھا، اُن کو آگے پیچھے کا سمجھانے کو، اس کے بعد اپنے کو جانے ہی دینا تھا۔"

"میں، میں جانتا ہوں۔" شکلا ہلکاتے ہوئے بولا۔ پہلے نہیں تو بعد میں مجھے اس کا احساس ہوا اور اب یہاں آنے کے بعد کچھ زیادہ معلوم ہوا کہ تم نے وہاں کس لیے اتنی کمزاری تھی۔ پولیس کے سلسلے میں تمھارا تجربہ کم نہیں ہوگا دادا! میں انھیں انگوٹوں کے درمیان ہٹا ہوں۔ اُن میں سے کسی کا داغ پھر سکتا تھا، وہی راستہ کا پتھر بن جاتا۔ وہ نینوں افسر تمہیں چھوٹنے کا فیصلہ نہیں کر پائے تھے۔ باہر آکے انھوں نے یہی کام بھی مگر پولیس نے یہ سوچ کے کہ تم پر کڑی نگرانی رکھی جائے گی تمہیں تھکانے سے جانے کی اجازت دے دی، فرض کرو! اگر ایسا...؟"

"پھر اپنا بھی ٹوٹ سکتا تھا صاحب!";

شکلا کے چہرے پر لکیریں چمک رہی تھیں جیسے بھل کی بات اس کی سمجھ میں نہ آئی ہو یا اسے ناگوار گزری ہو یا بھل کی داعی حالت پر اُسے شک ہوئے لگا ہو۔ تاہم اُس نے نرم لہجے میں کہا۔ "ویرنہ تو جانی دادا! اخیر وہ پہلو بدل کے بولا۔ جانے دو! اب سب بعد کی باتیں ہیں۔ بات کہاں سے چلی تھی، کہاں لٹک گئی جانے میں کیا کہا جاتا تھا۔" "آپ سو رہے آئے کا بول رہے تھے۔"

"ہاں! شکلا مستعدی سے بولا۔ "اور میں، میں کہہ رہا تھا، شکر کرو کہ ماری اتنی۔ وہ نہ آتی تو وہ تمہیں زیادہ وقت دیتے۔"

رشتہ کے منہاں (اولیائے) کے پڑا تو اوقات کا مجموعہ
بڑی کی شہر مہنت ضا استہ ہر گز کی قلم سے

روشنی کے منہاں

کلمہ کی شہر مہنت ضا استہ ہر گز کی قلم سے

شائع ہو چکا ہے

پتہ قریب کسٹل سے طلب کریں۔ یا رولرست میں نہیں

مکتبہ انجمنیات پرنٹرز

بے حسی میں شاید ہی ہوتا ہے۔

صبح کسی کا ہاتھ مجھے اپنی پیشانی پر محسوس ہوا تو میری انگلی کھلی۔ میں ہڑبڑا کے اٹھ گیا۔ سنبھل کر تے اور باجے میں لمبوس جولين آئی تھی، نکھری نکھری، اٹلی اٹلی پہلی نظریں تو مجھے زریں کا لالہ ہوا، جولين کو اس لباس میں، میں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ میرے ہڑبڑانے پر وہ بھی گھبرا گئی۔ "طبیعت تو ٹھیک ہے؟" اس نے متردب سے میں پوچھا۔

"ہاں ہاں، بالکل" میں نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں مگر خوب روشن تھا۔ جولين کے سوا وہاں کوئی نہیں تھا۔ ایک وقت ہوا ہے؟ "جولين کے جواب دینے سے پہلے میری نظر گھڑی پر گئی۔ ساڑھے دس بج رہے تھے۔ "اتنی دیر ہو گئی؟" میں نے سٹ پٹاتی آواز میں کہا۔

"تو کیا ہوا؟" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "دونوں کی نیند تھی؟" "یہ لوگ کہاں گئے؟" "جمرو بجائی تو سویرے سویرے بابا کے ساتھ نکل گئے تھے باقی سب یہیں ہیں۔"

"کہاں، بھٹل بجائی کہاں گئے ہیں؟" جولين کو کچھ معلوم نہیں تھا مگر مجھے یاد آیا۔ قبض کو تو صبح ہوتے ہی قلابے کی طرف نکل جانا چاہیے تھا۔ لیکن اس نے میرے اٹھنے کا انتظار کیا ہوگا؟ مجھے اٹھایا ہوتا؟ میں نے تنہی سے کہا۔ "بابا نے منع کر دیا تھا۔ کئی بار میں جھجک کر گئی، فرخ اور فریال بھی، تم بے خبر سو رہے تھے۔" جولين تشنگی سے بولی۔ "کیا بہت مڑی کام تھا؟"

"نہیں" میں نے بے شرت تردید کی۔ "کوئی ایسا کام نہیں" اتنی دیر میں میری آنکھیں پوری طرح کھل گئی تھیں۔ آدمی بھی مناظر اور موسموں کی طرح خواص رکھتے ہیں۔ کوئی نادیراں سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ مجھے احساس ہوا کہ وہ ابھی تک کھڑی ہوئی ہے۔ بیٹھ جاؤ۔" میں نے اپنے بال درست کرتے ہوئے کہا۔

قریب کوئی گھسی نہیں تھی۔ وہ میرے بائیں سر کے بیٹھ گئی۔ میرے جبین آیا، اس سے سکوں کر تم ان گھروں میں کسی تلفظ کتنی اچھی لگ رہی ہو۔ ہو سکے تو یہی لباس پسنا کرو مگر مجھے مناسب لفظ نہیں ملے۔ "اور اندر تو سب خیریت ہے؟" میں نے بھجکتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں، سب ٹھیک ہے" اس کی آنکھیں اور چپ اٹھیں

رائی بجائی اور گیت آج اور بترنگ رہی ہیں۔ خدا کرے، سب ایسا ہی رہے۔

"ہاں دیکھو، اتنی جلد تو... میری آواز گھٹنے لگی۔ "سب اُن کے قریب ہی رہتے ہیں، کسی وقت بھی وہ نہ کو تنہا اور بے اسرار نہ سمجھیں۔ انھیں احساس ہے کہ ایک ہیرو بابا گئے ہیں، اُن کے پوچھنے والے ابھی بہت سے ہیں۔"

"مگر کبھی بہت سے آدمی بھی ایک آدمی کا بدل نہیں ہوتے؟" "کوئی بھی اُن کے لیے ہیرو بابا کی جگہ نہیں لے سکتا۔" جولين یاس سے بولی۔ "رشتے عمودوں کی طرح نہیں ہوتے۔"

اس نے کسی سچی بات کس سانگ سے کہی ہے۔ میں اُسے دیکھا گیا۔ رات شگلا جی در تک بیٹھے رہے؟ مجھے خاموش دیکھ کے اُس نے پوچھا، اُس کا لہجہ جس سے عاری نہیں تھا۔

"ایسے ہی" میں نے کہا اور سوچا کہ مار کے متعلق اسے بتا دینے میں کیا حرج ہے لیکن پھر بہت سے سوال کرے گی اور کچھ سے شاید بہت کا جواب دینا پڑے گا، سو میں نے اپنی زبان بند کر لی۔

"رات رات رماؤ دیکھا کبھی نہیں آئے؟" وہ فکر مند سی بولی۔ "مجھے کبھی بھی باراں کا خیال آیا، کوئی کام ہو گیا ہوگا؟" "وہ دونوں بہت اچھے ہیں۔"

"بہت، کم لوگ ایسے ہوتے ہیں؟" "کیلاش کو تو دیکھا ہی تھا، رما تو کچھ اور بھی... وہ ایک نیاں ہم درداور... وہ لفظ دھونڈنے کی کوشش کرنے لگی اور کچھ بھینچ نہیں آیا تو گھڑی میں بولی۔ "ویل مینڈ اور کری ایٹو..."

"ہاں، اُس میں بہت سی خوبیاں ہیں۔" "خوب صورت بھی بہت ہے" وہ اُستکی سے بولی۔ میں نے کنا چاہا، تم میں بھی یہ خوبیاں کم نہیں ہیں لیکن میں سوچتا رہ گیا یا اس نے مجھے کچھ کہنے کی مہلت ہی نہیں دی، سرگوشیاں نے مجھے بولی نکالا بڑی تعریف کرتی ہے۔

"ہنڈ" میں نے تنہی سے کہا۔ تعریف کیا، سب ہم دردی کرتے ہیں۔ میری صورت ہی شاید کیسی ہے۔

"صورت کی بات نہیں" وہ تیزی سے بولی۔ "تم کیا سمجھتے ہو، تمھاری صورت کیسی ہے؟"

"مجھے کیا معلوم، کوئی بات تو ایسی ہوگی۔ میں تو یہی دیکھتا ہوں۔ میں کسی سے کچھ نہیں کہتا، لوگ خود بخود ہم دردی کا اظہار کرتے لگتے ہیں۔"

"وہ تم سے خاصی متاثر لگتی ہے۔"

"پہلا تاثر تو صورت ہی کا ہوتا ہے۔"

"مگر پہلا ہی، رہا ایسی لڑکی نہیں جو سامنے کی چیزوں پر توجہ دے۔" جولين کی دوسری آواز میں یقین بھی تھا، یقین بھی تھی، کہنے لگی۔ تم کسی سے کچھ کہتے جو نہیں، یہ بھی تو دہر ہو سکتی ہے۔ رہا کی نظر اس دے بھی خوب گہری ہیں۔ ابھی کل ہی کہہ رہی تھی کہ اس شخص سے مل کے کسی دریافت کا احساس ہوتا ہے۔

"وہ ایسی ہی دل چسپ باتیں کرتی ہے، خیالی، تصوری؟" "ایسا غلط تو نہیں کہتی؟" "تم بھی یہی سمجھتی ہو؟"

"میرا کیا، میں تو اس کی بات کر رہی ہوں؟" وہ کسی قدر خشکی سے بولی اور چادر کی شکنیں درست کرنے لگی۔

میں نے محسوس کیا کہ وہ کسی کشش سے دوچار ہے اور کچھ کنا چاہتی ہے مگر لے کر گزر گئے، وہ چپ رہی۔ میں نے کہا: "اب گھر کھاؤ گی؟"

"کچھ نہیں کھا جا سکتا۔" "جانا چاہتی ہو؟"

اُس نے بلیں اٹھا کے ایک نظر مجھے دیکھا۔ اُس کی آنکھیں بھری ہوئی تھیں۔ "میرا مطلب ہے، آدھر بھی گھر خالی پڑا ہوگا۔ تمھارے اسکول کا بھی حرج ہو رہا ہوگا؟" میں نے ٹک کرک کے کہا۔

"تو کیا مجھے چلے جانا چاہیے؟" "نہیں نہیں، یہ بات نہیں، میں کنا چاہتا تھا کہ کب تک ایسے... میری آواز ٹھٹھکی لگی۔ کوئی اور بات دل میں مت لانا۔"

"جانے تم کیا کہہ رہے ہو؟" "کچھ نہیں، شاید میں خود بھی نہیں جانتا۔" میں نے شکستہ لہجے میں کہا۔ "بس ایسے ہی خیال آیا کہ کبھی منشر ہو گئے ہیں؟"

کوئی ٹہنی بات تو نہیں، ایسے وقت میں یہی ہوتا ہے کسی کو بھی یہاں کوئی الجھن یا پریشانی نہیں ہے۔ سب کی یہی کوشش بلکہ اڑو سے کہ کسی طرح جلد سے جلد دونوں کو قرار آجائے۔ اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟

"وہ تو ہے مگر..."

"یہ سب تو کسی کے بھی ساتھ پیش آ سکتا ہے۔"

"ہاں" میں نے توانائی سے کہا۔

"لگتا ہے، تمھیں کچھ زیادہ... وہ لفظ حراجا کے بولی۔

"تم بہت تنگ ہوئے ہو، بہت تنگ لگتے ہو۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔"

"پر کچھ ہے تو سہی؟"

"کچھ بھی نہیں ہے۔" میں نے کبیدگی سے کہا۔

اُس نے سخت نہیں کی اور نگاہیں نیچی کیے بیٹھی رہی، پھر نرمی سے بولی۔ "تم سے کئی باتیں کرنی تھیں، وقت ہی نہیں مل پاتا؟" خیر کچھ کہی، تم اب تیار ہو جاؤ، میں ناشتہ لاتی ہوں۔"

"کیا بات ہے؟ بیٹھو نا؟"

"اندر سے آئے دیر ہو گئی ہے۔"

"اندر تو کبھی لوگ ہیں؟"

"تم تو فکر مند ہو گئے؟" اُس کے لرزیدہ ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی، ایک اختیار پر مسکراہٹ، مہذب لوگوں کو خوب آتی ہے۔ ذرا آدھر کا حال دیکھ کے گھبرا کر ہوں۔ اتنی دیر میں تم منہ ہاتھ دھو کر کپڑے ہاتھ دھو رہے تھے؟ تبدیل کر لینا، منانے کا ارادہ ہو تو گرم پانی کا برتن بھی رکھا ہوا ہے۔" وہ مجھے ہدایت دیتے ہوئے اٹھنے لگی تو میں نے

غیر ارادی طور پر اُس کا ہاتھ تھام لیا اور مجھے ایسا لگا جیسے اُس کی کلائی کا رخ کی جی ہو، ایک ذرا تیز گرفت سے ٹوٹ جائے گی مگر دوسرے ہی لمحے میرے جسم کی طاقت جیسے کسی نے نیپٹھری، میں نے اُس کا ہاتھ

چھوڑ دیا مجھ سے چھوڑ گیا اور میں نے دیکھا، اُس کا سر اب بھی کسی شاخ کی طرح چلک گیا ہے۔ وہ بیٹھ گئی۔ لمحوں تک خاموشی طاری رہی نہ میں نے اُس سے کچھ کہا نہ اُس نے کوئی خاص بات نہیں۔ آخر وہ

دبے دبے لمحے میں بولی۔ "تم جانتے تو تم بھی کچھ ہو۔ سب تھکے سامنے سے ہیں کوئی اضافہ نہیں کروں گی۔ ایسا لگتا ہے جیسے تم کچھ بھول گئے ہو، بار بار بھول جاتے ہو۔ بھول جانا اور یاد آنا آدمی کے

بس میں نہیں، یہ آدمی کے بس میں تو بہت کچھ نہیں ہے۔ زندگی بھر وہ اپنے بس کی چادر کھینچا پھیلاتا رہتا ہے۔ شاید زندگی بھی اتنی ہی ہے۔

جولين رک گئی۔ مجھے اُس کے سلسلے میں گرہ پڑنا ہے کا اندیشہ تھا۔ ابھی اپنے جس سے باوجود میں نے بیچ میں ایک لفظ نہیں کہا۔ اُسے بھی ایک غلطی مدت میں میری سماعت کی طرف سے کوئی اطمینان

مطلوب تھا کہ اُس کی سمیٹنی آواز نسبت کشادہ ہو گئی، کہنے لگی کہ جہاں تک اُس کے مشاہدے میں آیا ہے، آدمی دھڑلے کی زندگی کا دنی میں صدقہ

ایک اپنے لینے ایک دوسروں کے لیے۔ دونوں ساتھ ساتھ۔ اپنے لیے کم دوسروں کے لیے زیادہ۔ اپنے لیے تو اسے زندگی کا دنی میں صدقہ بھی، شاید منہ دل با۔ بیان شخص بندھا ہوا ہے۔ اُس نے ایک

مجھ سے پوچھا: تم نے روس کو تو بڑھا چکا تھا؟

”روس کو! ہاں ہاں، کبھی بڑھا تھا۔“ میری زبان پر جمل کا نام آتے آتے رہ گیا کہ میں نے جیل میں معاہدہ عرفانی نامی کتاب پڑھی تھی میرا شوق دیکھ کے جیلر صاحب اور سوتیلے بھائی بھائی ہر طرح کی کتابیں فراہم کرتے تھے۔ اُس کے بعد تو مجھے پڑھنے کھنے کا ایسا موقع ہی نہیں ملا کہ مجھے روس کا نام ابھی طرح یاد تھا۔

”اُس نے کہا تھا کہ انسان آزاد پیدا ہوا ہے۔ پیدا ہوتا ہے مگر جلد ہر دیکھو، زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے، جکڑا جاتا ہے۔“ جولیٹن کا چہرہ جمل بڑھ سارا دھنسا ہوا تھا، جیسے کچھ نہیں رہی ہو، وہ دپٹے کا گونا گونا انگلیوں پر پلپتے ہوئے بولی کر دوسرے نے بولی کسی اور میں نظر حوالے سے کہا تھا لیکن یہ تو بہت وسیع ہے، طرح طرح سے اس کی تشریح کی جا سکتی ہے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ جو لوگ صرف اپنی زندگی گزارتے ہیں یا جنہیں اس کا موقع مل جاتا ہے، وہ خوش قسمت ہیں یا دوسروں میں مصروف رہنے والے، دوسروں کی خاطر خود کو بھول جانے والے، والستہ یا مجبور یا کوئی بھی صورت ہو مگر یہ سچ بات کہ جاتی ہے اور شاید یہی سونا بھی چاہیے پھر بھی معلوم نہیں کہ سچ کیا ہے؟ اپنے لیے زندہ رہنا سچ ہے یا دوسروں کے لیے؟ کون سا سچ بڑا ہے؟ کس میں زیادہ لطف ہے؟

اُس کی آواز اچھے لگی۔ ہندوستانی میں اسے مشکل پیش آتی تھی تو وہ انگریزی کا سہارا لیتی تھی جس کو لگوں کی طرح بیٹھا رہا۔ ”تو نے کہا تھا کہ آدمی آزاد پیدا ہوتا ہے مگر کیا واقعی ایسا ہے؟“ وہ کہنے کہنے انداز میں بولی۔ ”یوں کہا جائے تو کیا غلط ہوگا کہ آدمی پابند پیدا ہوتا ہے کہ وہ جنگل میں نہیں پیدا ہوتا اور وہ اپنی آزادی کے لیے ہاتھ پاؤں مارا کرتا ہے، ہر دم افسوس میں رہتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ اپنی زندگی گزارے مگر یہ تو اُس کے آگے پیچھے کی دیواروں اور زنجیروں پر منحصر ہے کہ تو کتنی افسوس پر مہربان ہوتی ہیں اور آدمی کا کیا بھوجا ہے، وہ ساری زنجیروں، سارے رہنے رہنے میں زندہ رہتا ہے تو تو نے خود کو آزاد کرانے تو کیا وہ جنگل کی طرف نکل جائے۔ اگر وہاں بھی آدم زاد جانگل ہے وہ پھر اُس کے گرد گھیر ڈال دیں گے۔ زنجیروں سے مراد دوسرے آدمی ہیں۔“

اُس نے سوالیہ لہجہ میں میری طرف دیکھا۔ مجھے ہر کوئی سنا سنا سا طاری تھا۔ اُس نے میرے جواب کی ضرورت بھی نہیں سمجھی۔ میں نے اس کو تھم میری تائید پر محمول کیا یا لا جوابی پر کسی توقف کے بغیر وہ بولی کہ تنہا آدمی کا شاید کوئی وجود نہیں۔ آدمی آدمی سے عبارت ہے ایک جنگل نہیں کی زندگی کسی تنہا اپنے لیے ہو مگر دوسروں کے لیے

اُس کی موت کے مانند ہے۔ آدمی دوسروں کے حوالے سے مر رہا ہے کہ اُس کی موت کا احساس کرنے والے اُس کے پسپاں دکان ہی ہوتے ہیں۔ وہ خود تو ہر قسم کے احساس سے متبر ہو جاتا ہے۔ کوئی جنگل میں چلا گیا ہے تو صرف اپنے لیے زندہ ہے، دوسروں کے لیے نہیں تنہا آزادی نہیں ہوتی اور تنہائی کی یہ آزادی تو پھر بھی مشروط ہے آزادی سے کیا مراد ہے؟ ذات کی آزادی؟ پھر یہ تو کسی وقت مکمل ہوگی جب آدمی ہر قسم کے بیرونی اثرات اور تشنگانہ سے متنا ہوجائے۔ ابتدا ہی سے اُس کی تربیت مختلف ہو اور انسانوں سے اُس کا واسطہ کبیر نہ پڑے لیکن یہ ایک بات ہوتی ہے۔ آدمی کی مساحت ہی ایسی ہے کہ اُسے ابتدا سے دوسروں کی ضرورت پڑتی ہے۔ وہ آزاد کب پیدا ہوتا ہے۔ دوسرے سماجی اقدار، روایات، قانون اور اخلاقی ضابطوں کو زنجیروں اور دیواروں سے موسوم کیا ہے۔ ان سے غرض نہیں تو اُن سے کیا حاصل۔

جولیٹن کے تائیدہ ہونے پر لفظ جیسے اُٹھ اُٹھ کے آ رہے تھے، کہتے ہیں، انسان خانے کی تمید کی کے بغیر بچے میں یہ سوزش نہیں ہوتی۔ اُس کی آواز دھڑک رہی تھی۔ کہنے لگی، یقیناً آدمی کو کچھ دیر اپنے ساتھ بھی رہنا چاہیے کہ دوسروں پر صرف ہونے کے لیے تو انسانی ضروری ہے۔ وقت جس قدر بھی ایسی ملتیں دے انہیں غنیمت سمجھنا چاہیے۔ کاش یہ ملت ملاتی نہ کرتی اور آدمی کا غرض آزادی کے سرب میں نہ رہتا کہ یہ غرضی آزادیوں تو اسے اور پریشان کرتی ہیں۔ اُسے دوبارہ معمول کی زندگی سے مطابقت کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے پھر ایک اور پہلو سے دیکھا جائے۔ آدمی کا تعلق اپنی ذات سے بھی کچھ نہیں ہوتا۔ اس کے خواب اپنے ہوتے ہیں خیال اپنے اور خواب بھی ایک حقیقت ہیں کہ آدمی کو اُسودہ رکھتے ہیں یا اگر اندر کی باتیں تخلیق کا بھی میرے کہ یہ بھی فرد کے خواب کی طرح ہے بلکہ خواب کی تعبیر کا درجہ رکھتی ہے۔ کوئی تخلیق کسی فکر کے بغیر ممکن نہیں ہوتی اور فکر خلوت کے بغیر اور پھر وہی بات کی خلوت آزادی ہے؟ تخلیق کی قدرت کسی دیکسی حد تک ذہن و فکر کی آزادی کی نشان دہی کرتی ہے مگر خیال جو یا خواب یا تخلیق، سب پر اُن کے عہد کی چھاپ ہوتی ہے آدمی خواب اپنی زبان میں دیکھتا ہے اور سوچتا بھی اپنے عہد کے واسطوں سے ہے۔

وہ کہتی رہی، چپکے چپکے، دھیمے دھیمے انداز میں تند تیز باتیں۔ بے شک میری حیرت اور تڑپ میں اب اشتیاق بھی شامل تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں اُسے پہلی بار دیکھ رہا ہوں اور سن رہا ہوں

وہ دن یاد آ رہے تھے۔ شروع میں جب میں نے کرشنا جی کو اپنے میں کچھ نہیں بتایا تھا اور انہوں نے میری تعلیم کے لیے اُسے مقرر تھا۔ اُس وقت بھی اُس کی جڑ بنی، اور خیال آفرینی کا یہی حال تھا۔ ناجی اسی وجہ سے اُسے پسند کرتے تھے۔ انہوں نے اُسے مزید اور مطالعے کا مشورہ دیا تھا۔ بعض اوقات وہ اُسے کتابیں بھی دے کر دیتے تھے۔ کرشنا جی کے بعد اُن کا سارا سامان مجھے منتقل تھا تو کتابوں کا ایک انبار بھی ساتھ تھا۔ میں نے وہ سب کچھ جولیٹن والے کر دیا تھا اور میں نے دیکھا تھا، یہ کتابیں جولیٹن نے نہایت تہ سے الماریوں میں سجائی ہوئی تھیں معلوم ہوتا تھا کہ وہی سے عدم موجودگی کے دوران وہ اس اُسی سے شکل کرتی رہی ہے۔ بڑبڑاتی، اُس وقت مجھے پڑھانے کے لیے آئے والی نازک لہجہ بدہ قامت، ترشے ہوئے خال و خد، کھلے ہوئے گن میں رنگ، ن کھٹائی، لگنائی آواز میں بات کرنے والی وہ اُس اُس اور اُس مستعد انہی لڑکی لڑکی ایک فرد بن جائے گی۔ میری آنکھوں میں لگی تھیں کب کی بچھڑی ہوئی تھی بڑھانے، فتنے اُسے کہ ہر اک اُس کی زبان نے لگی۔ ”میں جانے کتنی دور چلی گئی۔ نہ جانے کیا کیا کشتی رہی۔ وہ مدت زدہ لیسے میں بولی۔“ پھر بھی شاید یہ سب ایسا نہیں جو شکل، بچھڑی میں آئے۔

”ہیں، میں سمجھ رہا ہوں۔“
”مجھے اتنا کچھ نہیں کہا تھا، بس...“
”ایسی طرح، ایسی طرح کہتی رہو۔“
”کیوں؟“ اُس کا چہرہ لال ہو گیا۔
”یہ باتیں کرتے ہوئے تم کسی نہایت متی ہو۔“
”اچھی نہیں لگ رہی ہوں گی۔“ وہ سر راتے ہوئے بولی۔
”میں نے کب کہا۔ کس نے کہا یہ؟“
”اُس کا سر اور جھجک گیا۔“
”تم چپ کیوں ہو گئیں؟“ میں نے مضطرب نہ کہا۔
”شاید کچھ باتیں نہیں رہ گیا ہے۔“
”مزدور تم پر کسی احساس کا غلبہ ہو گیا ہے۔“
”کیسا احساس؟“

”میں کہہ رہی کہ میری کوئی بات جبری لگ جانے کا احساس مگر اُن کو بات اچھی بہت ہی باتیں کر رہی ہو۔“
وہ مسکرائے لگی اور جھجکے ہوئے بولی۔ ”صرف اتنا کہ تھا کہ ایک نہیں ہو، بہت سے ہیں جو تھوڑی طرف دیکھتے ہیں تمہیں

دیکھ کے جن کی ہمت بڑھتی ہے اور خوشی ہوتی ہے کہ تم اُن کے پاس ہو، وہ تمہارے پاس ہیں، بادا جان، فرخ فریال، اکبر، فاطمہ، جہاں گیر، کس کس کا نام لوں، بھل باوا، رتیں، نیساں، خانم ادب رانی بھائی، گیتا... یہ بھی تو تمہاری زندگی میں شامل ہیں۔ آدمی دیکھنے میں ایک نظر آتا ہے مگر اُس میں بہت سے اور بھی ہوتے ہیں۔ ان سب سمیت مل کے ہی کسی آدمی...“

میں نے اضطرابی انداز میں تائید کرنی چاہی تو معلوم نہیں وہ کیا سمجھی، عاجزی سے بولی کہ بہتر ہے، میں کچھ نہ کہوں، جو جواب مجھے دینے کے مناسب ہوگا کہ میں خود کو دوسروں اور غشی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔ ”گیتا ہے، فرخ، فریال تمہیں حاصل کر کے بھی تم سے دور ہیں۔ اس حقیقت کے باوجود کہ تمہیں کسی اور طرف دیکھنے کا وقت ہی کب اور کتنا ملا ہے۔“ میں نے کچھ کہنا چاہا تو اُس نے پھر روک دیا۔ ”مجھے تمہارے حال کا تھوڑا بہت اندازہ ہے۔ تم دوسروں کے لیے خود پر کمر نہیں کرتے لیکن وہ اس سے سوا چاہتے ہیں اور سوچتے ہوئے کچھ لے بھی یہ ضروری ہے۔ وقت بہت گزر گیا ہے۔ پہلے کی بات اور تھی، اب، اب تمہیں اور طرف بھی دیکھنا ہے۔“

”میں اپنی طرف دیکھنا ہی نہیں چاہتا۔“
”نہیں، میرا مطلب یہ نہیں ہے۔“ وہ بے تابی سے بولی۔
”دوسرے لوگ جیل خانہ میں ہوتے۔ وہ تمہارے کام آنا چاہتے ہیں۔ سب کی ہی آرزو ہے کہ تم کسی طرح خوش رہو۔ دوسرے بھی تو کسی کے کام آتے ہیں۔“

”ہاں ہاں، میں یہ کب کہہ رہا ہوں کہ...“
اُس نے میری بات نہیں سنی اور تیزی سے بولی۔ ”آدمی کو کبھی دیکھی کسی ایک جگہ ٹھیکے پیچھے کی طرف دیکھنا، کچھ سوچنا ضرور پڑتا ہے۔ جو اپنے جن کا ساتھ نہیں دیا یا کیوں نہ، جو کچھ بھی ہوا وہ اپنے کام نہیں آ سکے یا اپنے نہیں بن سکے تو وہ خود کو دوسروں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ میں جانتی ہوں تم اپنے طور پر بہت کوشش کرتے ہو گے مگر کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اب کچھ دوسروں پر چھوڑ دو، کچھ غصے کے لیے سہی...“

”میرا، میرا کیا مطلب ہے، اب کوئی بھی نہیں۔“ میری آواز ڈوبنے لگی۔ ”پہلے بھی کچھ نہیں تھا۔“
”اُسے شکایت نہ تھی، میں سمجھتا، میں شاید اپنی بات کہہ نہیں پا رہی۔“ اُس کا بدن بے قرار سا ہو گیا۔ اور وہ مضطرب لیسے میں بولی۔ ”نہ جانے میں کہا، کہنا چاہتی ہوں۔“

”گھر کیوں رہی ہو، تم نے کچھ غلط تو نہیں کیا؟“
 ”مجھے خیال ہی نہیں رہا کہ تمھارے لیے کچھ کیا نہیں ہے؟“
 ”ضروری نہیں کہ صرف نئی باتیں ہی کی جائیں۔ دوسرا کوئی کتابتہ تو اپنے سوچے ہوئے کو زبان دل جاتی ہے۔ کوئی تصدیق ہو جاتی ہے۔ یقین کرو۔ میری تو ہر دم ہی کو کشش رہتی ہے مجھے کچھ یاد نہ ہے، کچھ بھی۔ لیکن میں، میں کیا کروں... یہ میری آواز بھرتے لگی۔“

”ایسے نہیں، ایسے کوئی کیسے کچھ بھول سکتا ہے۔ اس کے لیے تو بڑے جتن کرتے پڑتے ہیں، اور یہ تو گروہوں پرستے کردہ کئی بڑی ہوئی ہیں، نقش کتنا کھرا ہے۔ پر آدھی سامنے کی زندگی کیوں کھودے۔ دھوپ ہی میں کیوں کھرا ہے۔ رما کے پر قول آدھی چھوٹی چھوٹی پھاؤں سے کیوں کنارہ کش رہے۔“

”مجھے یہی حیرت ہو رہی تھی کہ رما اور جولین کی باتوں میں کیسی مماثلت ہے۔“ کتا ہے۔ اگلے لمحے کچھ دھڑا دیا ہے۔ میں نے پھینک کر مسکرا دیا۔

”وہ ایک نفیس رزلٹ ہے کہہ رہی تھی کہ مجھے خوشی ہو گی، اگر میں نہیں صاحب کے کسی کام آئی اور کہہ رہی تھی یہاں بھی کی بیہوشی میں سکون کی بہت سی جگہیں ہیں، میرا جی چاہتا ہے کہ میں انھیں وہاں کے عاؤں میں نہ کہ یہ تو بہت اچھا ہوگا۔“
 ”وہ بالکل اپنے بھائی کے مانند ہے، دوست، دردمند مگر شاید وہ مجھے مزاحمت سمجھتی ہے کوئی۔“

”دیکھو! کسی کی نہیں ہے اس شرمین۔“
 ”میں بھی کسی مریض سے کیا کم ہوں۔“

”السلامت کو، عزیز خاں، اُسے تمھارے بارے میں اتنا کچھ معلوم نہیں ہے، ویسے بھی تو کوئی کسی سے متاثر ہو سکتا ہے۔“
 ”ہاں ہاں۔“ میرے ہونٹ پھر پھٹکے رہ گئے۔

”اُس سے لے کر اچھا لگتا ہے۔ یہاں بھی کے دل میں اُس نے کھڑا کیا ہے۔ اپنی دل لہیں باتوں، بے تکلفی، دوسروں کے کام آنے کے جذبے اور اپنی ذہانت سے۔ اُس کے ساتھ بیٹھ کے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا میں سمجھتی ہوں، تم اُس کے ساتھ چند دن گھوم پھر کے دیکھو، کچھ اور نہیں تو یہ رزا وقت نکل جائے گا۔“
 رما ایک ایسی لڑکی ہے جو بھی کبھی کہیں نہیں نظر آتی ہے۔ میں نے اُس سے کہا تھا کہ وہ ایک قیمتی لڑکی ہے۔ میری بات اُس کے وہ کھلا پڑی لیکن یہ سچ نہیں ہے کیا؟ اتنی بہت سی خوبیاں ایک شخص میں

کب اور کہاں..... ”اُس نے اپنی لمبی پکیں اٹھا کر تھپکڑا نظر سے مجھے دیکھا میں چپ رہا۔ وہ بے گلی سے بولی۔ ”میں کیا ایسا؟“

”نہیں۔“ میں نے چونک کر کہا۔ میرا دل بڑی طرح دھلکا تھا۔ مجھ سے کچھ اور نہیں کہا گیا۔ مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ کیا کہنا چاہیے۔

”وہ دیر تک گپ چپ بیٹھی رہی۔ پھر عارضی سے اُٹھ گئی۔“ مجھے اب چلنا چاہیے۔“

”کیوں کیا بات ہے؟“ میں نے بے ترتیبی سے کہا۔
 ”بس بہت وقت ہو گیا ہے۔“
 ”چل جانا۔“

”اماؤں گی پھر“ وہ تذبذب سے بولی۔

”اُسی لمحے باہر سے کسی کی چاب مٹائی دی۔ جولین نے ٹائڈ پر دوپٹا درست کیا اور ایک مشکوٰۃ نظر مجھ پر ڈال کے جلدی۔ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ میں نے بھی اُسے نہیں روکا مگر ابھی کمرے ہی میں تھی کہ دروازے پر فرخ نمودار ہوئی۔ ”ارے آپ یہاں ہیں جونی؟ فرخ کی جھپٹکی آواز کے میں گونجی۔ مجھ پر اُس کی نگاہ بعد میں پڑی، وہ پریشان سی ہو گئی، فکل بھی ہوئی۔ اُس نے کلمہ کے عالم میں مجھے سلام کیا۔ جولین شیر گئی اور فرخ کا ہاتھ تھامے ہوئے دوبارہ میرے پاس لگئی۔

”کیسی ہوشیار، تم فرخ؟“ مجھے اناہی لہجہ منعوی لگا۔ میں ہاتھ بڑھا کے بے اختیار اُسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ کچھ سمجھتی تھی۔ میرے سامنے جم جم کر ایک ایک لہری اٹھی۔ میں اُسے اپنے سینے سے لگا لگا اور خوب پیار کرنا چاہتا تھا۔ میں اُسے ہار میں سمیٹ لیتا لیکن جولین پاس ہی کھڑی تھی۔ یکایک کسی نے ٹھوکا سادیا، جولین کسی اجنبیت محسوس کر کے کچھ لپٹے پیٹے میرے پاس بیٹھی تھی اور میری خاطر اپنا سینہ جلا رہی تھی، کئی بار کے لیے بھی میرے بازو منڈلائے تھے۔ میرا جی چاہتا تھا کہ میں اپنے سینے سے لگا کے بہت روؤں، اُس سے کموں کہ میرے لیے کیوں اتنی آزدہ ہوتی ہو، تمھاری ہر دلیل درست ہے، سب سچ ہے۔ میں کیا کروں، بس اچانک سب کچھ جیسے میرے ہاتھ سے جھین جا رہا ہے۔ میں جتنا بھی سمیٹ کے دیکھتا ہوں کسی لمحے سب کچھ جاتا ہے۔ آدھی اپنے بس کی چادر بھی تو اُس سے زیادہ نہیں کھینچ سکتا۔ میں نے خود سے پوچھا، جولین کے وقت میرے بازو کیوں اٹھتے تھے

مجھے اس سوال کا کوئی جواب نہیں ملا۔ شام میں کیا فرخ پہلے ہے، جولین بعد میں؟ ایسا بالکل نہیں تھا۔ جولین کے لیے بھی یہ دل میں اتنی ہی جھلکی تھی جتنی فرخ کے لیے۔

وہ دونوں مسمری پر میرے قریب بیٹھ گئیں۔ فرخ میرے سے چٹ گئی۔ اُس کے انداز میں دار فکلی تھی جیسے وہ اپنے ہاکی جزو جان بن جانے کو بے چین ہو۔ اُس کی آنکھوں میں تلے چل رہے تھے، جیسے پر لالی پھوٹی پڑتی تھی۔ اُسے بول لالہ کے جولین کی بازگشت میرے گدھے میں کوئی تھی۔ آدھی کو ایسے نہیں تو دوسروں کے لیے روشنی بن جانا چاہیے۔ اُس ایک اور سوال نے مجھے حیران و ہراساں کیا۔ جولین اس قدر پاس لے مجھ سے اتنی کھینچ کھینچ کر بیٹھی ہے؟ اس میں فرخ جیسی شفقتی بے ساختگی کیوں نہیں ہے؟ بے شک اُس کی آنکھوں میں فرخ سے ہلکا اور زخموں پر فرخ سے گہری سرخی تھی مگر مجھے کوئی بات نہیں سوچھا اور میں نے جولین کا اختراع اپنی کسی کوتاہی کے لالہ پر محمول کیا، میں نے جانا کہ یہ میرے کسی سوال کا جواب ہے مگر اس سے سوال کا جواب؟ اور کوئی ہی کوتاہی کا توکل؟

جولین کے ٹوٹے پر فرخ اُٹھ گئی۔ دونوں نے حکم انداز میں ہلکا جلد تیار ہو جانے کی ہدایت کی تاکہ وہ ناشتہ لاسکیں۔ باب نے کادقت نہیں رہا تھا اور مجھے کوئی خواہش بھی نہیں تھی لیکن فون نے سُنی اُن سُنی کردی اور میرے سے چلی گئیں۔ میں تاد میری بے ارادہ بیٹھا رہا۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ اپنی استواری کی کوئی کوشش کر رہا ہے کسی چیز کی تلاش تھی۔ نہانے کے دوران بھی میری نگاہیں ہلکتی رہیں، میں اپنے آپ سے وضاحتیں کرتا رہا۔ دو بائیں پانی سے لڑن باہر کی گرد و صاف ہوتی ہے، اندر کے گرد و غبار کے لیے تو سمندر بن ناکا ہے۔

بھل کے انتظار میں دھپ کا کھانا دسترخوان پر نہیں لگایا تھا۔ اُس کی واپسی دو بجے کے قریب ہوئی۔ اتنی دیر کسی سبب سے نہیں ہوئی ہوگی۔ اباجان کی موٹر بھی اُس کے پاس تھی جیرے ہاتھ سے کچھ حاصل نہ تھا، یہ بھل کی مرضی پر منحصر تھا کہ وہ مجھے قلعے میں ماری سے ملاقات کے بارے میں کچھ بتائے یا نہیں۔ ال مجھے ایک تسلی تھی کہ ہر بھی اُس کے ساتھ گیا تھا۔ میں اُس سے ہاتھ رکھتا تھا۔ میں نے فکل کی۔ کوئی ایسی دس بات ہوتی تو ان کے ہاتھ پر ضرور نظر پڑ جاتی۔ بھل کے چہرے پر نہیں تو ہر دو کے چہرے

پر۔ وہ مضحل اور پائوس ضرور دکھائی دیتا تھا، مضطرب اور ترشخیں۔ کھانے کے بعد سب بیرونی کمرے میں آجیسے پیر و دادا کے خاص کمرے میں بیٹھ چاچا نے حق پہلے سے تیار کر رکھا تھا۔ میں بچ رہے تھے۔ ہم مردوں کے سوا وہاں کوئی نہیں تھا۔ اباجان نے میز پر اور مولوی اکرم کی طرف دیکھ کے بھل سے کہا کہ اگر اُس کی طبیعت بحال ہو تو وہ کچھ بات کریں، بھل نے حقے کے منڈے سے ہٹائی وہ کسی قدر تردد کا اظہار کیا کہ ایسی کیا بات ہے؟ اباجان نے جواب دینے کے بجائے کسمائے ہوئے پوچھا کہ آئندہ کے لیے اُس کا کیا ارادہ ہے؟ بھل نے استفسار کیا کہ اُن کا اشارہ کس طرف ہے اباجان نے دلی آواز میں کہا کہ رانی اور گیتا کے بارے میں اُس نے کیا سوچا ہے؟

”کابے کا سوچنا ہوا؟“
 اباجان نے صراحت کی کہ اُن کا مڈھا ذرا قبل از وقت ہے لیکن بے حقیقت نہیں ہے۔ جلد یا بدیر میں کسی نتیجے پر پہنچا ہے۔ اس وقت وہ دونوں سامنے نہیں ہیں۔ ہم سب یہاں موجود ہیں۔ ہتر ہوگا کہ ہم ابھی اس معاملے پر کچھ سوچ کر فکل کریں۔ یہ ایک مشکل مرحلہ ضرور ہے لیکن زندگی کی یہی روش ہے حقیقت سے کمبیں مفر نہیں ہے۔

”آپ بولو، آپ کے من میں کیا ہے؟“ فکل کا ہاتھ اچوس گوری سے عاری نہیں تھا۔

”ہاں۔“ اباجان نے نرمی سے کہا۔ ”میں نے جو سوچا ہے یا جو مجھے مناسب لگتا ہے، وہ میں آپ کو بتاتا ہوں۔ میری رائے میں گیتا اور رانی کو جتنی جلد ہو سکے، یہاں سے منتقل کر دیا جائے۔“
 اباجان نے فکل کی پیشانی پر ابھرتی سلو میں ضرور دیکھ لی ہوں گی مگر انھوں نے کسی تاثر کے بغیر اپنی بات جاری رکھی اور فکل سے کہا ایتنا اُس مکان سے اُن کی وابستگی جذباتی ہے اور فکل کو دلو کی کیا، ہم سب کے لیے یہ جگہ پر وکی یادگار کی حیثیت رکھتی ہے تاہم جب تک وہ دونوں اس مکان میں رہیں گی، ذہنی اور فکری طور پر منتشر رہیں گی۔ اس عمارت کے گوشے گوشے میں ہر موجود ہے۔ اس کی ہر چھائیاں اُن کا غم تازہ کرتی رہیں گی۔ اتنے لوگوں کی ہر وقت موجودی، نگہداشت اور تسلیوں سے اُن چاہے کہ اُن کا حوصلہ بندھا رہا ہے مگر ظاہر ہے، یہ سارے لوگ مستقل یہاں رہیں گے۔ آج نہیں تو کل، اپنے اپنے گھر چلے جائیں گے انھیں جاتا بھی چاہیے۔ یہ مکان بھی اُن کا رہا نہیں کہ سب یہاں رہ سکیں اور

زیریں بیٹا ہے۔ اس کا آپ کو معلوم ہے۔ اس کی چھاؤں سبکے لیے عام ہے، سب کے لیے یکساں ہے۔ تلافی تو ممکن نہیں لیکن زیریں سے مل کے دونوں کو خوشی ہوگی۔ وہ بھی کو اس آئی ہے۔ خدا نے اس کی نگاہ اور زبان میں بڑی تاثیر دی ہے۔ میں آپ کو بتاؤں میں نہیں کہہ سکتا، اگر زیریں میں فیاض آباد میں نہ ہوتی تو فیصلہ میرے اپنا ہوتا، گھر چھوڑنے کا صدمہ، خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کس طرح ہوتا ہو پاتا میری بھی یہی رائے تھی مگر صدمہ بھائی بھی درست کتنے ہیں ان کے خیال میں، احوال کی اتنی بڑی تبدیلی گیتا اور رانی کے لیے ناسازگار بھی ہو سکتی ہے فیصلہ میرے فیض آباد منتقل ہونے اور رانی اور گیتا کے دل جانے میں بڑا فرق ہے۔ صدمہ بھائی کی بات میری سمجھ میں آتی ہے۔ گیتا اور رانی کا بھی کچھ عرصے میں بچہ میں رہنا مناسب ہے۔ اتفاق سے صدمہ بھائی نے چند دن ہونے اسی شہر میں ایک ایسا مکان حاصل کر لیا تھا جہاں سب سما سکتے ہیں کسی محل سے کیا کم جگہ ہے وہ۔ آپ نے بھی اسے خوب دیکھا ہے۔

نظر میری طرف دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ اس بے خبری کا سبب اس کی نظر میں میری بے لگائی دے بھائی کے سوا کیا ہو سکتا تھا۔ آدمی اتنا کم تو نہیں ہو سکتا اور بھل جیسا آدمی، جس کی حیثیت کے لیے آنکھیں کھلی ہونا ضروری نہیں تھا۔

باہر سبز پر جم، شام، مارٹی اور ٹنگ کوئی نہیں تھا گلی میں بھی وہ نظر نہیں آتے ہیں اور گرد کی گلیوں میں گھومتا رہا۔ دھوپ اور بڑے ہی بھٹی گلیوں میں راہ گیر لوگوں کی تعداد اتنی ہی تھی جتنی عموماً بڑی بڑی کوٹھیوں اور بنگلوں کے علاقے میں ہوتی ہے۔ میں آگے نکل گیا۔

میرا ارمان نہیں تھا۔ شروع میں، گو میں نے اسے داہم ہی سمجھا تھا۔ ایک دو تین، ایک بعد دیگرے کئی راہ مجھے دیکھ کے ٹھٹھکے، ممکن ہے، آجہاں اور منیر علی اس طرف اشارہ نہیں کرتے تو مجھے کچھ احساس نہ ہو پاتا میں ان میں سے کسی کو نہیں جانتا تھا۔ ظاہر ہے، وہ مجھے پہچانتے ہوں گے، ان کے جسم بھٹ سے گئے۔ ان کی آنکھوں میں حیرانی کے ساتھ دہشت کی آمیزش بھی تھی۔ بہت سے خوف کی صورت کی طرف جاتے ہیں، عناد کی طرف۔ بھٹل جیسے اڈے پاڑے کے کسی آدمی کے لیے یہ علاقے کی بلکہ کا باعث نہیں ہوتیں۔ یہ تو معمول کی بات ہے، مٹاٹے کا حصہ ہے پھر اڈے والے کا آدمی ہونے سے کیا حاصل، بھٹل ہیرو کے گھر بیٹھا تھا تو اسے اتنا کچھ سننے کی عادت نہیں تھی۔ کون جانے کہ جسم سے

آزادی کے بعد روح کا اپنے متعلقین سے سروکار بھی ہوتا نہیں، نہ ہونے کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ انسان کو بھی چاہیے کہ ایسا ہوتا ہے اور جوتا ہے تو رو میں اپنے پریشان اثبات سے یقیناً آسودہ ہوتی ہوں گی۔ اور یہ تو گیتا اور رانی صورت میں دلیے بھی موجود تھا۔ روح کی خوشی و ناخوشی کا ایک ان دیکھی چیز ہے۔

گلیوں سے گزرتا ہوا میں بہت دور چلا آیا۔ اندھیرا چھا تھا۔ اندھیرا ہوا جانے پر مجھے کچھ سکون ملا۔ جیسے میں محفوظ ہوا یا میرا کوئی حصار ٹوٹ گیا ہے۔ آگے سرکوں پر گوتیز روشنی تھی کہ روشنی کی طرح تسلسل سے نہیں کستی ہی روشیاں کر لی جا رہی تورات ہی رہتی ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے، اندھیرا کرنا آسان کرنا مشکل ہے۔ گھر واپس جانے کو میں نہیں چاہتا تھا۔ میں چلتا جتنی دور ہوتا گیا، مجھے ایسا لگا جیسے میرے جسم و جان کے روز رہے ہیں۔ آدمی بھی مکان کے مانند ہوتا ہے، درجے دروازے سب ہوتے ہیں اس میں کبھی یہ ایسے بند ہوتے ہیں کہ کھٹنے نہیں بہت دنوں بعد مجھے یوں معلوم ہوا کہ مٹھا جیسے ناواڑ میں یوں اگلا صرف اپنے ساتھ ٹھکر ٹھکر چل رہا ہوں۔ نہ مقصد۔ کہتے ہیں، منزل میں اور مقصد کبھی خود بخود پیدا ہوا ہیں۔ روزن کھٹنا بھی ایک مقصد ہے، تازہ ہوا بھی، جوام در آئے۔ منزل میں بھی آدمی کی طرف آتی ہیں۔ گھر سے چلتے میری آنکھوں میں دھند سی بھری تھی، سارے جسم میں۔ مجھے آیا، اگر میں اور دور ہو جاؤں تو کیا ہوا یوں ہی چلتی رہے۔ پرانی ہی ہر بات، کچھ اور نہیں تو میرا بوجھ صرف میرے ہوا، توگا، دوسروں پر نہیں۔ میرا آزار مجھ تک محدود رہے گا۔ اس سے متاثر نہیں ہوں گے آدمی سب کچھ کتنا ہی خودی کا دوسرے کسی نہ کسی طرح زد پر آجاتے ہیں۔ آزار بھی وہی کی طرح ہوتا ہے متعلقین کو کھجوت کی طرح لگ جاتا ہے اور بھی ہوتا ہے کہ کوئی اپنے آپ کو ہزار چھپائے، اس سے تلب کے مدعوں سے کچھ بچھ نہیں رہتا۔ وہ خود اس کا آزار خود ہی لیتے ہیں ورنہ نسبت ہی کیسی! اس کی صرف ایک صورت آدمی ان کے سامنے ہی نہ رہے پر یہ کہاں ممکن ہے جنگلی نہیں جو لین بھی کچھ تو کہہ رہی تھی جنگلی میں آدمی دوسروں سے دور ہوجائے گا اور دوسروں کے لیے مزید آزار کا سبب بنیں۔ لیکن وہ خود جو اپنے ساتھ بستیوں کا گرد و غبار بستیوں کے

سامنے لے کے جائے گا۔ میں اپنے آپ سے جانے کیسی انہی سیدھی، بے سرو با باتیں کرتا کہ بڑھتا رہا اور میں نے خود سے کہا، آدمی کو اپنے نسبت داروں کے قراقرظ ایسا ہی خیال ہے تو جنگل، بابا، کیا ایک تہہ خود ہی کو خاک بڑ گردیں نہ کر دے کسی نہ کسی دن ویسے بھی یہی فیصلہ ہوتا ہے۔ کبھی کبھی لوگ یہ فیصلہ خود کر لیتے ہیں۔ یوں انھیں مستقل قرار آجاتا ہے اور ان کے تمام کاروں کی انہی بھٹکتے بھٹکتے ایک وقت ٹھہر جاتی ہے۔ پر جو لوگ یہ فیصلہ نہیں کر پاتے، ان کی دوری شاید مضبوط ہے، ان کے کشکول میں آرزو کچھ باقی ہے۔ اُنے والے دفن سے کسی رحم اور رعایت کی اس میں وہ ایسا نہیں کر پاتے بدلتے موسم، اپنے ارد گرد پر نظر بدلتی چیزیں انھیں آسے میں کستی ہیں یا پھر انھیں اپنے آپ سے خند ہوجاتی ہے، اذیت سننے کی سرکشی۔ وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ان میں کتنا حوصلہ آسمان کا کتنا دور ہے۔ انھیں ہر دم یہ گداز رہتا ہے کہ نبات کا فیصلہ تو ایک ہی کی دوری پر ہے۔ اس نتیجے پر پہنچنے سے پہلے، ایک عجب کہ پتھر کھٹنے کا موسم شروع ہوجائے۔

جانے کیا ٹھٹھک ہے، کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سب کیا ہوتا ہے، کیا ہونا چاہیے۔ غالباً زندگی کا یہی طور سب سے زیادہ خونوں ہے کہ آدمی اپنی جتنی کرے، کچھ مومنوں پر چھوڑ دے اور ہوس کے تو سروں کے لیے آگ بچائے رکھے، گرمیوں کے لیے پانی، آدمی اپنی بساط سے زیادہ کی طلب یوں کرے۔ طلب کرے اور لہر بھی لیکن انکار کے لیے بھی آمادہ رہے۔ بھکاریوں کی طرح جو صدا لگاتے ہیں لگاتے جاتے ہیں اور گھر لیاں کھا کے اپنا رستہ لیتے ہیں۔ وہ ایک بلین پر بیٹھ نہیں جاتے اور دروازہ توڑ کے اندر کینوں کا لگا نہیں گھونٹ دیتے بھکاری کا کام صدا بلند کرنا ہے۔ کوئی ایک دروازہ تو کھٹا ہے پر کوئی بھی نہ کھٹے تو؟ میں نے خود سے پوچھا، تو آدمی ایسے ہی سوتائے دوسرے دن صدا لگائے کی ہمت رہی تو ٹھٹھک نہ رہی تو انجام کو پہنچ جائے گا۔ جولین کی باتیں میرے دماغ میں گردش کر رہی تھیں۔ صبح وہ ایک اور بات کہہ رہی تھی کہ آدمی خود کو دن دروازہ بن جائے جن دروازوں پر مدارا ہوتی ہے، ان میں بھی تو آدمی بہتے ہیں۔

مجھے سمت کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ میں تو بس سرائے چلتا رہا۔ کسی چوراہے پر ایک شخص نے اچانک مجھے ایک طرف دھکا دیا تو میری آنکھیں کھلیں۔ وہ ناتواں شخص جھپٹ کے مجھے ایک طرف دھکیل نہ دیتا تو بس سامنے سے آتی ہوئی ٹم ٹم اور اس کے منہ زور گھوڑے کی لیٹ میں آجاتا۔ ایک لمحے کے لیے تو بس ہو گیا میرا جرم جھل

گیا تھا۔ کسی دوسرے راہ گیر نے بوڑھے آدمی کی مدد کی۔ دوسرے لمحے میں اپنے پیروں پر کھڑا تھا۔ جانے کیوں میرے ہونٹوں پر کراٹھ عود کر آئی، پھسکی پھسکی ایک آن میں فیصلہ ہوجانا۔ میں نے دبے لفظوں میں بوڑھے کا شکر یہ ادا کیا تو وہ خفا ہو کے بولا۔ "دارو پی ہے کیا؟" میری خاموشی پر اس کے لیے میں کچھ نرمی لگائی اور وہ میری کمر تھپ تھپتے ہوئے کھٹے لگاؤ خدا نے خیر کر لی۔ یہ بڑھک ہے میں! اچان آدمی ہوا، ابھی کیا دیکھا ہے زندگی میں! آنکھیں کھلی رکھے کہ چال کر د گھوڑا بدک جاتا تو ایک بھی نہیں! اور لوگ بھی لیٹ میں آجاتے غلطی میری تھی میں سر جھکائے ٹھہرا رہا۔ وہ ایک ہم درد آدمی تھا مجھ سے پوچھنے لگا، کیا بات ہے، پریشان نظر آتے ہو؟ میں نے اسے یقین دلانا چاہا کہ ایسی کوئی بات نہیں، بس چوک ہوئی۔ میرے جواب سے وہ مطمئن نہیں ہوا۔ میرا نام پتہ اور منزل پوچھنے لگا۔ پھر میں بھی کچھ بتائیں بابا تم کو وہ مضطرب ہو کے بولا، کیا کام کر رہے ہو؟ میں سوچ رہا تھا کہ اسے کیا بتاؤں، کہوں کہ میں تو کوئی کام ہی نہیں کرتا۔ میرے شش و پنج سے اس نے جانے کیا سمجھا میں نے نہیں دیکھا تھا کہ کب اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور باہر نکالا میرا سارا جسم اکڑ گیا تھا جب اس نے اپنی بندھی میرے ہاتھ میں کھولنی چاہی۔ میں گھبراہٹ میں پیچھے ہٹ گیا۔ کٹے کٹے پاٹری پر گر گئے

حساب سوسی ڈائنٹسٹ کا تھنکس جنرل مسلمان

ایک لیے خزانہ کی داستان محبت
جو حلال کے جال میں پھنس کر حرام
کی دلدل میں پھنسا چلا

انصار ایفٹر مرصفت جتنا حقوق کا ستر واڈا کرے

۸

قیمت فی حصہ ۴۰ روپے ڈاک مع فی حصہ ۱۲ روپے

کتاب میں جس کا ہے

ایفٹر مرصفت جتنا حقوق کا ستر واڈا کرے

کتابیات پبلی کیشنز پرنٹ بس ۱۲

ٹوٹتا ہے۔ ایک آدمی کی موت جائے کتنوں کو ویران کر دیتی ہے، ایک آدمی کتنے آدمیوں میں زندہ رہتا ہے۔ اپنے لیے نہیں تو اپنے دوسروں کے لیے زندگی پر اصرار کرنا چاہیے۔ جو لین کا یہی مطلب تھا کہ اپنے اختیار کی نہیں، اپنے لیے کارگر نہیں تو اپنی زندگی دوسروں کے اختیار پر چھوڑ دینا چاہیے، دوسروں کی امانت سنبھال کر برتنا چاہیے۔ میں جو لین سے سمت کچھ نہیں کر سکا تھا تو کس کے زندہ

پہلے ہی گروئی کبھی جا بگی ہو، کوئی اپنا اختیار پہلے ہی ترک کر چکا ہو، پہلے ہی سے کسی دوسرے کی زندگی کو زرا در ہوتو دیکھا کرے؛ ابھی کچھ دن پہلے اگر مجھ کو کچھ ہو جاتا تو سبھی پر ہمارا ساوٹ پڑتا مگر ایک دوسرے کے غم گسارت تھے، ایک دوسرے کا دلگدہ دردہ پالتے کسی دن انھیں صبر آجی جاتا یہ کوئی گلہ نہیں یہی ہوتا ہے اور یہی ہونا چاہیے مگر ایک شخص کا کیا ہوتا! یہ لوش جاتا ہوں وہ جہاں بھی ہے، ہمیری دہرے وہ اس اجیرن زندگی پر مضر ہوگی، اس درد بزدلی میں کوئی آزاد روی کو راکھ قوت، اس کی پھر پیڑی رہی ہوگی۔ مولوی صاحب اس سے یہی کہتے ہوں گے کہ میں بہہ بہہ ہوش خواں ہو جو وہ ہوں اور وہ ایک دن مجھے دھونڈنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ مولوی صاحب نے اتنے دنوں میں خوب سمجھ لیا ہوگا کہ کوئی سستی دلایا، کوئی میش آرام اس کے لیے اس سے پرائیں ہوگا جتنا میرے نام کا دلایا اور میرے دل کا آرام اور مولوی صاحب بھی اس سے اتنا نہ کہہ پاتے ہوں گے جتنا وہ خود سے کہتی ہوگی۔ آدمی کا دل خود ایک صدارت دروشتی ہے پہلی بار کھلتے کے ہوں میں جب ہم جند کینے لگوں گی نظر میں آگئے تھے اور وہ اسے مجھ سے جدا کرنے کے دپے بھر کے کتنی تھی کہ کس میرے قریب رہو۔ مجھے تصور کے میں مت ڈالنا میں سامنے کی طرح اس کے ساتھ رہتا تھا، حالانکہ میری سمجھ سے خود نہیں آتا تھا کہ کہاں جاؤں، کون سے گوشے میں چھپاؤں سے دنیا کی نگاہوں سے کیوں کر محفوظ رکھوں۔ ہم دونوں ہوش کے سرے میں بند ہیں کرتے رہتے تھے۔ مجھے اس کا ایک ایک لفظ یاد ہے، اُسے بھی سب ازبر ہو گا۔ ہم نے بہت سے عہد کیے تھے۔ یہ بدی اس وقت ہمارے لیے تقویت کا باعث بنے تھے۔ بعد میں ی نے مجھے زندہ رکھا، اس کے لیے یہی میری زندگی رہے ہوں گے۔ دوسرے پر اعتماد سے بڑی توانائی کوئی نہیں ہوتی۔ اُسے مجھ سے یہ یقین تھا جو اس نے انھری رات میں بدھ گیا ہے بھاگ کے بڑھے بڑھے کارخانہ اور آبا جہاں کارخانہ کا ذکر وہ کیا کہہ

آگے نرک کی معرفت کی وجہ سے راستہ تنگ ہو گیا تھا، اب مجھے خیال آیا کہ میں کہاں جا رہا ہوں اور کتنا وقت ہو گیا ہے۔ میں نے راستہ پہنانے کے لیے اطراف میں نظر گھمائی، یہ جگہ میری دیکھی ہو رہی تھی، تو میرا عقاب تھما، نہ بہت دور نکل آیا تھا، وقت بھی

میں نے جلدی سے سر ہلایا۔ اُن کے نام بھی میرے لیے
نئے نہیں تھے لیکن کچھ واضح نہیں ہو رہا تھا کہ انہیں کس پاٹے
پر دیکھا ہے۔ میرا تذبذب وہ بھانپ گئے۔ "اپن کو بھول گیا دادا"

اپن جھنگا دادا کے پاڑے پر...

"ہاں ہاں" میں نے پچھتاہے ہوئے کہا: کیسے ہوتے لوگ؟
 "اپن جھنگا ہے، ایک دم بالکل ٹھیک،" جتنو نامی شخص نے کہا
 سے بولا: تم کو ابھی اُدھر پیرودا کی اہستی پر دیکھنا تھا، پھر کھاتین
 دن، ہم پاڑے پر بیٹھا رہا، ایک بار کو تم بھی اپن کی طرف بھی آکھ گھا
 کے دیکھے... اپن سلام بھی دیا تھا؟

"مجھے دھیان نہیں رہا" میں نے معذرتی لہجے میں کہا۔
 "کو ضرور رہتا، اپن کو سارے کا پتہ تھا، اس واسطے بڑھ کے
 آگے کو نہیں بٹھیا؟" دیوانے اضطراری انداز میں کہا: قسم سے، اپن تم
 کو بہت یاد کیا دادا؟ اس کی آواز ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

میں نے مسکرا کے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا، میں بیٹی میں
 نہیں تھا، بہت دنوں بعد آنا تھا تھا، پھر یہاں آکے کہیں آئے جانے
 کسی اور طرف دیکھنے کا وقت ہی نہیں مل پایا۔

"اپن کو پتہ پڑا تھا کہ ابھی تم اُدھر بیٹھی آگیا ہے، کبھی بار سلام
 کرنے کو اُدھر ہم پاڑے کا پھیرا لگایا تم نہیں دکھائی دیا، پھر ملا لیا
 ... اٹھا لیا بیٹی کے بعد..." دیوانہ جھٹکنے لگا اور چونک کے بولا۔
 "ابھی بخورا بول میں بیٹھنے کا ہے، چائے پانی..."

"نہیں نہیں،" مجھے کچھ جلدی ہے، پھر کبھی سی۔
 "صرف ایک کوپ چائے" وہ ہاتھ جوڑ کے بولا۔

جتنا کہ نہ مل سکتا تھا، میں نے ان سے کہا مگر وہ بے مضبوطی
 کر مجھے ایسے نہیں جانے دیں گے۔ ناچار مجھے آمادہ ہونا پڑا۔ ہم بیٹوں
 نزدیک کے ہوٹل میں داخل ہو گئے۔ ہوٹل میں بھیڑ زیادہ تھی لیکن
 انھوں نے کسی نہ کسی طرح جگہ تلاش کر لی۔ میرے لیے کرسی صاف کی
 میں نے نہیں دیکھا کہ کب انھوں نے میرے کواشرہ کیا تھا۔ میرے
 ملائی بھی چائے کے ساتھ تھیں، ڈبل روٹی، بسکٹ اور سوکوں کی
 پلیٹیں۔ رجسٹر میں رہنمائی پر چلے گئے، وہاں کس نہیں چل رہا تھا کہ وہ
 ہوٹل میں رجسٹر باب سمارٹ چیمبر میں سلگوا کے میرے سامنے رکھ
 دیں۔ مجبوراً مجھے کچھ تھکے ہاتھ جلانا پڑا۔ اس دوران وہ صبر آمیزی
 سے جھنگا کے پاڑے کے ہالے میں بیٹھ گئے، گدگی پر میرے وہاں
 بیٹھنے اور جانے کے بعد کے واقعات میں انھیں اب بھی طرح پرچان
 گیا تھا۔ سبیل دن جب میرے اور جھنگا استاد کے درمیان دیر تک
 چاقو آزمائی ہوئی تھی، یہ دونوں موقع پر موجود تھے تو بڑی کی گروٹی
 کے لیے جو منتخب آدمی اکٹھے کیے گئے تھے، ان میں بھی یہ شامل تھے
 اور سارے واقعے کے شاہد تھے۔ بیرو کے پاڑے پر جب تیوڑی کو کمر

لے لایا گیا تھا اور قتل جوت بسیار کے بعد اپنی جگہ سے اٹھا تھا اور دوسرے
 ہی لمحے تیوڑی کی ناک اس کی، تھیلی پر پھٹی جھنگا کے پاڑے پر قبضہ
 کرنے کے بعد دہاں کے آدمیوں کو قاتلوں سے رکھنے کے لیے میں نے
 چند دن چاقو آزمائی سکھائی تھی، یہ دونوں سیکھنے میں پیش پیش تھے۔
 انھی دنوں کا یہ ذکر کر رہے تھے، آنا وقت نہیں گزرا تھا اگر ان کے لیے
 کی آزمودگی سے لگنا تھا، ایک زمانہ بیت گیا ہے چند دنوں کی مشق
 کے بعد میں اور وقت نہیں دے پایا تھا، اسی کا دونوں افسوس کر
 رہے تھے۔ کہنے لگے، اس کے بعد انھوں نے کئی پاڑوں کا رخ کیا
 اور مختلف داداؤں کی جی جان سے خدمت گزاری کی لیکن کسی بکران کا
 دل نہیں لگا اور وہ گویا ایک قدم بھی نہ بڑھ سکے۔ بار بار کھوٹے بدنا
 دادا کو اس نہیں آتا، اُدھر اُدھر کھوٹے ہوئے وہ پھرتے پھرتے
 علاقے میں آگئے۔ جہاں جمید، ان کا پڑا نا ساعی، چوکی پر بیٹھا تھا۔
 انھوں نے بتایا کہ میری تلاش میں وہ کھٹے بھی گئے تھے۔ وہاں قتل کے
 آؤنے میں موجود نہیں تھا۔ قتل بھی نہیں تھا۔ وہ سچ کہہ رہے تھے۔ ان
 دنوں ہم آجانبان کے تعاقب میں بہت کی گھائیوں اور پہاڑوں میں بھٹک
 رہے تھے۔ کھٹے میں انھیں میرے دوسرے ٹھکانے میں آبادی بھی
 نہ مل سکی۔ وہ فیض آباد میں گئے کیوں کہ انھوں نے وہاں میری
 ناموجودی کے بارے میں سنی کر لی تھی، ایک مہینے تک وہ میرا انتظار
 کرتے رہے اور بیٹی میں کسی ایک دن میری آمد کی امید باندھ
 کھٹے سے لوٹ آئے۔ انھیں معلوم ہو گیا تھا کہ پیر وہی ہمارے
 ساتھ گیا ہے۔ چنانچہ میری بیٹی والی کے بارے میں وہ اور
 پڑا امید تھے۔ اس دوران وہ مسلسل پیرو کے پاڑے پر پرتے جاتے
 رہے پھر بیٹی میں جیسے ہی انھیں میری آمد کی خبر ملی اور میں پیرو
 کے پاڑے پر نہ مل پایا تو انھوں نے میرا پتہ یعنی باندے میں چلے
 گئے تلاش کرنے کی کوشش کی۔ وہ گھوم گھومنے میں کامیاب ہو
 گئے تھے تاہم کانٹے کی اطلاع سن کے انھوں نے کسی اور ہتھوڑت
 کے لیے اپنا ارادہ موخر کر دیا۔ کہہ رہے تھے، آج قیمت نے داری
 کی اور میں انھیں بول چالک نظر آ گیا۔ شاید ان کے عزم نے مجھے
 اس طرف کھینچ لیا تھا، ورنہ میرا تو گھر سے نکلنے کا کوئی امکان ہی نہیں
 تھا۔ مجھے تہا دیکھ کے وہ اور خوش تھے کہ کھل کے دل کی بات کر
 سکتے تھے۔ انھوں نے مجھے دوسرے دیکھ لیا تھا اور انھیں یقین
 نہیں آیا تھا کہ میں ہی ان کے سامنے ہوں۔

مجھے بھی اپنے سنے ہوئے پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں جی جی
 انھوں سے انھیں دیکھتا رہا، ابھی کیا بولے را جا دادا؟ جتنو عاجزی

سے کہنے لگا: اپن لوگ کو ابھی بخورا ٹیم دیو دادا؟

میں سمجھ رہا تھا کہ وقت دینے سے ان کا کیا مقصود ہے۔ میں
 نے انھیں بتایا کہ میرا اتفاق کسی پاڑے سے نہیں ہے اور نہ زندہ کسی
 پاڑے پر بیٹھنے کا ارادہ ہے۔

"اپن کو پتہ ہے، کل اپن اُدھر ہم کے پاڑے پر ہی بیٹھا تھا
 جب قتل دادا تھا۔ سے پلٹ کے آیا تھا اور آکے پانڈے دادا
 کے سر پر تاج لوٹ دیا تھا۔ اپن اُدھر نہ بند لکھا نا ملک دیکھا تھا۔"
 "وہ ہانک نہیں تھا؟" میں نے ترشی سے کہا۔

"جانتا ہے۔" دیوانے جلدی سے کہا اور سخت آمیز لہجے میں
 وضاحت کرنے لگا کہ میں کچھ اور نہ سمجھوں، بلکہ کا مطلب یہ ہے کہ
 قتل تھانے سے خوب تیار ہو کر آیا تھا کہ اسے بات کہاں سے شروع
 کرنی ہے۔ اس طرح پانڈے دادا کے پاس کوئی راستہ ہی نہیں رہ
 جاتا تھا۔ دونوں خاصے معاملہ فہم تھے، ذہین بھی۔ دیوانہ کھیل طرح اپنے
 ساعی کے طرزی وضاحت نہ کر سکا تو اس نے موضوع بدل دیا، آواز
 دھیمی کر کے بولا، خیر جو ہونا تھا، ہو چکا ہے۔ پانڈے اب پیرو کی
 جگہ بیٹھا ہے۔ ہالے کو اس کا نائب یا دست راست بنا دیا گیا ہے۔
 پانڈے پیرو کا دوست تھا، ہالے پروردہ ہے۔ یہ اشتراک جاری
 رہے تو بہت اچھا ہے لیکن اس کا امکان نظر نہیں آتا۔
 "ہو سکتا ہے" میں نے ٹھکانی سے کہا۔

"قتل دادا کو اب کاٹنے کو پاڑے پر بیٹھنے کا تھا۔ ماری نے
 اس سورد کے بچے جاری کو خلاص کر کے قتل دادا کے واسطے کام ہی
 نہیں چھوڑا تھا؟"

ایک ٹائیپ کے لیے مجھے شبہ ہوا کہ ان کا تعلق پولیس سے
 نہ ہو۔ دونوں باخبر بھی لگتے تھے مگر نفسیاتیالیا نہیں تھان
 کے انداز و اطوار میں بڑی پک اور بے قرائی تھی۔ آلودگی میں یہ
 بے ساختگی نہیں ہوتی۔ جتنو نے ٹائیپ مار کے دیوا کو کوا اور تاسف
 سے بولا کہ ظاہر ہے قتل نے ہر طرح سوچ سمجھ کے پاڑا پانڈے
 کے حوالے کرنے اور خود علیحدہ ہو جانے کا فیصلہ کر چکا ہوگا۔ اسے
 بھی اندازہ ہوگا کہ پیرو کا تاج پڑا انتشار ہو سکتا ہے، ختم ہو
 سکتا ہے۔

"پیرو دادا اہم ہو گیا تو اب پاڑے کا کیا..." میں نے آخر خند

سے کہا۔
 "جھنگا ہے، جھنگا ہے، دادا پیرو کو بخورا معاف کر تو
 بولے، جتنو نے حاجت سے کہا: تم جیسا بولتا ہے، ایک دم ٹھیک

ہے۔ یہ تم کو کچھ فرق نہیں پڑتا، تم را جا لوگ ہو، ابھی جونی پاس
 بیٹھا لوگ سے پوچھو۔ ماہم پاڑے پر اور اٹھا بیٹھی جنگل میں پیرودا
 کا ایک دو باتوئیں ہے۔ ابھی اُدھر چھوٹا پڑا بہت کتا ہے جس کا
 گردن میں اس کا پٹا ڈالا تھا، جو اس کا مارا لکھا تھا اور دم ہلاتا تھا
 وہ کہا بولتا ہے سالہ کا کٹ کھانے کو دوڑتا ہے اپنے کو، جاسی دن
 نہیں جاتے گا تم خود دیکھ لے گا، سب اٹل ہو جانے کا ہے۔ اُدھر
 ایک سے ایک حوالی دادا پڑا ہے۔ ابھی سب آگے کو بڑھ کے بولنا
 اونچا اونچا میز میں، اپن پاڑا میں مانگا، اپن دادا کا غلام ہے، ماہم
 پاڑے سا بہت بڑا ہے کو مانگتا ہے، ہاں ایک دم سالہ حرام کا... دیوا
 کی آواز کھٹنے لگی۔ چائے کے گھونٹ سے اس نے خشک گلہزیر کا اور
 بیسے وقت نکل جانے کا، ایسے بدحاشی کے عالم میں کہنے لگا کہ کچھ
 دنوں کی بات ہے، پیرو کی موت کو چند دن ہو۔ میں کچھ پڑی پکٹی
 شروع ہو گئی ہے۔ داداؤں کے گروہ بن گئے ہیں، ابھی کے دانت
 کھانے کے اور دکھانے کے اور ہوتے ہیں۔ ابھی تو دادا لوگ خود
 حیران و پریشان تھے کہ اچانک یہ کیا ہو گیا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا ہے
 گا اور جس دن انھیں یہ یقین ہو جائے گا کہ قتل لوٹ کے نہیں آئے
 گایا وہ بھی سے جلا جائے گا اور اس دوران چند سرکردہ دادا اپنے
 گھٹے چوڑے کسی خوش گمانی کا شکار ہو گئے تو کچھ کہتے ہیں جاسکنا نہیں
 شہر میں پھر کسا خون خرابا ہوگا۔ دیوانہ ویش دی کچھ ہرا ہرا تھا،
 جس کا اندیشہ کل رات شکستہ ظاہر کیا تھا اور جس کا ظاہر پاڑے
 سے قتل کی دست برداری کے وقت داداؤں نے کیا تھا پانڈے
 نے قتل سے کہا تھا کہ اسے پیرو کی بیوی اور بیٹی کی اتنی فکر ہے کہ
 بولوگ زندگی بھر پیرو کے ساتھ ہے، اس کا دم بھرتے سے، اس
 کے ایک شانے پر جو پانی زندگان قریب کرنے کو تیار رہتے تھے،
 وہ کہاں جاتیں۔ کہاں جاکے سر جھپائیں دیں لے دیوے سے کہا، میں
 اتفاق ہے کہ پیرو اور ابھی کی میٹھ پر کسی نا، ہمارے گولی چھونک
 دی مگر دونوں کا دیسے بھی تو وقت آسکتا تھا۔ ہم یہاں نہ ہوتے اور
 اس کی زندگی کا پراخ جاتا تو وہ کیا کرتے، دیوانے کسی جھنگ کے
 بغیر وہی جواب دیا جو قتل کو کسی دادا نے دیا تھا کہ پھر اور بات ہی لیکن
 اب تو ہم موجود ہیں۔ پیرو دادا کی نسبت سے ہم پر اس کے ملک خزان
 کی نگہ بانی کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ وہ بھی ہر اعتبار سے پیرو کے
 پسان و گمان ہیں۔ دیوا دانی دینے کے انداز میں نظر ثانی کے لیے کہنے
 لگا کہ زیادہ عرصے کے لیے نہیں کو کچھ وقت کے لیے ہمیں ماہم کے
 پاڑے پر رہنا چاہیے۔ اگر پیرو پولیس کی نظروں میں مشکوک ہوئے کے

”جدا بھی تم کو جانے کا ہے دادا؟ جگنو سراپہ لے بیٹا۔“
 ”نہیں، میں تو پیر و دادا کے گھر ممان ہوں۔“
 ”اپن کو بھی اُدھر ہی بے ملو دادا؟“
 ”نہیں، اپنی آواز مجھ سے منہل نہیں رہی تھی۔ میں تمہیں وہاں کیسے سے چل سکتا ہوں۔ تمہارا دماغ ٹھکانے پر نہیں لگتا۔ میں نے تمہیں بتایا نہیں کہ میری حیثیت خود وہاں ممان کی ہے۔“
 ”اپن تمہارا نوکر ہے دادا، ابھی اُدھر ہی کہیں کو ہڑا رہے گا۔“
 جگنو گڑا یا کہ ان دونوں کو دروازے پر جگہ مل جائے تو بھی ان کے لیے بہت ہے۔ وہ دن سب کی خدمت کریں گے میری، جھل کی پیر و دادا کی بیوی اور بیٹی کی۔“
 ”تم کیا کہہ رہے ہو؟ ایسا کیسے ایسا ممان ہوتا ہے؟“ میری زبان سرٹ پٹانے لگی۔ میں نے انہیں یاد دلایا کہ پیر و دادا کا گھر موت کا گھر ہے وہاں پہلے سے بہت سے لوگ موجود ہیں۔ میں نے ان سے اور بھی بہت کچھ کہہ لیا کہ ان پر کوئی اثر نہیں ہوا، انہوں نے میرے پیر کو لپٹے اور درج رہ لگاتے رہے۔
 دوسروں پر قافلو پانے میں کبھی اتنی مشکل پیش نہیں آتی، جتنی خود پانے میں پیش آتی ہے۔ میرے بازو اڑا کر لگے، جی میں آیا، دونوں کو گدے سے پرکڑ کے ان کے سر کھرا دوں۔ تھے ہوئے دو ایک ہاتھوں میں یہ کچھ دیر کے لیے بے مدد ہو سکتے تھے۔ گھر اپنا دوڑیں رہ گیا تھا۔ میں آسانی سے باقی راستہ طے کر سکتا تھا اور میں اتنی دیر میں جھل کے اندر سے کو بھائی دیا کہ میں گھوڑا گاڑی تو بہت پہلے کر سکتا تھا۔ گھر اتر کے بس اندھ جا کے پیسے لانے پڑتے۔ دونوں میری ناگوں سے چمٹے اپنے سر میرے پیروں پر گر رہے تھے۔ میں نے بے اختیار ان کے بال پکڑ کے انہیں جھٹکے سے اٹھایا۔ انہوں نے کوئی مزاحمت کی نہ لپٹ لپٹایا۔ میں جانے لگا کہ تاہم دونوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل جاری تھا۔ میرے ہاتھ پتھر کے جوڑے چن چن تک میں بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ کچھ مجھ میں نہیں آتا تھا کہ ان کا کیا کروں۔ میں نے ان جیسے آدمی کبھی نہیں دیکھے تھے۔ میں نے انہیں چھوڑ دیا۔ جہاں تھے، یہ جگہ اتنی اندھیری تھی درویش۔ میں ایک دکان کے چوڑے پر آ کے بیٹھ گیا۔ وہ دونوں بھی آہستہ آہستہ میرے پاس آ گئے اور زین پر سر جھکائے میرے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔
 مجھے اپنے آپ کو سیٹھن میں دقت لگ گیا۔ کیا بات ہے؟ میں نے بکڑی ہوئی آواز میں ان سے پوچھا۔ وہ کچھ نہیں بولے۔ میں نے دوبارہ پوچھا۔

”اپن کو ابھی اپنے سے الگ مت کر دو دادا!“
 ”کیا، کیا چاہتے ہو تم؟“ میں نے خشکی سے کہا۔
 ”اپن پہلے اٹھاؤ دیا ہے۔“
 کیا بولا ہے تم نے؟ اور میں نے، میں نے تم سے کچھ نہیں کہا۔ کچھ نہیں کہا۔ کاہنے کی جلدی ہے تمہیں۔ آخر ایسی کیا بات ہے کہ صاف کہوں نہیں جانتے؟“
 ”اپن تمہارا بہت انتظار کیا ہے۔“
 ”میں نے سن لیا ہے۔“ میں نے فینکارا کی آواز میں کہا۔
 ”ابھی اپن کو مت چھوڑو دادا، امر چاہیں گا اپن۔“
 ”ہا۔“ میں نے پیچ و تاب کھا کے کہا۔ اس وقت میں تھیں بل پاتا تو تم زندہ رہتے۔“
 ”کدھر کو دادا! اپن زندہ ابھی کدھر کو ہے؟“ جگنو کی آواز کرب میں ڈولی ہوئی تھی۔ کتنے لگا داکا کی موت کی وجہ سے وہ ہٹے ہوئے تھے کہ ابھی میرے پاس ان کا آنا سہ نہیں ہے نہ وہ کچھ کہ پائیں گے نہ میں سن پاؤں گا۔ وہ کتنے کم لگا اور وہی سب کھلنے لگا کہ ایک ایک لمحہ آنکھوں سے گریں گے کا ہا ہے۔ ان کی قسمت بھی کڑا۔ میں انہیں بل گیا اور متنازل کیا۔ جیسا کہ ان کی آرزو تھی۔ دروازے سے ملنے کے بعد بھی جانے کب انہیں اس طرح اپنا احوال بیان کرنے لگا ہوا مل پاتا۔
 ”مگر کیوں؟ صرف دادا بننے کے لیے؟“
 ”ہاں دادا! جگنو نے سانس کھینچ کے کہا۔
 ”کیوں؟ دادا بننے کی ایسی رحمت کیوں ہے تمہیں؟“
 ”ایک بار کو“ دلو ملتی ہے۔ بولا اس کی عاجزی پر نہ پڑا۔
 ”نایاں تھی۔ کتنے لگا وہ صرف ایک مرتبہ کے لیے مکمل دادا بننا چاہتے ہیں۔ پھر چاہے ان کے ہاتھ پیر توڑ دیے جائیں۔“
 ”مگر کیوں؟“
 ”اپن پر ابھی بہت اُدھار ہے دادا!“
 ”کیسا اُدھار؟“ میں نے اضطراب سے پوچھا۔
 ”بنارسی کا“ جگنو دمدمی سے بولا۔
 ”بنارسی کون؟ بنارسی دادا؟“
 ”دادا نہیں، ابھی گنگا پلو۔“
 ”بنارسی سے تمہارا کیا تعلق ہے؟“
 ”بہت ہے دادا!“ جگنو کی آواز ترخ رہی تھی۔ میں ایک بار کو اپن کا ہاتھ پکڑ لیا، اپن کو پتہ ہے، اٹھا آگے پیچھے کا ابھی۔“

”کیا بات ہے، اٹھ کے جتاؤ؟“ اس کی بات کاٹ کے میں نے بے چینی سے کہا۔
 ”کیا بولے دادا! ابھی کیا بولے؟“ جگنو نے اپنا منہ چھپایا۔
 وقت کا کچھ احساس ہی نہیں رہا۔ پہلے دونوں کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہتے رہے۔ میرے اصرار اور تسلی بخشی پر جگنو نے زبان کھولی اور جو کچھ اس نے بتایا، وہ ایسا دل دوزخ کا آدمی سننا رہ جانے جگنو کے کہنے کے مطابق وہ بچپن میں سوتے جاگتے ایک خوب دیکھا کرتے تھے، ایک بڑے مکان کا انکھن اور آوازیں اور چہرے۔
 وقت کے ساتھ وہ سب دھندلا گیا اور انہیں صرف آنا یاد رہا کہ ایک عورت ان کی دیکھ بھال کرتی تھی اس کا نام نوکھی تھا۔ نیلی بڑی بڑی آنکھیں، لمبے بال اور رنگ سونے جیسا۔ اس کی آواز بہت میٹھی تھی اور جب نرم تھا۔ وہ وسط قد اور ممتا سب بدن کی ایک عورت تھی۔ اس نے ایک ماں کی طرح جگنو اور دلو کی پرورش کی اور بہت دلوں تک وہ لسنے لپٹی ماں ہی سمجھتے رہے۔ نوکھی کے ساتھ ایک بوڑھی عورت بھی رہتی تھی، برس ہوئے اس کے مرنے کے بعد نوکھی اکیل رہ گئی۔ جگنو بتا رہا تھا کہ شروع میں اس کے گھر کئی مردوں کی آمد و رفت تھی۔ بعد میں ایک شخص رہ گیا تھا۔ اس وقت وہ بہت چھوٹے تھے جگنو، دلو سے عرش کچھ اور کم تھا۔ نوکھی کے پاس آنے والا شخص جب بھی گھراتا، گھر کے دامن کمرے میں چلا جاتا۔ جب تک وہ اندر رہتا، نوکھی بھی اس کے پاس رہتی۔ نوکھی کی کوشش ہوتی کہ دلو اور جگنو اس آدمی کی نظروں سے دور رہیں۔ جس دن اس کے آنے کا وقت ہوتا، نوکھی پہلے ہی جگنو اور دلو کو کہیں بھیجا دیتی باہر بھیج دیتی۔ وہ درشت چہرے کرخت آواز اور بلی جیسی آنکھوں والا شخص بنارسی تھا۔ پارے کا دادا، دوڑ دوڑ اس کی پٹھری، ایک اور چاقو بازی کا شہرہ تھا۔ بعضیں نوکھی کو جگنو اور دلو سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، بنارسی کی آمد پر وہ خود کسی کو نے ڈبک جاتے یا باہر گئی میں چلے جاتے۔ کبھی اتفاقاً آنا سنا ہوتا تھا تو انہیں ہمیشہ بنارسی کی گالیاں سننی پڑتیں۔ وہ انہیں پتے لگاتا تھا، ڈرا پلا، چڑھا پلا۔ بچوں کو دیکھ کے کسی کا منہ اتنا دگڑتا ہوگا جتنی بنارسی کی شکل بگڑ جاتی تھی۔ اس کی آہٹ پر دونوں کا دل دوڑنے لگتا۔ نوکھی کا ابھی کچھ ہی حال تھا، پہلے وہ بنارسی سے ذرا اٹھ کے، انچی آواز میں بات کر لیتی تھی، ہوتے ہوئے اس کی زبان بھی لکنت کرنے لگی۔
 وہ بہت کسی جہل خانے کے اندر تھی جہاں آدمی کو زندگی کی سزا ملتی تھی۔ وہ خود ہی حیدر خود ہی میا دھتے جیل سے یہ سزاں اتنی مختلف

تھی کہ آدمی ٹوٹ کے پھرویں آ جاتا تھا۔ بہت بھانگے کی کوشش کرتا مگر ٹوٹ کے وہیں آنا پڑتا۔ مروجہ گھروں سے نکل جاتے، شام ڈھلے واپس آتے، بہت سی عورتیں مردوں کی گریں اور اپنے بچوں کو کراہنے کی عورتوں کی تحویل میں دے جاتیں۔ چند بیویوں کے عوض یہ بوڑھی عورت دن بھر ان کے بچوں کی رکھوالی کیا کرتیں۔ یہ بچوں کی حفاظت کا طریق کار تھا، تربیت کا نہیں۔ غریب بچوں کو کسی تربیت کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اتنی سزاؤں کے بعد آدمی بچوں کی خواہش کیوں کرتا ہے، پیدا ہو جاتا ہے تو انہیں قسم کیوں نہیں کر دیتا۔ زندان میں قیدیوں کا اضافہ ہو جاتا ہے یہ خود آزاری ہے یا کوئی انتقام، جانے کیا ہے، آدمی اپنی زندگی سے کچھ نہیں سیکھتا۔ بہر حال جگنو اور دلو کو رکھوالی کرنے والی کرائے کی عورتوں کے پاس نہیں جانا پڑا کیوں کہ نوکھی سارا دن گھری رہتی تھی۔ جگنو اور دلو کے ساتھی ملنے کے پتے تھے جو جمع و شام گلیوں میں ٹھوہراتے، چھینا چھپی کرتے رہتے۔ جس کے پاس زیادہ طاقت ہوتی، وہ زیادہ تھی سمجھا جاتا۔ آٹے دن کی کے بچوں میں سر جھٹولی ہوتی، ان کا اُدھار کام اکثر اوتار کو ان کے والدین مٹاتے۔ نوکھی، جگنو اور دلو کو لگی کے بچوں میں شامل ہونے سے منع کرتی تھی مگر یہ تو بڑے مکاؤں میں ممکن تھا، ہستی کے گھروں اور گلی میں اتنا زہی لگنا تھا۔ جگنو اور دلو ایک دوسرے کے لیے ہم جان و ہمدل تھے۔ دونوں کی یہ یک جہانی انہیں ملنے کے بچوں میں برتر کر دیتی تھی۔ نوکھی نے شروع شروع میں انہیں پڑھانے کے لیے ایک استاد کا بھی انتظام کیا تھا۔ وہ جلد ہی حروف و عدد کا کرب سیکھ گئے تھے۔ اپنے ہاتھ سے انہیں الفاظ و اعداد کی انہیں شکلیں بنانا بھی آگیا تھا کہ ایک دن یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ایک روز توقع کے خلاف بنارسی اس وقت آدھ کا جب استاد موجود تھا، دلو اور جگنو کتاؤں سے سر کھپا رہے تھے۔ معلوم نہیں کیوں، بنارسی کے جسم میں آگ جھڑک اٹھی۔ اس نے استاد کو دھتکے دے کے باہر نکال دیا اور ساری کتابیں کا پیاں پھاڑ دیں۔
 ان دنوں گھر میں ایک اور فرد کا اضافہ ہوا تھا، ایک لڑکی کا۔ نوکھی پھولی نہیں ساتھی تھی، وہ لازماً بنارسی کی بیٹی تھی۔ انہیں یاد نہیں کہ بنارسی نے کبھی اپنی بچی پھول دتی کو نظر پھر کے دیکھا ہو۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ پھول دتی سے اس کا رویہ ایسا خوارانہ نہیں تھا۔ پھول دتی پھولوں کی طرح تھی، بالکل اپنی ماں پر گئی تھی۔ اس کی آنکھیں بھی ماں کی آنکھوں کی طرح نیلی تھیں۔ جیسے جیسے جگنو اور دلو پر دقت گزرتا گیا، وہ بہت کچھ سمجھتے گئے کہ نوکھی ان کی ماں نہیں ہے اور بنارسی ان کا باپ نہیں ہے اور نوکھی بنارسی کی زوجیت میں بھی نہیں ہے۔

البتہ تو لکھی کا سارا خرچ بنارس کے ذمے ہے اور خرچ کی کمی بیشی بنارس کی خوشی و ناخوشی پر ہے۔ بنارس سے پہلے کوئی اور تھا تو لکھی کے پاس آتا تھا، بنارس کا پڑ بھائی نام اس کا کچھ اور تھا مگر سب کا شو دادا کہتے تھے وہی شاید جگنو اور دیو لکھی کے پاس چھوڑ گیا تھا۔

کاشو بھی پاڑے کا دادا تھا اور کوئی بہت بڑا شہر زور انھوں نے سنا تھا کہ بنارس اپنے بڑے بھائی کے پاس گئے تھے۔ جگنو اور دیو نے کئی بار لکھی کو کمرہ لے کر کوشش کی۔ انھیں محسوس ہوا کہ یہ ذکر لکھی کے لیے کھد کا باعث بنتا ہے۔ وہ کوئی مناسب جواب نہ دے پائی۔ لکھی ہی دیکھیں ان کی ایک پناہ تھی اور انھیں وہ کچھ دیتی تھی جو کوئی اور نہیں دیتا تھا، عزت، پیارا اور چھوڑاؤں۔ وہ بھی اسے سب کچھ دینے کے لیے بے تاب رہتے تھے، سودہ لکھی کی اداسی اور دیرانی کے عوض اپنے باپ سے یہ کچھ جاننے سے اجتناب کرتے تھے۔ تاہم لکھی کی بھائی اننا معلوم ہوا تھا کہ بنارس کا بھائی کاشو ان کا باپ تھا۔ وہ کسی لڑائی میں مارا گیا۔ ان کی ماں پہلے ہی مر چکی تھی۔ کاشو دادا ان دونوں کو لکھی کے پاس چھوڑ گیا۔ اس سے زیادہ لکھی کچھ نہیں بتا پائی تھی یا اسے واقف کچھ معلوم نہیں تھا۔ بہر حال انھیں لکھی کے بیان پر یقین نہیں تھا۔ خود کو بنارس جیسے کیسے شخص کا شہرے دار تسلیم کرنا ان کے لیے نہایت روح فرسا بات تھی۔ انھیں شہر تھا کہ لکھی نے ان سے بت کچھ چھپایا ہے اور انھیں خوف تھا، ان کے زیادہ تنگ کرنے پر لکھی کوئی ایسی بات نہ کہہ دے جسے سنا ان کے بس میں نہ ہو۔

پھر بنارس کی آمد میں تو انہیں رہا کبھی ہفتے میں دوبار آ جانا، کبھی ایک بار۔ وقت بھی طے نہ رہا جب بھی آتا، شراب میں جھومتا، دھندلاتا ہوا آتا یا وہیں شراب منگو کے پناہ جگنو اور دیو اسلے ہوتے تو انھیں حکم پر حکم دیتا، شراب پی کے وہ اور بدست ہو جاتا۔ جگنو اور دیو کے لیے وہ طرح طرح کے خفارت امیر العالی ترانہ، حوائی، تزام خور کے لقب تو مسلسل اس کی زبان کا درد ہوتے۔ کبھی وہ انھیں طیش میں آکے ہمیشہ کے لیے گھر سے نکل جانے کا حکم صادر کرتا۔ جگنو اور دیو نے منافقت بھی کرنا چاہی لیکن ان کی خوشامد کا اثر صرف کچھ دیر رہتا، بنارس پھر اپنی خصلت پر اتر آتا۔ جگنو کہہ رہا تھا کہ آخر ایک دن انھوں نے عاجز آکر گھر چھوڑ دیا۔ لکھی ان کی تلاش میں، اداسی، ماری پھرتی رہی، بیوی بڑا شہر تھا۔ وہ چند روز تک ادھر ادھر گھر گھر سے لکھتے ہوئے اپنے آپ کو چھپاتے میں کا بیابا رہے مگر پھر بنارس کے پاڑے کے آدمیوں نے انھیں دیکھ لیا۔ وہ انھیں پکڑ کے

مارتے بیٹھے بکھرے آئے۔ لکھی کی آنکھیں سو جی ہوئی تھیں وہ دونوں کو سینے سے چماتے رو رہی تھی، اس نے منتیں کر کے ان سے وعدہ لیا کہ وہ آئندہ کبھی اسے ایک چھوڑے نہیں جائیں گے۔ انھوں نے اب کے ایسا کیا تو وہ زندہ نہیں رہے گی، پھول دہی میں چماتے گئے۔ جسے وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اس کے بعد بنارس گھر آیا تو انھیں دیکھ کے پاگل ہو گیا۔ اس نے لکھی اور پھول دہی کی بھی پروا نہ کی، دونوں کو ننگا کر کے اسنادار کچن جو بے ہوش ہو گیا۔ دیو اس کا توانا تھا، وہ ہلکا، دھامیں مارتا سب کچھ برداشت کرتا۔ پھول دہی سن ہو گئی تھی۔ لکھی نے مداخلت کی تو بنارس نے اس پر بھی ہاتھ اٹھایا۔ جگنو اور دیو اس کے کسے کی مجال نہیں تھی کہ گھر سے نکل جانے کا حکم بنارس ہی نے انھیں دیا تھا۔ پھر انھوں نے طے لیا کہ اب وہ اس شہر ہی میں نہیں رہیں گے۔ وہ پھر گھر سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہفتے بھر تنگ وہ شدید شقتیں کر کے اپنا بیٹ بھرتے رہے۔ رات ہوئی تو دیو اسٹیشن کے ڈھکے کھلے مسافر خانے میں جا پڑتے وہاں بھی لوگ ان کے پیچھے پڑ گئے۔ ایک دفعہ تو اسٹیشن سے پانچ چھ شہرے ان کی مدد کرنے، انھیں پناہ دینے کے سہارے کسی دیر سے ملے گئے یہ بات بتاتے ہوئے جگنو کی حالت ہڈیاں ہونٹیں۔ وہ اپنا منہ چوتے لگا۔ ان کے لڑکپن اور شکستہ ٹیکے کی وجہ سے سب ان پر رشک کرتے اور گھر سے مفرد کر کے کچھ چراگے بھاگے ہوئے لڑکے سمجھتے۔ یہ جہنم گھر سے بھی زیادہ سخت تھا۔ جتنے دن وہ صدمہ میں رہے، لکھی اور پھول دہی ان کا تعاقب کرتی رہیں، وہ ان کی آنکھوں میں بیٹھی آہ دینا کرتی رہیں۔ ہر لمحہ وہ خود کو ملامت کرتے کہ لکھی اور پھول دہی کو بے آسرا چھوڑے آگئے، انھوں نے یہ کچھ ٹھیک نہیں کیا، لکھی کو کسی کل چین نہ ہوگا۔ سودہ ایک دن خاموشی سے گھر واپس آگئے۔ انھوں نے صبح فیصلہ کیا تھا، لگتا تھا، کسی اور گھر میں آگئے ہیں۔ لکھی اور پھول دہی پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ اب کے دیہات سے کہ واپسی پر انھیں پھر بنارس کا سامنا کرنا پڑے گا مگر ان کی قسمت اچھی تھی کہ اپنے علاقے میں ہونے والی قتل کی کسی واردات میں بنارس پولیس کو مطلوب ہو گیا تھا۔ وہ شدت سے آرزو مند تھے کہ کاش بنارس کو بھی سزا ہو جائے، اسے پھانسی کی سزا ہو لیکن کچھ نہیں ہوا۔ بنارس پولیس ایک ہفتے بھی جیل میں نہیں رہا۔ جیل سے چھوٹ کے وہ میدھا لکھی کے پاس آیا۔ لکھی نے اسے رات بہت شراب پیلا دی اور یوں جگنو اور دیو بنارس کی نظروں سے اوجھل رہے مگر یہ تو ایک رات کی بات تھی۔ بنارس تو موجود تھا اور وہ سب

ازخیر میں بکھرے ہوئے تھے۔ زنجیر کا حلقہ کبھی ڈھیلا جاتا۔ اتنا تنگ کہ بس دم نہ نکل پاتا۔ کسی جواز کے بغیر بنارس نے اچانک خراج کم کر دیا تھا۔ لکھی نے کھلا ہوا تھا کوئی مانگنے آتا تو اس کے پاس ہوتا، دسے، سب سے زیادہ پیسے وہ جگنو اور دیو پر خرچ کرتی تھی تاکہ انھیں بطور عروسی کا احساس نہ رہے، وہ اپنے کپڑے پسینے کیوں اوپاں بس میں بات ہی رہے۔ یہی لکھی کی خوش گمانی تھی۔ اس نے ت داری کو اتنا اڑاں سمجھ لیا تھا کہ گھر سے باہر تو یہ اور مٹگی ہو لی ہے۔ عام بچوں کی طرح دیو اور جگنو نے کبھی اس سے جیب چھ میں اساتے کے لیے منہ نہیں کی انھیں گھر کا حال معلوم تھا کہ سی خود ہی کتنا بچا کے رکھتی ہے تاہم اس کی خوشنودی کے لیے یہ نہ پیسے قبول کر لیتے تھے۔ بنارس کی طرف سے خراج کم کر دینے پر لکھی کی پریشانی میں اضافہ ہوا۔ جگنو اور دیو لکھی سکون ملا۔ وہ بھی کراپ شاید بنارس نے ان کے گھر میں دل چسپی لینا کم کر دیا ہے، زنجیر کی کمی سے گھر بنارس کے استحقاق کا جواز بھی کم ہو جاتا ہے۔ ان کی خواہش تھی کہ کیا ہی اچھا ہو، بنارس خرچ بالکل ہی بند کر دے وہ بچا ڈھولیں گے، ایک وقت کا کھالیں گے کچھ بھی کریں گے بناری سے انھیں نجات مل جائے گی مگر یہ تو بنارس کے ستم کا ایک طوطا تھا۔ وہ اسی طرح سینہ پھیلائے آتا رہا۔ لکھی کے لیے گھر چلانا مشکل ہو گیا تھا، کھانے پینے تک کی مٹگی۔ ان اب بنارس گھر آنے کے بعد خاص اہتمام کرتا۔ وہ جگنو اور دیو کو پیسے دے کے کھانے پینے کی چیزیں افراط سے منگائے کی شاہ خرچی کر لگا۔ صبح اس کا پس خوردہ ان کے کھانے کے لیے بہت ہوتا۔ خرچ میں کمی کی بات جگنو اور دیو کی سمجھ میں کچھ عرصے بعد آئی۔ بنارس لکھی سے کچھ اور چاہتا تھا۔ ایک رات اس نے پہلی بار لکھی کو اپنے ساتھ باہر چلنے کا حکم دیا۔ لکھی نے بہت پسندیش کیا، بچوں کے تنہا جانے کی تاویل پیش کی مگر اسے جانا پڑا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ کچھ دیر بعد واپس آجائے گی مگر وہ رات بھر اس کا انتظار کرتے رہے اور پھول دہی بھول دہی کو سمجھاتے رہے۔ صبح سویرے لکھی واپس آئی تو اس کی حالت بہت شکستہ تھی۔ کسی نے اس سے کچھ نہیں پوچھا۔ پھول دہی نے بھی نہیں پھر تو مینے دو مینے بعد بنارس نے بے معمول بنالیا۔ باہر پاڑے کا کوئی آدمی منتظر کھڑا رہتا۔ بنارس اس کے لکھی کو تیار ہونے کا حکم دیتا۔ وہ کتنی ہی منتیں کرتی، بچوں کا واسطہ دیتی، بنارس پر کوئی اثر نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ لکھی نے صاف انکار کر دیا۔ بنارس

نے اس کی چٹیا پکڑ کے اتنے طمانچے مائے کروہ دہری ہو گئی۔ لکھی کے باہر جانے پر عمو بنارس رات گھر میں گزارا اور دارو پیتا رہتا۔ وہ بیٹوں دھڑکتے کانپتے ہاتھوں سے بنارس کے گیندے سیم کو تیل پلاتے رہتے۔ جب تک بنارس کے خزانے شروع نہ ہو جاتے، وہ وہاں سے نہ ہٹتے۔ پھر لکھی نے عذر کرنا ہی چھوڑ دیا۔ وہ خاموشی سے باہر کھڑے پاڑے کے آدمی کے ساتھ چلی جاتی، صبح واپسی پر بنارس اسے طلب کرتا تو وہ اس کے پاس چلی جاتی پھر بنارس نے آخوندیوں میں دوبارہ اضافہ کر دیا جس رات لکھی باہر جاتی، واپسی پر اس کے پاس بھی کچھ نہ کچھ رقم ہوتی تھیں۔ لکھی کی حالت کچھ ترس گئی مگر لکھی کے جیسے میں خراشیں پڑنے لگی تھیں۔ وہ زیادہ تر خاموش رہنے لگی۔ بیٹوں اس کی دل چوٹی کی کوشش کرتے، وہ انھیں ناخوش میں بھینچ کے بس رٹنے لگتی اور رتی رتی۔

وہ بار بار سوچا کرتے کہ آخر انھوں نے بنارس کا کیا بگاڑا ہے۔ وہ تو جب بھی موقع ملتا ہے، اسے خوش رکھنے کی تدبیریں کرتے ہیں۔ کیا جیسا کہ بنارس کہتا ہے، واقعی وہ آدمی کے ستم سے نہیں ہیں۔ ان میں دوسرے لوگوں کے مقابلے میں کون سی کمی ہے، کیا کمی ہے۔ کیا انھیں تنگ کر دیا، سنا اور یوں ان میں آتا، کیا ان کا چہرہ وہ نہیں جو آئینہ انھیں دکھاتا ہے، وہ گھوڑے پر پھیرا ہوا ہے۔ پھر یہ سلسلہ کمان جا کے ختم ہوگا، کیا وہ ہمیشہ ایسی ہی رہیں گے، کیا بنارس کے پاس کوئی جاودہنی طاقت ہے، کیا اسے علم ہو جاتا ہے کہ وہ اس سے کس قدر نفرت کرتے ہیں، وہ خود سے بہت سے سوال کرتے تھے۔ تمام سوالوں کا ایک ہی جواب آتا تھا، بناری، وہ درویش بناری کے تسلط سے لکھی کو ننگا کرنے کے خواب دیکھا کرتے۔ کئی بار انھوں نے اسے مشورہ دیا کہ زمین بہت جری ہے کیوں نہ وہ سب کسی دوسرے شہر میں جا کے بس جائیں، کسی دوسری جگہ جا کے وہ جیسے تیسے محنت مزدوری کر کے گورنر کریں گے۔ لکھی ہائی ممبر لیتی مگر پھر جانے اسے کہا ہو جاتا، وہ عذر کرتی گئی کہ اور بڑے ہو جاؤ، اچھے دن آتے دیر نہیں لگتی، جہاں اتنا وقت گزارا ہے، کچھ اور ضرور ملے گا۔ وہ ہی سنتے رہتے اور ان کی سمجھ میں نہ آتا کہ لکھی بناری کے آگے اس قدر بے بس کیوں ہو جاتی ہے۔ جھڑکونی ایسی بات ہے جو وہ نہیں جانتے۔ لکھی کی کوئی کم زوری بناری کے پاس ہے۔ سب سے بڑی کم زوری تو عودت ہونا ہے مگر عودت تو اور بھی ہیں۔ وہ کچھ نہ پاتے تو انھیں لکھی پر غصہ آتا، نفرت کی حد تک۔ دونوں اس سے بات چیت بند کر دیتے۔ لکھی انھیں منانی رہتی پھر انھیں خود خیال آتا کہ لکھی

توان سے زیادہ مجبور سے کئی بار جگتا اور دیو کے دل میں آئی گروہ کسی روز بناری کا کام تمام کر دیں جس وقت وہ نئے میں چور ہو، وہ اس کے سینے میں رسوئی کی بڑی پھری گھونپیں یا کینیں سے نہرا لے اس کی شراب میں ملا دیں۔ جس رات گھر میں نوکھی نہ ہو، اس رات یہ کام اور آسان ہو گا کوئی الزام یا تو نوکھی محفوظ رہے گی، صرف انھیں مزہ ہوگی۔ جیل کی زندگی اس زندگی سے بہتر ہوگی۔ انھوں نے سنا تھا کہ کم عمر قاتلوں سے رعایت برتی جاتی ہے۔ انھیں زیادہ سے زیادہ سات آٹھ سال کی سزا ہوگی، ٹھیک ہے، سات سال گزر جائیں گے مگر اس عمر میں نوکھی اور پھول وٹی کا کیا ہوگا، ان کے بغیر تو وہ دیران ہو جائیں گی۔ نوکھی اور پھول وٹی کے خیال سے جگتا اور دیو کے ہاتھ پیرھونے لگتے۔

گیلوں کے لڑکوں سے انھوں نے بہت سے ہنر سیکھ لیے تھے۔ تماش چور اور دوسری بازیوں، اٹھائی گھروں اور پاؤں کے کرتب، تمباکو نوشی بعد میں انھوں نے جیب کاٹنے کی بھی مشق کی اور ابھی ہاتھ صاف نہیں ہوا تھا کہ دیو اپنا گلیا۔ پسلی باروہ گھونٹے دیا۔ دو دن کو پسلی باروہ کا وہ ایک دوسرے کے بغیر کتے نائل ہیں۔ دو دن ترتیب سے، نوکھی اگ دیو اپنی بی بی رہی۔ دیو اپنی ہنٹے جیل میں رہا پھر نوکھی کے اصرار پر بناری سے ہر پھر کر کے آئے۔ بناری اسے چھڑا کے لایا تھا۔ گھر آئے اس نے دیو کو دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا اور اپنے ہمراہ آنے والے پاڑے کے آدمی کو اشارہ کیا۔ بناری کے حکم پر وہ دیو کے ناخن کھینچا، کاڈن کی کوں رگڑا رہا جتنا دیو چپٹا لگتا، بناری کی انگوٹھوں کی چپک اتنی ہی گہری ہو جاتی۔ دیو کا حال بہت بگڑنے لگا تو کونے میں دیکھ ہوئے جگنو نے بہت کر کے بناری کے پیر پکڑ لیے کہ خدا کے واسطے اب وہ بس کرے۔ بناری کی توجہ ہلانے کے لیے اس نے خود پر ڈنٹہ داری لینی چاہی، لہذا کہ دیو کا کوئی قصور نہیں ہیں اسے اسکی اٹھا۔ بناری نے اسے بھی دیو کے ساتھ کھڑا کر دیا۔

جگنو نے بھی اپنا اور دیو کا ہاتھ دکھایا جیسے یقین نہیں آیا۔ دونوں کے ہاتھ ہاتھ کی پھوٹی انگلیوں کے پورے کٹے ہوئے تھے۔ بناری نے انھیں تیسری کتھی کہ جتنی باروہ جیب تراشی کے جوہ میں کپٹے جائیں گے، یہی ہوتا ہے گا۔ جگنو کے یہ قول بعد میں انھوں نے بناری کو کوئی ایسا موقع نہیں دیا۔ دوسری بار بھی دیو اپنی جیل گیا مگر اب کے نوکھی نے بناری سے سفارش نہیں کی۔ دیو اوڈھاٹا مینے بعد وہو چھوٹ کے آگیا۔

مرگ پرستان اور گمراہ ہو گیا تھا۔ دور نزدیک بھونکنے لگتا، شور مٹا۔ احساس اور دلانا۔ جگنو تھیر گیا۔ اس کی آواز گھٹنے لگی، اسے پانی کی ضرورت تھی اور پانی کا مکان نہیں تھا۔ اس نے بڑی جلدی کی اجازت چاہی۔ تیسری کے چند کش لگائے کہ وہ بولا کہ لے خیال میں ان کے گھر پر بناری کے تسلط کا بظاہر ایک ہی باسب تھا۔ ایک ہی ہوت میں وہ یہ غلیہ ختم کر سکتے تھے کسی طرح نوکھی کو بے گھر کا یقین دلادیں۔ انسا کے لائیں کہ نوکھی کو کوئی اندیشہ خدشات ہی نہ رہے پھر وہ اسے کہیں بھی لے جاسکتے ہیں چنانچہ انھوں نے پہل میں بر گری کی، مرگلوں پر چڑھا تھا، پھری لگائی، سامان ادھر سے ادھر منتقل کرتے والی کالیاں پیچھیں، دونوں ساتھ مل کے کھینچتے وزن زیادہ اٹھاتے تھے لیکن وہ بہت کم پیسے اکٹھے کر پاتے تھے۔

پیسوں کی انھیں شدید طلب تھی کہیں کوئی درخت مل جائے جس پر پیسے کا پھل آتا ہو، کوئی خزانہ، کوئی تسلیا، زندگی میں پیسے کی کڑواہٹ کے جلوے وہ صبح و شام دیکھا کرتے تھے۔ بیٹھ لوگ، صاحب لوگ، ناک بھوں پر نہ جاتی ہوئی ریشمی بنی شیشے کی بنی عورتیں، گاڑیاں، ٹوٹے پیسے کا مطلب ہے کہ آدمی کے کئی ہاتھ، کئی انگوٹھیں، کئی جسم ہونے والے، دکن، چارنگا، آدمی، ایک زندگی میں کئی زندگیوں کا کھانا ایک جنم میں کئی جنم پیسے کا مطلب ہے، رنگ، روشنی، خوشبو، سب کو پیسہ مرغوب ہے۔ پیسہ آدمی کی رفتار تیز کر دیتا ہے۔ چوری جیب لٹا اور جوئے وغیرہ میں کسی وقت بھی قسمت باوری رکھتی ہے۔ دن میں کے کماٹے ہوئے پیسے رات کو جگنو اور دیو کو لے کر لگاتے ہیں۔ کچھ فائدہ ہوتا، کبھی سارے گنوا دیتے۔ مگر اب انھیں انام نہ ہوتا، بھوک سے بھی انھیں ایسی بے گئی نہیں ہوتی تھی۔ وہ دیو پیدل چلنے اور کٹی دن تک فاقہ کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ وہ دن دن بھر اور رات بھر گھر سے غائب رہنے لگے۔ نوکھی بھی ان سے کچھ نہ پوچھتی۔ استیث پر وہ سافروں کی تاک میں رہتے جہاں بھی موقع ملتا، کوئی چیز اٹھا کے بھاگ کھڑے ہوتے اور انے پونے بیچ دیتے۔ پھر انھیں اندازہ ہوا کہ کسی باتانہ دادا کے سہا بغیر جیب تراشی اور چوری وغیرہ میں کام یا بی ممکن نہیں۔ انھوں نے چھوٹے موٹے داداؤں کا کٹھ کیا اور بناری سے دوردور کے پاڑوں کے چکر لگانے شروع کیے۔ ان کی انگوٹھوں میں بسی ہوئی ہشت اور ان کے چروں پر برقی وحشت ان کی نوعمری اور جی ناوانی پر جگر رکاوٹ بنی رہی۔ دادا ان سے زرخیدوں جیسا سلوک کرتے کبھی بہت گندے اور اچھے مذاق جگنو اور دیو اپنی طرح جان

لے جتھے کہ پاڑے میں کوئی جگہ حاصل کرنے کے لیے یہ سلوک پہلے چلے گا رہ رہتا تھا۔ سوہ دیاں ہر کام کے لیے تیار رہتے چائے انا، حقہ تیار کرنا، ماش، پاڑے کی جھاڑو، داداؤں کے دیگر کام۔ ہبک جاتے مگر ابتدا ہی میں دوایک پاڑوں پر بناری کے آدمیوں نے انھیں دیکھ لیا۔ وہاں ان لوگوں نے جانے کیا کچھ کما سنا تھا کہ انہو اور دیو کا پاڑوں پر غریب ملے رہنا دشوار ہو گیا۔ پاڑوں کے ادھی کم و بیش انھیں خطبات سے انھیں نوازتے گئے جو بناری کا وظیفہ تھے۔ بہت سے دادا نوکھی کے باسے میں ان سے کرید کرید کر چھوٹے، بناری اور نوکھی کے باسے میں ایسی ناروا باتیں دیتیں جن کا جواب دینا تو کجا، سنا بھی جگنو اور دیو کو اگر انہیں جتا جگنو کبہر ہا تھا، وہ ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ وہ کیوں زندہ ہیں، دُنیا میں تو ان کا کوئی کام ہی نہیں ہے کبھی انھیں پنا وجود اتنا حقیر لگتا کہ وہ موت ڈھونڈ کر لیتے۔ موت بھی انھیں نہیں آتی تھی جو انھوں نے سنا تھا اور جس کی نزدیک کے لیے وہ ہمہ دم مرجان سرگرداں رہے تھے، وہ انھیں سارے جگتا تھا، نامدادوں کے لیے ایک جواز کا گداز کہ سب کچھ گھروں اور ستاروں پر پھرتے۔ کچھ لوگ پیدا ہی ہٹک لائے جانے کے لیے جوتے ہیں۔ نالی کے کیڑوں اور غار ش زدہ گھوٹوں کی طرح۔ زمین ہر کسی کو لاس نہیں آتی۔ یہ زمین ان کے لیے نہیں ہے تو وہ کیوں اصرار کر رہے ہیں۔ کبھی انھیں ہر رنگ اور ہر آواز کا بیسی لگتی۔ انھیں معلوم تھا کہ موت کی دھڑی بس ایک ارادے کے فاصلے پر ہے لیکن یہ فاصلہ ان سے غور نہیں ہو پاتا تھا۔ اس کے درمیان ان کا گھر پڑتا تھا، جہاں نوکھی اور پھول وٹی رات بھر تھیں۔ وہ جب گھر لوٹ کے آتے تو نوکھی کی پھیل ہوئی، انہیں کچھ دیر کے لیے انھیں سب کچھ بھلا دیتیں۔ پھول وٹی ان کے بازوؤں میں پھول جاتی۔ انھیں سب خواب سا لگتا، کوئی ظلم سا، اسی خواب اور ظلم کی تعبیر کی تلاش میں وہ پھر گھر سے نکل کھڑے ہوتے۔ روزانہ سے ہی تماشا سرزد ہوتا تھا۔ بعد کے دنوں میں بناری کی آدمیں فصل بڑھ گیا۔ پندرہ بیں روز میں ایک بار اسی نسبت سے جگنو اور دیو کو کسی قدر فراغت نصیب ہوئی۔ پھول وٹی چیکے چیکے آتے بڑی ہو گئی تھی کہ انھیں کسی کی نظر لگ جانے کا دھڑکا لگا رہتا۔ وہ اپنی عمر سے بڑی باتیں کرتی تھی، باتیں ہی نہیں، سفید و سیاہ کی ہر کچھ بھی اُسے خوب آتی تھی۔ جس رات بناری گھر آتا، وہ جگنو اور دیو کو اس سے دور رکھنے کے لیے گھر کے دروازے پر کسی کیل کندھے میں کوئی پکڑا

انکا دیتی، جگنو اور دیو دروازے ہی سے لوٹ آتے اور رات کسی فٹ پاتھ پر گزارا دیتے۔ ان کی موجودگی میں بناری آجاتا تو بات تو کئی تھی پھر وہ تمام آگ سینے میں دبانے اس کی خدمت کرتے اور کسی بھی حکم کی تعمیل کے لیے ہر لمحے مستعد رہتے۔ ایک رات بناری لگوچھا پیسے چاہا پانی پر اوڈھا پڑا تھا۔ نوکھی اس وقت کمرے میں نہیں تھی۔ اب جگنو اور دیو کے ہاتھ ماش میں طاق جو چکے تھے۔ بیبی کے پیشہ ورانہ سنوں سے انھوں نے بہت سی تازہ کر لیں جگنو، چھینڑا، یوں کیسے کہ رگوں کے تار ہلا ناسیکہ لایا تھا۔ کم سے کم وقت میں ساموں کو زیادہ سے زیادہ تیل پلانا بھی اس فن میں شامل ہے۔ یہ جگنو اور دیو کی ماش کا نشہ تھا یا دارو کا کشر، بناری اس رات بہت خوش نظر آتا تھا۔ ان کا جی نہیں چاہتا تھا تاہم انھوں نے خوب سوچ سمجھ کے زبان کھولی اور کسی قدر ناز بردارانہ، تمام تیز مزاجانہ لیے میں پسلی بار بناری سے فرمائش کی کہ وہ اسے اپنے پاڑے میں جگڑے دے۔ وہ دیاں دوسرے داداؤں کی طرح اس کی خدمت کرتے رہیں گے۔ کوئی ان سا وفادار، خدمت شعار بناری کو شاید نہ ملا ہو۔ جگنو اور دیو کو دوسرے پاڑوں کا چھٹا تجربہ ہو چکا تھا۔ دوسرے کسی پاڑے سے وابستہ ہونے سے ان کا جو مقصد تھا، وہ بناری کے پاڑے پر بھی پورا ہو سکتا تھا۔ اتنے گرم و سرد موسم گزارنے کے بعد آدمی میں یہ شاعری و زمانہ سازی آجاتی ہے۔ جواکھٹا انھیں آگیا تھا۔ یہ ایک ایسی بازی تھی جس میں جیت سے بہت فرق پڑتا تھا، بارے کچھ نہیں جتنا وہ بارے تھے، اس سے زیادہ ان کے پاس کچھ تھا ہی نہیں۔ جگنو کے یہ قول انھیں ذرا وقت درکار تھا جو انھیں کبھی نہیں ملا، سانس لینے کا وقت۔ ورنہ دوسرے پاڑوں میں وہی ہوتا رہے گا جواب تک ہوتا رہا ہے۔ تمام دنوں کے باوجود، بناری کے پاڑے میں بڑی امان تھی۔ وہاں وہ کہ از کم نوکھی کے باسے میں رسواں باتیں سننے سے محفوظ ہو جاتے تھے، وہ باتیں جو انھیں بہت ڈساکرتی تھیں۔

ان کی التجائیں کے بناری جگنا بیاں بھرتا رہا۔ انھوں نے ٹکرا رہیں کی تاکہ فرخا تھا لوگ بھڑک نہ جائے، بس کسی طرح چپکے سے راستہ مل جائے۔ لوچ صرف آواز کا نہیں، نگاہ کا بھی ہوتا ہے رفتار کا بھی اور باتوں کا بھی۔ دیر تک وہ چپ چاپ اس شکرے کے جسم پر اپنے ہاتھوں کا لچر اپنی انگلیوں کی مارت آزماتے رہے تھو اسے فیل پرست کی خاموشی شان بخوری پر محمول کی۔ آخر وقت بہت گزر گیا تو بناری نے انٹرائیٹی اور ڈوبٹی ڈوبٹی، کبھی سبکی آواز میں پچھا

کر تو کبھی کہاں ہے۔ وہ اٹھنے قدموں کرے سے چلے آئے چند لمحوں بعد تو کبھی کرے میں چلی گئی۔

بہت عرصے بعد انھوں نے ایک نرم و مبک رات گزار دی۔ آدھی رات تک وہ اور بچوں و بی سڑکیاں کرتے رہے، دنیا جہاں کی باتیں بچوں و بی سڑکیاں جانتے تھے انھیں اس بات کے فتنے متعلق رہی پھر انھیں نیند آگئی۔ بنارس علی الصباح چلا گیا تھا۔ اس روز انھوں نے بطور خاص شغل کا اہتمام کیا، صاف کپڑے پہنے۔ وہ اپنی طرف سے پوچھنا نہیں چاہتے تھے، بار بار ان کی نظریں تو کبھی کسی طرف اٹھتی تھیں کہ شاید بنارس نے ان کے بارے میں اس سے کوئی بات کی ہو۔ تو کبھی بہت متعلق ہوتی تھی، مٹو جی سوچی انھیں تاہم اس نے ان کے لیے سبزی کا پراکھا بنایا اور بالائی والا چائے کا پیار۔ ناشتہ کر کے وہ گھر سے نکل گئے۔ اس وقت دس بج رہے تھے۔ کچھ اور وقت گزارنے کے لیے وہ ادھر ادھر مھر مڑوں پر مگر گشت کرتے رہے۔ ان کا رخ بہر حال پائے کی طرف تھا۔ دھوپ بہر طرف پھیل چکی تھی جب انھوں نے دھڑکتے قدموں سے پائے پر قدم رکھا۔

دالان کے وسط میں کئی داداؤں کے درمیان بیٹھا، بنارس کی دادا جو سر کھیل رہا تھا۔ دونوں کو دیکھ کے اس کا ہاتھ لگا گیا۔ جگنو اور دیوا چند قدم آگے جا کے ٹھہر گئے اور نظریں جھکا کر کھڑے رہے۔ بنارس کی شکل بار نظروں اور دھڑکتی آواز پر وہ پہلے ہی متزلزل ہو گئے، ان سے کچھ کہا نہیں جاسکا۔ بنارس کو جیسے کچھ یاد نہیں تھا۔ اس نے پتہ نہ کرتے لیے میں ان سے پوچھا کہ کوئی سی پریشان نہیں تھا۔ یہاں لائی ہے۔ جگنو نے جیسے جیسے ہمت کی اور سرٹ پٹاتے ہوئے رات کی بات یاد دلائی۔ بنارس کا منہ پھیل گیا اور اپنے قریب بیٹھے ہوئے آدمیوں کی طرف منہ کر کے وہ ایک دم ہنسے لگا، جیسے جگنو اور دیوا نے کوئی لطیفہ سنایا ہو یا کوئی بہت ہی مضحکہ خیز بات کہی ہو۔ بنارس کے ساتھیوں نے بھی اس کی ہم نوائی کی۔ ساری حالت ان کے تقصیر سے گونجنے لگی۔ وہ دونوں ہاتھوں کی طرح ایک دوسرے کی صورت دیکھا کیے۔ بنارس اپنے آدمیوں سے مخاطب ہو کے چلے پڑے۔ بولا: "وہ بھی سننا چھٹی ہو گیا سال۔ ابھی اتنا چاقو پھر پھینکے کا ہے راجا لوگ کے آگے..." جگنو نے صرف نظر کیا اور راجا کے کما کردہ دونوں بازو کے لیے فیض ثابت ہوں گے۔ بنارس بزم ہو گیا اور گالیاں دیتے ہوئے بولا کہ انھوں نے کیا سوچ کے اس کے بازو سے پر قدم رکھنے کی جرات کی ہے۔ جس ہتھ پکے اٹھا لی کرے کا جی چاہے، منہ اٹھائے ہلا آئے، ایس، یہ اھیلوں کا پاڑا ہے،

پڑوں جہاں کا نہیں انھوں نے آئینے میں اپنی صورت دیکھی ہے، یہاں داغ کے لیے.... وہ جو منہ میں آیا، بکٹا رہا جگنو اور دیوا کا بس نہیں چلا تھا کہ زمین بھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائیں جگنو کبہ رہا تھا کہ ہم دونوں کی جیبوں میں چاقو تھے اور جی ہی کرتا تھا کہ زخم دیکھ کر بنارس کے سر پر چاقو نہیں اور اس سے پہلے کہ وہ اور اس کے حاشیہ بردار کچھ سنیں، ہم بنارس کا جیم پیر ہڈ ڈالیں، پھر چاہے ہمارے ساتھ جو بھی ہو۔

لیکن اس سے پہلے کہ بنارس کے آدمی انھیں دھکے دے کے ہائے سے نکالتے، وہ وہاں سے چلے آئے۔

بنارس کے اس بتافک بعد جگنو اور دیوا نے کسی پاڑے سے واسطی کا خیال ہی دل سے نکال دیا۔ جہاں جیسا کام بل جانا کر لیتے، جہاں جیسا موقع ہوتا، آتا، ہاتھ کی صفائی دیکھا دیتے۔ بنارس کی آمد میں بتدریج کے سبب گھر کے خرچ میں بہت بلی ہونے لگی تھی۔ اب بہت کچھ اٹھی پر مھر کچھ بھی گھر میں روٹی نہ بک پاتی تو نوکری اور بچوں و بی سڑکیوں کی خود خوردی کی غرض سے باہر جانے کے لیے اصرار کرتیں۔ گھر لیا کاموں اور دیگر تعمیر عمارتوں میں عورتوں کو روکا جانے لگا تھا۔ شاید یہ نام کا تھا تھا بچوں و بی سڑکیوں پر ایسے ایسے گلے بوسے تراش لیتی تھی کہ لگا ہی دھوکا کھا جائیں۔ جگنو اور دیوا نے دونوں کو گھر سے نہیں نکلنے دیا اور خوش و خراب کر کے رہے۔ بے شمار نامزدوں کی طرح کشمی کی مسمانی پر ان کا یقین تھا۔ کشمی کا کچھ طے نہیں ہے، کسی ان بھی مہربان ہو جائے۔ وہ جانتے تھے کہ رنگ، ذات، قدر کا بھی، تواناں، توانا کے امتیازات سے کشمی کو کوئی علاقہ نہیں ہے۔ ان کی گلی سے ایک گلی آگے کا کڑا کلام کرنے والا، بھل نقل کرنا منہ اور کالا سیٹھ تراش برہمنوں سے کشمی کی نگاہ خاص کا زندہ ثبوت تھا۔ وہ لوگ ابھی موجود تھے جھقوں نے ایک ریلے میں اسے مڑوں پر بے حال دیکھا تھا، والا ہوا کے جھونکے سے بھل جانے والا سیٹھ فوراً کشمی کو جانے اس کی کون سی ادھائی تھی کہ ہزار جان سے فریفتہ تھی۔ بنارس جیسے آدمی سیٹھ فیروزی دلیز پر ہڈی کے لیے منڈلا کر تھے۔ جگنو اور دیوا نے جوئے کے علاوہ ٹوٹے ٹوٹے بھی بہت کچھ کوئی ایک لمبا ہاتھ پر جھانٹے، صرف ایک بار۔ اس کے بعد وہ کشمی کو لایا روک کے، ہاتھ کے رکھیں گے، ایسی اطاعت گزار اور پرانہ واری کریں گے کہ کوئی دیکھے مگر وہی بات، کشمی کی اپنی پسند اور ترجیح ہوتی ہے۔ یہ بھی لگان ہے کہ کوئی اسے روک کے

ہاتھ کے رکھ سکتا ہے۔ پھر یہاں پھر صاحب اس کی مرضی پر ہے جگنو اور دیوا جتنا اس کی جستجویں رہتے تھے، اتنا ہی وہ ان کے لیے نیاز تھی، اور ان کا وہی حال تھا جو ان جیسے بے شماروں کا تھا۔ انھیں معلوم تھا کہ کشمی کا ظرف اتنا کشادہ نہیں ہے وہ معدودے چند سو میں سے چند ایک ہی پر اپنی نوازشیں اڑا کرتی ہے۔ باتوں کی آسروں میں گزر جاتی ہے۔ غالباً بیوی رزم ہے کہ کسی آسروں میں زندگی آسانی سے کٹ جاتی ہے۔

نوکری کے بدن میں کوئی مکرری چھپ کے بیٹھ گئی تھی اور لگتا تھا، اس کی بیٹی بچوں و بی سڑکیوں جیسے مسلسل اپنی ماں کا خون چوستی رہی ہو۔ اپنی ماں کا سارا رنگ روپ اس نے چرایا تھا۔ نوکری کے پتے کرنے شروع ہوئے تو دیکھتے دیکھتے صرف شاخیں رہ گئیں اور شاخیں دیک کو مرغوب ہوئیں۔ بنارس کی آمد بھی کھار کی رہ گئی مینوں مینوں کے دھکے سے جگنو اور دیوا کی اس سے مینوں ملاقات نہیں ہو پاتی تھی۔ ہر چند کہ وہ زیادہ وقت گھر ہی گزارتے تھے، بیوا نوکری کی خاطر اور اپنی بچوں و بی سڑکیوں کی خاطر، وہ ان کی مڑو جہاں تھی، اندھیدوں میں کسی چراغ کے مانند مھر میں بچوں کی طرح۔ وہ اسے چھپ کے رکھتے تھے کہ کہیں کسی کی نظر نہ لگ جائے، کہیں کوئی دیکھ نہ لے کہ ان کے گھر میں ایک شہر زلوی چھپی ہے۔ رات کو وہ ٹوٹے ٹوٹے بکھرے بکھرے گھر کے تو اس کا چہرہ دیکھ کے ان کی ساری کشمیں کا فور ہو جائیں۔ نوکری کے علاج کے لیے وہ اپنی بساط سے زیادہ کوششیں کرتے رہے۔ کچھ دن کے لیے وہ بھی چنگی ہو جاتی، پھر پہلے سے بھی بدتر....

برس بیت گیا، بنارس نہ بڑھا، پھر کوئی چھ مہینے اور گزر گئے، بنارس نے ٹوٹ کے خبر نہیں لی مگر ایک رات وہ راستہ بھول گیا۔ جگنو اور دیوا گھر میں تھے۔ سب اسے دیکھ کے دم پر خود رہ گئے۔ نوکری کے حال سے بنارس کا رنگ کچھ متعجب ہوا اور اس نے جگنو اور دیوا ہی پر الزام دھرا کہ انھوں نے نوکری کی علالت کے بارے میں اسے مطلع کیوں نہیں کیا۔ جگنو اور دیوا کیا جواب دیتے، بنارس نے علاج کے لیے اچھی خاصی رقم نوکری کے حوالے کی۔ مگر پانی جگنو اور دیوا کے لیے حیرت انگیز تھی۔ وہ بنارس سے ایک ہسپتال لینے کے روادار نہ تھے لیکن نرم واپس کرنے میں بنارس سے رابطہ ضبط کا پہلو لگتا تھا اور اس کے کاٹ کھانے کا خدشہ الگ تھا۔ وہ چپ رہے۔ انھیں اطمینان تھا کہ بنارس اب بار بار نہیں آئے گا کیوں کہ نوکری کے بدن میں خون نہیں رہا ہے

اور اس کی آنکھوں کا نیلا رنگ گد لایا ہے مگر یہ ان کا داہرہ تھا۔ بنارس تو تو اتارے آتا رہا اور توقع کے خلاف اس نے روپے پیسے کی اعانت بھی جاری رکھی۔ ایک روز دوسری وید کو بھی ساتھ لایا۔ گھر میں اس کی دوبارہ آمد و رفت جگنو اور دیوا کو بہت شان گزرتی تھی۔ وہ حیران و پریشان سب کچھ دیکھتے رہے، ناشانی کی طرح۔ بنارس کا یہ رویہ اس کی خود غرضی اور سخت گیری سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا تھا۔ پشیمانی اور بھولی آدمیوں کو ہوتی ہے، یہ آدمیوں کا شیوہ ہے۔ بنارس میں آدمیوں کی خوب ہی نہیں ہے وہ ان سے بھی برہنہ ہو کر پی پر خاش نہیں رکھتا لیکن اس کا رویہ دوستانہ بھی نہیں تھا۔ شکر پر صدائیں لگاتے ہوئے بھٹے بھٹے بھٹے بھٹے بغیر جس طرح راہ گیر گزرتا ہے، جگنو اور دیوا سے بنارس کا سلوک بھی کچھ سی تھا۔ چند دنوں میں وہ اپنے ہی گھر میں ابھری ہو گئے تھے اور ان دنوں کا بھی یہی حال تھا، نوکری اور بچوں و بی سڑکیوں کی کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کرے۔ اتنے عرصے میں بنارس کا شمار بھٹی کے نامی گرائی داداؤں میں ہونے لگا تھا۔ اس کا پاڑا شہر کے بڑے پاڑوں میں لگا جاتا تھا۔ شہر کے سب سے بڑے دادا دیواڑی سے اس کے خصوصی مراسم تھے۔

دیواڑی کے نام پر میں سیدھا نہ بیٹھا رہ سکا۔ اسی وحشی نے کرشنا جی کو ختم کیا تھا۔ کرشنا جی کو گئے ہوئے اتنے دن نہیں گزرے تھے کہ دیواڑی اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا۔ اس کے بہت سے حواری بھی چلے گئے تھے لیکن کرشنا جی اتنے ارزاں نہیں تھے۔ جب بھی دیواڑی کا خیال آتا، میری رگوں میں خون جلنے لگتا۔ اس وقت مجھے ہی کے متعذد ہائے اس کے حاشیہ بردار تھے۔ پیر و دادا کے ہائے کی طرح آپس میں جتے ہوئے تو نہیں تھے مگر کوئی دیواڑی سے لگ نہیں تھا۔ اختلاف ویسے بھی مصعب داروں کو نہیں آتا۔ دیواڑی تو آدمی ہی کا راجا تھا۔ میں نے دخل نہیں دیا اور خاموشی سے سب کچھ سننا رہا جگنو نے بتایا کہ بنارس نے گھر کے خرچ ہی پر لکھا نہیں کیا۔ اس نے اس حقیقت پر کھینچ دیا کہ وہ روغن کرایا۔

کئی چیزوں کا احاطہ کیا۔ یہاں مسہری، بستر چادریں، میز کرسی، نئے طرے کے برتن وغیرہ۔ دو اشیں بچوں و بی سڑکیوں کا خرچہ سزا دیتا مگر نوکری اور زیادہ ہمت کھونے لگی۔ اب اس کے چہرے پر کھینچ ہی رہ گئی تھیں بچوں و بی سڑکیوں کی حال تھا۔ وہ ہر وقت سہمی سہمی رہتی تھی جیسے تیز دھوپ میں گلاب فریادی سالگتا ہے، اپنے رنگ اور خوشبو کے لیے اصرار کرتا رہتا ہے۔ بنارس کے آنے پر اس

میں کسی وقت بنارس کو رخ کا علم ہوا تو نہ جانے کیا قیامت برپا کرے یہ سن کے بنارس ہی میں دن غائب رہا، واپس آیا تو مست کشیدہ و کمیدہ تھا۔ نوکھی نے وہ لینے کی کوشش کی لیکن بنارس کی مرضی کے بغیر اس سے کچھ جان لینا کساں دار نہ تھا۔ ابتدا ہی میں نوکھی کو دونوں بھائیوں کے فرق کا خوب ہو گیا تھا۔ کتنے بھی ایک جیسے نہیں ہوتے مختصر کر بنارس کی طور اپنے بھائی کا ہم سر نہیں تھا۔ کاشو کو بات سننا آتا تھا، بنارس صرف اپنی بولی سننا، اپنی بولی سمجھنا تھا۔ نوکھی نے کہا کہ کاشو کی موت اور بنارس کی آمد کے دوران وہ بہت چھوڑے کس پہلی جاتی تو شاید سب بدلا ہوا ہو تا لیکن ادھر کاشو کی موت کی خبر دیر سے آئی، ادھر جگہ گوا اور لیا، دو چھوڑے چھوڑے بچے ساتھ ہونے کی خبر سے وہ کہیں اور جا کے قسمت آزمائے کا حوصلہ نہ کر پاتی، اس کے سامنے لگان میں بھی نہ تھا کہ ایک روز بنارس آجائے گا اور اپنا ہی گھر نوکھی کے لیے زندان بن جائے گا۔

جگہ گوا اور لنگ بیٹھے تھے آج پہلی مرتبہ نوکھی نے ان کے اور اپنے ہائے میں آنکھیں کھلیں۔ کاشو اور لیا پر ہنسا و کیشیفی طاری تھیں۔ خوف، رنج، خوشی، غصہ، سیرت طرح طرح کے سوال ان کا سیدھا مطالعہ کیے ہوئے تھے مگر انھوں نے کچھ نہیں پوچھا۔ غالباً اس اندیشے سے کہ نوکھی کی زبان میں کلمت نہ آجائے یا وہ کوئی ایسی بات نہ پوچھے جیسی جس کا جواب دینا، اپنے آپ سے نرد آزمائش نہ جان نوکھی کے لیے مشکل ہو یا جو جواب سننا خود ان کے لیے عذاب۔ وہ بولوں کی طرح گم بیٹھے سننے رہے۔

سب کی نظر غصہ برداری سے خود متعین کئے اندھیروں سے دوچار ہے، یہ کوئی نہیں جانتا، نوکھی نے انھیں بتایا کہ بچپن ہی سے اندھیروں نے اس کا گھر دیکھ لیا تھا۔ وہ چند سال کی تھی کہ باپ کا انتقال ہو گیا، کچھ عرصے بعد گھوٹا بڑا بھائی ملیر بایں چل بسا۔ وہ غازی پور کے ایک چھوٹے سے زمین دار ایک بڑے کسان کی بیٹی تھی جس کے پاس اپنا ایک معقول قطعہ اراضی تھا۔ باپ کو شہنشین آئی تھا، ادھر قرب میں کوئی غیرت مند عزیز نہیں تھا جو ان بیٹی کا سہارا بننا۔ شوہر اور بیٹے کے مدد سے یہ جہاں نوکھی کی ماں نے ناپاک کاشت کاری کے کاموں کی نگرانی شروع کی لیکن زمین کو غالباً مردوں سے کوئی خاص رغبت ہے جیسی اس زن نادار کے ہاتھ سے نکلتی گئی۔ ایک چھوٹا سا قطعہ گزرا اوقات کے لیے وہ گیا۔ وہ بھی نکل جاتا مگر ایک رات کاشو ان کے گھر آدھ کا۔ نوکھی چنانچہ ہو چکی تھی اور ان کو اس کی بہت فکر تھی۔ ایک بیٹی کی کمات ہے،

حسین لڑکی کی مگنی اس کے ہائے میں ہو جاتی ہے، نوکھی کے کئی رشتے آئے۔ جگنو اور دلہا اندازہ کر سکتے تھے کہ نرد گرد کے کتنے لوگوں نے نوکھی کو گھر لانا چاہا ہو گا۔ ماں باپ بھی کوئی فیصلہ نہ کر پاتی تھی کہ کون سا گھر اور کون سا بزرگ نوکھی کے لیے موزوں رہے گا کہ کاٹو گیا۔

اس رات ماں بیٹی ایک ایک قدم ملازمہ کے ساتھ گھر میں رہی تھیں۔ ملازمہ کا عمر سیدہ شوہر غازی پور سے باہر کسی میلوں میں ہوا تھا۔ وہ موجود ہوتا بھی تو کیا فرق پڑتا۔ ہر حال میں عورتیں گھر میں اکیلی تھیں کہ پہلے پہلے نوکھی کی ماں کی آنکھ کھل گئی۔ جیسے اس نے دروازہ کھولا، اپنے سامنے ایک خشم ناک، خوبرو بہت شخص کو دیکھ کر دھک سے رہ گئی۔ وہ کاشو تھا۔ اس نے بتایا کہ پولیس اس کے پیچھے ہے، جب تک پولیس کا خطرہ نہیں جاتا، وہ گھر میں چھپا رہے گا۔ کوئی بھی ملحق نہ ہو۔ اس کے ساتھ اعانت کی گئی تو وہ خاموشی سے چلا جائے گا اور اس خدمت کا صلہ الگ دے گا۔ اس نے ان تینوں کو ایک گوشے میں بیٹھ جانے کا حکم دیا، اسی انہیں اس کی نظر نوکھی پر پڑی۔ نوکھی کی ماں اور خود نوکھی نے اپنے آپ کو بہت چھپا ناپا جاہ، شش و چال بھی ماں دھڑکی طرح ہوتا ہے، دھکا چھپا ہے تو بد لگا ہی سے محفوظ رہتا ہے۔ کاشو اپنے آپے میں نہ رہا نوکھی کو دیکھ کے وہ سب کچھ بھول بیٹھا کہ کہاں ہے۔ اسے اتنا بھی یاد نہ رہا کہ اچھی لوگوں نے پناہ دی ہے مگر پناہ تو اس نے خود حاصل کی تھی، خنجر کے زور پر، اور خنجر اس کے پاس تھا۔ وہ خود بھی خنجر سے کیا تم تھا۔ ملازمہ کی لٹکھی بندھی ہوئی تھی۔ کاشو کی ایک ضرب سے وہ بے سجدہ ہو گئی۔ نوکھی کی ماں نے مزاحمت کرنی چاہی مگر کاشو جیسے قوی میکل کے سامنے وہ کتنی دیر ٹھہری۔ نوکھی دیکھنے پر اسی دھڑکی ہو چکی تھی۔

نوکھی کے بقول، وہ اس رات مر گئی تھی۔ موت اور کیا ہوتی ہے۔ یہ دوسری نوکھی ہے جس نے اس سیاہ رات کو ایک اور جرم لیا تھا۔ کاشو نوٹوں کی گدھی اور سونے کی چوڑیاں اس کے سرھانے ڈال کے کسی وقت چلا گیا۔ نوکھی کو چپ لگ گئی۔ ماں اور ماں جیسی ملازمہ نے بہت مدت سماجت کی کہ جو کچھ ہوتا ہے، اس سے بفر نہیں ہے کوئی بھی اسے ٹال نہیں سکتا۔ آدمی تو بہت بے بس ہے۔ ماں نے اپنے لیے بیٹی سے زندگی کی بھیک مانگی۔ نوکھی کہہ رہی تھی، اب کیا رہ گیا تھا۔ وہ خود کو تم کر لیتی۔ یہ اس کی ماں ہی تھی جس نے اسے مرنے نہیں دیا اور اپنی بیٹی پر اور تم کیا ایک شورہ پشت ابھی کے گھر

میں داخل ہونے کے واقعے سے صرف ملازمہ واقف تھی جس کی ایندھ پشیمانی اور وفا غریبی پر ماں بیٹی کا ایمان تھا۔ اس کے سوا ہر کون تھا۔ جس نے باہر جا کے نوکھی اور اس کی ماں کے دیے ہوئے کسی پرلے زخم کا قرض وصول کیا۔ دو تین روز میں باپ بڑوس کا ہر شخص ایک دوسرے سے مگرمشاہان کرتا پھر رہا تھا کہ تم نے کچھ سنا ہے۔ ماں بیٹی نے خود کو گھر میں محسوس کر لیا۔ ماں کس کس سے جاکے کتنی کر ان کا کوئی قصور نہیں تھا، انھوں نے کسی کو اپنے گھر میں بلایا تھا۔ پہلی تو کسی کے بھی گھر کر سکتی تھی، اس رات ان کا آشیانہ زبردہ لگا گیا۔ ماں بہت متوش تھی کہ وہ ہر ایک کے پاس جا کے اپنی صفائی کیا پیش کرے۔ لوگ کہنے پر آئیں تو سنا ہی نہیں جانتے۔ اپنے پرانے سب بیگانے نظر آتے تھے۔ اپنا اپا بھی بیگانہ، ایسی بے بسی کہ آدمی کو اپنا سایہ بھی پڑا یا کہ مگر نوکھی کو جیسے کچھ خبر ہی نہ تھی۔ کوئی گلہ شکوہ، دعوانہ مطالبہ گھر کی دیواروں کے باہر لپٹی روایتوں سے اسے کوئی غرض نہیں تھی۔ ماں نے زندگی کی نیرنگیاں افراط سے دیکھی تھیں سو اس میں شکوہ بہت استقامت تھی، استقامت اور اُستقامت ملازمہ ملازمہ ہیں آنے والے اندھے لمحوں سے روشنی کی اُمید کتنے ہی نے اثبات محض کہاں بھی نہیں۔ کبھی بہت سی روشنی مل جاتی ہے۔ آدمی کو اپنے جس میں کوئی ایک روزن لٹکا رکھنا چاہیے۔ نوکھی کی ماں کو ویسے بھی آسے اور اس کی عادت تھی۔

کوئی چوتھے دن، آدھی رات کے وقت جب ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا، کاشو پھر لگا، ملازمہ اور اس کے شوہر کی رفاقت کا ایک کوئی جواز نہیں رہا تھا۔ دونوں ماں بیٹی اکیلے تھیں۔ لٹنے کے لیے اب ان کے پاس اور تھا بھی کیا۔ کاشو کو دیکھ کے نوکھی کے سر بایں کوئی جنبش نہیں ہوئی۔ ماں البتہ ٹھٹھکے رہ گئی۔ کاشو کے ہاتھ میں اس وقت خنجر نہیں تھا۔ خنجر کی بے اثری کا اب شاید اسے اندازہ تھا کہ وہ ہی اس سے تھوس بھانکے کو کہا اور تسلی دی کہ وہ کسی اور راہ سے نہیں آیا ہے۔ اس کے لیے میں کچھ بھی تھا، معاملہ فہمی بھی تھی۔ اس نے کہا کہ دونوں اچھی طرح اس کی بات سنیں اور سمجھ لیں کہ اسے زیادہ بات کرنا اور ٹکرا کر نہ سنیں۔ اتنا اس نے جتنی آواز میں کہا کہ وہ انھیں بے جا نہ آیا ہے، یہاں سے دور۔ جو کچھ ان کے پاس نقدی زیور ہے، وہ سمیٹ لیں اور باقی سارے گھر بار اور زمین وغیرہ کا خیال چھوڑ کے اس کے ساتھ چلیں اور خارجہ رکھیں، بعد میں سب چیزیں کا ازالہ ہو جائے گا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس رات اس سے بڑی جھگڑ ہو چکی تھی۔ اسے معلوم ہے کہ اس کے بعد ان کے لیے زندگی کتنی

تنگ ہو گئی ہے۔ وہ ان کے ہائے میں ساری واقفیت حاصل کیے آیا ہے اور نہ مات کا اظہار کرنے نہیں آیا ہے کہ اس کی دیر سے وہ کسی کو نہ دیکھانے کے قابل نہیں رہیں۔ یہ زبان اسے نہیں آتی اس کی دوبارہ آواز نہیں نوکھی کی دیر سے ہے کہوں کہ وہ نوکھی سے دست بردار ہونا نہیں چاہتا۔ وہ فقہ جو ہر سرکش اور کج کرد کے دیوانہ بنا ہوتا ہے، کاشو نے بھی دیر لگا کر ایک بار کوئی چیز اسے پسند آجائے تو ہر قیمت پر وہ اسے حاصل کر لیتا ہے۔ سو وہ نوکھی کو لینے آیا ہے۔ جو ہر چکا، اسے بھول جاتا ہی مناسب ہے۔ گیا وقت ٹوٹ کے نہیں آتا لیکن آنے والے دن نوکھی کے ہوں گے۔ اس نے کہا۔ کاشو جب کچھ کہتا ہے تو اس کے ایک ہی معنی ہوتے ہیں۔ نوکھی خوش ہے بیٹی اور نوکھی کی خاطر، نوکھی کے لحاظ میں وہ اس کی ماں کو بھی سمجھتا ہے جانے کہ کبہ رہا ہے، اچھا ہے کسی چون و چرا کے بغیر وہ اس پر اعتماد کریں۔ اس کے سوا ان کے پاس کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔ وہ خوش اسلوبی سے آمادہ ہو جائیں گی تو انھی کے حق میں بہتر ہو گا کہ درنہ اس کے آدمی اطراف میں پھیلے ہوئے ہیں۔

مجبوری نوکھی کے پاس اس کے گھر جیسا گھر تو نہیں تھا لیکن سر جھپانے کے لیے بہت تھا۔ گھر شاید اسی کو کہتے ہیں جہاں کیوں کی عمل داری ہو۔ شروع میں دروید اور اسے ماں بیٹی کا رویہ مغائرت کا تھا لیکن جلد ہی انھیں احساس ہو گیا کہ یہ گھر انھی کا ہے اور انھیں کہیں اور نہیں جانا، اور جلد ہی انھیں یہ خبر بھی ہو کر پڑی ہو یاں، طور طریقے کتنے ہی مختلف ہوں، آدمی ہر جگہ ایک جیسے ہوتے ہیں۔ نئی زمین اور نئے لوگوں سے ان کی معاہمت کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کے پاس کاشو کے بقول کوئی راستہ نہیں رہا تھا بلکہ اس کی وجہ خود کاشو تھا جس نے ان کے لیے سارے دروازے کھلے رکھے تھے اور کوئی سمت اب انھیں خود نظر نہیں آتی تھی۔ کاشو کبھی روزانہ کبھی ناغوں سے وہاں آتا تھا کمر گھر ہی کی طرح۔ اس نے سمجھی ان کی عمل داری میں دخل نہیں دیا۔ بیٹی کے نوکھی اور اس کی ماں کو کاشو کے ہائے میں اور بھی باقی کچھ معلوم ہوا تھا کہ کاشو پڑے کا آدمی ہے، اس کا ایک علاقہ ہے جہاں کوئی دوسرا کاشو سر اٹھا کے نہیں چل سکتا۔ نوکھی کی ماں کاشو کے گھر آنے پر کونوں میں سمٹ جاتی تھی اور بیٹی کو اشاروں اشاروں میں استعمال کی تھیں کرتی تھی کہ یہ شیوہ حکومت بھی ناگوار غلط ہو سکتا ہے۔ گویا مطلق حکومت یا سکت و جامد حکومت میں بھی حشر کے اندیشے ہیں۔ ماں سمجھ نہیں سکتی تھی کہ نوکھی کے کسی شغل و عمل میں اس کی نیت کی تنگی یا راہ سے

کی کوتاہی شامل میں ہے۔ یہ شیوہ تسلیم و رضا تو کسی خود کار عمل کی طرح ہے اور کسی خوف کا حاصل نہیں۔ تو لکھی کو کاٹھو سے بالکل خوف نہیں آتا تھا۔ کاٹھو ہی کیا، نوکھی کو اب کسی چیز سے خوف نہیں آتا تھا، اندھیری رات، بچھڑا، آسمان کی گرج چمک، پتھروں پر چرخ سب گزر جاتا ہے معلوم نہیں، ایسی اطاعت جو خوف پر قائم ہو، حاکم کے لیے کیا حیثیت رکھتی ہے۔ کاٹھو میں سوجھ بوجھ کی کمی تھی۔ اسے بھی علم ہوگا کہ نوکھی کی محکومیت، نوکھی کے ارادے کی تابع نہیں ہے بلکہ نوکھی کے پاس کوئی ارادہ ہے ہی نہیں۔ یہ صورت کاٹھو کو کسی اذیت سے دوچار کرتی تھی یا سرخوشی کا باعث تھی۔ یہ کاٹھو ہی ہتر جانتا تھا۔ بچی آنے کے بعد، بہر حال، کاٹھو نے ادھی آواز میں بھی نوکھی سے بات نہیں کی۔ اس کی آمد پر نوکھی اس کے سامنے حاضر ہو جاتی اور غشاوش ہی رہا کرتی۔ اسے کاٹھو پر غصہ آتا تھا۔ کاٹھو کے قریب سے اس کے چہرے پر عزم کی گشاٹیں بھٹکتی تھیں۔ کاٹھو اس کے لیے نئے کپڑے زیور، خوشنود اور بھول لاتا۔ نوکھی انھیں اپنے بدن پر سجایا کرتی۔ کاٹھو کی خوشنودی کے لیے نہیں، کاٹھو کے جانے کے بعد بھی وہ ایسی جی ہی رہتی تھی اور اس کے قدم آئینے کی طرف نہیں اٹھتے تھے۔ کسی شخص کا آیتنے سے واسطہ نہ رہے تو یہ زندگی کا لون سا درہ ہے، یہ سوال بگھونے مجھ سے نہیں کیا تھا، بگھون کی باتوں سے خود بخود میرے وہاں میں منڈلایا۔

کئی سال گزر گئے اور نوکھی کو پہلی بار کاٹھو سے اس وقت خوف آیا جب وہ بگھون اور دیوا کو اس کے پاس چھوڑے گیا۔ کاٹھو کی ہدایت کے یہ موجب نوکھی نے پہلے پہل انھیں کاٹھو کی امانت ہی کے طور پر برتا لیکن بگھون اور دیوا کو ہمہ وقت نوکھی اور اس کی ماں کی ضرورت تھی۔ بچوں کو اپنی طرف توجہ مبذول کرانے کا فن آتا ہے۔ وہ انھیں بہکتی دگا ہوں سے دیکھتے تھے، حسرت بھری، انشیاقی بھری نظروں سے۔ وہ ہر دم ہماری دسامی زندگی کی علامت تھے، ایک مسلسل سویرا، ایک مستقل مراویہ وہی تھے جو نوکھی کے گم گشتہ ارادوں کی بازیابی کا سبب بنے۔ وہ اتنے سادہ و معصوم، ایسے چھپی کے گڈوں کے مانند تھے کہ نوکھی کا بس نہیں جانتا تھا، انھیں اپنی اکیوں میں بسا لے بگھون اور دیوا کو چند لڑتے چھوٹے لفظوں پر مشتعل زبان آتی تھی، بگھون کو تو اور بھی کم، مگر نوکھی ان کی ہر جنبش اب سے ایک جہان معانی اندھ کر لیا کرتی۔ ان کا بھی یہی حال تھا، کتنے ہی بچے بہت کچھ آنکھوں سے سنتے ہیں جو انھیں نہیں آتا تھا۔ نوکھی کا سارا کماؤ دونوں خوب سنتے، خوب سمجھتے تھے۔ رات وہ ایک دوسرے

سے کسی راز و نیاز میں محو رہتے۔

بگھون اور دیوا نے نوکھی کو بہت پریشان، بہت ہلکان کیا انھوں نے دوبارہ اسے خوف آشنا کیا۔ کسی وقت بھی کاٹھو واپس آسکتا تھا۔ اس کی آمد کے خوف نے نوکھی کو بہت مضطرب اور متزعزع کیا ہوا تھا۔ وہ طرح طرح کے منصوبے بناتی کہ کاٹھو آنے کا وہ انھیں واپس نہیں کرے گی، صاف انکار کر دے گی۔ کاٹھو کی موافقت کے لیے بہت دوچھا کرتا ہے۔ وہ اس سے کہہ دے گی کہ کوئی زیور، لباس کوئی سوغات نہیں چاہیے جانے وہ کیا کیا سوچا کرتی، کاٹھو اسے تو اسے زہر کیوں دے دے۔ اس کے آنے سے پہلے وہ سب کیس بھاگ کیوں نہ جاتی۔ اتنی بڑی دنیا ہے، کاٹھو اسے کہاں کہاں بھینٹ سکے گا۔ دوچار دن کی بات ہوئی تو نوکھی کے بگھون اور دیوا کی حیرانی کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ دن بہت ہو گئے تھے، اور جتنا وقت بڑھتا جا رہا تھا، کاٹھو کی آمد کی حیثیت سے نوکھی اتنی ہی ناواقف ہوئی جا رہی تھی۔ تمام خوف زندگی کی طلب سے غبارت ہے۔ نوکھی کو اب زندگی کی شدید طلب تھی

بہت دن گزر گئے کاٹھو نہیں آیا، اس کی موت کی خبر آئی۔ یہ سن کے نوکھی پر جانے کیوں موت طاری ہوا اور وہ بہر حال آنسو بہاتی رہی۔ ادھر ماں نے اسے ٹوکا کہ کاٹھو کا دانا، بگھون اور دیوا کے لیے کسی اور کے دآنے کی ضمانت نہیں ہے۔ نوکھی بھی اس حد تک حقیقت واقف تھی۔ یہی وجہ تھی کہ کاٹھو کی موت کے یقین کے باوجود دروازے پر بھٹکتی آہٹوں سے اس کا دل زور زور سے دھڑک لگتا، دروازے پر بار بار اسے انہی دھڑکوں کا گمان ہوتا تھا۔ کچھ دن اور بیت گئے مگر کوئی نہیں آیا۔ نوکھی کو کسی قدر قرار آنے لگا لیکن اس نے دوسری طرف غور ہی نہیں کیا تھا۔ دیکھتے دیکھتے ماں کی پس انداز بوجی وقت بڑھ ہو گئی کچھ عرصے تک زیوروں نے ساتھ دیا لیکن جب وقت ہی ساتھ نہ دے ! نوکھی کو اپنی فکر نہیں تھی، بگھون اور دیوا کے لیے ایک ڈراسی دھوپ بھی اسے گوارا نہ تھی۔ انھیں چھاؤں دینے کے لیے نوکھی کو گھر سے نکھڑا پڑا۔ نہ معلوم آگے اسے اور کہاں تک جانا پڑتا کہ اس آٹھویں بارسی آگیا۔ زندگی بھر کا ساتھ بھی بسا اوقات فاصلے کم نہیں کرتا اور بعض لوگ بہت دور ہوتے ہوئے، بہت وقت گزرنے کے بعد بھی ہر دم ساتھ رہتے ہیں۔ آدمی سے آدمی کے فاصلے کی پائش کچھ اور ہوتی ہے۔ اس کا تعلق وقت سے ہے نہ منزلوں سے۔ کاٹھو کم سے کم جب تک گھر میں ہوتا، ان کے ساتھ رہتا تھا مگر وہ اس کے ساتھ نہیں رہتے تھے۔ اپنی گروہوں کے لیے ایک جگہ کی گروہی کم ہے۔ بیٹی آنے کے چند دنوں

میں کی آزمودہ کار ماں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس نے اپنی قدر ملازمہ سلوک کیا۔ ملازمہ نے باہر جا کر اپنے انداز پر داری نہیں کی تھی کہ اس کے گھر ایک غنچہ مرستہ شخص آیا تھا اور اس نے سب کو بے بس بھتا، اس نے نوکھی سے اس کی تمام پھین لی۔ یہ کاٹھو تھا جس نے ملازمہ پر دوس میں اپنی ستم رانی کی داستان عام کرانی۔ ملازمہ نے کو بیٹی کی طرح بالائی تھا۔ اس نے تک کا حق ادا کرنے کی ہر طرح کی ش کی ہوگی مگر سب کو جزئیات کے ساتھ سارا کچھ معلوم تھا۔ ملازمہ لکھاتی کہ پڑھوں کی زبانی یہ تفصیل جان کے اسے خود حیرت ہوتی، لوگ اس سے تصدیق چاہتے تھے۔ اس کے بقول، اس نے انکار کر دیا تھا لیکن مبالغے کی تردید نہ کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ اس وقت نوکھی کی ماں کے پوش و جو اس یک جا نہیں تھے اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ملازمہ کے سوا گھر میں اور کون بدعتا؟ بہنیں میں نوکھی کے نیش کاٹھو کی دانشمندی دیکھ کے ماں نقل میں آیا کہ اس رات کوئی فوج پولیس کاٹھو کے پیچھے نہیں تھی، ب دکھاوا تھا۔ وہ پورے ارادے سے اس کے گھر میں داخل ہوا اکیوں کہ، یقیناً اس نے پہلے کہیں نوکھی کی جھلک دیکھ لی تھی۔ لکھتا ہے، وہ دوبارہ کبھی اس گھر کا رخ نہ کرنا لیکن اس رات نے نوکھی کو بہت قریب سے دیکھا تھا، پھر نوکھی سے دور ہونا اس کے لیے ممکن نہ رہا اور نوکھی کے حصول کے لیے ایک ہی دردناک ارتقا اسے درد کے داغ میں آیا کہ وہ ہر طرف کانٹے پچھا دے۔ غور اور پیش کی جدائی سے شکستہ حال عورت، نوکھی کی ماں، جو کسی دل کی طرح تیز ہواؤں کا سامنا کرتی رہی تھی، چند دنوں میں حوصلہ از بھی حینا دیک اور سوانا گھر کے پھر آیا تھا۔ نوکھی کی ماں کے پاس انکار کے لیے تنگے کا بھی سہارا نہ تھا۔ وہ فظ و دوران کو تار و گدڑ کوئی ایسا نہ تھا جو چند لفظوں کے گداز کی فیاضی کرنا کاٹھو نے جیسے سوا کوندا تھا کہ آیا تھا۔ نوکھی کی ماں خزاں ختم ہونے کے آسرے لہروں میں جاتی، کچھ عرصے میں ہمکن سے یہ بلالی بے ہراسانی ندرتی مگر نوکھی کی ماں کب تک وضاحتیں کرتی رہتی اپنی بیٹی کے لیے وہ کس کس کے آگے درگزر کی کی بھیک مانگتی۔

نوکھی کبھی بھی کمر نہ دم تک اس کی ماں کی زبان پر ملازمہ کا ذکر تھا۔ اسے یہ غش تھی کہ غازی پور جا کے وہ اپنی ملازمہ سے ملانی نہ مانگ سکی۔ نوکھی نے ماں کی دل شکنی کے لیے وعدہ کیا تھا کہ وہ چھری چھپے سی، کسی طرح، ایک بار غازی پور ضرور جانے کی نوکھی کو اس سے کیے ہوئے وعدے کی تکمیل کی مصلحت نہ مل سکی۔ کاٹھو ہوتا

تو شاید یہ کہی ممکن ہو جاتا مگر باری کار نگ ڈھنگ اپنے بھائی سے بالکل الگ تھا۔ نوکھی کبھی تھی، یہ وہی تھا جس کے آنے کے بعد اس کی ماں کی کرٹھ سے گئی۔ وہ زیادہ دنوں تک اپنی بیٹی کا ساتھ نہ دے سکی۔ بعض لوگ ادھل ہو جانے کے بعد زیادہ نمایاں ہو جاتے ہیں کاٹھو کے چلے جانے کے بعد ماں بیٹی کو اس کے اندر سے اٹا لے کا اندازہ ہوا۔ باری نے یہ احساس اور سوا کیا۔ کاٹھو میں جتنا غضب تھا، اتنا جھل بھی تھا۔ اسے ہر طرح کی زبان آتی تھی، نرمی کی، سختی کی یہی نہیں کہ کاٹھو نے اپنے ایک دو مقرب ترین ساتھیوں کے سوا کسی سے نہیں بیٹھی۔ نوکھی اور اپنے اس گھر کا تذکرہ نہیں کیا تھا بلکہ نوکھی کا لکنا تھا، اسے یقین ہے، اسے ایک نئے گھر میں بسانے کے بعد بھی میں کاٹھو کا کوئی دوسرا گھر نہیں تھا۔ ہومی تو اس نے کبھی نوکھی سے اس بابت کوئی اشارہ نہیں کیا۔ باری کے آنے پر نوکھی کو بہت کچھ یاد آتا تھا۔ لگتا تھا، باری بھی کبھی بھرتالے آیا ہے، لگتا تھا جیسے وہ اپنے بڑے بھائی کا کوئی قرض وصول کر رہا ہو مگر ایسا نہیں تھا۔ باری کاٹھو سے ایسا کوئی علاقہ نہیں تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو کبھی اپنے آپ کو بھول جاتے ہوں، جو کبھی اپنے سوا، دوسروں کے بارے میں بھی غور نہ کرتے ہوں، اپنے بھائی ہی کے لیے سہی۔

نوکھی ماننے لگی۔ بگھون اور دیوا اس کے دایں بائیں بیٹھے وحشت زدہ آنکھوں سے سب کچھ ٹٹا کیے۔ نوکھی اور بھی کچھ کسنا چاہتی تھی لیکن مسلسل بولتے رہتے تھے اس کے سینے میں دم نہیں رہا، اس کا سارا بدن کانپ رہا تھا۔ نوکھی نے بے شک بگھون اور دیوا کو باہر نہیں جانے دیا تھا، خود انھیں بھی اپنے دل و دماغ کے ستارے میں سی ویدھیم کے پاس جانے کا ہوش نہیں رہا۔ نوکھی کی حالت اس قابل نہیں تھی کہ ذرا بھی دیر کی جائے۔ وہ اندر کرے سے بھول دتی کو بلائے کے لیے آواز دینا چاہتے تھے مگر بھولتی تو ان کے قریب ہی موجود تھی۔ جانے وہ کب سے سامنے کوٹنے میں کھڑی سب کچھ نہ رہی تھی۔ اسے دیکھ کے دونوں یک نیت اٹھ گئے۔ وہ دروازے تک نہیں پہنچے تھے کہ نوکھی کی کرب ناک ملاؤں نے ان کے قدم لکھڑا دیے۔ نہیں نہیں، میری بات سنو، اب کوئی فائدہ نہیں۔ وہ لڑتی دوڑتی آواز میں بولی کہ کیوں وقت ضائع کرتے ہو، بھول وئی کو لے کے فوراً یہاں سے نکل جاؤ، جب تک تم نہیں جاؤ گے، میں تڑپتی رہوں گی۔ نوکھی نے ان سے کہا کہ وہ اسے پُر سکون موت دینا کیوں نہیں چاہتے۔

جگنو اور دیوا بچوں کی طرح سکنے لگے، عاجزی سے بولے کہ وہ ایسی باتیں کیوں کر رہی ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ اُسے نہیں مرنے دیں گے اور یوں چھوڑ کے نہیں جائیں گے۔ جگنو کہہ رہا تھا کہ نوکھی اُن کے آگے ہاتھ جوڑ کے بولی کلاب اُسے کوئی دوا نہیں چاہیے۔ دوا کا وقت گزر چکا ہے۔ اُس نے اُن سے کہا کہ وہ سمجھتی کیوں نہیں، اُس کے لیے اس سے بڑا دکھ کیا ہوگا کہ آخری وقت میں اس کے حلقہ گوشے سرھانے نہ ہوں مگر وہ کچھ جان کے ہی اُن سے یہ بڑی کر رہی ہے، جنتی نہیں تو اسے اُس کا حکم سمجھا جائے۔ کسے لگی کہ وہ پھول وٹی کو دوسری نوکھی بنانا نہیں چاہتی۔ وہ بھی یہ نہیں چاہیں گے کہ نوکھی کی کمائی کسی طور دہرائی جائے نوکھی مسلسل اُن سے التجا کرتی رہی۔ جگنو اور دیوا نے اسے سمجھنا چاہا کہ ایسا اندھیر نہیں ہے۔ وہ وقت اور تھا اور یہ غازی پور نہیں، بہتی ہے۔ وہ آخر دم تک پھول وٹی کی حفاظت کریں گے۔ وہ اُسے جانے کیا کیا تسلیاں دلا دیتے رہے مگر اُن کی آواز خود اُنھیں مطمئن نہ کرتی تھی، نوکھی پر کیا اثر ہوتا۔ نوکھی کے چہرے پر اور وحشت اُتر آئی، وہ بے گلی سے بولی کہ وہ کچھ سنا نہیں چاہتی، کوئی تاویل، کوئی دلیل۔ سب سے بڑی دلیل بنارس ہے جگنو اور دیوا بنارس کو اُس سے زیادہ نہیں جانتے۔ بنارس، کاٹھنیں ہے اُس سے کچھ بھی بعید نہیں۔ بنارس کا پنے سوا کسی سے کوئی رشتہ نانا نہیں ہے۔ بہتر ہے کسی پس دیش کے بیٹے جگنو اور دیوا نوکھی کی خواہش کی تکمیل کریں، یہی سمجھ کے یہ اس کی آخری خواہش ہے یا وہ نوکھی کا کوئی حق تو ادا کر رہے ہیں، اس پر کوئی احسان کر رہے ہیں۔

جگنو اور دیوا اس طرح کیے جاسکتے تھے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ بنارس نے پھول وٹی کے لیے کوئی ایسی ویسی بات ضرور کی ہوگی جو نوکھی اس قدر بے چین ہے۔ اُن کی سمجھ میں اور بھی بہت کچھ آ رہا تھا جو نوکھی کہہ نہیں پا رہی تھی، مگر نوکھی سے انھیں پھیر کے گھر سے نکل جانے کی استطاعت ان میں نہیں تھی۔ پھول وٹی بھی سب سُن رہی تھی۔ دونوں بھائیوں نے مضطربانہ اس کی طرف دیکھا۔ اُن کی ہمت نہیں بڑھتی تھی کہ پھول وٹی سے اُس کی رائے پوچھیں مگر کچھ پوچھنے کی ضرورت کیا تھی۔ پھول وٹی کوئی اُن سے الگ تو نہیں تھی۔ وہ ماں کے سینے سے لپٹی چمکیوں سے رو رہی تھی۔ نوکھی اپنے ناتواں بازوؤں میں کبھی اُسے سمیٹ لیتی، کبھی پر سے دھکیلنے کی کوشش کرتی۔ وہ ہڈیاں پکنے لگی تھی کہ پھول وٹی اُسے چھوڑ دے، سب اُسے چھوڑ کے چلے جائیں۔ وہ آرام سے مہر جائے گی۔ اب دیر بھی کتنی رہ گئی

ہے۔ چند سالوں کا پھیر ہے۔ کتنے غمی، سب اُسے مرا ہوا دیکھنے ہی پر کیوں ٹھہریں۔ بعد میں جانے کیا ہو جائے، کیا نہ ہو جائے، نوکھی پر غمخاں طاری تھا۔ آخر وہ بے حال ہو گئی پھر دیوا کسی کو بتائے بغیر باہر نکل گیا۔ بھاگتا بھاگتا وہ قریب کے ایک مقربہ کے پاس پہنچا۔ دید پہلے اُن کے گھر آچکا تھا۔ وہ نوکھی کو دیکھ کے بڑبڑانے لگا کہ اسے یہ کیا ہو گیا ہے، ابھی کچھ عرصے پہلے تو خاصی بہتر تھی۔ دید طرح طرح کے سوال کرنے لگا کہ یہ کس کے زیرِ علاج ہے، کیا کھاتی پیتی رہا ہے۔ دیر تک وہ نوکھی کی بھینٹ ٹوٹا رہا۔ اس نے چند دواؤں تجویز کیں اور اپنے چوبی کیسے سے کچھ مشروبات نکال کے پر شکل نوکھی کو پلائے۔ وہ ایک شہ مزاج شخص تھا۔ اُس نے کچھ خیال نہیں کیا کہ اُن تینوں پر کیا گزر جائے گی، کسے لگا کہ دوا اپنی جگہ مرگاب دُعا کی زیادہ ضرورت ہے۔ صبح تک دیکھ لیں در نہ اب یہی چارہ رہ گیا ہے کہ سرکاری اسپتال میں داخل کرادیں۔ ممکن ہے، ولایتی علاج میں نوکھی کے لیے شفا بھی ہو جاتے ہاتے دید دروازے سے پلٹ آیا اور انھیں ہدایت کی کہ کم پٹش کی دل چوبی بھی دوا کا کام کرتی ہے۔ وہ نوکھی کو زیادہ سے زیادہ خوش رکھنے، سکھانے پھیلانے کی کوشش کریں۔ اُس کے سامنے اونچی آواز میں بات بھی نہ کریں۔ دیوا، دید کے ساتھ جا کے مزید دواؤں لے آیا۔ دونوں وہیں، نوکھی کی چارپائی کے گرد بیٹھے رہے۔ پھول وٹی ماں کی پاشنٹی پر سر رکھے سسکیاں بھرتی رہی۔ نوکھی کی جب بھی آنکھ کھلتی، اُس کا نجف و نزار، سراپا پھیر کھٹکتا، اُس کی ویران آنکھیں بے قراری سے انھیں دیکھتیں اور رزیدہ ہونٹوں پر کوئی شکوہ سا اٹھ آتا اور وہ بے مدد ہو جاتی۔

اسے دلچسپ ترین ذراستاز کے
بقیہ واقعات پانچویں حصے
میں ملاحظہ فرمائیں

